—— اور ڈان بہتا رہا

مائیخل شولوخوف

اور ڈان بہتا رہا

ترجمہ: مخمور جالندھری

مکتبۂ پاکستان

۱ ۔ انارکلی ○ لاہور

بار دوم

طابع : اشرف پریس ، لاہور

ناشر : حفیظ احمد چودھری

ہماری کھیتیوں کی یہ زرافشانی، یہ شادابی ـــــــ نہیں یونہی
جوان اور تند گھوڑوں کے سموں سے بل چلے ـــــــ ان پہ
یہاں بوئی گئیں پیہم
وطن پہ مرنے والوں کے مقدس خون کی بوندیں

یہ لہریں، اپنے پیارے ڈان کی یہ جھومتی لہریں ـــــــ نہیں یونہی
جوان بیواؤں کی دلدوز آہیں گھل چکیں ـــــــ ان میں
لبِ دریا یہ گل بوٹے
یہ مخمل، رنگ و ریشم کی، یتیموں کی امنگیں تھیں
ہمارے ڈان کی ان جگمگاتی، نرم لہروں میں
کبھی ماضی کے خونیں آنسوؤں کی جھلملاہٹ ہے
وہ آنسو، قیمتی آنسو
جو غمگیں ماؤں کی ناشاد آنکھوں نے بہائے تھے
جو بوڑھے، غمزدہ باپوں کی پلکوں پہ در آئے تھے

مقدس ڈان! ـــــــ تو بہتے ہوئے کیوں تلملاتا ہے؟
مری رفتار میں یہ تلملاہٹ کیوں نہ ہو ہمدم!
کہ میری روح میں پوشیدہ ہیں وہ سرد تر چشمے
جہاں قربانیوں کی سیمیائی مچھلیاں .... پیہم
عمل کی بجلیاں بن کر پیاپے رقص کرتی ہیں

ایک پرانا کاسک گیت

ناول کے اہم کردار

میلیخوف پراکوفی	ایک کاسک	بارو فسخوف فیادت	ایک کاسک
پینٹیلیمون	پراکوفی کا بیٹا	کوشووائی میشا	ایک کاسک
ایلنچنا	پینٹیلیمون کی بیوی	کوشووائی ماشوتکا	میشا کی بہن
پی آٹرا	پینٹیلیمون اور ایلنچنا کا بیٹا	الکسیئی مارٹن اور پروکھر	تین کاسک بھائی
گریگیر (یا گریشکا)	" " " "	تومِلن کروسٹونیا یا کرسٹن	ایک کاسک
ڈونیا	پینٹیلیمون اور ایلنچنا کی بیٹی	ٹومِلن آئی وان	ایک کاسک
ڈیریا	پی آٹرا کی بیوی	آئی وان ایلکزیفچ	ماخوف کی مل کا انجینئیر جس کی کوئی زمین نہیں مگر کاسک
کرشونوف گریشاکا	ایک کاسک	ڈیویڈ	ماخوف کی مل کا مزدور
میرن	گریشاکا کا بیٹا	فلکا	ایک موچی
میریا لیوکینچنا	میرن کی بیوی	آسپ ریڈیوڈاوچ	ایک بالشویکی اور لوہار
مٹکا مرازوچ	میرن اور میریا کا بیٹا	ویلیٹ	ماخوف کی مل کا ڈنڈی دار
نٹالیا	میرن اور میریا کی بیٹی جو بعد میں گریگر کی بیوی بنتی ہے	ماخوف سرجی پلیٹونوچ	تاجر اور کارخانہ دار
		الیزابیٹا	ماخوف کی بیٹی
		ولاڈیمیر	ماخوف کا بیٹا
استاخوف سٹیپن	ایک کاسک	لسنسکی نکولائی الیکزیوچ	زمیندار اور ایک پنشن یافتہ جرنیل
اکسینیا	سٹیپن کی بیوی	لسنسکی ایوجین نکولائی ایوچ	نکولائی لسنسکی کا بیٹا

بنچک ایلیا	ایک والنٹیر فوجی بالشویکی اور بندوقچی	لیگوٹن آئی وان	ایک کاسک۔ ڈان کی انقلابی جماعت کا رُکن
کران زا	پوکرین کا ایک جبراً بھرتی کیا ہوا فوجی	پوڈٹلکف فیاڈر	ڈان کی انقلابی جماعت کا صدر
		پوگڈکراتا	یہودی طالب علم اور ایک بالشویکی۔
گراشف ومیلین	ایک کاسک		
آئی وان کف ماتیخل	ایک کاسک	بوگرفائی۔ گیورگیانز،	بنچک کی
کراچکف کا زما	ایک کاسک	خفلچکر اکرو ڈگراف،	مشین گن کی
زادرکف میگیر	ایک کاسک	ماتیخل نسے، ری بانڈا،	انقلابی جماعت
زی کف پروکھر،	ایک کاسک	سیٹیپرناف	کے ارکان
ششٹگل کف	ایک کاسک	ابرام سن	ایک بالشویکی ناظم
یوریپن الیکزی	جس کا بگڑا ہوا نام تفٹی ہے ایک کاسک	گرورباف	ڈان کی انقلابی فوجوں کا کمانڈر۔
اینی کشکا	ایک کاسک	الیگز ییف	زار دوست جرنیل
پوگازلیف	ایک کاسک	کارنیلف	زار دوست جرنیل
سیلیٹن افدریچ	جس کا بگڑا ہوا نام پرگیہ ہے ایک کاسک	آنارشی چیکیف	کاسک پلٹن کا ایک لفٹنٹ
		ازورین	کاسک پلٹن کا ایک کپتان
گرائی ژنف میکسم	ایک کاسک	کالیکف	کاسک پلٹن کا ایک کپتان
کورلیف فداغر	ایک کاسک	مرکولاف	کاسک پلٹن کا ایک لفٹنٹ
کرنی وانشیکف ماتخل	ڈان کی انقلابی جماعت کا سیکرٹری	پچرباف	کاسک پلٹن کا ایک لفٹنٹ

———

پہلا حصّہ

امن

ایک

۱

تاتارسک گاؤں کے عین نکڑ پر میلیخوف کا کھیت تھا۔ مویشی خانے کا دروازہ شمال میں ڈان کی طرف کھلتا تھا۔ سبزے سے ڈھکے ہوئے سفید کناروں کے درمیان ڈان بہہ رہا تھا۔ ہوا کی لہروں کے نیچے ڈان کی نیلگوں سطح جھلمل جھلمل کرتی ہوئی متانت کا روپ بھرے ہوئے تھی۔ مشرق میں بانس کی کھپچیوں سے بنائی ہوئی باڑ کے پرے شارعِ عام تھی۔ ایک جھاڑی تھی۔ گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندی ہوئی خشک گھاس تھی۔ سڑک کے دوراہے پر ایک مقبرہ تھا۔ اس کے آگے سرابی لق و دق میدان، جنوب میں کھریا کی پہاڑیوں کا سلسلہ تھا۔ مغرب میں ایک گلی تھی جو چوراہے کو پار کرتی ہوئی مرغزاروں کی طرف چلی جاتی تھی۔

کاسک پراکوفی میلیخوف پچھلی جنگ کے دوران میں ایک ترک عورت کے ساتھ اپنے گاؤں واپس آیا تھا۔ یہ اس کی بیوی تھی۔ ایک ننھی سی عورت جو سر سے پاؤں تک شال میں لپٹی ہوئی تھی وہ چہرہ چھپائے رکھتی اور پُرشوق آنکھیں بے حجاب نہ ہونے دیتی تھی۔ اس کی ریشمی، عجیب خوشبوؤں سے مہکتی ہوئی قوسِ قزح جیسی رنگا رنگ کی شال کسان عورتوں کے دلوں میں حسد پیدا کرتی تھی۔ جنگ میں ہاتھ آئی ہوئی ترک عورت پراکوفی کے رشتہ داروں سے نباہ نہ کر سکی۔ بوڑھے میلیخوف نے بیٹے کا حصّہ اسے دے کر علیحدہ کر دیا۔ علیحدگی کی یہ توہین وہ کبھی نہ بھولا۔ اسی لیے اس نے مرتے دم تک بیٹے کے گھر میں قدم نہ رکھا۔

پراکوفی نقلِ مکان کی تیاریوں میں جلد مصروف ہو گیا۔ بڑھئی نے اس کی جھونپڑی تعمیر

کی۔ مویشی خلانے میں اُس نے حاجت مندی بھی کر لی۔ آغازِ خزاں ہی میں وہ سرنگوں مگر بدلبسی بیوی کو لے کر نئے گھر میں منتقل ہو گیا۔ دنیوی ساز و سامان سے لدے ہوئے چھکڑے کے پیچھے وہ بیوی کے ہمراہ چل کر گاؤں میں سے گزرا۔ گاؤں کے سب چھوٹے بڑے نہایت شوق سے گلی کی طرف لپکے۔ کاسک کسان گھنی ڈاڑھیاں ہلاتے ہوئے ہنستے رہے۔ عورتیں بلند آواز میں اظہارِ خیال کرتی رہیں۔ کاسکوں کے بچوں کا گروہ پراکوفی پر آوازے کستا رہا۔ مگر وہ بڑے کوٹ کے بٹن کھولے، بیوی کی نرم و نازک کلائی پکڑے اس طرح اطمینان سے چلا جا رہا تھا۔ جیسے وہ تازہ ہل چلائی ہوئی زمین پر ٹہل رہا ہو۔ اُس کا سر بلند تھا مگر گالوں کی ہڈیوں کے نیچے گوشت پھڑپھڑا رہا تھا۔ گھنے ابروؤں میں پسینے کے قطرے جھلملا رہے تھے۔

اُس دن کے بعد اُس نے گاؤں میں آنا جانا بالکل بند کر دیا۔ وہ کبھی گاؤں کی منڈی میں بھی نظر نہ آتا تھا۔ وہ تنہائی کی زندگی بسر کرنے لگا۔ ڈان کے قریب اپنی جھونپڑی یعنی گوشۂ عافیت میں قیام پذیر ہو گیا۔ گاؤں میں اُس کے متعلق عجیب و غریب کہانیاں مشہور ہو گئیں۔ اُن لڑکوں نے، جو سڑک سے دور ڈھور ڈنگر چرایا کرتے تھے بیان کیا کہ ایک دن شام کو جھٹپٹے کے قریب اُنھوں نے دیکھا، پراکوفی اپنی بیوی کو بغل میں لیے تاتار ٹیلے کی طرف جا رہا تھا۔ اُس نے بیوی کو چٹان کے درمیان بٹھا دیا۔ وہ خود اس کے قریب بیٹھ کر دیر تک میدان کی طرف تکتا رہا تھا۔ وہ اکٹھے بیٹھے یونہی محوِ نظارہ تھے حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا اور پراکوفی بیوی کو کوٹ میں لپیٹ کر گھر واپس لے آیا۔ سارا گاؤں حیرت زدہ تھا۔ لوگ اس پُراسرار برتاؤ کے مطالب ڈھونڈ رہے تھے۔ عورتوں کی زبانوں پر اُٹھتے بیٹھتے یہی تذکرہ تھا۔ پراکوفی کی بیوی کے متعلق بھی افواہیں گرم تھیں۔ کوئی کہتا تھا کہ وہ بےحد حسین ہے اور کوئی اُسے بدصورت بتاتا تھا لیکن اس جھگڑے کا جلد تصفیہ ہو گیا۔ جب ایک نڈر عورت مورا، جو ایک فوجی کی بیوی تھی، دوڑی دوڑی پراکوفی کے گھر خمیر لینے کے بہانے

سے جا پہنچی۔ پرا کوفی خمیر لینے کے لیے اندر گیا تو مورا نے دیکھا کہ پرا کوفی کی ترک بیوی نہایت بھونڈی شکل کی تھی۔

چند لمحوں کے بعد پاس کی گلی میں مورا تمتماتے ہوئے چہرے سے باتوں کے ساتھ عورتوں کے ہجوم کی تواضع یوں کر رہی تھی:

"خدا جانے اُس نے اس میں کیا دیکھا ہو گا۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں، کالی اور چمکیلی۔ وہ شیطان کی طرح گھورتی ہے۔ خدا مجھے معاف کرے، اُس کا پاؤں بھاری ہے۔"

"پورے دنوں کے پیٹ سے ہے کیا؟" ایک عورت بولی۔

"میں بچی نہیں، میں نے تین بچے جنے ہیں۔" مورا نے جواب دیا۔

"اُس کی صورت کیسی ہے؟"

"اُس کا چہرہ — زرد ہے — اُداس آنکھیں۔ ایک اجنبی ملک میں ایک عورت کا رہنا آسان نہیں — اور تو اور سنو، اُس نے پرا کوفی کی پتلون پہن رکھی تھی۔"

"نہیں — نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔" عورتوں نے تعجب کا اظہار کیا۔

"میں نے آنکھوں سے دیکھا ہے اُس نے پرا کوفی کی پتلون پہن رکھی تھی — شاید وہ دن کے وقت یہی لباس پہنتی ہے۔ لمبا کرتا اور اُس کے نیچے پتلون — !! پتلون کے پائنچے اُس نے جرابوں میں ٹھونس رکھے تھے۔ جب میں نے اُسے اس لباس میں دیکھا تو میری رگوں میں خون منجمد ہو گیا۔"

یہ سرگوشیاں سارے گاؤں میں آگ کی طرح پھیل گئیں۔ گاؤں بھر میں پرا کوفی کی بیوی ایک جادوگرنی مشہور ہو گئی۔ پرا کوفی کے پڑوسی اسنا خوف کی بہو نے حلفیہ بیان کیا کہ اُس نے تقریب تثلیث کے دوسرے دن سحر سے پہلے پرا کوفی کی بیوی کو بال کھولے اور ننگے پاؤں اسنا خوف کی گائے کا دودھ دوہتے ہوئے دیکھا تھا۔ اُس دن سے گائے کے تھن ننھے بچے کی مٹھی کی مانند سوکھ گئے۔ اُس نے دودھ دینا چھوڑ دیا اور جلد ہی مرگئی۔

اُس سال ڈھور ڈنگروں میں غیر معمولی مری پھیلی ہوئی تھی۔ ڈان کے پایاب پانی میں ڈھور ڈنگر لتھڑے رہتے اور ان کے پنجر وہاں سڑتے رہتے۔ گائے بھینسوں کے بعد گھوڑوں کی باری آئی۔ گاؤں کی گلیوں میں بُری افواہیں پھیل گئیں۔

کاسکوں نے ایک مجلس منعقد کی۔ اُنھوں نے پراکوفی کے گھر کو گھیر لیا۔ وہ اپنی جھونپڑی کی سیڑھیوں پر نمودار ہو کر آداب بجا لایا۔

"بزرگو! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ آپ نے یہاں آنے کی زحمت کس لیے گوارا فرمائی ہے؟" اُس نے پوچھا۔

"اپنی جادوگرنی کو باہر لے آؤ۔ ہم اُس کا فیصلہ کرنا چاہتے ہیں......"

پراکوفی مڑا اور جھونپڑی میں داخل ہو گیا لیکن اُنھوں نے اُسے صحن میں جا لیا۔ ایک مضبوط جسم کا کاسک لُشنیا آگے بڑھا اُس نے پراکوفی کا سر پکڑ کر جھنجوڑا اور اُسے دیوار سے لگاتے ہوئے بولا "خبردار جو آواز نکالی۔ تم تو نیک انسان ہو۔ ہم تمھیں کچھ نہیں کہیں گے۔ لیکن تمھاری بیوی کے پرخچے اُڑا دیں گے۔ اُسے مار ڈالنا اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ سارے گاؤں کے مویشی مر جائیں۔ اگر تم نے کوئی آواز نکالی تو تمھارا سر توڑ دوں گا۔"

سیڑھیوں میں سے آواز آئی "چڑیل کو احاطے میں گھسیٹ لاؤ" پراکوفی کا ایک فوجی ساتھی ایک ہاتھ سے ترک عورت کے بال مروڑتا اور دُوسرے ہاتھ سے اُس کا مُنہ دباتے ہوئے دوڑتا ہُوا اُسے احاطے میں لے آیا۔ اُس نے دھم سے اُسے ہجوم کے قدموں میں ٹپک دیا۔ مجمع کے شور میں ایک تیز چیخ بلند ہوئی۔ دیوار پر سے پراکوفی نے تلوار کھینچتے ہوئے چھ کاسکوں کو بھگا دیا۔ وُہ ایک دُوسرے پر گرتے پڑتے احاطے میں منتشر ہو گئے۔ سرسراتی اور جھلملاتی ہوئی تلوار گھماتے ہوئے پراکوفی دوڑتا ہُوا سیڑھیوں سے نیچے اُتر آیا۔ ہجوم کانپ اُٹھا۔ لُشنیا چونکہ بھاری جسم کا تھا اس لیے

بھاگ نہ سکا۔ پراکوفی نے اُسے جالیا۔ بھاری بھرکم کاسک کا جسم اُس نے شانے سے کمر تک چیر کر رکھ دیا۔ ہجوم باڑے کے بانس توڑتا ہوا منتشر ہو گیا۔

آدھ گھنٹے کے بعد ہجوم دوبارہ جرأت سے کام لے کر پراکوفی کی جھونپڑی کے سامنے جمع ہو گیا۔ اس ہجوم میں سے دو آدمی آگے بڑھے۔ باورچی خانے کی دہلیز کے قریب خون کی ندی میں پراکوفی کی بیوی بُری طرح لت پت پڑی تھی۔ پراکوفی کانپتے ہوئے سر اور بھیگی ہوئی آنکھوں سے ہوّاں ہوّاں کرتے ہوئے لال اطلس میں نوزائیدہ بچّے کو بھیڑ کی کھال میں لپیٹ رہا تھا۔

۲

پراکوفی کی بیوی اسی شام کو راہی عدم ہوئی۔ پراکوفی کی بوڑھی ماں نے اُس پر رحم کھاتے ہوئے بچّے کو اپنی نگرانی میں لے لیا۔ اس کی تربیت کی ذمّہ داری سنبھال لی۔ اُس کے جسم پر تیل کی مالش کی گئی۔ اُسے گھوڑی کا دودھ پلایا گیا۔ ایک مہینے کے بعد یقین دلایا گیا کہ یہ سانولا ترکی بچّہ زندہ رہے گا۔ وہ اسے کلیسا میں لے گئے اور عیسائی بنا کر اُس کا نام پنٹیلیمون رکھا گیا۔ اُس کے دادا کا نام بھی یہی تھا۔ پراکوفی بارہ سال کی سزائے قید کاٹ کر واپس آ گیا۔ اُس کی ترشی ہوئی داڑھی سفید ہو چکی تھی اور روسی لباس میں وہ کاسک نہ دکھائی دیتا تھا۔ وہ بیٹے کے ہمراہ اپنے کھیت میں واپس آ گیا۔

پنٹیلیمون بڑا ہو کر سیاہ فام اور نافرمان بردار ثابت ہوا۔ شکل و صورت اور جسمانی اعتبار سے وہ ماں کی طرح تھا۔ پراکوفی نے اُس کی شادی ایک کاسک پڑوسی کی بیٹی سے کر دی۔ اس دن سے ترکی خون کاسکوں کی رگوں میں سرایت کرنے لگا۔ یہی وجہ تھی کہ میلیخوف کا نکیلی ناک کا خوبصورت وحشی کنبہ گاؤں میں ترکی کنبہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔

پنٹیلیمون کا باپ مر گیا تو اُس نے کھیت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اُس نے جھونپڑی از سرِ نو درست کی۔ کھیت میں ایک ایکڑ زمین اور شامل کر لی۔ ٹین کی

چھت کا گندم خانہ تعمیر کیا۔ اس طرح میلیخوف کے کھیت ایک فرحت بخش نظارہ پیش کرنے لگے۔

سال گزرتے رہے اور پنٹیلیمون کا جسم اور بھی مضبوط و توانا ہوتا گیا۔ اُس کا سینہ چوڑا لیکن کمر میں جھکاؤ پیدا ہو گیا۔ پھر بھی وہ ایک گٹھیلے مضبوط جسم کا بوڑھا دکھائی دیتا۔ جوانی ہی میں وہ سوکھا ہوا، دبلا پتلا اور لنگڑا تھا کیونکہ زار روس کے قزاقیوں کی مزاحمت میں اُس کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ وہ بائیں کان میں چاندی کا چھلا پہنے رہتا۔ اُس کے سر کے اور ڈاڑھی کے بال گھنے تھے۔ جب وہ خشم آلود ہوتا تو آپے سے باہر ہو جاتا۔ اُس کی بیوی الینچا بھی تو جلد بوڑھی ہو گئی تھی۔ اُس کا چہرہ کسی زمانے میں نہایت حسین تھا، لیکن اب تو وہ مکڑی کا جالا تھا۔

اُس کا بڑا بیٹا پیوتر بالکل ماں کے مشابہ تھا۔ پتلی اور باریک ناک، گھونگریالے بال، گندمی رنگ اور شربتی آنکھیں۔ مگر چھوٹا بیٹا گریگر بالکل باپ پر تھا۔ پیوتر سے ایک بالشت لمبا عمر میں اس سے چھ سال چھوٹا۔ باپ کی طرح ٹیڑھی ناک، بھورا رنگ۔ باپ کی طرح اُس کی کمر میں بھی ذرا سا خم تھا۔ اطوار و خصائل میں وحشی پن تھا۔ دُنیا باپ کی چہیتی بیٹی تھی۔ بڑی بڑی موٹی آنکھوں والی دوشیزہ پیوتر کی بیوی بھی تھی۔ ان کا ایک لڑکا بھی تھا۔ میلیخوف کا کنبہ انہیں افراد پر مشتمل تھا۔

دو

۱

صبح صادق کا وقت تھا۔ دھندلے آسمان میں سے اِدھر اُدھر ستارے ابھی تک جھانک رہے تھے۔ ہوا کی رفتار تیز تھی۔ ڈان کی سطح پہ دھند چھائی ہوئی تھی۔ بلند ہوتی ہوئی دھند کچھ اس طرح پھیلی ہوئی تھی جیسے کوئی بے سر کا اژدہا کھڑا ہو۔ دریا کا بایاں کنارا، ریت اور پتھروں کا ڈھیر شبنم میں بھیگا ہوا ٹھنڈی رو سے کپکپا رہا تھا۔ افق کے پیچھے سے ابھی سورج نہ نکلا تھا، سپیدہ ابھر رہا تھا۔

میلیخوف کی جھونپڑی میں پنتیلیمون سب سے پہلے جاگا۔ آڑے ترچھے قمیص کے بٹن لگاتا ہوا وہ سیڑھیوں سے اترنے لگا۔ گھاس سے لبریز احاطہ شبنم کی وجہ سے جھلملا رہا تھا۔ اس پر چاندی کی تہ بچھی ہوئی تھی۔ اس نے مویشیوں کو گلی میں ہانک دیا۔ ڈاریا شب خوابی کے لباس میں گائیں دوہنے کے لیے اٹھی۔ اس کی ننگی پنڈلیوں پر سے شبنم کے قطرے پھسل رہے تھے۔ اس کی سفید سفید ٹانگیں فرش سبزہ پہ پیچھے دھویں کی لکیر چھوڑ رہی تھیں۔ پنتیلیمون لمحہ بھر کے لیے رک گیا۔ وہ ڈاریا کے قدموں کے دباؤ سے گھاس سے بلند ہوتا ہوا دھواں دیکھتا گیا۔ پھر باورچی خانے کی طرف مڑ گیا۔

کھلی ہوئی کھڑکی کے تختے پہ مرجھائے ہوئے پھولوں کا گلدستہ پڑا تھا۔ گریگیر اوندھے منہ بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ نیچے لٹک رہے تھے۔

”گریگیر ــــ مچھلیاں پکڑنے کے لیے چلتے ہو؟“ اس کے باپ نے آواز دی۔

”کیا ہے ــــ؟“ گریگیر دھیمی آواز سے غنودگی کے عالم میں بولا ــــــ ”اس

نے ایک ٹانگ نیچے لٹکا دی۔

"طلوعِ آفتاب تک ہم کشتی میں بیٹھ کر مچھلیاں پکڑیں گے۔" پنٹیلیمون نے تجویز پیش کی۔ ناک کی راہ گہرے سانس لیتا ہوا گریگری اُٹھ کھڑا ہوا۔ حسبِ معمول اُس نے پتلون پہن لی اور اُس کے پائنچے سفید موزوں میں ٹھونس لیے۔ وہ بوٹ پہنتے ہوئے آہستہ سے بولا۔

"کیا ماں نے گوشت اُبال لیا ہے؟"

"ہاں — تم چل کر کشتی کھولو، میں ابھی آیا۔"

بوڑھے نے ابلتی ہوئی رائی ایک تھے سے جگ میں اُنڈیلی۔ ہتھیلی میں گندم کے دانے رکھ کر گھاٹ کی طرف چل دیا۔ اُس کا بیٹا کشتی میں آرام سے بیٹھا تھا۔

"کہاں چلیں؟"

"سیاہ چٹان کی طرف — جہاں ہم نے کل مچھلیاں جمع دیکھی تھیں۔"

کشتی کنارے سے روانہ ہوئی۔ لہروں نے اُسے رواں کر دیا — گریگری ہاتھ میں چپو لیے ہوئے کچھ دیکھ رہا تھا اور کشتی نہیں کھے رہا تھا۔

"تم چپو کیوں نہیں چلاتے؟"

"دریا کے وسط میں تو پہنچ لیں۔"

موجوں کو چیرتی ہوئی کشتی بائیں کنارے کی طرف روانہ ہوئی۔ پانی کی آواز میں گاؤں سے آتی ہوئی مرغوں کی بانگیں شامل ہو رہی تھیں۔ دریا میں بلند ہوتی ہوئی چٹان صاف دکھائی دے رہی تھی۔ کنارے پر ڈوبے ہوئے درخت کی شاخیں نظر آ رہی تھیں۔ اُس کے گرد پانی چکر کاٹتا ہوا جھاگ بنا رہا تھا۔

"بنسی کی ڈور کھول دو جب تک میں کشتی کس کر باندھتا ہوں۔" پنٹیلیمون نے کہا۔ اُس نے بھاپ اُگلتے ہوئے جگ میں ہاتھ ڈال دیا۔ رائی پانی کی سطح پر بکھر گئی۔ گریگری نے گیہوں کے اُبلے ہوئے دانے کانٹے میں لگائے اور مسکرایا۔

"مچھلیاں — مچھلیاں !! یہاں چھوٹی بڑی ہر قسم کی مچھلیاں ہیں ۔" بوڑھا بولا ۔

"بنسی پانی میں ڈوب کر لہرانے لگی ۔ اس کے ایک سرے پر اُس نے پاؤں رکھ دیا ۔ اور بھیلے کو ٹٹولنے لگا ۔

"آج قسمت یاوری کرتی نظر نہیں آتی ابا — چاند ابھی تک موجود ہے ۔"

"آج تم نیل میں بھگویا ہوا کپڑا نہیں لائے — ؟"

"لایا ہوں ۔"

بوڑھے نے کپڑا اچھالا اور ہر طرف دھواں پھیلا دیا ۔ پھر وہ سورج کی طرف دیکھنے لگا ۔

"کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مچھلی کب کانٹے میں منہ مار دے" بوڑھے نے جواب دیا ۔ "جب چاند چھپتا ہے تو وہ اکثر پھنس جاتی ہیں ۔"

کشتی کے پاس دفعتہً پانی اچھلا ۔ چار فٹ سے بڑی مچھلی جس کا رنگ تانبے جیسا تھا ، دُم اچھالتی ہوئی اُبھری ۔

پنٹیلیمون نے بھیگی ہوئی ڈاڑھی پر آستین پھیرتے ہوئے کہا "ذرا ٹھہرو ۔"

درختوں کی شاخوں میں اسی قسم کی دو مچھلیاں ابھریں ۔ تیسری ، جو ذرا چھوٹی تھی ، بار بار چھلانگیں لگا رہی تھی ۔

گرگر نہایت بے صبری سے کشتی کا بھیگا ہوا سرا محسوس کر رہا تھا ۔ سورج کا نصف دھندلا چہرہ اُفق پر اُبھر چکا تھا ۔ پنٹیلیمون نے بچی کھچی راکھ بھی بکھیر دی ۔ ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے وہ بنسی کے سرے کی طرف نہایت خاموشی سے دیکھتا رہا ۔

گرگر نے سگریٹ کا ٹکڑا پھینک دیا ۔ وہ دل ہی دل میں اپنے باپ کو برا بھلا کہہ رہا تھا کہ اس نے اُس کو صبح سویرے جگا دیا ۔ خالی پیٹ سگریٹ پی کر اُس کے ہونٹوں پر پپڑیاں جم گئی تھیں ۔ وہ جھک کر ایک چلّو پانی پینے ہی لگا تھا کہ دفعتہً بنسی کا ایک سرا ہل کر رہ گیا ۔

"ڈھیل دے دے کر اسے تھکا دو۔" بوڑھے نے حکم دیا۔
گر گیر نے بنسی کو ہاتھوں میں پکڑ لیا۔ وہ جھک گیا۔ اس نے کمان کی شکل اختیار کر لی۔
"مضبوطی سے پکڑے رہو! اسے جانے مت دینا" بوڑھا پینٹیلیمون چلایا۔ اس نے فوراً کشتی کھول دی۔ گر گیر نے بنسی بلند کرنی چاہی لیکن مچھلی بڑی طاقتور تھی، بنسی چرچرائی اور ٹوٹ گئی۔ گر گیر گرتے گرتے بچا۔
"اب پانی پی لو" بوڑھے نے غصیلی آواز میں کہا اور گرتی ہوئی بنسی کو پکڑنے کی کوشش بھی کی۔
گر گیر نے مسکراتے ہوئے دوسری بنسی میں ڈور پھنسا کر اسے پانی میں پھینک دیا۔ ابھی وہ ڈوبنے بھی نہ پائی تھی کہ بنسی کا سرا جھک گیا۔
"وہ رہی" گر گیر نے نعرہ لگایا۔ اس نے بڑی مشکل سے مچھلی کو گہرائی میں جانے سے روکا۔ بنسی پانی کی سطح کو جا بجا کاٹ رہی تھی۔ پینٹیلیمون نے مضبوط ہاتھوں میں ڈور کی چرخی تھام لی۔
ایک بہت بڑی زرد اور سرخ مچھلی پانی کی سطح سے بلند ہوئی، پانی کو جھاگ میں تبدیل کرتی ہوئی گہرائیوں میں اتر گئی۔
"اسے جانے نہ دینا" بوڑھے نے کہا۔
"ہرگز نہیں۔"
"اسے کشتی کے نیچے نہ آنے دینا۔"
گر گیر نے دم لے کر مچھلی کشتی کے قریب گھسیٹ لی۔ لیکن مچھلی نے آخری کوشش کرتے ہوئے دوبارہ گہرائی میں غوطہ لگا دیا۔
"اس کا سر اوپر کھینچ لو۔ اسے ہوا میں سانس لینے دو۔ جونہی اس نے ہوا نگلی وہ بے حس و حرکت ہو جائے گی" پینٹیلیمون نے حکم دیا۔
ایک دفعہ گر گیر نے مچھلی کشتی کے قریب کھینچ لی۔ مچھلی کی ناک کشتی کے کنارے سے

ٹرائی۔ وُہ منہ کھولے ہوئے وہاں سانس لیتی رہی۔ اُس کے گلپھڑے کپکپا رہے تھے۔

"آخر فتح ہماری ہوئی" پنٹیلیمون نے مچھلی کشتی میں ڈال دی۔

وُہ آدھ گھنٹے تک اور وہاں بیٹھے رہے لیکن کوئی اَور مچھلی اُن کے پاس نہ پھٹکی۔

"ڈور سمیٹ لو۔ اب کوئی مچھلی نہیں آئے گی" آخر بوڑھا نا امید ہو کر بولا۔

گریگر کنارے سے روانہ ہوا۔ چپو چلاتے ہوئے اُس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ اسے ایسا معلوم ہوا کہ اُس کا باپ اُس سے کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن بوڑھا خاموش بیٹھا گاؤں کی جھونپڑیوں کا نظارہ کرتا رہا۔

"گریگر — میری طرف دیکھو" بوڑھے نے تھیلے کی رسی اپنے پاؤں کی طرف گھسیٹتے ہوئے کہا "میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اور اکسینیا . . . !"

گریگر کا چہرہ فوراً شرم سے تمتما اٹھا۔ اُس نے منہ موڑ لیا۔ اُس کے قمیص کا کالر گردن میں گھس گیا۔

"احتیاط سے کام لینا . . . " بوڑھے کا لہجہ درشت ہو چکا تھا "سٹیپن ہمارا پڑوسی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم اُس کی بیوی سے رنگ رلیاں مناؤ۔ تمہارا یہ برتاؤ جھگڑے کی بنا بن سکتا ہے۔ میں تمہیں پہلے ہی سے آگاہ کر رہا ہوں۔ اگر میں نے پھر کبھی تمہیں وہاں دیکھا تو چابک سے کھال ادھیڑ دوں گا" پنٹیلیمون نے رسی کے بل چڑھانے شروع کیے اور اس کے بیٹے کا رنگ فق ہو گیا۔

"یہ سب جھوٹ ہے" گریگر نے باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"خاموش رہو"

"مجھے غم نہیں اگر لوگ بکواس کرتے ہیں . . . . "

"منہ بند رکھ . . . . . . چڑیل کے بچے !!"

گریگر چپوؤں پر جھک گیا۔ کشتی کی رفتار تیز ہو گئی۔ وہ راستہ بھر خاموش رہے۔ کنارا

آ گیا تو اُس کے باپ نے بطور یاد دہانی اپنی بات دہرائی "میں نے جو کچھ کہا ہے اُس پہ دھیان دینا ورنہ آج سے میں تمہارا سارا کھیل بگاڑ دوں گا۔ تم جھونپڑی سے باہر قدم نہ رکھ سکو گے۔"

گریگری نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس نے کشتی کنارے سے لگاتے ہوئے پوچھا "کیا میں یہ مچھلی عورتوں کو دے دوں ۔۔۔؟"

"جاؤ اسے ماخوف تاجر کے ہاں بیچ دو اور اس سے اپنے لیے سگریٹ خرید لینا۔"

گریگری دانتوں سے لب کاٹتا باپ کے عقب میں چلنے لگا۔ اُس کی غضب آلود آنکھیں بوڑھے کی گردن پر جمی ہوئی تھیں جیسے اُسے نگل رہی ہوں۔

"کوشش کر دیکھو ابا! میں آج رات کو بھی وہیں جاؤں گا۔ مجھے تمہاری دھمکیوں کی پرواہ نہیں" وہ یہی جپے سوچ رہا تھا۔

۳

کھیت کے دروازے پر وہ اپنے دوست مِتکا کارشنف سے ملنے چلا گیا۔ مِتکا اپنی چاندی کی پیٹی کے سرے سے کھیل رہا تھا۔ اُس کی گول اور زرد آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں اور چمکیلی۔

"مچھلی کہاں لے جا رہے ہو؟" مِتکا بولا۔

"یہ ہم نے آج ہی پکڑی ہے اور میں اسے ماخوف کے پاس فروخت کرنے لے جا رہا ہوں۔"

مِتکا نے ایک ہی نظر میں مچھلی کے وزن کا اندازہ کر لیا۔

"پندرہ پونڈ ہو گی۔"

"پندرہ اور نصف! میں نے اسے تولا تھا۔"

"مجھے بھی لے چلو۔ میں سودا کرنے میں مدد دوں گا۔"

"آؤ ۔۔۔ آ جاؤ۔"

"مجھے کیا ملے گا؟"

"ڈر دہنیں ۔۔۔ کیا ہم کبھی ایسے معاملے میں جھگڑے ؟" گرگر ہنسا۔

گرجے میں نماز ابھی ختم ہوئی تھی۔ دیہاتی گلیوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ تین بدنام بھائی شاملی سٹرک پر کندھے سے کندھا ملائے جا رہے تھے۔ سب سے بڑا بھائی الیگزی درمیان تھا۔ اُس کے فوجی کوٹ کے تنگ گلے نے اُس کی گردن میں تناؤ پیدا کر دیا تھا۔ اُس کی نکیلی ڈاڑھی ٹھوڑی کے دونوں طرف مڑی ہوتی تھی۔ اُس کی بائیں آنکھ رہ رہ کر جھپک رہی تھی گولی اُس کے ہاتھ میں پھٹ گئی تھی۔ لوہے کا ٹکڑا اس کے گال میں گھس گیا تھا۔ اُسی دن سے اُس کی آنکھ جھپکنے لگی تھی۔ اُس کے گال سے ڈاڑھی تک زخم کا نشان بن گیا تھا۔ اُس کا بایاں ہاتھ کہنی پر سے اڑ گیا تھا۔ لیکن الیگزی ایک ہاتھ سے سگرٹ بنا لیتا تھا۔ اُسے اس فن میں بڑی مہارت تھی۔ وہ تمباکو کا بٹوا سینے سے لگا لیتا۔ کاغذ کا مناسب ٹکڑا دانت سے کاٹ لیتا۔ کاغذ مروڑتا اور اس میں تمباکو شامل کرنے کے بعد اُسے سگرٹ کی گولائی میں تبدیل کر دیتا۔

اُس کا ایک بازو نہ تھا۔ پھر بھی وہ گاؤں کے بہترین لڑاکوں میں سے تھا۔ اُس کا مکا اتنا بڑا نہ تھا لیکن جب وہ بیلوں سے ہل چلاتے ہوئے برافروختہ ہوتا اور چابک گھر بھول آتا تو مکا مار کر بیل کو زمین پر گرا دیتا اور اُس کے کان سے خون بہنے لگتا۔ وہ بیل اسی طرح پڑا رہتا۔ اُس کے دُوسرے بھائی مارٹن اور پراخر اپنے بھائی الیگزی سے ملتے جلتے تھے۔ فرق صرف اِس قدر تھا کہ اُن دونوں کے ہاتھ صحیح سلامت تھے۔

جب مٹکا اور گرگیہ اُن کے پاس آ گئے تو الیگزی نے پانچ دفعہ کے بعد دیگرے آنکھ جھپکائی۔

"کیا اسے بیچو گے ؟"

"خریدو گے ؟"

"بولو ۔۔۔ کیا لو گے ؟"

"دو بیل اور ایک بیوی۔"

مسلسل آنکھ جھپکتے ہوئے الیگزے ہی نے ٹنڈا ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ "بڑے مسخرے ہو تم؟"

"بھاگ جاؤ ورنہ تین شامپلوں میں سے ایک آدھ غائب ہو جائے گا" گریگری غرّایا۔

۳

چوراہے پر دیہاتی گرجے کے جنگلے کے پاس جمع ہو گئے۔ لوگوں کے گھیرے میں ایک بھورے بالوں والا بوڑھا، جس کی چھاتی پر تمغے لٹک رہے تھے، ہاتھ ہلا رہا تھا۔

"میرا بوڑھا دادا جنگِ ترکی کی کوئی داستان سنا رہا ہے" مشکا نے گریگری کی توجہ اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا "چلو، چل کے سنیں۔"

"اگر ہم اس کی کہانی سنتے رہے تو مچھلی میں بدبو پیدا ہو جائے گی" گریگری نے جواب دیا۔

چوراہے پر لکڑی کے گودام کے پیچھے ماخوف کے گھر کی سبز چھت دکھائی دیتی تھی۔ گھر کی دیوار پر انگوروں کی بیل چڑھ رہی تھی۔ جب وہ احاطے میں داخل ہوئے تو دو لڑکے ان کے پاس گزرے۔

"دیکھا— لوگ یوں بھی رہتے ہیں مشکا" گریگری نے ناقدانہ نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"یہ دیکھو سنہرا ہینڈل!!" مشکا نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"کون ہے"؟ دروازے کے پیچھے سے آواز آئی۔

شرم سے سر جھکائے ہوئے گریگری اندر داخل ہوا۔ فرش پر مچھلی کی دُم جھاڑو دے رہی تھی۔

"کس سے ملنے آئے ہو؟"

ایک لڑکی کرسی پر بیٹھی پھل کھا رہی تھی۔ گریگری گلابی اور رس بھرے ہونٹوں پر پھل کا گودا لگا ہوا دیکھا کیا۔ لڑکی نے سر اٹھایا۔ اور سر سے پاؤں تک دونوں کا جائزہ لیا۔ پھل کا ٹکڑا اس کے ہونٹوں میں اٹکا رہا۔

مشکا گریگری کی مدد کو آپہنچا۔ وہ کھانستے ہوئے بولا۔ "مچھلی خریدو گی"؟

لڑکی نے ہنستے ہوئے جواب دیا "مچھلی— !! ٹھہرو، میں ابھی بتاتی ہوں۔"

وہ کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس نے سلیپر پہن لیے۔ اس پر بیل بوٹے کڑھے ہوئے

تھے۔ سورج کی شعاعیں اُس کے لباس پر کھیل رہی تھیں۔ ٹانگوں کا ہلکا سا عکس نظر آرہا تھا۔ ریشمی مگر تنگی پنڈلیاں آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر رہی تھیں۔ کھال کا رنگ صرف ٹخنوں سے ذرا سا زرد تھا۔

"گرِیگر! لباس ہے کہ شیشہ۔ اس میں سے کیا کچھ نظر نہیں آتا" مٹکا بولا۔

لڑکی دروازے کی راہ سے لوٹ آئی اور کرسی پر آرام سے بیٹھ گئی۔

"باورچی خانے میں چلے جاؤ۔" اُس نے حکم دیا۔

گریگر دبے پاؤں گھر کے اندر چلا گیا۔ مٹکا وہیں کھڑا رہا۔ وہ لڑکی کے بالوں میں لگا ہوا فیتا جو اس کے سنہری بال دو حصّوں میں تقسیم کر رہا تھا بغور دیکھا کیا۔ لڑکی بھی اسے کنکھیوں سے دیکھ رہی تھی۔

"کیا تم اسی گاؤں میں رہتے ہو؟" لڑکی نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"کس کے بیٹے ہو تم؟"

"کانسٹنٹ کے۔"

"تمہارا کیا نام ہے؟"

"مٹکا۔"

"تم میں سے کون مچھلی پکڑ کر لایا ہے؟"

"میرا دوست گریگر۔"

"کیا تم بھی مچھلیاں پکڑنے جایا کرتے ہو؟"

"ہاں جایا کرتا ہوں —— لیکن جب جی میں آتے۔"

"مچھلی کانٹے سے پکڑتے ہو؟"

"ہاں۔"

—اور طوفان بہتا رہا۔

"میرا جی چاہتا ہے۔کہ میں بھی—کسی دن مچھلیاں پکڑنے جاؤں"۔اس نے توقف کے بعد کہا۔

"اگر تم چاہو تو تمھیں ایک دن ساتھ لے چلوں گا۔"

"سچ مچ ؟ لیکن یہ ہو گا کیونکر ؟"

"تمھیں ذرا سویرے اٹھنا پڑے گا۔"

"میں اٹھ جاؤں گی لیکن جگانا تمھیں پڑے گا۔"

"میں جگاؤں گا—مگر تمھارا باپ تو ناراض نہ ہو گا ؟"

"میرا باپ—؟"

"کہیں وہ مجھے چور نہ سمجھ لے۔تمھیں کتوں کو باندھ کر رکھنا ہو گا۔"منٹکا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ بات کس قدر آسان ہے : میں تنہا سوتی ہوں۔ وہ رہی کھڑکی"۔ اس نے انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا"تم کھڑکی پہ دستک دینا اور میں جاگ پڑوں گی۔"

باورچی خانے سے گڑ گڑاور باورچی کی ملی جلی آواز آرہی تھی—منٹکا خاموش تھا۔وہ اپنی پٹی پر انگلیاں پھیر رہا تھا۔

"کیا تم بیاہے ہوئے ہو ؟" اس نے پُراسرار مسکراہٹ سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"نہیں ، میں کنوارا ہوں۔مگر تم اتنی دلچسپی کیوں لے رہی ہو ؟"

"یونہی !"

منٹکا کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔

"کیا لڑکیاں تمھیں چاہتی ہیں ؟"

"بعض چاہتی ہیں اور بعض نہیں !"

"تمھاری آنکھیں بلی کی سی کیوں ہیں ؟"

"یہ سب مجھے میری ماں کی طرف سے ورثے میں ملی ہیں۔ اس میں میرا کیا قصور ہے؟"

"تمہارے والدین تمہاری شادی کیوں نہیں کر دیتے؟"

مٹکا گھبراہٹ پر قابو پا چکا تھا۔ اُس نے اس کے الفاظ کا پوشیدہ راز سمجھتے ہوئے آنکھیں جھپکا کر جواب دیا۔ "میری بیوی ابھی جوان نہیں ہوئی۔"

اُس کے ابرو کھنچ گئے۔ وہ متحیر رہ گئی۔ اُس کی مسکراہٹ نے مٹکا کو قتل کر دیا۔

گلی میں سے قدموں کی آواز آئی۔ گھر کا مالک سرجی پلاٹو نوفیچ آ رہا تھا۔ ماخوف کی چال میں وقار تھا۔ وہ مٹکا کے پاس سے گزرتے ہوئے بولا "کیا مجھ سے کوئی کام ہے؟"

"ابّا یہ مچھلی لے کر آئے ہیں" لڑکی نے جواب دیا۔

اتنے میں گر یگر ہاتھ خالی کیے باہر آ گیا۔

پتن

۱

پہلا مُرغا بانگ دے چکا تھا جب گُرنگ شام گزار کر واپس گھر آیا۔ احاطے میں سے پھولوں کی خوشبو آ رہی تھی۔ وہ دبے پاؤں جھونپڑے میں داخل ہوا۔ اُس نے پتلون اتار کر دیوار کی کھونٹی سے لٹکا دی۔ لباس تبدیل کیا اور بستر پر دراز ہو گیا۔ فرش پہ چاندنی بکھری ہوئی تھی۔ وہ سو گیا ہوتا لیکن اُس کے بھائی کا ننھا بچہ بلبلا رہا تھا۔ ننگورا جھگڑے کے خشک تھرے کی طرح چیخ رہا تھا۔ اُس کی بھاوج غنودگی کے عالم میں کہہ رہی تھی "سو جا بیٹا! تو نے میرا سُکھ چین چھین لیا ہے۔" وہ کوئی لوری گا رہی تھی۔ گرنگ اونگھ رہا اور سوچ رہا تھا کہ کل اس کا بھائی کیمپ میں چلا جائے گا۔ اُس کی بیوی ڈاہریا اکیلی رہ جائے گی اور ہمیں فصل اُس کے بغیر ہی کاٹنی پڑے گی۔

وہ گھوڑے کی طویل ہنہناہٹ کے باعث جاگ اٹھا۔ وہ بھائی کا فوجی گھوڑا پہچانتا تھا۔ نیند میں وہ قمیص کے بٹن بھرنی سے نہ لگا سکا۔ ڈاہریا کا گیت اسے نیند کی دعوت دے رہا تھا۔

"لڑکیاں کہاں ہیں ——؟

وہ سرکنڈوں کے کھیت میں چلی گئی ہیں۔

سرکنڈوں کے کھیت کہاں ہیں؟

لڑکیوں نے اُنہیں اکھاڑ کر پھینک دیا ہے۔

اور لڑکیاں کہاں ہیں ——؟

اُنہیں اُن کے خاوند لے گئے ہیں۔

"لوسک کہاں ہیں ——؟"

"وہ جنگل میں چلے گئے ہیں ——"

گربگیر آنکھیں ملتا ہوا اصطبل کی طرف چل دیا۔ وہ پیوٹرا کا گھوڑا نکال کر گلی میں لے گیا۔ اس کی غنودگی مٹ چکی تھی۔

دوان کے کنارے پر چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ اس کی سطح پر دھند معلق تھی۔ دریا کے پرلے کنارے سے بطخوں کی آواز آ رہی تھی۔ بگلے مچھلیوں کی تاک میں اڑتے دکھائی دے رہے تھے۔ گربگیر دریا کے کنارے بہت دیر تک کھڑا رہا۔ ساحل بے نشاں سا نظر آ رہا تھا۔ گھوڑے کے منہ سے پانی کے قطرے گر رہے تھے۔ گربگیر کے دل میں ایک سادہ لوح کسان کا سا جذبہ بیدار ہو رہا تھا۔ زندگی کس قدر بے پروا اور بے فکر تھی۔

وہ اصطبل میں ماں کے قریب سے گزرا۔

"تم ہو گربگیر؟" اس کی ماں نے پوچھا۔

"اور کون ہو سکتا ہے؟"

"گھوڑے کو پانی پلا دیا؟"

"ہاں"

ماں سوکھے ہوئے اپلے لے کر جھونپڑی کے اندر چلی گئی۔ اس کے ننگے پاؤں زمین کو تھپتھپا رہے تھے۔

"جاؤ اور جا کر سٹیپن کو جگا لاؤ۔ اس نے کہا تھا کہ وہ بھی پیوٹرا کے ساتھ جا رہا ہے۔" اس کی ماں نے حکم دیا۔

صبح کی خنکی نے اس کی رگوں میں کپکپی دوڑا دی۔ وہ ٹیڑھی سی جھونپڑی میں دوڑتا ہوا داخل ہوا۔ سٹیپن باورچی خانے میں کمبل اوڑھے لیٹا ہوا تھا۔ اس کی بیوی کا سر اس کے سینے پر تھا۔

گریگری نے مدھم روشنی میں دیکھا کہ اکسینیا کا لباس اس کی ٹانگوں پر سے اٹھا ہوا تھا۔ وہ گھٹنوں تک ننگی تھی۔ اس کی ٹانگیں بری طرح پھیلی ہوئی تھیں۔ ایک لمحے تک وہ انہیں گھورتا رہا۔ اسے اپنا حلق سوکھتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ اس کا سر وزنی ہو چکا تھا۔

کچھ دیر تک اس کی آنکھیں بھٹکتی رہیں۔ وہ بیٹھی ہوئی آواز میں پکارا۔ "کون ہے؟ اٹھو" اکسینیا چونک کر اٹھ بیٹھی "کون ہے؟" اس نے لباس سمیٹتے ہوئے پوچھا۔ اس کے سرہانے تھوک کا داغ پڑ گیا تھا۔ سحر کے وقت عورت کی نیند بہت گہری ہوتی ہے۔

"میں ہوں ـــــ مجھے ماں نے بھیجا ہے کہ تمہیں جگا دوں۔"

"ہم ابھی اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ہم فرش پر اس لیے سو گئے تھے کہ مکھیاں زیادہ تھیں۔ سٹیپن پیارے ـــــ جاگو۔"

گریگری نے اس کی گفتگو سے اندازہ کیا کہ اس کی موجودگی کا برا مان رہی ہے۔ وہ باہر آ گیا۔ گاؤں سے باہر تیس کا سک فوجی پڑاؤ کی تربیت پر جا رہے تھے۔ صبح سات بجے سے پہلے ہی چوک میں گاڑیاں ترپال سے ڈھکی ہوئی جمع ہو رہی تھیں۔ کچھ کاسک گھوڑوں پر سوار تھے اور کچھ پیدل تھے۔ وہ ساز و سامان سے لیس تھے۔

گریگری نے پیوترا کو سیڑھیوں میں کھڑے پایا۔ وہ گھوڑے کی ٹوٹی ہوئی لگام جوڑ رہا تھا۔ اس کا باپ پنٹلیمون پیوترا کے گھوڑے کو دانہ کھلا رہا تھا۔

"گھوڑے نے ابھی کھانا ختم نہیں کیا؟" پیوترا نے گھوڑے کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ بھوکا ہے۔" اس کے باپ نے جواب دیا۔ اس نے ہتھیلی پھیر کر زین پر پڑے ہوئے کپڑے کا معاینہ کیا۔ اگر کپڑے پر ایک سلوٹ بھی رہ جائے تو گھوڑا ایک ہی دو دن میں تھک جاتا ہے۔"

"جب وہ دانہ ختم کر لے تو اسے پانی بھی پلا دینا ابا!"

"گریگری اسے ڈان تک لے جائے گا۔" پنٹلیمون نے جواب دیا۔

گریگر بھائی کا گھوڑا ڈان کی طرف لے گیا۔ اُس کے ماتھے پر سفید داغ تھا ۔۔۔ وہ اس کی گردن پچھتیا تا ہوا بھگا کر لے گیا۔ اُس نے کنارے کے پاس گھوڑا روکنا چاہا لیکن وُہ بے قابو ہو چکا تھا۔ وہ پھسلا اور لڑھکتا ہوا کنارے تک چلا گیا۔ جب گریگر سنبھلا تو اسے ایک عورت ہاتھوں میں بالٹیاں لیے ہوئے دریا کی طرف جاتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ مڑا اور گھوڑا ساتھ لیے پانی میں اُتر گیا۔ اُس کے پیچھے گرد کا بادل اُڑنے لگا۔

اکسینیا دوڑتی ہوئی ڈھلان سے اُتری۔ ابھی وہ کچھ دُور ہی تھی کہ چلائی:

"بدمعاش! ٹھہر ذرا ۔۔۔ تو نے مجھے ابھی کچل دیا ہوتا۔ چل تیرے باپ سے کہتی ہوں کہ تو گھوڑا بُری طرح دوڑاتا ہے۔"

"اچھی پڑوسن! ناراض نہ ہو۔ جب تمہارا خاوند کیمپ میں چلا جائے گا تو میں تمہارے بہت کام آؤں گا۔"

"وہ کیونکر؟"

"فصل کی کٹائی کے وقت۔" گریگر مسکرایا۔

اکسینیا نے فوراً ایک بالٹی دریا میں سے بھری۔ ہوا کے ڈر سے اُس نے لہنگا ٹانگوں میں دبا لیا۔

"تمہارا سٹیپن بھی اُن کے ساتھ جا رہا ہے کیا؟" گریگر نے کہا۔

"مگر تمہیں اس سے دلچسپی کیوں ہے؟ ہاں وہ اسے لے جا رہے ہیں لیکن تمہیں اس سے کیا؟"

"کیونکہ تم ساجن سے جدا ہو جاؤ گی۔"

"ہاں تو پھر کیا؟"

گھوڑے نے پانی کی سطح سے منہ اُوپر اٹھا لیا۔ اور ڈان کی طرف دیکھنے لگا۔ اکسینیا نے دُوسری بالٹی بھی لبریز کر لی۔ اُس نے بہنگی کندھوں پہ اُٹھائی اور ڈھلان پر چڑھنے لگی۔ گریگر نے بھی گھوڑا موڑ لیا اور اس کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ ہوا سے اکسینیا کا کرتا پھڑپھڑا رہا تھا۔ گردن پہ

گاڈ گریا نے بالوں کے گچھے لہرا رہے تھے۔ اس کی بیل بوٹوں والی ٹوپی بالوں کی ٹھوڑی تک کڑی ہوئی تھی۔ بالوں کی لمبی لٹ کرتے میں داخل ہوتی ہوئی کمر تک دکھائی دے رہی تھی۔ جب وہ ڈھلان پر چڑھی تو اس کے کرتے کا گلا سینے پر سے کھل گیا اور شانے صاف نظر آنے لگے۔ گریگر اس کی ہر نقل و حرکت کا بغور مطالعہ کر رہا تھا۔ وہ اس سے دوبارہ گفتگو چھیڑنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔

"تمہیں شوہر کی یاد ستائے گی —— ستائے گی کہ نہیں؟" گریگر نے پوچھا۔

اکسینیا رکے بغیر مسکرائی "کیوں نہیں —— شادی کر لو پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ساتھی کے بچھڑنے پر تمہارا کیا حال ہوتا ہے؟"

گریگر گھوڑا قریب لے آیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

"لیکن دوسری بیویاں تو شوہروں کی روانگی پر بے حد خوش ہوتی ہیں۔ پیوترا کے جانے کے بعد ہماری ڈاریا موٹی ہو جائے گی۔"

"شوہر جونک تو نہیں ہوتے، مانا کہ وہ خون ضرور چوستے ہیں۔ ڈاریا تمہارا بیاہ ہوتے ہوئے ضرور دیکھے گی۔"

"کچھ پتا نہیں۔ میری شادی کا انحصار تو میرے باپ پر ہے لیکن میری فوجی خدمت کے بعد ہی شاید میرا بیاہ ہو گا۔"

"تم ابھی نوجوان ہو، شادی نہ کرانا۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ شادی رنج و الم کے سوا کچھ نہیں۔"

اس نے ابروؤں کی آڑ سے اسے دیکھا اور ہونٹ ایک دوسرے سے جدا کیے بغیر مسکرائی۔ گریگر نے پہلی بار دیکھا کہ اس کے ہونٹ چپکے ہوئے اور حریص تھے۔ اس نے گھوڑے کی ایال میں انگلیوں سے کنگھی کرتے ہوئے کہا "شادی کرنے کی مجھے کوئی خواہش نہیں —— کوئی مجھ سے محبت کرتا ہے۔"

"وہ کون ہے ؟"

"ہوگا کون ؟ اب تمہارا سٹیفن تو جا ہی رہا ہے ۔ ۔ ۔ ۔"

"مجھے نہ چھونا ـــ میں سٹیفن سے کہہ دوں گی۔"

"سٹیفن ـــ ! ۔ ۔ ۔ میں اس سے ڈرتا تو نہیں۔"

"لیکن تمہارے کوئی چوٹ آ جائے تو میرا ذمہ نہیں۔"

"مجھے ڈراؤ نہیں ایجینیا !"

"میں تمہیں ڈراتی نہیں ـــ دوسری لڑکیاں تمہارے آنسو پونچھ دیں گی۔ لیکن میری طرف کبھی آنکھ نہ اُٹھانا۔"

"مگر میں تو اب یہ چاہتا ہوں کہ تمہیں دیکھتا رہوں۔"

"دیکھتے رہو۔"

ایجینیا مسکرائی۔ اُس نے راستہ چھوڑ کر گھوڑے سے بچ کر جانا چاہا۔ گریگرے نے بھی گھوڑا موڑ دیا اور راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

"مجھے گزر جانے دو گریگر !"

"ہرگز نہیں۔"

"پاگل نہ بنو ـــ مجھے اپنے شوہر کو تیاری میں مدد دینا ہے۔"

گریگرے نے گھوڑے کو ذرا چھیڑ دیا۔ ایجینیا چٹان کی طرف دبک گئی۔

"ظالم ـــ ! مجھے گزر جانے دے ۔ ۔ دیکھتے نہیں ہو کہ سامنے لوگ کھڑے ہیں۔ اگر انھوں نے ہمیں اس حالت میں دیکھ لیا تو وہ کیا کہیں گے ؟" وہ بڑبڑائی۔ اُس نے گھبرائی ہوئی نگاہیں گرد و پیش دوڑائیں اور راستہ پر تیزی سے قدم اُٹھانے لگی۔ اُس نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

پیوٹر سیڑھیوں پر کھڑا ہوا اپنے کنبے سے رخصت ہو رہا تھا۔ گریگرے نے گھوڑے پر

زین کس دی۔ اُس کا بھائی دوڑتا ہوا آیا اور اس نے لگام اپنے ہاتھ میں لے لی۔ گھوڑے نے راستہ سونگھا اور زین کی طرف گردن مروڑتے ہوئے لگام کا دہانہ چبایا۔ اُس نے رکاب میں ایک پاؤں رکھتے ہوئے باپ سے کہا "بچھیڑوں کو بیچنا نہیں ابا—— گر گری کو فوجی گھوڑے کی ضرورت ہو گی۔ انھیں خزاں میں فروخت کریں گے۔ میدان کی گھاس بھی نہ بیچنا۔"

"اچھا، خدا حافظ! اب تم جا رہے ہو" بوڑھے نے سامنے سے گزرتے ہوئے کہا۔

پیوتر نے اپنا بھاری بھرکم جسم گھوڑے کی زین پر جما لیا۔ اُس نے قمیص کا لٹکا ہوا حصہ پیٹھ کی طرف پیٹی میں اڑس لیا۔ گھوڑا پھاٹک کی طرف لپکا۔ اس کی لگام سورج کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ ڈاریا گود میں بچہ لیے ہوئے اُس کے پیچھے دوڑی۔ اُس کی ماں بھیگی ہوئی آنکھوں کو آستین سے پونچھتی ہوئی احاطے میں بےحس و حرکت کھڑی تھی۔

"بھائی—— سموسے، بھیا سموسے تو تم بھول ہی چلے تھے—— آلوؤں کے کباب" ڈونیا دروازے کی طرف لپکی۔ وہ آلوؤں کے کباب بھول گیا ہے۔ اُس نے سر پھاٹک سے لگا دیا اور آنسو اُس کے گالوں پر بہنے لگے۔

ڈاریا اپنے شوہر کے بازو سے چمٹی ہوئی تھی۔ بوڑھے پنٹلیمون نے لڑکھڑاتے ہوئے گڑگڑتے کہا "جاؤ" "اس پھاٹک میں نیا بانس ڈال دو—— اسے مرمت کر دو" وہ کچھ دیر کے لیے رکا اور سوچتا رہا۔ پھر اس نے کہا "پیوتر آ چلا گیا۔"

بانسوں کی باڑ میں سے گریگری نے دیکھا کہ سٹیپن بھی تیار تھا۔ اکسینیا سبز رنگ کا لہنگا پہنے گھوڑا لیے کھڑی تھی۔ سٹیپن مسکراتا ہوا اُس سے کچھ کہ رہا تھا—— نہایت باوقار انداز میں اُس نے بیوی کو پیار کیا۔ اُس کے بازو دیر تک اُس کی گردن میں حمائل رہے۔ اُس کے دھوپ جلے اور محنتی ہاتھ، اُس کی ننگی گردن، اُس کا چوڑا شانہ باڑ میں سے صاف طور پر دکھائی دے رہے تھے۔

اکسینیا کسی بات پر ہنسی۔ سٹیپن سیاہ گھوڑا دوڑاتا ہوا پھاٹک کی طرف لپکا اور اکسینیا

اُس کے ساتھ ساتھ چلی۔ باگیں اس کے ہاتھ میں تھیں۔ وہ پیاسی نگاہوں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔
آنکھ جھپکے بغیر گرگیرا نھیں سڑک تک جاتے ہوئے دیکھا کیا۔

۲

شام سے کچھ پہلے بجلی کڑکنے لگی۔ گاؤں پر بادلوں کا ہجوم مسلط تھا۔ ہوا کے طوفان کے زور سے مچھوہو کر ڈان جھاگ چھوڑتا ہوا کناروں سے ٹکرا رہا تھا۔ آسمان نیلی اور سفید آگ سے جگمگا اٹھتا تھا۔ زمین بجلی کی کڑک سے لرزہ براندام تھی۔ گدھ بادلوں کے اندھیرے میں پر پھڑپھڑاتے ہوئے بھٹک رہے تھے۔ ڈان سے پرے آسمان پر گہرا اندھیرا چھا گیا تھا۔ سڑکوں پر خاموشی طاری تھی۔ گاؤں میں بند کھڑکیاں بج رہی تھیں۔ بوڑھے لوگ گھروں کی طرف تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے جا رہے تھے۔ چولہے پر گرد کا ایک بہت بڑا ستون رقص کر رہا تھا۔ تمازت سے جھلسی ہوئی زمین میں بارش کی بوندیں جذب ہوتی جا رہی تھیں۔

سلجھی ہوئی زلفیں لہراتی ہوئی ڈونیا احاطے میں بھاگی پھر رہی تھی۔ مرغی خانے کا دروازہ بند کر رہی تھی۔ ناک کے نتھنے سے ہوا اس طرح کھینچ رہی تھی جیسے گھوڑا خطرے کا اندازہ کر رہا ہو۔ گلی میں بچے اُچھل کود رہے تھے۔ آٹھ سال کا مشکا ٹوپی آنکھوں تک کھینچے ہوئے چیخ رہا تھا:

"بارش، بارش ودڑ بھی جا۔
ہمیں ابھی چھٹی ہوئی ہے۔
ہم خدا کا شکریہ ادا کرنے جا رہے ہیں۔
اور مسیح کو سجدہ کرنے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

ڈونیا مشکا کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ وہ بارش میں ناچنا چاہتی تھی۔ وہ بھی بارش کے پانی سے سر بھگونے کی خواہشمند تھی تاکہ اُس کے بال بڑھ جائیں اور گھونگر یالے ہو جائیں۔ وہ بھی مشکا اور اس کے دوستوں کی طرح سڑک کی گرد میں نہانا چاہتی تھی لیکن

اُس کی ماں کھڑی ہوئی کھڑکی میں سے اُس کی نقل و حرکت کی نگرانی کر رہی تھی۔ اُس نے نہایت غصیلی آواز میں اسے پکارا۔ ایک سرد آہ بھر کر ڈونیا گھر کے اندر چلی گئی۔ بارش تیز ہو چکی تھی۔ جھونپڑی کی چھت پر بجلی کی کڑک گونجی اور ڈان کی طرف جا کر خاموش ہو گئی۔ احاطے میں گریگر اور بوڑھا پینٹیلیمون ساتھ کے کمرے سے جال باہر کھینچ رہے اور پسینے میں شرابور تھے۔

"دھاگا اور بڑی سوئی لے کر آؤ — جلدی جلدی" گریگر نے ڈونیا کو پکارا۔ ڈاریا جال کی مرمت میں مصروف تھی۔ اُس کی ساس بچے کا پنگوڑا ہلاتی ہوئی بڑبڑا رہی تھی:

"بوڑھے میاں تم ایک گورکھ دھندا ہو۔ ہم کبھی کے سو جاتے۔ جانتے ہو روشنی کا خرچ کتنا زیادہ ہے۔ پھر بھی تم بتی جلائے جاتے ہو۔ تم نے کیا دل میں ٹھان رکھی ہے؟ — کہاں جا رہے ہو تم — ؟ آج تم ڈوب جاؤ گے — خدا کا قہر نازل ہو رہا ہے — دیکھو ہمارا گھر خوف سے تھر تھر کانپ رہا ہے — میرے خدا یسوع — اے ملکۂ بہشت!"

چھت پر موٹی موٹی بوندیں گرنے لگیں۔ کھڑکیوں میں سے پانی رسنے لگا۔ بجلی کی کڑک تیز تر ہو گئی۔ ڈونیا نے منہ جال میں چھپا لیا۔ ڈاریا نے کھڑکیوں اور دروازوں کی طرف صلیب کا نشان ہاتھ سے بنایا — بوڑھی عورت نے بلی کو ٹانگوں سے پیٹھ کھجاتے ہوئے دیکھا۔

"ڈونیا! اس بلی کو بھگا دے —" اُس نے کہا۔ "اے ملکۂ بہشت! میرے گناہ معاف کر دے — ڈونیا! بلی کو بھگا دے ....."

گریگر ہاتھوں میں جال تھامے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

"کیوں بڑبڑا رہی ہو — اب بس بھی کرو"۔ اُس کا بیٹا چِلّایا — "عورتو! جلد ختم کرو یہ مرمت۔ میں نے کل ہی کہا تھا کہ جال ذرا دیکھ لو......"

"کون سی مچھلی پکڑو گے تم؟" بوڑھے کی بیوی بڑبڑائی۔

"جب تجھے کسی بات کا پتا نہیں، تو کیوں چلاتی ہو۔ مچھلیاں طوفان کے ڈر سے کنارے پر آ گئی ہوں گی۔ مجھے ڈر ہے کہ پانی کہیں گدلا نہ ہو جائے — ڈونیا! جا تو دیکھ پانی کی نالیوں کے

بجنے کی آواز آتی ہے کہ نہیں ؟"

ڈونیا مرضی کے خلاف پھاٹک تک گئی۔

بوڑھی عورت ابھی تک خاموش نہ ہوئی تھی ۔۔ "تمہارے ساتھ جائیگا کون ۔۔ ؟

ڈاریا تو جانے سے رہی ۔ اُسے ہوا لگ جائے گی۔"

"میں اور گرگیر جائیں گے ۔۔ دوسرے جال کے لیے ہم ایجینیا اور دوسری کسی عورت کو بلوالیں گے۔"

ڈونیا دوڑتی ہوئی آئی ۔۔ اُس نے ساحل سے کٹ کٹ کر ڈان میں گرتی ہوئی مٹی سونگھ لی تھی۔

"نالیاں بہ رہی ہیں" ڈونیا نے اطلاع دی ۔

"اپنا کوٹ پہن لے اور ایجینیا کو بلالا ۔ اگر وہ تیار ہو تو اس سے کہنا کہ ماشکا کو بھی ساتھ لے آئے" اُس کے باپ نے حکم صادر کیا۔

ڈونیا فوراً عورتوں کو لے کر واپس آگئی ۔ ایجینیا نیلا کرتا ، اس پر کھردرے کپڑے کی واسکٹ پہنے اور پٹی ہوئی رسی کی پٹی باندھے پست قامت و لاغر نظر آرہی تھی ۔ اُس نے ڈاریا کی ہنسی کا جواب دیتے ہوئے رومال اتار لیا اور گرگیر کو نظر جما کر گھورا ۔ ماشکا نے موزے گھٹنوں تک چڑھاتے ہوئے کہا ۔۔ "خدا جھوٹ نہ بلوائے ۔ مچھلیاں تو آج پکڑیں گے ہم ۔۔ تھیلے کہاں ہیں ؟"

وہ تمام احاطے میں چلے گئے ۔۔ بارش ابھی تک موسلا دھار ہو رہی تھی ۔ گرگیر نے ڈان تک سب کی رہنمائی کی ۔

"کیا ہم منزلِ مقصود پر ابھی نہیں آئے گرگیر ؟" ایک لمبے توقف کے بعد اس کے بوڑھے باپ نے پوچھا ۔

"وہ پہنچ چکے ہیں ۔"

"یہیں سے شروع کر دو" پینٹلیمون نے ہوا کا مقابلہ کرتے ہوئے آواز دی۔

"کچھ سنائی نہیں دیتا دادا ـــ!" ملاشکا نے گلا پھاڑتے ہوئے کہا۔
"خدا کے لیے شروع کر دو۔ میں گہرائی کی طرف رہوں گا" بوڑھا بولا" ملاشکا، بجری چڑیل تو کہاں جا رہی ہے، گرگیرا میں گہرائی کی طرف جاتا ہوں، تم اکسینیا کو کنارے پر لے جاؤ۔"
ڈان غرا رہا تھا۔ ہوا بارش کی چادر کو چھینٹوں میں تبدیل کر رہی تھی۔ گرگیر کمر تک پانی میں جا چکا تھا۔ اس کے سینے میں سردی سرایت کر رہی تھی۔ دل سکڑ لجا رہا تھا۔ لہریں منہ پر طمانچے مار رہی تھیں۔ آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔ گرگیر کے پاؤں میں گرم موزے تھے اور ریتلی تہ پر سے پھسلتا جا رہا تھا۔ دفعتہً وہ گرا اور موجیں اسے بہا کر لے گئیں۔ پانی کی لہر اسے وسط میں لے گئی۔ دائیں بازو سے لہروں کا مقابلہ کرتا ہوا وہ کنارے پر آ گیا۔ رقص کرتی ہوئی سیاہ موجوں نے اسے پہلے کبھی اتنا خوفزدہ نہ کیا تھا۔ جب اس کے پاؤں ریتلی تہ سے لگے تو خوشی کی لہر اس کی رگوں میں دوڑ گئی۔ ایک مچھلی اس کے گھٹنے سے ٹکرائی۔ جال ایک دفعہ پھر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دریا میں جا پڑا ـــ پھر جال اوپر اٹھا اور گہرائی میں سرک گیا۔ پھر لہر سے اس کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ گرگیر تیرتا ہوا کنارے سے آ لگا۔

"اکسینیا! تم تو ٹھیک ہو؟" وہ زور سے پکارا۔
"ابھی تک تو محفوظ ہوں۔" اس نے اس کا جواب سنا۔
"کیا مینہ بند نہ ہوگا؟"
"یہ مینہ تو بند ہو جائے گا۔ لیکن دوسرا موسلا دھار مینہ جو شروع ہونے والا ہے، وہ کبھی بند نہ ہوگا۔"
"آہستہ بولو ـــ اگر میرے باپ نے سن لیا تو قیامت آ جائے گی۔"
"اپنے باپ سے ڈرتے ہو؟"
چند لمحوں تک خاموشی رہی۔
"گرگیر! کنارے کے ساتھ ایک ڈوبا ہوا درخت ہے۔ ہمیں جال وہاں تک لے جانا چاہیئے۔"

پانی کی تیز لہر نے گریگر کو اُس سے دُور جا پھینکا۔

"آہ ـــ آہ ـــ !!" ایکسینیا کنارے پر چیخی۔ اُس کی آواز سن کر، خوفزدہ ہو کر وہ اس کی طرف لپکا۔

"ایکسینیا ـــ !"

ہوا اور پانی کے شور کے سوا کوئی آواز سنائی نہ دی۔

"ایکسینیا !" گریگر دوبارہ چلایا۔ خوف نے اسے منجمد کر دیا۔ اُس نے ہاتھ مارا۔ جال اُس کے ہاتھ میں آ گیا۔

"گریگر ـــ تم کہاں ہو؟" اُس نے ایکسینیا کی بسورتی سی آواز سنی۔

"تم نے میری آواز کا جواب کیوں نہیں دیا؟" وہ کنارے پر چڑھتا ہوا بولا۔ اُس نے جال کو بُری طرح اُلجھا دیا۔ چاند بادل کے ٹکڑے سے نمودار ہوا ـــ بجلی چمکی اور زمین ـــ بھیگی ہوتی زمین چمک اُٹھی۔ بارش سے دُھل کر آسمان نکھر گیا تھا۔ جب اُس نے جال کا اُلجھاؤ دور کر لیا تو ـــ ایکسینیا کی طرف دیکھا۔ اُس کا چہرہ دودھ کی طرح سفید تھا مگر اُس کے سُرخ ہونٹ مسکرا رہے تھے۔

"جب میں کنارے سے ٹکرائی تو مجھے چکر آ گیا۔ میں تو مارے ڈر کے مر چکی تھی۔ میرا خیال تھا کہ تم ڈوب چکے ہو۔"

اُن کے ہاتھوں نے ایک دوسرے کو چھُو لیا۔ ایکسینیا نے اپنے ہاتھ اس کی آستین میں دے دینے کی کوشش کی۔

"تمہارے ہاتھ کتنے گرم ہیں۔ اور میرے تو جم چکے ہیں۔"

کوئی کنارے پر بھاگتا ہوا سنائی دیا۔ گریگر کے خیال میں وہ ڈونیا تھی۔ اُس نے اُسے آواز دی ـــ "دھاگا لائی ہو؟"

"ہاں ـــ مگر تم یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ مجھے ابا نے بھیجا ہے کہ تمہیں بلا لاؤں۔ ہم

نے خاصی مچھلیاں پکڑ لی ہیں۔" اُس کی آواز میں فتح و نصرت کی جھلک تھی۔
بجتے ہوئے دانتوں سے اکسینیا نے جال کے سوراخ سینے شروع کیے پھر گرم ہونے کے لیے منزلِ مقصود کی طرف دوڑے۔ پنٹیلیمون سگرٹ بنا رہا تھا۔ سرد پانی کی وجہ سے اُس کی انگلیاں سوج گئی تھیں۔ وہ خوش تھا اور شیخی بگھار رہا تھا ۔۔۔ "پہلی دفعہ آٹھ مچھلیاں اور دُوسری دفعہ ۔۔۔" وہ دم لینے کے لیے رکا۔ اُس نے تھیلے کی طرف اشارہ کیا۔ اکسینیا نے نگاہ ڈالی تو تھیلیوں میں مچھلیاں پھڑپھڑاتی ہوئی دیکھیں۔
"ہم ایک دفعہ اور جال پھینکیں گے پھر گھر چلیں گے ۔۔۔ گریگر! اُٹھو بھی، کس بات کا انتظار کر رہے ہو؟"
گریگر سردی سے سُن ہوتی ہوئی ٹانگیں لیے بمشکل اٹھا ۔۔۔ اکسینیا سردی سے اس طرح کپکپا رہی تھی کہ سارا جال ہل رہا تھا۔
"کیوں کپکپاتی ہو؟"
"میں کوشش کر رہی ہوں کہ نہ کپکپاؤں لیکن مجھے تو سانس لینا محال ہو رہا ہے۔"
"تو چلو ۔۔۔ باہر نکلو ۔۔۔ گولی مارو مچھلیوں کو۔"
اتنے میں ایک بڑی مچھلی پھڑپھڑائی گریگر نے اُس پہ جال ڈال دیا۔ اکسینیا کنارے کی طرف دوڑی۔
"میں تو چراگاہ کی طرف چلی ہوں"۔
"لیکن جنگل زیادہ قریب ہے۔"
غصّے میں اکسینیا قمیص رگڑنے لگی۔ اُس نے تھیلا کندھے پر ڈال لیا۔ گریگر نے جال اُٹھا لیا ۔۔۔ ابھی وہ دو سو گز طے کر پائے ہوں گے کہ اکسینیا بولی:
"میری طاقت مجھے جواب دے رہی ہے۔"
"دیکھو! وہاں پچھلے سال کی سوکھی گھاس کی پہاڑی ہے۔ اس میں تم گرم ہو سکتی ہو۔"

"خوب — گھر پہنچنے سے پہلے کہیں میں مر نہ جاؤں۔"

گرگیر نے سوکھی گھاس کی پہاڑی میں جگہ بنائی گھاس سے گرمی کی بُو آ رہی تھی۔

"اس میں چلی جاؤ — یہ انگیٹھی کی طرح گرم ہے۔"

اس نے تھیلا پھینک دیا اور اپنے آپ کو گھاس میں دفن کر دیا۔ سردی سے کانپتا ہوا گرگیر اُس سے لپٹ گیا۔ الجینیا کے بھیگے ہوئے بالوں سے خوشبو آ رہی تھی۔ وہ کھلے منہ سے سانس لے رہی تھی۔

"تمھارے بال کس قدر خوشبو دار ہیں —" گرگیر نے آہستہ سے کہا۔ وہ خاموش تھی۔ اُس کی نگاہ غائب ہوتے ہوئے چاند پر جمی ہوئی تھی۔

گرگیر نے جیبوں سے ہاتھ نکالتے ہوئے اُس کا سر سینے کے قریب کھینچ لیا۔ وہ بدک کر دُور ہو گئی اور اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

"مجھے جانے دو۔"

"خاموش رہو۔"

"مجھے جانے دو۔ ورنہ میں چلّا پڑوں گی۔"

"ذرا دم لو الجینیا!"

"ابا پینٹیلیمون!" وہ چلّائی۔

"کیا تم دونوں راستہ بھول گئے ہو؟" پینٹیلیمون کی آواز قریب سے آئی۔ گرگیر دانت کٹکٹاتا ہوا گھاس سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"کیوں چلّا رہے ہو؟ کیا راستہ بھول گئے ہو؟" بوڑھے نے قریب آ کر سوال کیا۔

الجینیا لباس درست کرتے ہوئے بولی "میں راستہ تو نہیں بھولی لیکن جمی جا رہی ہوں۔"

"عورت تو — وہ دیکھو گھاس ہے، جاؤ خود کو گرم کر لو" بوڑھے نے مشورہ دیا۔

الجینیا تھیلا اٹھاتے ہوئے مسکرا دی۔

۳

ٹاٹارسک سے اسٹراخوف تک، جہاں تربیتی کیمپ واقع تھا، چالیس میل کا فاصلہ تھا۔ پیوترا اور سٹیپن دونوں ایک ہی ڈھکی ہوئی گاڑی میں سفر کر رہے تھے۔ اُن کے ساتھ اُن کے گاؤں کے تین اور اشخاص تھے۔ فیودوٹ جس کا رنگ دودھ کی طرح سفید تھا۔ لیکن چہرے پر چیچک کے داغ تھے۔ دوسرا کرسٹونیا تھا جو محافظین کے دستے کا رُکن تھا۔ تیسرا ایوان ٹوملن تھا جو توپخانے میں ایک توپچی تھا۔ پہلے قیام پر جب وہ کھانا کھانے کے لیے اُترے تو کرسٹونیا کی گاڑی آگے ہو گئی۔ سب سے پیچھے فیودوٹ چلنے لگا۔ اُن کے پیچھے آٹھ گھوڑے تھے جن میں سے بعض پر نوزین کسے ہوئے تھے اور بعض خالی تھے۔ سڑک قہقہوں سے گونج رہی تھی۔ گیت اور شور، باگوں کی جھنکار اور گھوڑوں کے نتھنوں کی آواز عجب نغمہ پیدا کر رہی تھی۔

پیوترا کے سر کے نیچے بسکٹوں کا تھیلا تھا۔ وہ گاڑی کی ترپال پہ آرام سے لیٹا ہوا مونچھوں کو تاؤ دے رہا تھا۔

"سٹیپن!" اُس نے کہا۔

"ہاں۔"

"چلو ــــ کوئی گیت گائیں۔"

"گرمی زیادہ ہے ــــ میرا تو منہ خشک ہو رہا ہے۔"

"یہاں کوئی شراب کی دکان نہیں۔ اس لیے انتظار نہ کرو۔"

"اچھا تو گاؤ ــــ تمہاری آواز تو اب خراب ہو چکی ہے۔ البتہ تمہارا بھائی گریگر خوب گاتا ہے۔"

سٹیپن نے سر گردن کی طرف ڈال دیا۔ کھانسا اور دھیمی سریلی آواز میں گنگنانے لگا:

"اے آفتاب ــــ شعلہ رُو آفتاب

تو آسمان پر بہت جلد نمودار ہو جاتا ہے۔"

ٹوملن نے گالوں پر ہاتھ رکھ کر سُر میں سُر ملانا شروع کیا۔ پیوترا نے دیکھا کہ گانے کی

کوشش میں اس کی گردن پر نیلی رگیں ابھر آئی تھیں۔ پیوٹیڈا مسکرایا۔

"وہ ننھی سی عورت کس قدر جوان تھی۔

جو ندی کے کنارے پانی لینے گئی۔"

چونکہ سٹیپن کرسٹونیا کی طرف منہ کر کے لیٹا ہوا تھا اس لیے اس نے کہنیوں کے بل ہو کر آواز دی "کرسٹونیا! تم بھی شامل ہو جاؤ۔"

"نوجوان لڑکے نے اس کا ارادہ بھانپ لیا۔

اس نے گھوڑے پر زین ڈال دیا۔"

سٹیپن پیوترا کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ پیوترا نے بھی آواز ان کی الاپ میں شامل کر دی۔ کرسٹونیا نے گھنی ڈاڑھی سے بھرا ہوا جبڑا کھولا اور اتنی بلند آواز میں تان اڑائی کہ ترپال تھرتھرا اٹھی تھی۔

"اس نے گھوڑی پر زین ڈال دیا۔

اس ننھی سی عورت کو راستے میں جا لیا۔"

کرسٹونیا پیوترا کا انتظار کرنے لگا۔ سٹیپن آنکھیں بند کیے، پسینے میں شرابور گاتا رہا۔ کبھی اس کی آواز بلند ہوتی اور کبھی سرگوشی کی حد تک دھیمی ہو جاتی۔

"ننھی عورت ۔۔۔ اے ننھی عورت!!

میری گھوڑی کو بھی ندی میں پانی پی لینے دے۔"

کرسٹونیا پھر بلند آواز میں شامل ہو گیا۔ ساتھ کی گاڑیوں سے بھی تان اڑانی شروع کر دی۔ گاڑیوں کے پہیے بج رہے تھے۔ لوگ میلے کچیلے اور گرد آلود قمیص پہنے سڑک کے کنارے چل رہے تھے۔

سٹیپن گاڑی کی ترپال پکڑ کھڑا ہو گیا ۔۔۔ ترپال کا ایک کونا ہاتھ میں لے کر وہ گاتا رہا۔ فیوڈورٹ سیٹی بجاتا رہا۔ پیوترا ہنستا اور ٹوپی لہراتا رہا۔ سٹیپن مزے میں کندھے ہلا رہا تھا۔ سڑک گرد و غبار سے اٹی ہوئی تھی۔ کرسٹونیا گاڑی سے کود کر نیچے آ گیا تھا۔ اس نے قمیص کے بٹن کھول

دیئے بجے اور کا سک رقص میں مشغول تھا۔ وہ چکر کاٹتا، چلاتا اور اچھلتا ہوا ننگے پاؤں کے نشان سڑک پر پڑی ہوئی ریشمی خاکستری ریت پر بناتا جا رہا تھا۔

۴

وہ رات بسر کرنے کے لیے ایک ٹیلے کے پاس رک گئے۔ مغرب سے بادل امنڈ آئے تھے۔ مینہ برسنے لگا تھا۔ ایک جوہڑ سے گھوڑوں کو پانی پلایا گیا۔ جب بجلی چمکتی تو پانی کی سطح تلوار کی طرح چمک اٹھتی۔ ہوا مینہ کی بوندیں ایسے بکھیر رہی تھی جیسے زمین کی ہتھیلی پہ انعام کی بارش ہو رہی ہو۔

بندھے ہوئے گھوڑوں کو گھاس چرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ تین آدمی پہرہ دینے کے لیے منتخب کیے گئے۔ دوسرے آدمی آگ جلانے میں مصروف تھے۔ کرسٹونیا باجرا پکا رہا تھا۔ وہ ہنڈیا میں چمچہ ہلاتے ہوئے ساتھیوں کو ایک قصہ بھی سنا رہا تھا۔

"وہ ٹیلا بالکل اس ٹیلے کی طرح بلند تھا۔ میں باپ سے کہہ رہا تھا "چونکہ ہم نے ڈاٹامن کی اجازت نہیں لی۔ اس لیے وہ ہمیں اس ٹیلے کو کھودنے سے کہیں روک نہ لے۔"

"کیا گپ ہانک رہے ہو؟" سٹیپن نے پوچھا۔

"میں بتا رہا ہوں کہ کس طرح میں نے اور میرے باپ نے دفینہ تلاش کیا تھا۔ وہ مرکولف نام کا ٹیلا تھا ـــــ میرے باپ نے کہا "آؤ کرسٹونیا! ہم مرکولف ٹیلا کھودیں ـــــ "کیونکہ اس نے میرے دادا سے سن رکھا تھا کہ اس ٹیلے میں کوئی خزانہ دفن ہے ـــــ میرے باپ نے خدا سے وعدہ کیا تھا ـــ "اے خدا! خزانہ مجھے دے دے میں تیرے لیے ایک نہایت عالیشان گرجا بناؤں گا۔" اس وعدے کی تکمیل کے لیے ہم ٹیلے کے قریب آ گئے۔ وہ ٹیلا ایک عام گزرگاہ پہ واقع تھا۔ اس لیے ہمیں اٹامن ہی اس اقدام سے روک سکتا تھا۔ ہم دوپہر کو ذرا تاخیر سے پہنچے۔ ہم نے رات ہونے تک انتظار کیا۔ رات آئی تو کدالیں لے کر کام شروع کر دیا۔ ہم چھ فٹ گہرا گڑھا کھود چکے تھے۔ زمین پتھر سے زیادہ سخت تھی۔ میں پسینے میں

نہا چکا تھا۔ میرا باپ دعا پڑھتا رہا۔ لیکن میرے پیٹ میں آگ لگی ہوئی تھی۔ میں بھوکا تھا۔ تم تو جانتے ہو کہ گرمیوں میں ہم صرف دُودھ پیتے ہیں ــــ میرے باپ نے کہا "ڈ اکرسٹونیا! تم مُرتد ہو' دہریہ ہو ــــ میں دعا پڑھ رہا ہوں اور تم کھانے کے لیے چلا رہے ہو۔ اُٹھو' نکل جاؤ اس ٹیلے سے ورنہ اس کدال سے تمھارے سر کے ٹکڑے اڑا دوں گا" میں ٹیلے کے باہر آ کر بیٹھ گیا۔ بھوک مجھے ستا رہی تھی ــــ میرا باپ نہایت مضبوط انسان تھا۔ وہ کھودتا رہا ــــ اُس نے زمین کو پتھر کے ٹکڑے تک کھود کر رکھ دیا۔ اُس نے مجھے بلایا۔ میں نے اس پتھر کے نیچے ایک بڑی سی لوہے کی سلاخ دے کر اُسے اٹھایا ــــ بھائیو! یقین جانو وہ رات چاندنی تھی ــــ پتھر کے نیچے جگمگاہٹ ہو رہی تھی ــــ جگمگاہٹ ــــ چراغاں ــــ

"کرسٹونیا! اب تم جھوٹ بول رہے ہو" پوڑا نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ وہ مسکرایا اور مونچھوں کو تاؤ دینے لگا۔

"میں جھوٹ نہیں بولتا اگر نہیں مانتے تو جاؤ جہنم میں" کرسٹونیا قمیص کو کھسکاتے اور سامعین کی طرف دیکھتے ہوئے بولا ــــ "میں جھوٹ نہیں بولتا ــــ یہ ایک حقیقت ہے، مقدس سچائی ــــ پتھر کے نیچے چمک پیدا ہوتی۔ میں نے دیکھا تو وہ کوئلہ تھا ــــ کوئلے کے چالیس بڑے بڑے ٹکڑے۔ میرے باپ نے مجھ سے کہا ــــ اندر گھس جاؤ کرسٹونیا اور کھودتے رہو' میں کھودتا رہا۔ صبح تک کھودتا رہا۔ صبح ہوتی تو میں نے دیکھا کہ وہ سر پہ تھا......"

"وہ کون ــــ ؟" ٹوملن نے پوچھا۔

"آتامن ــــ اور کون ــــ وہ گاڑی میں ٹہلتا ہوا ادھر آ گیا تھا۔ تمھیں گڑھا کھودنے کی اجازت کس نے دی؟" اُس نے سوال کیا۔ اُس نے ہمیں گرفتار کر لیا اور گاؤں میں لے گیا۔ ہمیں عدالت میں پیش کیا گیا۔ یہ دو سال پہلے کی بات ہے۔ میرے باپ کو معلوم تھا کہ اُس سے کیا سلوک کیا جائے گا۔ اس لیے وہ پہلے ہی مر گیا۔"

کرسٹونیا نے باجرے کا برتن اٹھایا اور گاڑی سے پیچھے لانے کے لیے اٹھا۔

"تمھارے باپ نے پھر وعدہ پورا نہ کیا؟" سٹیپن نے کرسٹونیا کے واپس آنے پر پوچھا "تم بیوقوف ہو سٹیپن! وہ گرجا بنا تا کس چیز سے ۔۔۔ کونکوں سے؟"

"جب اُس نے وعدہ کیا تھا خدا سے تو کونکوں ہی سے بنا دیتا!"

"لیکن اس میں کونکوں کی شرط تو نہ تھی......" ہر سمت سے قہقہے بلند ہوئے ۔۔۔ کرسٹونیا، جو قہقہوں کا مطلب نہ سمجھ سکا تھا، شور مچاتا ہوا دوسروں کے قہقہوں میں شامل ہوگیا۔

۵

ایکسینیا سترہ سال کی تھی جب اُس کا بیاہ سٹیپن سے ہوا۔ وہ ڈبرافکا گاؤں کی رہنے والی تھی اور وہ گاؤں ڈان کے پرلے کنارے پر دُور واقع تھا ۔۔۔ شادی سے ایک سال پہلے وہ گاؤں سے پانچ میل کے فاصلے پر کھیت میں ہل چلا رہی تھی کہ رات کو اُس کے باپ نے، جس کی عمر پچاس سال تھی، اُس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس کی عصمت لوٹ لی۔

"میں تجھے جان سے مار دوں گا اگر ایک لفظ بھی تو نے کسی سے کہا۔ اگر تو خاموش رہی تو تجھے پلش کا کوٹ لے دوں گا۔ یاد رکھ اگر تو نے ایک لفظ بھی......" ایکسینیا رات کو پھٹے ہوئے پیٹی کوٹ میں گاؤں بھاگ آئی۔ اُس نے اپنے آپ کو ماں کے قدموں میں گرا دیا اور سسکیاں بھرتے ہوئے ساری داستان کہہ دی۔ اُس کی ماں اور بڑے بھائی نے گاڑی میں گھوڑے جوت دیئے اور ایکسینیا کو اُس میں بٹھا کر چل پڑے۔ اُس کے بھائی نے گھوڑے پانچ میل تک بجلی کی سی تیزی سے دوڑائے۔ انھوں نے بوڑھے باپ کو کھیت کے پاس ایک خیمے میں پڑا پایا ۔۔۔ وہ اوورکوٹ پر گہری نیند سو رہا تھا۔ اس نے شراب پی رکھی تھی۔ بادہ واڈکا کی خالی بوتل اس کے قریب ہی پڑی تھی۔ ایکسینیا کے سامنے اس کے بھائی نے اسے جگایا، شرافت سے ایک دو سوال کیے پھر لوہے کی سلاخ گاڑی سے کھینچ کر اُس کی آنکھوں میں سخت ضرب لگائی۔ اُس کی ماں اور اس کا بھائی بوڑھے کو لگاتار ڈیڑھ گھنٹے تک پیٹتے رہے۔ ماں کمزور ہاتھوں سے اس کے سر کے بال

اُکھیڑتی رہی۔ اُس کا بھائی ٹھوکروں سے کام لیتا رہا۔ ایکسینیا گاڑی کے نیچے لیٹی رہی۔ پوپھٹنے سے پہلے وہ اس کے باپ کو گھر لے گئے۔ وہ پڑا ہوا سسکیاں بھرتا رہا۔ اُس کی آنکھیں کمرے میں آوارہ و سرگرداں رہیں۔ وہ ایکسینیا کو ڈھونڈ رہا تھا جو چھپ گئی تھی۔ اُس کے کانوں سے خون اور پیپ بہ کر تکیے پر پھیل گئی تھی۔ شام سے قبل وہ مرگیا۔ انھوں نے پڑوسیوں کو بتایا کہ وہ گاڑی سے گر پڑا تھا۔

اُسی سال رشتے کی تلاش میں سجی ہوئی گاڑی لیے شادیوں کا انتظام کرنے والے نائی آئے اور انھوں نے ایکسینیا کا رشتہ طلب کیا۔ طویل القامت سٹیپن نے ایکسینیا کو دیکھ کر اُسے بےحد پسند کیا۔ آئندہ خزاں میں شادی کی تاریخ مقرر ہوئی۔

اُس روز دھند پڑی ہوئی تھی۔ اور ہوا بےحد ٹھنڈی تھی جس روز ایکسینیا۔ اتنا خوف کے گھڑیں سہوہن کر آئی۔ ضیافت اور جشن کے بعد دُوسرے دن اُس کی ساس نے جو ایک طویل القامت اور بھاری جثے کی عورت تھی۔ ایکسینیا کو جگایا اور اُسے باورچی خانے میں لے گئی۔ سامنے پڑی ہوئی چیزوں کو اُس نے اِدھر اُدھر کرتے ہوئے کہا ”میری بچی! ہم تجھے اس لیے یہاں نہیں لائے کہ پیار کریں اور بستر میں پڑی رہنے دیں۔ جا اور جا کر گائیں دوہ پھر کھانا تیار کر۔ میں کمزور اور نحیف ہوں۔ آج سے گھر کا کام کاج سنبھال لے۔“

اُسی روز سٹیپن اپنی نوجوان بیوی کو غلہ گھر میں لے گیا اور اس بات کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ اُس کے جسم پر نشان نہ پڑیں جان بوجھ کر اسے پیٹا۔ اُس دن کے بعد اس نے ایکسینیا کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ وہ کھیت میں کام کرنے والی بیواؤں سے دل بہلاتا رہا۔ راتوں کو غائب رہنے لگا اور ایکسینیا کو غلہ گھر یا کمرے میں بند کر جاتا۔

ڈیڑھ سال تک اُن کے ہاں کوئی بچہ نہ ہوا۔ وہ اپنی اس بےعزتی اور کمتری کو برداشت نہ کرسکا لیکن وہ خاموش ہوگیا۔ اب اس کی اکثر راتیں گھر سے باہر ہی گزرتیں۔

بہت بڑا کھیت اور بےشمار ڈھور ڈنگروں کی وجہ سے ایکسینیا کو حد سے زیادہ محنت

کرنی پڑتی۔ سٹیپن سست تھا۔ وہ بیٹھا تمباکو پیتا رہتا۔ تاش کھیلنے نکل جاتا اور اکسینیا کو ہر کام خود کرنا پڑتا۔ اُس کی ساس بھی اُس کا ہاتھ نہ بٹاتی۔ تھوڑی دیر اِدھر اُدھر ٹہلنے کے بعد وہ بستر پر دراز ہو جاتی——چھت کی طرف دیکھتی اور کراہتی رہتی۔ اکسینیا کام کاج چھوڑ کر نے میں کھڑی ہو کر بوڑھی ساس کی طرف ہمدردانہ نگاہ سے تکتی رہتی۔ شادی کے ڈیڑھ سال بعد بوڑھی ساس چل بسی۔ صبح اکسینیا کو دردِ زہ شروع ہوا اور دوپہر کے وقت بچہ پیدا ہوا۔ بڑھیا اصطبل کے دروازے کے قریب گری اور وہیں ڈھیر ہو گئی۔ جب دایہ بدمست سٹیپن کو اطلاع دینے کی غرض سے خوابگاہ میں گئی تو اُس نے بڑھیا کو اکڑا ہوا پایا۔ بچے کی پیدائش کے بعد اکسینیا شوہر کی خبر گیری میں تندہی کا اظہار کرنے لگی۔ مگر اس میں خلوص کا نہیں نسوانی فطرت کا دخل تھا۔ ایک سال کے اندر بچہ فوت ہو گیا۔ پرانی زندگی کا آغاز دوبارہ ہوا اور جب گریگر، اکسینیا کے راستے میں آ کھڑا ہوا تو اُس نے محسوس کیا کہ وہ گریگر کی طرف کھنچ گئی ہے۔ وہ ضدی کتے کی طرح اُس کا پیچھا کیسے ہی گیا۔ اکسینیا نے دیکھا کہ وہ سٹیپن سے خائف نہ تھا۔ اُس نے سوچا کہ وہ سٹیپن کی وجہ سے گریز نہ کرے گا۔ اُس نے دبے ہوئے جذبات کو پوری طرح روکتے ہوئے بھی محسوس کیا کہ وہ ہر اتوار کو اور دوسرے دن بھی اچھا لباس زیب تن کرتی ہے۔ وہ کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے روز بروز گریگر سے راستوں میں ملنے لگی جب وہ گریگر کی آنکھوں کو دل کے جذبات چھلکتے ہوئے دیکھتی تو اس کے دل میں مسرت کی لہر دوڑ جاتی۔ جب وہ صبح کو اُٹھ کر گائیں دوہنے جاتی تو مسکراتی اور بے اختیار ہو کر پکار اٹھتی۔ "کتنا مسرور دن ہے —— گریگر!" ایک نیا احساس اُس کے دل میں انگڑائی لینے لگتا۔ لیکن وہ محتاط تھی جیسے مارچ میں سطح ڈان کی شکستہ برف پر چلتے ہوئے وہ خوفزدہ ہو جایا کرتی تھی۔

سٹیپن کے جانے کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ وہ گریگر کے سامنے ہونے سے احتراز کیا کرے گی۔ مچھلی کے شکار کی رات سے تو اُس کا فیصلہ اور بھی پختہ ہو گیا تھا۔

ا

جشنِ تثلیث سے دو دن پہلے گاؤں کی چراگاہوں کی بانٹ شروع ہوئی۔ پینٹیلیمون نے تقسیم کے فرائض ادا کیے۔ وہ دوپہر کو کھانے کے وقت آیا۔ اس نے بوٹ جھٹکتے ہوئے کہا:

"سرخ چٹان کی زمین ہمارے حصے میں آئی ہے۔ وہاں کی گھاس اچھی نہیں۔ اس زمین کے بالائی حصے کی گھاس صحرا سے ملحق ہے۔ خار گھاس بھی ہوتی ہے۔"

"ہم کٹائی کب شروع کر رہے ہیں؟"

"چھٹیوں کے بعد۔۔۔"

بڑھیا نے تنور کی کواڑی ایک کھڑکھڑاہٹ سے کھولی اور گوبھی کا شوربا لے کر اندر داخل ہوئی۔ پینٹیلیمون دیر تک کھاتا رہا۔ وہ دن کے تمام واقعات دہرا رہا تھا۔ وہ اٹامن کو برا بھلا کہہ رہا تھا جس نے تمام کاسکوں کو لوٹ لیا تھا۔

"چارا کون اکٹھا کرے گا؟ میں اکیلی تو نہیں کر سکتی" ڈونیا نے پوچھا۔

"ہم اکسینیا کو بلائیں گے۔ سٹیپن کہہ گیا ہے کہ اس کی گھاس ہم کاٹ دیں" بڈھے نے جواب دیا۔

دو دن کے بعد مشکا سفید گھوڑے پر بھاگتا ہوا آیا۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ گاؤں پر دھند چھائی ہوئی تھی۔ مشکا زین سے کود پڑا۔ بڑھیا نے آواز دی — "کیا چاہتے ہو شریر!" بڑھیا کو مشکا — جھگڑالو اور لڑاکا مشکا پسند نہ تھا۔

"تم کیا چاہتی ہو الپتنا — ؟ مجھے تو گریگری چاہیے — کہاں ہے وہ — ؟"

"تمہیں آجکل پیدل چلتے ہوئے کیا تکلیف ہوتی ہے؟ گریگر وہ چھت کے نیچے سو رہا ہے۔
مٹکا لوٹوں پہ چابک مارتے ہوئے گریگر کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ اُس نے اُسے
ایک چھکڑے میں سویا ہوا پایا۔ مٹکا نے اُس کے بال کھینچتے ہوئے کہا ـــ "اُٹھ کسان بھیا!"
"کسان" مٹکا کے منہ سے نکلا ہوا یہ لفظ نشتر سے کم نہ ہوتا تھا۔ گریگر تلملا کر اُٹھ بیٹھا۔
"کیا چاہتے ہو؟" اُس نے سوال کیا۔
مٹکا اچھل کر چھکڑے پر بیٹھ گیا اور لکڑی سے بوٹ کی گرد جھاڑتے ہوئے بولا:
"گریگر! میری بے عزتی کی گئی ہے۔"
"وہ کیونکر؟"
"وہ پول کرے" مٹکا نے گالی دیتے ہوئے کہا۔ "وہ فوج کا کماندار ہے۔"
"کون فوج کا کماندار ہے؟"
مٹکا اُسے آستین سے پکڑتے ہوئے بولا "چلو جلدی کرو۔ گھوڑے پر زین ڈال کر چراگاہ
میں لے چلو۔ میں اسے مزہ چکھا دوں گا۔" میں نے اُس سے کہا ـــ "آئیے ضرور! ہم
دیکھیں گے۔" اُس نے جواب دیا "دوستوں کو ساتھ لے آنا۔ میں تم سب کو شکست دوں گا۔
میری گھوڑی نے پیٹرزبرگ کی بڑی بڑی گھوڑ دوڑیں جیتی ہیں۔" میں اس کی گھوڑی کی کیا پروا
کرتا ہوں۔ جائے جہنم میں اس کی گھوڑی ـــ میرے سفید گھوڑے سے کوئی بازی نہیں لے جا سکتی۔"
گریگر نے تیزی سے لباس تبدیل کیا۔ مٹکا نے داستان جاری رکھی "وہ آج کل ماخوذ شبا
کے ہاں آیا ہوا ہے ـــ ٹھہرو میں تمہیں اس کا نام بتاؤں ـــ کیا نام ہے اُس کا ـــ
لستنکی ہے میرے خیال میں۔ مضبوط اور سفید صورت ہے ـــ اچھا، نہیں کیا، وہ کوئی
بھی ہو۔ ناعینک بھی لگاتا ہے۔ لیکن آج عینک اس کے کام نہ آئے گی۔ وہ میرے گھوڑے سے
بازی نہیں لے جا سکتا۔"
گریگر نے ٹہلتے ہوئے گھوڑی پہ زین ڈال دی۔ باپ کی نگاہ سے بچنے کی خاطر وہ

کھدیان کے میدان کی راہ سے باہر نکل آیا۔ وہ پہاڑی کی چوٹی سے ہوتے ہوئے میدان میں جا پہنچے۔ گھڑسوار ان کے انتظار میں تھے۔ افسر لسنکی صاف ستھری گھوڑی پر اور گاؤں کے دُوسرے سات لڑکے گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر سوار تھے۔

"ہم کہاں سے ابتدا کریں؟" افسر مٹکا سے مخاطب ہوا۔ اُس نے ناک پر عینک درست کی اور مٹکا کے گھوڑے کے پٹھوں پر پسندیدہ نظر ڈالتے ہوئے کہا:

"بس یہیں سے زآر کی جھیل تک۔"

"زآر کی جھیل کہاں ہے؟"

"وہ رہی سرکاری خالی جنگل کے قریب۔"

گھوڑے قطار میں کھڑے کر دیے گئے ۔۔۔ افسر نے چابک کو سر سے اوپر اٹھا لیا۔

"جب میں تین کہوں ۔۔۔ اچھا تیار ہو جاؤ ۔۔۔ ایک، دو ۔۔۔۔۔ تین۔"

لسنکی سب سے پہلے روانہ ہوا۔ وہ زین سے چمٹا ہوا تھا۔ ایک ہاتھ سے ٹوپی تھامے ہوئے تھا۔ ایک لمحے تک وہ سب سے آگے رہا۔ مٹکا دھیرے دھیرے رکاب میں کھڑا ہو گیا تھا۔ گرگیر کو مٹکا کا گھوڑے کی پیٹھ پر چابک مارنا سُستی کا نشان معلوم ہوتا تھا۔

زآر کی جھیل دو میل دور تھی۔ مٹکا کا گھوڑا لسنکی کی گھوڑی کے ساتھ ساتھ دوڑ رہا تھا ابھی نصف راستہ طے نہ ہوا تھا کہ مٹکا آگے نکل گیا۔ شروع ہی میں پیچھے رہ جانے کے باعث گرگیر آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا۔ وہ گھوڑوں کی قطار کو ایک دُوسرے سے بازی لے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ زآر کی جھیل کے پاس ایک ریتلا ٹیلا تھا۔ اس کے اُوپر کو ہان پر ریت جم گئی تھی۔ گرگیر نے مٹکا اور افسر کو وہ ٹیلا پار کرتے ہوئے دیکھا۔ پھر وہ غائب ہو گئے۔ جب وہ جھیل کے کنارے پہنچا تو گھوڑے لسنکی کے گرد جمع تھے۔ مٹکا کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ اس کی ہر حرکت سے فتح و نصرت کا اظہار ہو رہا تھا۔ برعکس اُس کے افسر لسنکی پژمردہ بیٹھے سگریٹ کھڑا سگریٹ پی رہا تھا۔ اُس نے جھاگ دیتی ہوئی

گھوڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "میں اُسے ایک سو بیس میل تک بھگاتا ہوا لا رہا ہوں۔ کل ہی پہنچا ہوں۔ اگر یہ تھکی ہوئی نہ ہوتی تو تم مجھے جیت نہ سکتے تھے۔"

"ہوسکتا ہے۔" مِتکا نے بے پروائی سے جواب دیا۔

گریگری اور مِتکا دوسروں کو وہیں چھوڑ کر گھر کی طرف روانہ ہوتے لِسنکی نے اُن سے فوری رخصت چاہی اور چل دیا۔

گریگری جھونپڑی کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ اکسینیا اس کی طرف آرہی ہے۔ وہ ایک شاخ کو چھیلتی ہوئی آرہی تھی۔ اُس نے گریگری کو آتے دیکھا تو دانستہ گردن جھکالی۔ سامنے نظر جمائے ہوئے گریگری نے اسے کچل ہی ڈالا ہوتا۔ اُس نے گھوڑی کے چابک مار دیا۔ گھوڑی نے دولتیاں لگانی شروع کر دیں۔ اکسینیا پر کیچڑ کی بارش ہو گئی۔

"اوہ — بیوقوف شیطان!" وہ بولی۔

یکلخت مڑتے ہوئے گریگری اس کے قریب آگیا۔ اُس نے پوچھا "تم دن میرے ساتھ کیوں نہیں گزاریں؟"

"تم اس قابل نہیں۔"

"جبھی تو میں نے تم پر کیچڑ اچھالی ہے — اتنا غرور نہ کرو۔"

"مجھے گزر جانے دو۔" اکسینیا بولی "تم مجھے گھوڑے سے کیوں تنگ کر رہے ہو؟"

"یہ گھوڑا نہیں — گھوڑی ہے۔"

"کوئی بھی ہو — مجھے گزر جانے دو۔"

"اکسینیا! اس قدر خفا کیوں ہو؟ کیا اُس دن سے تو خفا نہیں جس دن ہم چراگاہ میں ملے تھے؟" گریگری نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ اکسینیا نے کچھ کہنا چاہا لیکن ایک چھوٹا سا آنسو کالی آنکھوں کے ایک کونے میں آکر اٹک گیا۔ اس کے ہونٹ کپکپا کر رہ گئے۔ کانپتے ہوئے وہ صرف اس قدر کہہ سکی "چلے جاؤ گریگری — میں ناراض نہیں...."

اتنا کہہ کر وہ چل دی۔

حیران اور مبہوت گریگر یچاتک کے پاس منشکا کے قریب آ گیا۔

"کہیں شام گزارنے چلتے ہو؟"

"نہیں۔"

"کیوں کیا ہوا۔ کہیں اُس نے تو رات اپنے ہاں بسر کرنے کی دعوت نہیں دیدی؟"

گریگر نے بھیگے ہوئے ابرو ہتھیلی سے صاف کیے اور خاموش رہا۔

۲

جشنِ تثلیث کے صرف اسی قدر آثار گاؤں میں باقی رہ گئے تھے کہ فرشوں پر سوکھے ہوئے پتے بکھرے پڑے تھے۔ برگد کی شاخیں سبز سبز مگر ٹوٹی ہوئی پھاٹکوں اور سیڑھیوں سے بندھی ہوئی تھیں۔ جشن کے فوراً بعد ہی گھاس جمع کرنے اور سکھانے کا کام شروع ہو گیا۔ صبح ہی سے چراگاہیں عورتوں سے مزین ہو گئیں۔ ان کی شگفتگی میں رنگ رنگیلے لباسوں سے اضافہ ہو جاتا۔ پھول دار انگرکھے اور رنگین رومال تتلیوں کی طرح پھڑ پھڑاتے دکھائی دیتے۔ سارا گاؤں کٹائی میں مصروف تھا۔ گھسیارے کچھ اس طرح ملبوس تھے کہ جیسے سالانہ چھٹیاں گزارنے آئے ہوئے ہوں۔ ڈان سے دور ٹیلوں تک چراگاہیں متحرک تھیں، زندہ اور جوان۔ شیلیخوف کے کنبے نے کٹائی تاخیر سے شروع کی۔ انھوں نے اس کی ابتدا اُس وقت کی جب نصف گاؤں چراگاہ میں جا پہنچا تھا۔

"تم شاید دیر سے سوتے ہو پنٹیلیمون؟" اُس کے ساتھی گھسیاروں نے کہا۔

"اس میں میرا قصور نہیں۔ پھر وہی عورتیں اس تاخیر کا سبب بنی ہیں۔" بوڑھا ہنسا اور پھر اُس نے چھکڑے ہانک دیے۔

چھکڑے کے پیچھے اکسینیا بیٹھی تھی۔ اُس کا چہرہ سورج کی تمازت سے بچنے کے لیے ڈھکا ہوا تھا۔ نقاب میں جو آنکھوں کے لیے راستہ چھوڑا گیا تھا اُس میں سے وہ گریگر

کو بیتابی سے دیکھ رہی تھی جو اُس کے مقابل بیٹھا تھا۔ ڈاریا بھی مُنہ چھپائے بہترین لباس پہنے ٹانگیں لٹکائے چھاتی سے اونگھتے بچے کو دُودھ پلا رہی تھی۔ دُنیا اچھلتی کودتی اور بچھڑے کے گرد ناچتی ہوئی چراگاہ کے ازدحام پر نظر دوڑا رہی تھی۔

سوتی قمیص کی آستینیں کہنیوں تک چڑھاکر پنٹلیمون نے پیشانی کا پسینہ پونچھا جو اُس کی ٹوپی سے بہ رہا تھا۔ اُس کی جھکی ہوئی کمر جس پر قمیص بُری طرح چپکی تھی بھیگی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اُس پر پسینے کے داغ نمایاں تھے۔ سورج گہرے بادلوں کی اوٹ سے جھانکتا ہوا دھندلی شعاعیں چراگاہ پر پھینک رہا تھا۔ گاؤں، چھوٹی چھوٹی دور افتادہ پہاڑیاں اور ڈان سورج کی کرنوں میں نہا رہے تھے۔

حبس کا دن تھا۔ بادلوں کے ننھے ننھے ٹکڑے آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ پنٹلیمون کے بیلوں سے بھی آہستہ۔ بوڑھا بھی چابک اٹھا کر رہ جاتا تھا۔ وہ بیلوں کے دبلے جسم پر ضرب لگانے سے ہچکچا رہا تھا۔ بیلوں کو بھی شاید بوڑھے کی جھجک کا علم ہو چکا تھا اسی وجہ سے انھوں نے تیزی نہ دکھائی اور بیٹھے ہوئے کھُر اسی طرح آہستہ آہستہ اٹھاتے رہے۔ زرد رنگ کی گھنڈیاں بھی اُن پر بھنبھنا رہی تھی۔

"وہ رہی ہمارے حصے کی زمین ــــ" پنٹلیمون نے چابک سے اشارہ کیا۔

گریگری نے بیل کھول دیے۔ بوڑھا کان کی بالیاں دمکاتا ہوا وہ نشان دیکھنے لگا جہاں سے اس کے حصے کی گھاس شروع ہوتی تھی۔

"درانتیاں لاؤ" ایک لمحے کے بعد اُس نے حکم دیا۔

گریگری گھاس کو روندتا اور اس میں پٹیاسی ڈالتا ہوا اس کے پاس پہنچا۔ پنٹلیمون دور گھنٹہ گھر کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ اُس کی ناک کی پھننگ ایسی چمک رہی تھی جیسے ابھی ابھی اُس پر پالش کی گئی ہو۔ پسینے کی وجہ سے اُس کے گال بھی دمک رہے تھے۔ وہ مسکرایا ــــ ڈاڑھی میں اس کے سفید دانت جھلملا رہے تھے۔ اُس کی جھریوں

والی گردن اُس تیزی کا پتا دے رہی تھی جس سے وہ گھاس میں درانتی چلا رہا تھا۔ سات فٹ کے دائرے میں کٹی ہوئی گھاس اُس کے قدموں پر پڑی تھی۔

گرگیز باپ کے نقشِ قدم پر چل رہا تھا۔ گھاس کٹ کٹ کر اُس کے قدموں میں گر رہی تھی۔ عورتوں کے رنگین پیش بند اُس کے سامنے قوسِ قزح کا نظارہ پیش کر رہے تھے لیکن اُس کی آنکھیں صرف ایک سفید کڑھے ہوئے پیش بند پر تھیں۔ وہ ایجینیا کی طرف ایک غلط انداز نگاہ سے دیکھتا اور پھر درانتی چلانے میں مصروف ہو جاتا۔

ایجینیا اس کے تصور میں گھوم رہی تھی۔ گرگیز نے تخیل میں نیم باز آنکھوں سے بلایا کہ اُس کا منہ چوم لیا۔ اسی مدہوشی کے عالم میں اُس نے منہ سے الفاظ ایک دھارے کی شکل میں بہانا شروع کر دیئے۔ ایسے الفاظ جو پہلے کبھی اُس کے لبوں پہ نہ آئے تھے۔ ایک لمحے کے لیے اُس نے دامنِ خیال چھوڑ دیا..... لیکن ذرا توقف کے بعد وہ پھر تصور میں غرق ہو گیا۔ ماضی قریب کا ہر واقعہ ایک ایک کر کے اُس کی نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ گھاس کے ڈھیر میں۔ ایجینیا کا قرب ۔۔ چراگاہ میں چاندنی رات ۔۔ کس قدر سہانا تھا یہ تصور ۔۔۔!

اُس کے پیچھے سے ہنسی کی آواز آئی۔ اُس نے مڑ کر دیکھا۔ ڈاریا چھکڑے کے پیچھے لیٹی ہوئی تھی اور ایجینیا اُس پر جھکی جھکی اُسے کچھ بتا رہی تھی۔ ڈاریا نے ہاتھ ہلایا اور ہنسنے لگی۔

"میں اس جھاڑی تک جا کر درانتی پھینک دوں گا" گرگیز نے خیال کیا۔ اسی لمحے اُس نے دیکھا کہ اُس کی درانتی نے کسی نرم چیز کو چھوا ہے۔ وہ جھکا۔ ننھا سا بطخ کا بچہ دو ٹکڑے ہو گیا تھا۔ اُس نے بچہ ہتھیلی پر اُٹھا لیا۔ وہ انڈے سے ابھی ابھی نکلا تھا۔ اُس کے جسم پر زندگی کی حرارت ابھی تک موجود تھی۔ وہ شوق کے مارے اُسے گھورتا رہا۔

"تم نے کیا چیز ڈھونڈی ہے گرگیز؟" ڈونیا نے پوچھا۔ وہ دوڑتی ہوئی کٹی ہوئی گھاس کی رہگذر پر آ گئی تھی۔ اُس کی زلف اُس کے پیچھے لہرا رہی تھی۔ اُس سے ہر قسم کی خوشبو نکل رہی تھی۔ کھانا جلد ختم کیا گیا۔ گوشت، کھٹا دودھ ہی تو کاسکوں کے لوازم تھے۔

"آج گھر تو نہیں جا سکتے" پینٹلیمون نے کھانا ختم کرنے کے بعد کہا "ہم بیل یہیں جنگل میں چھوڑ دیں گے اور کل صبح جب شبنم گھاس پر سے اُڑ جائے گی ہم کٹائی ختم کرلیں گے۔"

جب انھوں نے دن کا کام ختم کیا تو اندھیرا ہو چکا تھا۔ اکسینیا نے گھاس کی آخری قطار جمع کی اور چھکڑے کے قریب باجرا اُبالنے کے لیے چلی گئی۔ وہ دن بھر گریگری کا مذاق اُڑاتی رہی۔ اُس کی جانب ایسی نظروں سے دیکھتی رہی جن میں نفرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہو جیسے گریگری نے اُسے ناقابلِ عفو گزند پہنچایا ہو۔ گریگری اُداس اور اونگھتا ہوا بیلوں کو ڈان پر لے گیا۔ اُس کا باپ سارا دن اُسے اور اکسینیا کو دیکھتا رہا۔ اُس نے گریگری کو غضب آلود نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا "کھانا کھا لو اور بیلوں کی حفاظت کرو۔ احتیاط رکھنا کہ وہ گھاس میں نہ لیٹ جائیں — میرا بڑا کوٹ لے لو۔"

ڈاریا نے بچّہ گاڑی کے نیچے لٹا دیا اور ڈونیا کے ساتھ جنگل میں ایندھن جمع کرنے چلی گئی۔

زرد چاند چراگاہ پر چمک رہا تھا۔ آگ کے گرد پروانے تازہ پڑتی ہوئی برف کی طرح جمع ہو گئے۔

باجرا گل جانے کے بعد ہنڈیا میں چمچہ چلاتے ہوئے ڈاریا نے گریگری کو آواز دی "آؤ کھانا کھا لو۔" گریگری کندھوں پر باپ کا کوٹ ڈالے اندھیرے سے نمودار ہوا اور آگ کے قریب پہنچ گیا۔

"تم اتنے افسردہ خاطر کیوں ہو — کیا ہوا ہے تمھیں؟" ڈاریا مسکرائی۔

"وہ بیلوں کی رکھوالی نہیں کرنا چاہتا" ڈونیا بھائی کے قریب بیٹھی ہوئی بولی۔ وہ گفتگو کا آغاز کرنا چاہتی تھی لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ اُس کے باپ نے شوربا پی کر بھجیے کو دانتوں میں چبانا شروع کیا۔ اکسینیا نگاہیں جھکائے ہوئے مسکرائی اور کھاتی رہی۔ وہ ڈاریا کے مذاق پر مسکرا رہی تھی۔ اُس کے گال تمتمائے ہوئے تھے جل رہے تھے۔

گرنجو سب سے پہلے کھانا کھا کر اٹھا اور بیلوں کے پاس آگیا۔ آگ مدھم پڑ گئی۔

آدھی رات کے قریب گرنجو خیمے کے قریب دبے پاؤں آیا اور دس قدم پرے کھڑا رہا۔ اُس کا باپ خراٹے لے رہا تھا۔ بجھتی ہوئی آگ میں چنگاریاں آنکھیں جھپک رہی تھیں۔ ایک دھندلا سایہ گاڑی سے نیچے اُترا۔ وہ سایہ گرنجو سے کوئی تین قدم کے فاصلے پر آکر رُک گیا۔ الجینیا۔۔۔! گرنجو کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ وہ دبے پاؤں آگے بڑھا اور اُسے سینے سے چمٹا لیا، تنگ آغوش میں کھینچ لیا۔ اُس کی ٹانگوں میں گھٹنے کے پاس خم آگیا تھا۔ وہ کانپ رہی تھی۔ اُس کے دانت بج رہے تھے۔ گرنجو نے خونخوار بھیڑیے کی طرح اُسے بازوؤں پر ڈال لیا اور دوڑنے لگا۔

"گرنجو۔۔۔ گرنجو۔۔۔ تمھارا باپ......"

"خاموش رہو۔"

وہ تڑپ کر علیحدہ ہو گئی۔۔۔ اُس کا دم پھولا ہوا تھا۔ اونی کرتے کی کیلی باس میں اُس کا دم گھٹا جا رہا تھا۔ پھر بھی اُس نے تاسف کا قلع قمع کرتے ہوئے کہا۔ "چھوڑ دو۔۔۔ مجھے نیچے اُتار دو۔۔۔ اب کیا ہے۔۔۔ میں رضامندی سے تمھارے ساتھ چلوں گی۔"

۳

رات کو عورت کی محبت نیلے اور سرخ غنچے کی طرح نہیں ہوتی بلکہ ایک خود رو پودے کی طرح ہوتی ہے۔

کٹائی کے بعد الجینیا بالکل بدل گئی۔ اب وہ ایک بالکل بدلی ہوئی عورت تھی۔ جب دُوسری عورتیں اُس سے ملتیں تو باتیں بناتیں، ناک سکوڑتیں اور اس کی پیٹھ پیچھے اشارے کرتیں۔ دوشیزائیں حسد کرتیں لیکن وہ پھر بھی مسرور اور سرفراز تھی۔

بہت جلد ہر ایک کو معلوم ہو گیا کہ اُس کا تعلق گرنجو کے ساتھ ہے۔ پہلے پہل تو اس رشتے کی باتیں سرگوشیوں میں ہوتی رہیں۔ کسی کو یقین آتا اور کسی کو نہ آتا۔ لیکن جب گاؤں کے گڈریے نے انھیں پن چکی کے پاس رائی کے کھیت میں، کھلی ہوئی چاندنی میں بیٹھے ہوئے دیکھ

لیا تو افواہ مد و جزر کی لہر کی طرح پھیل گئی۔

پینٹیلیمون نے بھی اُڑتی اُڑتی یہ خبر سن لی۔ اتوار کو اُسے ماخوف کی دکان پر جانے کا اتفاق ہُوا۔ ہجوم اس قدر تھا کہ دروازے میں سے داخل ہونا دشوار تھا ـــ وہ داخل ہُوا۔ ہر ایک نے اُسے راستہ دینے کی کوشش کی۔ وہ میز کے قریب پہنچ گیا جہاں بُنا ہُوا کپڑا ایک رہا تھا۔ ماخوف خود اُٹھ کر بوڑھے کی خدمت کے لیے حاضر ہُوا۔

"لسنٹنے ون کہاں رہتے ہو پینٹیلیمون؟" اُس نے پوچھا۔

"کام زیادہ ہے ـــ کھیت ہی سے فرصت نہیں ملتی۔"

"تم جیسے بیٹے کسی کے ہوں اور اسے فرصت نہ ملے؟"

"میرے بیٹوں کو کیا لعل لگے ہیں ـــ پیوترا کیمپ پر جا چکا ہے۔ مجھے اور گریگیر کو سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔"

ماخوف نے انگلیوں سے ڈاڑھی کو دو حصّوں میں تقسیم کرتے اور کنکھیوں سے گاہکوں کو دیکھتے ہوئے کہا "میں اُس لڑکے کو جانتا ہوں لیکن تم نے اس کے متعلق ہمیں کچھ نہیں بتایا۔"

"کیا نہیں بتایا؟"

"کیوں انجان بنتے ہو ـــ اپنے بیٹے کا بیاہ رچانا چاہتے ہو لیکن ہمیں خبر تک نہیں کرنا چاہتے"

"کس بیٹے کا بیاہ رچانا چاہتا ہوں؟"

"کیوں ـــ کیا گریگیر کا بیاہ نہیں ہُوا؟"

"ابھی تک اُسے بیاہ کا وہم بھی نہیں۔"

"میں نے سنا ہے سٹیپن کی بیوی ـــ تمھاری بہو بننے والی ہے۔"

"کیا کہا سٹیپن کے ہوتے ہوتے ـــ اُس کی زندگی میں؟ ماخوف تم مذاق کرتے ہو۔"

"مذاق! ـــ لیکن میں نے تو یہ دوسرے لوگوں سے سُنا ہے۔"

سپیتلیمون کپڑا اپسند کیے بغیر مڑا اور لنگڑاتا ہوا دروازے سے باہر نکل گیا۔ سیدھا گھر کی طرف روانہ ہوا۔ وہ سر جھکائے حسبِ معمول انگلیاں مٹھی میں دباتا رہا۔ جب وہ سیٹپن کی جھونپڑی کے قریب سے گزرا تو اس نے بانس کی باڑ میں سے جھانک کر دیکھا۔ اکسینیا کولھے ہلاتی اور پہلے سے زیادہ جوان نظر آتی ہوئی خالی بالٹی لیے جھونپڑے میں جا رہی تھی۔

"ذرا ٹھہرنا..." اس نے آواز دی۔ وہ پھاٹک کھول کر اندر داخل ہوا۔ اکسینیا کھڑی ہو گئی اور اس کا انتظار کرنے لگی۔ صاف ستھرے فرش پر سرخ ریت بچھی ہوتی تھی۔ بنچ پر تازہ کباب رکھے ہوئے تھے۔ باورچی خانے سے بھیگے ہوئے کپڑوں اور تازہ میلبوں کی خوشبو آرہی تھی۔

ایک موٹی بلی سپتلیمون کی ٹانگوں سے آکر کھیلنے لگی۔ وہ اس کے بوٹوں سے پیٹھ رگڑتی رہی۔ اس نے اسے ٹھوکر سے دور پھینکتے ہوئے چلا کر پوچھا "یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ ابھی تو تمہارے شوہر کے رستے پر پڑے ہوئے نشان بھی نہیں مٹے اور تم نے دوسرے مردوں پر ڈورے ڈالنے شروع کر دیے ہیں۔ میں گریگر کا خون کر دوں گا۔ سٹیپن کو تمہاری کارگزاریاں لکھ بھیجوں گا۔ بتا مجھے کیا بات ہے؟ ۔ کتیا۔ خبردار جو تو نے آج سے میرے گھر میں قدم رکھا... سٹیپن کو آجانے دو۔"

اکسینیا سکڑی ہوئی آنکھوں سے سب کچھ سنتی رہی۔ پھر اس نے نہایت بے شرمی سے لہنگا اٹھایا۔ بوڑھے کو عورت کے کپڑوں کی بو سونگھنی پڑی۔ وہ دانت کٹکٹاتی ہوئی بوڑھے پر لپکی "میں تمہاری کیا پروا کرتی ہوں ۔ تم میرے کون ہوتے ہو؟ کون ہو تم جو مجھے سبق دینے آگئے؟ (گستاخ ہو کر بولی) ۔ جا اور جا کر موٹی اور بھدی عورتوں کو یہ وعظ سنا۔ لنگڑے بدمعاش ۔ بوڑھے شیطان! یہاں سے دور ہو جا۔ میں تجھ سے نہیں ڈرتی۔"

"ذرا دم لے۔"

"دم کیا ہے — جہاں سے آیا ہے وہیں چلا جا۔ اگر مجھے نیزت گریگر کی ضرورت ہے تو میں اسے کھا جاؤں گی۔ اس کی ہڈیاں تک چبا جاؤں گی — کیا ہوا اگر گریگر کو مجھ سے محبت ہے — تم اسے سزا دو گے — تم میرے شوہر کو خط لکھ دو گے — جا اگر جی میں آئے تو ڈالن کو بھی لکھ دے — لیکن گریگر میرا ہے — میرا ہے — سنا — اور میرا رہے گا۔"

اکسینیا نے پنتیلیمون کو چھاتی سے دھکا دیا۔ کالی آنکھوں کے شعلوں سے اُسے جھلس دیا۔ اسے چرب زبانی سے مسخر کر لیا۔ کپکپاتے ہوئے ابروؤں سے بوڑھا الٹے پاؤں واپس ہو گیا۔ اُس نے چھڑی اٹھائی جو کونے میں رکھ دی تھی اور پھاٹک کھول کر چل پڑا۔ اکسینیا دور تک اُس کا پیچھا کرتی ہوئی آئی اور چلاتی رہی — "میں زندگی بھر اُس سے محبت کروں گی۔ تو چاہے اسے جان سے مار دے۔ لیکن گریگر میرا ہے — میرا ہے —"

پنتیلیمون لنگڑاتا ہوا دُور نکل گیا۔

گریگر اسے باورچی خانے میں ملا۔ ایک لفظ کہے بغیر بوڑھے نے اُس کی پیٹھ پر چھڑی برسا دی۔

گریگر نے بوڑھے کا ہاتھ تھام لیا۔

"یہ کس خطا پر آیا ہے؟"

"یہ تیرے کرتوت پر او کُتیا کے بچے!"

"کون سے کرتوت؟"

"پڑوسی ہی پہ ہاتھ صاف کرنے لگا۔ باپ کی عزت خاک میں نہ ملا۔ عورتوں کے پیچھے مارا مارا نہ پھر او شکاری کتے!" پنتیلیمون غرایا۔ اُس نے گریگر کو دھکیلنا چاہا۔ وہ اُس سے چھڑی چھین لینا چاہتا تھا۔

"میں تمھیں پیٹنے نہ دوں گا۔" گریگر بھرائی ہوئی آواز میں چلایا۔ اور دانت بھینچتے ہوئے اُس نے چھڑی باپ کے ہاتھ سے چھیننے کے بعد گھٹنے پہ رکھ کر اُس کے دو ٹکڑے

کر دیے۔

"میں تجھے سب کے سامنے کوڑے لگاؤں گا۔ شیطان کے بیٹے! میں تیری شادی گاؤں کی بیوقوف لڑکی سے کر دوں گا۔ میں تجھے خصی کر دوں گا۔" اس کے باپ نے گرج کر کہا۔ جھگڑے کی آواز سن کر بوڑھی ماں دوڑتی ہوئی آئی "پنٹیلیمون! پنٹیلیمون! صبر سے کام لو۔ صبر سے۔"

لیکن بوڑھا آپے سے باہر ہو چکا تھا۔ اس نے بیوی کو دھکا دیا، میز کو الٹا دیا جس پر کپڑے سینے کی مشین پڑی تھی۔ اور دندناتا ہوا باہر نکل گیا۔ گریگوری جس کا قمیص کھینچا تانی میں پھٹ گیا تھا، ابھی اپنے حواس پہ قابو نہیں پا سکا تھا کہ اس کا باپ ایک دفعہ پھر جنون کی طرح دہلیز میں نمودار ہوا "میں اس کا بیاہ کر دوں گا۔ کتیا کا بچہ!" اس نے پاؤں زمین پہ دے مارا اور گریگوری کی مضبوط پیٹھ کی طرف دیکھنے لگا۔ "میں کل ہی گاڑی لے کر کسی رشتے کی تلاش میں نکلوں گا۔ میں برداشت نہیں کر سکتا کہ میرا ہی بیٹا میری زندگی میں میری ہنسی اڑائے۔"

"پہلے مجھے قمیص تبدیل کر لینے دو پھر بڑی خوشی سے میری شادی کر دینا۔" گریگوری بڑبڑایا۔

"میں تمہارا بیاہ کر دوں گا اور کسی جاہل عورت سے" بوڑھے کے قدموں کی چاپ سیڑھیوں پہ سنائی دی پھر غائب ہو گئی۔

۴

استراخوف گاؤں سے پرے گاڑیاں، جن پر ترپالیں پڑی ہوئی تھیں، میدان میں قطار در قطار کھڑی تھیں۔ ایک اچھا خاصا قصبہ آباد تھا۔ خیموں کی سفید چھتیں اور ان کی دائرہ نما قطاریں، سیدھی گلیاں اور وسط میں ایک چوراہا جس پر سنتری پہرہ دے رہے تھے۔

لوگ کیمپ کی خشک اور بے کیف زندگی بسر رہے تھے۔ صبح کے وقت کاسکوں کا ایک دستہ جو گھوڑوں کی رکھوالی کر رہا تھا، کیمپ میں آیا۔ پھر گھوڑوں پہ زین ڈالتا ہوا، حاضری لگوانے کے لیے جمع ہو گیا۔ دستے کا افسر زوردار آواز میں بول رہا تھا۔ فوجی وردی

ادھر اُدھر بھاگے پھر رہے تھے۔ حوالدار جو نوجوان کا سکوں کی تربیت پر مامور تھے احکام صادر کر رہے تھے۔ وہ ایک پہاڑی کے پیچھے مصنوعی حملے کے لیے مجتمع تھے۔ انھوں نے دشمن کو چالاکی سے گھیرے میں لے لیا تھا۔ نشانوں پر بندوقیں چل رہی تھیں۔ کمسن کا سک میدان میں ورزش کر رہے تھے۔ تجربہ کار تھکے بڈھوں کو شکست دیتے۔

کیمپ کے ٹوٹنے سے ایک ہفتہ پہلے ٹوملن کی بیوی اُس سے ملنے آئی ـــ وہ اس کے لیے گھر سے سوغات لے کر آئی تھی اور ساتھ ہی گاؤں کی تازہ خبریں بھی۔

وہ دوسرے دن صبح سویرے چل دی۔ کا سکوں کے سلام اور کنبوں کے نام ہدایات لے کر وہ گاؤں روانہ ہو گئی۔ سٹیپن نے اُسے کوئی پیغام نہ دیا۔ وہ شام کو علیل ہو گیا۔ اُس نے ناسازیٔ طبع کا علاج واڈ کا کی بوتل تجویز کر لیا تھا۔ اور وہ دنیا و مافیہا سے غافل ہو چکا تھا۔ وہ بھول چکا تھا کہ ٹوملن کی بیوی صبح واپس گاؤں جا رہی ہے۔ وہ صبح کو پریڈ پر بھی نہ آسکا۔ اُس کی التجا پر ڈاکٹر کے نائب نے اُس کے سینے پر ایک درجن جونکیں لگا دی تھیں۔ سٹیپن بنیان پہنے گاڑی کے ایک پہیے پر بیٹھا تھا۔ وہ جونکوں کو سینے کا خون چوستے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اُس کا سینہ سوج گیا تھا۔

ٹوملن اُس کے قریب آیا اور اُس نے آنکھ ماری ـــ "سٹیپن! مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔" اُس نے کہا۔

"کہو، کیا بات ہے؟"

"میری بیوی آئی تھی ـــ آج صبح چلی گئی۔"

"اوہو۔"

"گاؤں میں تمھاری بیوی کے متعلق بڑی افواہیں پھیلی ہوئی ہیں۔"

"کیا کہا ـــ ؟"

"تم شاید بُرا مانو......"

"کہو بھی۔"

"وہ کھلے خزانے گریگری سے عشق بازی کر رہی ہے۔"

سٹیپن کا رنگ زرد پڑ گیا۔ اُس نے جونکیں سینے سے چھیل کر پھینک دیں۔ پھر پاؤں سے اُنھیں کچل دیا۔ اُس نے قمیص کے بٹن لگائے اور کسی نامعلوم خوف سے دوبارہ کھول دیے۔ اُس کے ہونٹ کپکپانے لگے۔ ذرا ذرا مسکرانے پھر نیلے ہو کر شکن دار ہو گئے۔ ڈوملن سوچ رہا تھا کہ سٹیپن کے سینے میں طوفان برپا ہے۔ رفتہ رفتہ سٹیپن کا رنگ بدلا۔ اُس کے ہونٹ دانتوں کے نیچے پھر اصلی حالت پر آ گئے۔ اُس نے ٹوپی اتاری اور بولا "اس اطلاع کے لیے شکریہ۔"

"معاف کرنا، میں تمھیں آگاہ کرنے آیا تھا۔"

ڈوملن پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر گھوڑے کے پاس چلا گیا۔ سٹیپن ٹوپی ہاتھ میں لیے چند لمحوں تک ساکت کھڑا رہا۔ ایک نیم مردہ جونک اُس کے بوٹ پر چڑھ آئی تھی۔

۵

دس دن تک کاسک اپنے کیمپ سے واپس آنے والے تھے۔

اکسینیا تلخ محبت کا تجربہ کر رہی تھی۔ وہ محبت جس کی جولانگاہیں اندھیری اور چاندنی راتیں تھیں۔ گریگری باپ کی دھمکیوں کے باوجود رات کو چپکے سے کھسک جاتا اور منہ اندھیرے گھر لوٹتا۔

گریگری بارہ دن تک گھوڑے کی طرح محنت کرتا رہا تھا۔ راتوں کو جاگنے کی وجہ سے اُس کے بھورے چہرے پر سیاہی پھر گئی تھی۔ آنکھیں تھکی تھکی اور بوجھل تھیں۔ اکسینیا ننگے منہ گھومتی رہتی۔ اُس کی آنکھوں کے نیچے کے گہرے گڑھے کالے پڑ گئے تھے۔ اُس کے ہونٹوں پر جو تبسم تھا اُس میں اذیت اور تکلیف کا امتزاج ہو چکا تھا۔

اُن کا تعلق کچھ ایسا پاگل پن لیے ہوئے تھا، وہ ایک دوسرے سے کچھ ایسی بے باکی اور بے شرمی سے ملتے، وہ دونوں ایک ہی شعلۂ عشق سے اس طرح جل رہے تھے کہ نہ تو اُنھیں

اس کا ہوش تھا اور نہ وہ دنیا بھر میں کسی سے محبت چھپاتے تھے یہاں تک کہ لوگ اُن سے گلے ملتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ گریگری کے دوست جنھوں نے پہلے اُسے اکسینیا کے بارے میں اُکسایا تھا اب اُس سے گریز کرتے تھے۔ اُس کی محبت میں وہ پیچھے پیچھے سے رہتے۔ دل ہی دل میں عورتیں اکسینیا سے حسد کرتیں اور انھیں اس پر رشک بھی آتا لیکن بظاہر وہ نفرت کا اظہار کرتیں اور ترک تعلق پر آمادہ ہو جاتیں۔ اُن سب کو سٹیپان کی آمد کا انتظار تھا۔

اگر گریگری اور اکسینیا نے اپنے تعلقات کو دنیا سے چھپانے کی کوشش کی ہوتی تو خلافِ معمول کوئی واقعہ نہ ہوتا۔ دنیا کو کوئی نئی بات نظر نہ آتی۔ گاؤں کے لوگ ایک دو دن کے لیے چرچا کرتے پھر ہمیشہ کے لیے بھول جاتے لیکن وہ دونوں کھلے بندوں اکٹھے رہتے۔ ایک نامعلوم قوتِ عظیم نے انھیں یکجا کر دیا تھا۔ مگر سارا گاؤں چراغ پا تھا۔ لوگ آس لگائے بیٹھے تھے کہ سٹیپان آئے گا۔ اور اس گٹھ جوڑ کے ٹکڑے اڑا دے گا۔

سٹیپان کی خواب گاہ میں پلنگ پر ایک رسّی بندھی رہی تھی جس میں آرائش کے لیے سیاہ اور سفید دھاگے سے لٹک رہے تھے۔ مکھیاں انھیں ڈوروں پر رات بسر کرتیں اور لکڑی کے جالے بالا سے چھت تک پھیلے ہوئے تھے۔ گریگری اکسینیا کے سفید اور ننگے بازو پر لیٹا ہوا تھا۔ اُس کا بازو سرد تھا اور آنکھیں خالی ریلوں کو حیرت سے تک رہی تھیں۔ اکسینیا کا دُوسرا بازو اُس کے سر کے موٹے بالوں سے کھیل رہا تھا۔ گریگری نے جب مُنہ موڑا اور ناک اُس کی بغلوں میں دے دی تو اُس کی انگلیوں سے گرم گرم دودھ کی اور بغلوں سے نسوانی پسینے کی میٹھی باس آئی۔ اُس کا دماغ بلی جلی خوشبوؤں سے بس گیا۔

لکڑی کے پلنگ کے علاوہ کمرے کے ایک کونے میں دروازے کے پاس ایک بڑا صندوق بھی تھا جس میں اکسینیا کا جہیز بند تھا۔ صندوق پر ٹین کی پتیاں جڑی ہوئی تھیں۔ دوسرے کونے میں ایک میز پڑی تھی جس پر جرنیل سکابلیف کی روغنی تصویر تھی۔ پاس ہی دو کرسیاں رکھی ہوئی تھیں دیواروں پر تصویریں لٹکی ہوئی تھیں۔ ایک میں کارک عجیب و غریب لباس پہنے ناچ رہے تھے۔

دوسری میں سٹیپن فوجی ہمراہیوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ ایک کھونٹی پہ سٹیپن کی وردی ٹنگی ہوئی تھی۔ کھڑکی سے چاند جھانک رہا تھا۔ ایک آہِ سرد بھر کر ایکسینیا نے گریگری کی پیشانی کا بوسہ لیا۔

"گریگری ۔۔ میری جان ۔۔۔!" وہ بولی۔

"کیوں کیا ہے؟" اُس نے سوال کیا۔

"صرف نو دن باقی رہ گئے ہیں۔"

"ابھی بہت ہیں۔"

"میں کیا کروں گریگری؟"

"میں کیا جانوں؟"

ایکسینیا نے دوبارہ آہِ سرد کھینچی۔ اُس نے گریگری کے اُلجھے بال سلجھائے۔

"سٹیپن مجھے جان سے مار دے گا۔" اُس نے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

گریگری خاموش تھا۔ وہ سونا چاہتا تھا۔ اُس نے بڑی مشکل سے پلکیں کھولتے ہوئے اُور ایکسینیا کی نیلگوں آنکھوں کی گہرائیوں کو اپنی طرف متوجہ پا کر بیداری کا ثبوت دیا۔

"میرا خیال ہے کہ میرے شوہر کی آمد پر تم مجھے چھوڑ دو گے۔ کیا تم اُس سے ڈرتے ہو؟" اُس نے پوچھا۔

"میں کیوں ڈرتا؟ تم اس کی بیوی ہو۔ تم ڈرو نہ ڈرو۔"

"جب میں تمہارے پاس ہوتی ہوں مجھے ڈر نہیں لگتا لیکن جب دن کے وقت اکیلے میں دھیان آتا ہے تو خوفزدہ ہو جاتی ہوں۔"

گریگری نے جمائی لی اور کہا۔ "سٹیپن کی واپسی کی تو مجھے پروا نہیں لیکن میرا باپ میری شادی کی ترکیب لڑا رہا ہے۔ مجھے اس بات کی فکر ہے۔"

وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا مگر اسے سر کے نیچے ایکسینیا کا ہاتھ نرم اور سرد ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ ایک لمحے کے لیے ایکسینیا کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ لیکن جلد ہی پہلے کی طرح سخت ہو گئی۔

"کوئی لڑکی اس نے انتخاب کی ہے؟"

"نہیں ـــ وہ ابھی دھمکی دے رہا ہے۔ میری ماں کہتی ہے کہ اُس کا ارادہ مجھے نتالیا کارشنف سے بیاہنے کا ہے۔"

"نتالیا۔ وہ خوبصورت لڑکی ہے۔ حد سے زیادہ خوبصورت ـــ تم اُس سے شادی کر لو گے۔ میں نے پچھلے اتوار اُسے گرجے میں دیکھا تھا......؟"

"مجھ سے اُس کے حسن کا ذکر نہ کرو۔ میں تو تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

اکسینیا نے گریگر کے سر کے نیچے سے بازو کھینچ لیا اور کھڑکی میں سے دیکھنے لگی ـــ زرد رنگ کی دھند احاطے میں پھیل چکی تھی۔ غلہ گھر کی چھت کا سایہ گہرا ہو گیا تھا۔ جھینگروں نے بولنا شروع کر دیا۔

"گریگر!" وہ بولی۔

"کیا کوئی ترکیب سوجھی؟"

اکسینیا نے گریگر کا کھردرا اور مضبوط ہاتھ پکڑ لیا اور اُسے سینے پر دبا لیا۔ پھر وہ اسے اپنے سرد گالوں تک لے گئی اور چیخی۔ "گریگر! تم نے مجھ سے محبت کیوں کی؟ ـــ میں کیا کروں؟ ـــ گریگر ـــ میں کہیں کی نہ رہی ـــ سٹیپن آ رہا ہے۔ میں اسے کیا جواب دوں گی۔ اب میری حفاظت کرنے والا کون ہے؟"

گریگر خاموش تھا۔ اکسینیا اُس کی حسین اور پتلی ناک کی طرف دیکھتی رہی۔ اُس کی سیاہ آنکھوں اور گونگے لبوں کی طرف تکتی رہی..... پھر دفعتہً وہ جذبات پر قابو پا کر دیوانہ وار اُس کا چہرہ، گردن، بازو اور چھاتی کے کالے گھونگھریالے بال چومنے لگی۔ وہ سانس لینے کے بعد بولی۔ (گریگر کا جسم کانپ رہا تھا) "گریگر ـــ میرے پیارے ـــ میرے محبوب چلو یہاں سے بھاگ چلیں ـــ میری جان! ہم یہاں کی ہر چیز سے ہاتھ اٹھا لیں گے اور چل دیں گے ـــ اگر تم میرے ساتھ ہو تو میں شوہر کو بھی چھوڑ دوں گی ـــ ہم دور کانوں

میں چلے جائیں گے — میں تمھیں پیار کروں گی اور تمھاری غور پرداخت بھی — میرا ایک چچا ہے بندپیرومانوف کی کان میں چوکیدار ہے — وہ میری مدد کرے گا۔ گرگیو! صرف ایک لفظ کہہ دو یعنی ہاں کردو۔

گرگیو لیٹا ہوا سوچتا رہا۔ پھر اس نے جلتی ہوئی ایشیائی آنکھیں کھولیں۔ وہ ہنس رہی تھیں اُن سے عزم والقان کا شعلہ ہویدا تھا۔

”تم بے وقوف ہو الکسینیا — بیوقوف —! تم صرف باتیں بنا رہی ہو۔ ایسی باتیں جو سننے کے قابل نہیں۔ میں کھیت چھوڑ کر نہیں جا سکتا — ابھی تو مجھے فوجی فرائض انجام دینے میں ہیں اپنے کھیت چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ اس میدان میں تو سانس بھی لیا جا سکتا ہے — لیکن وہاں — میں پچھلے سال والد کے ساتھ اسٹیشن تک گیا تھا۔ میں تو مر چلا تھا۔ میرا تو وہاں دم گھٹ رہا تھا۔ انجن چلا رہے تھے۔ ہوا جلتے ہوئے کوئلے کے دھوئیں سے بھاری ہو گئی تھی۔ خدا جانے وہاں لوگ کیونکر رہتے ہیں۔ شاید وہ اس گھٹی ہوئی فضا کے عادی ہو جاتے ہیں“ گرگیو نے تھوکا اور کہا” میں اپنا گاؤں نہیں چھوڑ سکتا۔“

کھڑکی سے باہر رات اور بھی تاریک ہو چکی تھی۔ چاند کو بادل نے ڈھانپ لیا تھا۔ سرد اور زرد دھند غائب ہو چکی تھی۔ سایے بھی ڈھل چکے تھے۔

کمرے کی تاریکی میں اضافہ ہو چکا تھا۔ سیٹپن کی وردی پر پڑتے ہوئے روشنی کے داغ مٹ چکے تھے۔ اس گہری تاریکی میں گرگیو الکسینیا کے شانوں کی حسین دجمیل کپکپاہٹ نہ دیکھ سکا۔ وہ اس کے سر کی لرزش بھی جو اس کے کانپتے ہوئے ہاتھوں پر رکھا تھا محسوس نہ کر سکا۔

۷

ٹوٹلن کی بیوی کی آمد کے بعد سیٹپن کا چہرہ کالا پڑ گیا۔ اس کے ابرو آنکھوں پر جھک آئے اور پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ سیٹپن غصے کے عالم میں بارِ الم ایسے اٹھائے ہوتے تھا جیسے ایک گھوڑا پیٹھ پر سوار لیے دوڑا جا رہا ہو۔ وہ ساتھیوں سے بہت کم بولتا۔ ذرا ذرا سی بات پر لڑنے

لگتا پیوترا کی طرف نگاہ بھی نہ کرتا۔ دوستی کا رشتہ جو مضبوط ہو چکا تھا، یکلخت ٹوٹ گیا۔ جب وہ گھر واپس آنے لگے تو پیوترا اور سٹیپن کے گھوڑے ایک ہی گاڑی میں جوتے گئے۔ ان کے پیچھے کرسٹونیا اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ ٹوملن کو بخار تھا، وہ اوورکوٹ پہنے سو رہا تھا۔ فیوڈوٹ آج سست تھا اس لیے باگیں پیوترا کے ہاتھ میں تھیں۔ سٹیپن گاڑی کے ساتھ پیدل چل رہا تھا۔ وہ چابک سے سڑک کے کنکر بکھیر رہا تھا۔ بارش ہو رہی تھی۔ گیلی مٹی گاڑی کے پہیوں سے چمٹی جا رہی تھی۔ آسمان ابر آلود تھا اور اس کا رنگ فاختئی ہو گیا تھا۔ رات ہو گئی۔ کسی گاؤں کی بتیاں جلتی ہوئی نظر نہ آتی تھیں۔ پیوترا گھوڑوں پر چابک برسا رہا تھا۔ یکایک سٹیپن چلایا "تم۔۔۔ تم اپنے گھوڑے پر چابک نہیں برساتے۔ بار بار میرے گھوڑے پر ظلم ڈھاتے ہو۔"

"آنکھیں کھول کر دیکھو۔۔۔ جو گھوڑا زور نہیں لگاتا سزا اُسے دیتا ہوں۔"

سٹیپن نے کوئی جواب نہ دیا۔ نصف گھنٹے تک خاموشی رہی۔ ترپالوں پر بارش کی بوندیں بج رہی تھیں۔ پیوترا نے باگیں چھوڑ دیں اور سگرٹ پینے لگا۔ وہ ذہن میں ایسے الفاظ جمع کر رہا تھا جن سے آنے والے جھگڑے میں سٹیپن کو بے عزت کر سکے۔

گاڑی اچھلی پھر یکایک کھڑی ہو گئی۔ کیچڑ سے پھسلتے ہوئے گھوڑے زمین میں دھنس گئے۔

"کیا ہوا؟" سٹیپن نے گھبرا کر پوچھا۔

"دیا سلائی تو دینا" پیوترا نے مطالبہ کیا۔

گھوڑے نتھنے پھڑپھڑاتے اور زور لگاتے ہوئے چل رہے تھے۔ کسی نے دیا سلائی جلائی۔ زرد رنگ کی روشنی کا دائرہ نمودار ہوا پھر اندھیرا چھا گیا۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے پیوترا گرتے ہوئے گھوڑے کو بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن گھوڑا اکھسل چکا تھا۔ درمیان [illegible] چرچرایا۔ سٹیپن نے یک دم بہت سی دیا سلائیاں جلائیں۔ اس کا اپنا گھوڑا گھٹنوں [illegible] پڑا تھا۔

کرستونیا باگیں اتار رہا تھا۔

"اٹھو — پیوتڑا کا گھوڑا کھول دو — جلدی کرو" اُس نے حکم دیا۔

آخر سٹیپن کے گھوڑے کو بصد مشکل پاؤں پر کھڑا کیا گیا۔ کرستونیا نے دیکھا کہ وہ ایک ٹانگ سے لنگڑا رہا تھا" میرے خیال میں اُس کی ٹانگ ٹوٹ چکی ہے۔ ذرا اسے چلا کر دیکھیں" پیوتڑا نے باگ کھینچی۔ گھوڑا ایک دو قدم آگے بڑھا لیکن اُس نے اگلی بائیں ٹانگ زمین پر نہ رکھی اور ہنہنانے لگا۔ تومِلن بھی کوٹ اوڑھ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

"ٹوٹ گئی کیا — ایک گھوڑا تو گیا" وہ بولا۔

سٹیپن، جو اب تک خاموش کھڑا تھا، شاید اسی جملے کی تلاش میں تھا۔ وہ کرستونیا کو پرے ہٹا کر پیوتڑا پر ٹوٹ پڑا۔ اُس نے نشانہ تو سر کو بنایا تھا لیکن مکا لگا کندھے پر۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے اور کیچڑ میں لت پت ہو گئے۔ سٹیپن نے پیوتڑا کو نیچے گرا دیا اور اُس کے سینے پر گھٹنا رکھ کر گھونسے مارنے لگا۔ — کرستونیا نے اُسے نیچے سے نکالا۔

پیوتڑا خون تھوکتے ہوئے بولا" آخر یہ تیزی کیوں ؟"

"گھوڑوں کو سڑک سے نیچے نہ چلا — اژدہے !"

پیوتڑا کرستونیا کے ہاتھوں سے نکل کر اُس کی طرف لپکا۔

"بس — بس — اب تم مجھ سے نبرد آزما ہونا چاہتے ہو" کرستونیا نے پیوتڑا کو گاڑی کے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

اُنھوں نے فیوڈوٹ کا گھوڑا پیوتڑا کے گھوڑے کے ساتھ باندھ دیا۔ کرستونیا نے سٹیپن کو گاڑی چلانے کے لیے کہا اور خود پیوتڑا کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ آدھی رات کے وقت وہ ایک گاؤں میں پہنچے۔ وہ ایک جھونپڑی پر آ کر رُکے اور رات بسر کرنے کی درخواست کی۔ فیوڈوٹ گھوڑے اندر لے گیا۔ وہ سؤر کی لاش سے ٹکرا کر گرتے گرتے

بجا۔ شیڈ کے نیچے انھوں نے گھوڑے باندھ دیے۔ ڈہلن دانت بجاتا ہوا جھونپڑی میں چلا گیا۔ کرسٹونیا اور پیوٹر اگاڑی میں لیٹے رہے۔

صبح کو وہ دوبارہ چلنے کے لیے تیار ہوئے۔ سٹیپن جھونپڑی سے ایک بوڑھی عورت کے ہمراہ باہر آیا۔

"کون سا ہے؟"

"کالے رنگ کا"

بڑھیا نے لاٹھی زمین پر رکھ دی۔ مضبوط بازوؤں سے گھوڑے کی ٹانگ زمین سے اٹھائی۔ اور بغور معائنہ کرنے لگی۔ گھوڑا درد کے مارے پیچھے ہٹا۔

"ٹانگ ٹوٹی نہیں کا سک! یہاں چھوڑ جاؤ، میں اسے اچھا کر دوں گی۔"

سٹیپن نے اثبات میں ہاتھ ہلایا۔

۷

"میں تو اس کے عشق میں پاگل ہوئی جا رہی ہوں۔ بوڑھی اماں! میں اندھی ہو چکی ہوں۔ میں تو اب قمیص میں بٹن بھی نہیں لگا سکتی۔ جب وہ میری جھونپڑی کے قریب سے گزرتا ہے تو میرا دل سنگ اٹھتا ہے۔ میں زمین پر گر کر اس کے نقشِ پا چومتی ہوں..... وہ اس کی شادی کر رہے ہیں ___ میری مدد کرو ___ اس امداد کا صلہ چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہو میں دوں گی۔ میں اپنا تار تار تمھیں دوں گی مگر میری مدد کرو۔"

چمکتی ہوئی آنکھوں سے بوڑھی درانڈ دکھا نے الکسینیا کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی دردناک داستان سن کر سر ہلا رہی تھی!

"وہ نوجوان کون ہے؟"

"گریگر ___ سپنٹیلیمون کا بیٹا۔"

"وہی ترک!"

"ہاں۔"

"میری بچی ـــ میرے پاس کل صبح سویرے آنا۔ ہم ڈان کے پانی میں چلیں گے۔ میں تیرا بھوت اتار دوں گی۔ ایک چٹکی نمک لیتی آنا۔"

"الجینیا منہ ڈھانپ کر نہایت احتیاط کے ساتھ دروازے سے باہر نکل گئی۔ رات کے اندھیرے میں اس کا جسم غائب ہو گیا۔ اس کے قدموں کی آواز بھی بند ہو گئی۔ دور گاؤں کے ایک کونے سے کسی کے گانے کی آواز آ رہی تھی۔

الجینیا نے رات بھر پلک تک نہ جھپکائی۔ منہ اندھیرے وہ دراز دکھا کی کھڑکی میں آموجود ہوئی۔

"بوڑھی اماں!" الجینیا پکاری۔

"کون ہے؟"

"میں ہوں الجینیا ـــ اُٹھو۔"

وہ دونوں دریا پر پہنچیں۔ ساحل کی ریت جم گئی تھی۔ نم آلود دھند ڈان پر چھائی ہوئی تھی۔ بڑھیا الجینیا کو ہاتھ سے پکڑ کر دریا تک لے گئی "نمک مجھے دے دو ـــ مشرق کی طرف منہ کر کے صلیب کا نشان بناؤ۔"

الجینیا نے مشرق کی طرف منہ کر کے صلیب کا نشان بنایا۔

"چلو میں پانی لے کر پیو ـــ جلدی کرو۔"

الجینیا نے پانی پیا ـــ کالی مکڑی کی طرح بڑھیا نے ایک بہتی ہوئی موج پر نمک چھڑک دیا اور گنگنائی۔

"نیچے سے آ کر جسم میں چھا جانے والی سردی ـــ جلتا ہوا گوشت۔ دل میں ایک زندہ ـــ عشق اور بخار ـــ مقدس صلیب! ـــ معصوم ماں ـــ خدا کا بندہ گریگر۔"

الجینیا نے یہ الفاظ سُنے ـــ بڑھیا نے کچھ نمک گیلی ریت پر چھڑکا۔ کچھ اپنے پاؤں پر

ہیں اور کچھ انجیلینا کو دے دیا۔" تھوڑا سا پانی اپنے کندھوں پہ چھڑک لو۔ جلدی کرو۔"
انجیلینا نے اس کے حکم کی تعمیل کی ۔۔۔ اس نے بڑھیا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"بس ۔۔۔ کوئی چیز باقی تو نہیں رہ گئی؟"
"نہیں ۔۔۔ بس۔"
انجیلینا سر پہ پاؤں رکھ کر گھر کی طرف بھاگی ۔۔۔ گائیں احاطے میں بیٹھی دُم ہلا رہی تھیں۔
ڈاریا نیند سے بھری ہوئی آنکھوں سے اپنی گائیں ہانک رہی تھی ۔۔۔ جب انجیلینا پاس آئی
تو مسکرا کر اس نے پوچھا "نیند تو اچھی آئی تمہیں پڑوسن!"
"شکر ہے۔"
"صبح سویرے کہاں گئی تھیں؟"
"مجھے گاؤں میں ذرا کام تھا۔"
گرجے کے گھنٹے بج رہے تھے۔ گاؤں کا چرواہا چابک سے پٹاخے چھوڑتا ہوا گلی میں
جا رہا تھا۔ انجیلینا نے بھی اپنی گائیں باہر نکال دیں اور دودھ بلو نے صحن میں آ گئی۔ اس نے
پیش بند سے ہاتھ پونچھے ۔۔۔ وہ خیالات میں گم تھی۔
گاڑیوں کے بھاری پہیوں کی تند آواز گونجی۔ انجیلینا نے دودھ کی بالٹی زمین پر رکھ دی
اور سامنے کی کھڑکی میں سے جھانکا۔ سیبسٹین تلوار کی موٹھ تھامے پھاٹک میں سے آ رہا تھا۔ انجیلینا
پیش بند کا دامن انگلیوں سے مروڑتی ہوئی بنچ پر بیٹھ گئی ۔۔۔ سیڑھیوں پہ قدموں کی آواز
گونجی۔ قدموں کی آواز صحن تک آ گئی ۔۔۔ قدموں کی آواز اب دروازے پر تھی......
سیبسٹین دہلیز میں کھڑا تھا۔ سربر آوردہ اور سرکش۔
"کہو......"
انجیلینا سمٹتی ہوئی اٹھی اور اس کی طرف بڑھی "مجھے پیٹو ۔۔۔ مجھے سزا دو" اس نے
آہستہ سے کہا۔

"ایکسینیا!"

"میں چھپاؤں گی نہیں سٹیپن! مجھے مارو۔"

ایکسینیا کا سر اُس کے سینے پر گر گیا۔ اُس کا جسم اکٹھا ہو گیا۔ اُس نے اپنے پیٹ پر اپنے بازو بطور حفاظت رکھ لیے۔ اُس نے پھر نگاہیں اٹھائیں۔ اُس کی نگاہیں سٹیپن کے پرسکون چہرے پر پڑیں۔ سٹیپن نے اُسے ایک ہاتھ سے پرے ہٹا دیا اور گزر گیا۔ مرد کے پسینے اور سڑک کی گرد کی بو اُس کی قمیص سے آ رہی تھی۔ وہ ٹوپی اتارے بغیر بستر پر گر پڑا۔ وہ کندھے جھٹکاتا رہا۔ اُس کی سنہری مونچھیں آج نیچے لٹکی ہوئی تھیں۔ ایکسینیا سر موڑے بغیر کنکھیوں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ سٹیپن نے پاؤں بستر کی پائنتی پر رکھ دیے۔ اُس کے بوٹ پر جمی ہوئی کیچڑ نیچے گر گئی۔ وہ چھت کی طرف دیکھتا اور اپنی تلوار کی چرمی پٹی سے کھیلتا رہا۔

"ناشتہ کر چکی ہو؟" اُس نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"اچھا تو میرے لیے کچھ کھانے کو لاؤ۔"

اُس نے کچھ دودھ پیا۔ مونچھیں بھیگ گئیں۔ وہ روٹی کے ٹکڑے چباتا رہا۔۔۔۔

ایکسینیا انگیٹھی کے پاس کھڑی رہی۔ وہ اذیت ناک خوف کے عالم میں شوہر کے چھوٹے چھوٹے کان گرتے اور بلند ہوتے دیکھ رہی تھی۔

سٹیپن میز پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ایکسینیا کے پاس چل کر آیا۔ "پیاری! مجھے ساری داستان سناؤ۔" جھکے ہوئے سر سے ایکسینیا نے میز صاف کی۔۔۔ وہ خاموش تھی۔

"بتاؤ کہ تم نے اپنے شوہر کا انتظار کس طرح کیا اور اُس کی عزت کو کیونکر بچایا؟"

ایکسینیا کے سر پر بھاری ہاتھ پڑا۔ اُس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ لڑھکتی ہوئی دروازے تک آ گئی۔ دروازے کے کھمبے سے اُس کا سر ٹکرایا اور کراہنے لگی۔۔۔ سٹیپن تو دبلی تو کیا مضبوط عورت کو بھی اُس کے سر پر ضرب لگا کر چکر کھلا سکتا تھا۔۔۔ نہ جانے

فرطِ خوف یا نسوانی نفرت سے مجبور ہو کر اکسینیا چار وں شانے چت لیٹ گئی ۔

سٹیپن نے سگرٹ سلگا لیا تھا اور کمرے کے درمیان کھڑا جمائیاں لے رہا تھا۔ اُس نے تمباکو کا ٹٹوا میز پہ پھینک دیا۔ لیکن اکسینیا پہلے ہی اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے باہر نکل گئی تھی سٹیپن اُس کے تعاقب میں لپکا ۔

خون میں لتھڑی ہوئی اکسینیا میلیخوون کی باڑ سے ملحق اپنی باڑ تک پہنچ چکی تھی ۔۔۔ سٹیپن نے باڑ کے پاس اسے پکڑ لیا۔ اس کا سیاہ ہاتھ اس کے سر پر باز کی طرح جھپٹا۔ اُس کی انگلیوں میں سے بال پھسلے جا رہے تھے ۔ اُس نے اُنھیں بری طرح کھینچتے ہوئے اکسینیا کو زمین پر گرا دیا۔ ٹھنڈا الیگزی شامیل پاس سے گذرا ۔ وہ کیا کرتا ۔ ایک شوہر اپنی بیوی کو پیٹ رہا تھا ۔ وہ آنکھ جھپکتا اور مسکراتا ہوا گزر گیا ۔۔۔ سٹیپن آخر اپنی بیاہتا بیوی کو پیٹ رہا تھا ۔ شامیل کھڑا ہو کر یہ دلچسپ نظارہ دیکھنا چاہتا تھا کہ سٹیپن اسے جان سے مار دیتا ہے کہ نہیں لیکن اس کے ضمیر نے گوارا نہ کیا کیونکہ وہ مرد تھا، عورت نہ تھا ۔

سٹیپن کو دور سے کوئی دیکھ کر یہی کہہ سکتا تھا کہ وہ کا سکا ناچ میں مشغول ہے ۔ گریگر بھی یہی سمجھا کیونکہ باورچی خانے کی کھڑکی سے سٹیپن اُچھلتا کودتا نظر آ رہا تھا ۔۔۔ لیکن اُس نے دوبارہ دیکھا اور جھونپڑی سے دوڑتا ہوا باہر آ گیا ۔ وہ مٹھیاں چھاتی پہ ٹکاتے ہوئے باڑ پھلانگ گیا ۔ پیوتڑا نے اُس کا ساتھ دیا ۔ اُس نے سٹیپن کو پیچھے سے جا پکڑا ۔ سٹیپن لڑکھڑایا ۔ لیکن وہ مڑ کر جنگلی ریچھ کی طرح اُس پر جھپٹا ۔

دونوں بھائی جان توڑ کر لڑے ۔۔۔ گریگر کئی مرتبہ زمین پہ گرا ۔ پیوتڑا سٹیپن سے طاقتور تھا لیکن اُس کی بھی بری گت بن رہی تھی ۔ وہ ابھی تک اپنے پاؤں پہ کھڑا تھا ۔ سٹیپن کی آنکھیں بھی چوٹ کھا کر سرخ ہو گئی تھیں ۔ وہ پسپا ہو گیا ۔

اتفاقاً کرسٹونیا اُدھر سے گزرا ۔ اُس نے انھیں چھڑایا ۔

"بند کرو ۔۔۔ ورنہ میں ٹوملن کو اطلاع کر دونگا ۔"

پیوٹر اخون تھوک رہا تھا۔ اُس کا آدھا دانت بھی ٹوٹ گیا تھا۔

"چلو گریگر! چلو — پھر کسی موقع پر اس سے سمجھ لیں گے۔"

"پھر کب — ابھی آجاؤ۔"

"بہت اچھا — آجاؤ — میں تمہارے ٹکڑے اُڑا دونگا۔"

"واقعی۔" اتنا کہ کر سٹیپن دوڑتا ہوا آیا۔ گریگر اُس کے مقابلے کے لیے آگے بڑھا۔ لیکن کریسٹونیا بیچ میں آگیا "تم میں سے جو بھی آگے بڑھا اس کے لیے اچھا نہ ہوگا" کریسٹونیا نے دھمکی دی۔

۱

"پیوتر اسے کہ دو کہ وہ اپنی گھوڑی اور گھوڑا جوت دے" پینٹیلیمون نے گریگری کو حکم دیا۔ وہ پسینے میں شرابور تھا اور شوربا ختم کر رہا تھا۔ ۔ ڈونیا — گریگری کی ہر نقل و حرکت کی کڑی نگرانی کر رہی تھی۔ الینتا تو ایک لباس پہنے آج غیر معمولی طرح پر صاف ستھری نظر آ رہی تھی۔ اس کے لبوں پر ماں کی شفقت نمودار تھی۔ اس نے بڑھے سے کہا "تھوڑا سا شوربا اور پی لو۔ تم صبح سے بھوکے ہو۔"

"یہ وقت کھانے کا نہیں" اس نے جواب دیا۔

پیوترا کی لمبی اور زرد مونچھیں دروازے میں سے نمودار ہوئیں "تمھاری گاڑی تیار ہے — کیا چلنے ہو؟" ڈونیا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس نے آستینوں میں چہرہ چھپا لیا۔ الینتا کی چچیری بہن اپنی گریگری کی موسی رشتہ کرانے کے لیے ساتھ جا رہی تھی۔ وہ سب سے پہلے گاڑی میں بیٹھی وہ گردن ہلاتی ہوئی ہنس رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں میں سے اس کے میلے دانت چمک رہے تھے

"کیوں دانت نکالتی ہو؟ وسی لیسا! کہیں تمھارے دانت نہ گر پڑیں۔"

پیوترا نے چابک کھول دیا تھا۔ گریگری نے باگیں ہاتھوں میں تولتے ہوئے گاڑیبان کی جگہ سنبھال لی۔ پینٹیلیمون اور الینتا ایک نوجوان جوڑے کی طرح ساتھ ساتھ بیٹھ گئے۔

گریگری ہونٹ کاٹتا ہوا گھوڑوں پر چابک برسا رہا تھا۔ گھوڑے صحیح راستے سے پچھلے جا رہے تھے۔

"ذرا دھیان سے چلاؤ۔ کہیں پہیے نہ کیچڑ میں دھنس جائیں" ڈارا چلائی۔ لیکن گاڑی

جلد ہی صحیح راستے پر آگئی۔

ایک طرف جھک کر گریگر نے پیوٹر کے پس رو گھوڑے کے چابک لگایا۔ اُس کے باپ نے اپنی ڈاڑھی ہاتھوں میں لے لی تھی۔ شاید وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں ہوا اُسے اُڑا کر دُور نہ لے جائے۔

"چابک برساؤ ــــ ذرا تیز چلو" بوڑھا جھنجلا رہا تھا۔ ہوا کی تیزی سے اکسینیا کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے اُس نے واسکٹ کی صاف آستین سے اُنہیں پونچھا۔ وہ آنکھیں جھپکتے ہوئے گریگر کے ساٹن کے نیلے قمیص پر جو ہوا سے پھڑپھڑا رہا تھا نگاہیں دوڑا رہی تھی۔ کاسک ــــ راہگیر راستے سے ہٹ کر انھیں گھور رہے تھے۔ دالانوں سے آتے ہوئے کتے گھوڑوں کے پاؤں کے قریب بھونک رہے تھے۔

گھوڑوں پر گریگر کا چابک مسلسل برس رہا تھا۔ دس منٹ میں گاؤں بہت دور پیچھے رہ گیا۔ کارشنف کا طویل و عریض مکان پلک جھپکتے ہی آگیا۔ گریگر نے گھوڑوں کی باگیں کھینچ لیں۔ بوڑھا تیزی سے نیچے اُترا۔ وہ سنبھالے ہوئے ہوش کھونا نہ چاہتا تھا۔ وہ لنگڑاتا ہوا سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ گریگر گھوڑوں کے پاس رہ گیا۔ اکسینیا اور روسی لیباس سر لٹتے ہوئے لباس سے بوڑھے کے پیچھے لپکتی ہوئی بڑھیں۔ بوڑھا کولہے مارتا ہوا آئینے کی طرح چمکتی ہوئی سیڑھیوں پر چڑھ گیا۔ وہ اور اکسینیا ساتھ ساتھ باورچی خانے میں داخل ہوتے۔ پینٹیلیمون بیوی کے ساتھ کھڑا جھنجلا رہا تھا۔ کیونکہ وہ اس سے چھ انچ لمبی تھی۔ اس لیے اس نے ایک قدم آگے رکھا اور ــــ ٹوپی اتارتے ہوئے بولا "صبح بخیر! خدا تمھیں صحت عطا کرے۔"

"شکریہ ـ صبح بخیر!" گھر کا مالک، جو چھوٹے قد اور گھٹے ہوئے جسم کا تھا، بولا "تمھارے مہمان آگئے ہیں میرونن گریگوری ورچ!" اُس نے بیوی کو آواز دی۔

"مہمانوں کے لیے میرا گھر ہمیشہ حاضر ہے۔" میرتیا نے آنے والوں کو بیٹھنے کے لیے سٹول دیتے ہوئے کہا۔

گھر کے مالک کی چوڑی چکلی بیوی نے سٹولوں کی گرد جھاڑی۔ پینٹیلیمون ایک سٹول کے کونے

پر بیٹھتے اور بھووں سے پسینہ پونچھتے ہوئے بولا "ہم تمھیں تکلیف دینے کی غرض سے آئے ہیں ....." اس نے ابتدا کی مگر بیر پھیر سے ___ اکنیا اور دستی لیسا بھی بیٹھ گئیں۔

"تکلیف کیسی ..... ہاں کہیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں" گھر کا مالک مسکرایا۔ گریگری داخل ہوا۔ گردوپیش دیکھتے ہوئے اس نے میزبانوں کو سلام کیا۔ __ میرون کے جھائیوں والے چہرے پر سرخی دوڑ گئی کیونکہ گریگری کا لباس دیکھ کر ان کی آمد کا تو مقصد اس نے تاڑ لیا تھا۔ "گھوڑوں کو احاطے میں کر دو اور انھیں تھوڑی سی گھاس ڈال دو" اس نے بیوی کو حکم دیا۔

"ہمیں کام تو زیادہ نہیں ___ ایک معاملے میں تمھاری رائے لینے آئے ہیں" پنتیلیمون نے ڈاڑھی کو بل دیتے ہوئے کہا "تمھاری لڑکی ابھی کنواری ہے اور ہمارا لڑکا بھی کنوارا ہے۔ کیا ان کا رشتہ آپس میں نہیں ہو سکتا؟ ہم یہی معلوم کرنے آئے ہیں۔ کیا تم اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں آج ہی دے سکو گے؟ اس طرح ہم ایک دوسرے کے رشتہ دار بن جائیں گے۔"

"دیکھیں خدا کو کیا منظور ہے" میرون نے سر کھجاتے ہوئے کہا "لیکن ہم اسے اس خزاں میں تو بیاہنے کا خیال نہیں رکھتے۔ ان دنوں کام کی زیادتی ہے۔ دوسرے وہ ابھی اتنی جوان بھی نہیں۔ اس نے ابھی اٹھارہ بہاریں دیکھی ہیں ..... کیوں میریا! میں غلط تو نہیں کہہ رہا ..... ؟"

"تم ٹھیک کہتے ہو، وہ اٹھارہ برس کی تو ہے۔"

"یہی تو شادی کی عمر ہے" وستی لیسا بیچ میں بولی "لڑکیاں بہت جلد جوان ہو جاتی ہیں ....."

بڑھیا سٹول پر کسمسائی۔ جھاڑے نے کارنش جو احاطے میں سے اٹھا لائی تھی اچھے رہا تھا۔ روایت تھی کہ جو کوئی جھاڑے نے کارنش اٹھا لیتا تھا اس کی درخواست نامنظور نہ کی جاتی تھی۔

"ہماری لڑکی کے لیے اس بہار کے آغاز میں اور بھی بہت سے رشتے آئے تھے لیکن ہم اپنی لڑکی کو کنوئیں میں دھکیلنا نہیں چاہتے ..... خدا کا ہم پر فضل و کرم ہے۔ ہماری لڑکی گھر کے ہر دھندے میں طاق ہے" میرون کی بیوی نے جواب دیا۔

"اگر کوئی شریف انسان تمہارے ہاں آ کر درخواست کرے تو یقیناً تم انکار نہ کرو گی؟"
پینٹلیمون نے قطع کلام کیا۔

"انکار کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا" گھر کا مالک داڑھی کھجاتے ہوئے بولا "ہم اسے ہر وقت بیاہ سکتے ہیں۔"

گفت و شنید اس نقطے پر پہنچ کر ٹوٹنے ہی والی تھی۔ پینٹلیمون چراغ پا ہو چکا تھا۔ اس کے چہرے پر پسینے کی نمی چمکنے لگی تھی۔ لڑکی کی ماں ایک کڑک مرغی کی طرح بیٹھی تھی۔ لیکن وسی لیسا عین موقع پر کام آئی۔ اُس نے لبوں سے تیز تیز الفاظ کا دریا بہانا شروع کیا۔ جیسے کوئی آگ پر نمک چھڑک رہا ہو۔

"جب ایک دفعہ یہ مسئلہ چھڑ جائے تو اسے نہایت خوش اسلوبی سے فیصل ہونا چاہیے۔ آخر اس میں تمہاری بیٹی کی بہبود کا سوال ہے ... نتالیا ... کوئی چراغ لے کر بھی ڈھونڈے تو ایسی خوبصورت لڑکی نہیں مل سکتی۔ بڑی محنتی اور سگھڑ ہے۔ کتنی اچھی بیوی ثابت ہوگی۔ تمہاری نتالیا، اس کے لیے اچھا ہی بر ڈھونڈنا ہوگا۔" اُس نے ہاتھ پھیلا دیے۔ پھر پینٹلیمون اور الیخنا کی طرف دیکھتی ہوئی بولی "یہ رہا شوہر۔ کتنا اچھا شوہر ثابت ہوا ہے میرن۔ جب کبھی میں اس کی طرف دیکھتی ہوں مجھے اپنا متوفی شوہر یاد آ جاتا ہے۔ محنتی ہونے کی وجہ سے دُور دُور تک مشہور ہے۔ اُس کا کنبہ محنت اور تندہی کے باعث جواب نہیں رکھتا۔ وفادار اور دیانتدار کنبہ ہے اس کا۔" وسی لیسا کی باریک آواز پینٹلیمون کے کانوں میں شربت کی طرح پڑ رہی تھی۔ وہ بیٹھا نتھنوں کے پڑھے ہوئے بال اکھاڑ رہا..... اور سوچ رہا تھا "کتنی ملائمت ہے اس کی گفتگو میں......." وہ وسی لیسا کی طرف تحسین آمیز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی مقدور بھر جی کے لیے میرون کی کس قدر تعریف کر رہی تھی۔

"بیچاری تو اپنی بیٹی کی خوش حالی کا خیال ہے" میریا بولی۔

"بات صرف اتنی ہے کہ نتا لیا کو بیاہ دینا قبل از وقت ہے" گھر کا مالک مسکراتے ہوئے اطمینان سے بولا۔

"جلد یا بدیر ہمیں اس سے جدا ہونا ہی پڑے گا" گھر کی مالکہ نے سرد آہ بھری۔

"اپنی بیٹی کو ذرا بلاؤ تو" ہم بھی ایک آنکھ دیکھ لیں"

"نتا لیا ۔۔۔ !"

ایک لڑکی سمٹی ہوئی دروازے میں آ کھڑی ہوئی۔ اس کی سانولی انگلیاں پیشبند سے کھیل رہی تھیں۔ "آ جاؤ ۔۔۔ آ جاؤ ۔۔۔ ذرا شرمیلی ہے" اس کی ماں بولی۔ ماں نے کھیچی ہوئی آنکھوں سے دیکھا۔ گریگر اُسے بغور دیکھ رہا تھا۔

گرد سے اٹے ہوئے رومال کے نیچے بھوری آنکھیں، گالوں میں پڑے ہوئے گڑھے، گریگر نے نگاہیں اس کے ہاتھوں پر جما دیں۔ اس کے مضبوط ہاتھوں پر محنت کے نشان تھے۔ تنگ اور سبز جاکٹ سے اس کا دہرا اور کسا ہوا جسم نمایاں ہو رہا تھا اس کے ابھرے ہوئے سینے میں زیر و بم تھا۔ اس کے کنوارے پستانوں کے نکیلے سرے دو بٹنوں کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔

ایک ہی لمحے میں گریگر کی آنکھوں نے اس کے سراپا کا جائزہ لے لیا تھا۔ اس نے نتالیا کو اسی طرح پرکھا جیسے گھوڑوں کا کوئی بیوپاری گھوڑی کا بند بند دیکھ کر کہہ رہا ہو "کتنی اچھی گھوڑی ہے یہ ۔۔۔ اسے خرید لو"۔ اُدھر نتالیا کی شرمگیں نگاہیں شاید اُسے یہ پیغام دے رہی تھیں۔ "مجھے دیکھو، سر سے پاؤں تک ۔۔۔ ہر طرح اپنی تسلی کر لو۔ میں کھڑی ہوں"۔ گریگر مسکرایا۔ شاید اس کا تبسم کہہ رہا تھا، "واقعی بے حد حسین ہے!"

"نتالیا! اب تم جاؤ" اس کے باپ نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے روانگی کا حکم دیا۔
دروازہ بند کرتے ہوئے نتالیا نے گریگر کی طرف متبسم نگاہ ڈالی۔ وہ اپنے آپ پر قابو نہ پا سکی۔

"پینٹیلیمون پرا کوفی وچ: میری بات سنو — " میروَن بولا "تم بھی سوچ لو اور میں بھی ادھر سوچتا ہوں اور اپنے رشتہ داروں کا مشورہ لیتا ہوں۔ اس کے بعد ہم آپس میں اس کا فیصلہ کریں گے کہ یہ رشتہ ہو سکتا ہے یا نہیں۔"

جب وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھا تو پینٹیلیمون نے کہا "ہم اگلے اتوار کو پھر آئیں گے۔"

میروَن، جان بوجھ کر خاموش رہا جیسے اس نے اس کی بات سنی نہ ہو۔

۲

توملن سے اپنی بیوی کی بدکرداری کا حال سن کر سٹیپن دل میں نفرت اور اذیت کی پرورش تو کر رہا تھا لیکن اسے معلوم ہو چکا تھا کہ تعلقات خوشگوار نہ ہونے کے باوجود اسے اکسینیا سے محبت تھی۔ وہ رات کو گاڑی میں کوٹ اوڑھے دونوں بازو سر کے پیچھے پھینکے بیوی کے متعلق سوچتا رہا تھا۔ سوچتا رہا کہ واپسی پر وہ اس سے کیا سلوک کرے گا — وہ انتقام لینے کے ہزاروں طریقے وضع کرتا رہا تھا۔

سٹیپن کے گھر آنے کے بعد استاخوف کے مکان میں ایک عجیب قسم کی اداسی اور انوکھی وضع کا سکوت پایا جاتا تھا۔۔۔ اکسینیا دبے پاؤں ہر کام کرتی۔ سرگوشیوں میں بات کرتی۔ اس کی خوف سے لبریز آنکھوں میں ایک چھوٹی سی چنگاری تھی، ایک ننھا سا شعلہ تھا اس آگ کا شعلہ جو گریگیر نے بھڑکائی تھی سٹیپن بھی اس شعلے کی موجودگی سے بے بہرہ نہ تھا۔ وہ ایک خوفناک اذیت میں مبتلا تھا۔ رات کو اس نے بستر سے مکھیاں اڑانے کے بعد اکسینیا کو زدوکوب کیا جو ابھی ابھی بستر لگا کر ہٹی تھی۔ اس کا بالوں بھرا ہاتھ بڑی سختی سے اس کے منہ پر رکھا ہوا تھا — وہ ان کے تعلق کی شرمناک تفصیلات طلب کر رہا تھا اکسینیا بستر پر لیٹی شدتِ درد سے کروٹیں بدل رہی تھی۔ اس کے نرم جسم کو زیادہ تکلیف دینے سے گریز کرتے ہوئے اس نے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا۔ وہ آنسوؤں کی تلاش میں تھا لیکن اس کے گال سوزاں اور خشک تھے۔

"تم نہ بتاؤ گی؟"

"نہیں۔"

"میں تمھیں قتل کر دوں گا۔"

"کر دو — خدا کے لیے میرا گلا گھونٹ دو۔ اس زندگی سے تو......"

سٹیپن نے دانت کٹکٹاتے ہوئے اس کا جسم دہرا کر دیا۔ اُس کی چھاتیاں مروڑنے لگا وہ بھیگی ہوئی تھیں۔ اکسینیا کپکپائی اور کراہی۔

"کیوں تکلیف ہوتی ہے؟"

"ہاں — ہاں......"

"لیکن تمھارا کیا خیال ہے مجھے تکلیف نہیں ہوئی؟"

مگر وہ جلد ہی سو گیا۔ وہ خواب میں مٹھیاں تانتا رہا، مُکّے مارتا رہا — اکسینیا کہنیوں پر لیٹی ہوئی شوہر کی صورت دیکھ رہی تھی۔ وہ نیند میں پُرسکون اور خوبصورت ہو گیا تھا — مگر بستر سے ٹیکنے کے بعد وہ دیر تک سوچتی رہی۔ تنہائی میں اُس کا دل ڈوب رہا تھا۔

اکسینیا نے گریگر سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا۔ ایک دفعہ ڈان کے ساحل پر اُس سے ملاقات ہوئی تھی۔ گریگر اپنے بیل پانی پلانے کے لیے وہاں لے گیا تھا۔ وہ اپنے قدموں کی طرف دیکھتا ہُوا واپس آرہا تھا اور اکسینیا ڈان پر پانی لینے جا رہی تھی۔ اُس نے اُسے دیکھا۔ اُس کی رگوں میں خون جمتا ہوا نظر آیا۔

اُس کے بعد جب اسے دوبارہ اس ملاقات کی یاد آئی تو اسے یقین نہ آیا کہ واقعی وہ کبھی اُس سے ملی تھی۔

جنگل میں بالیاں لہرا رہی تھیں جب وہ اس کے پاس سے گزری تو گریگر نے اُسے نظر بھر کر دیکھا۔ اُس کے ابرو کانپ رہے تھے۔ وہ نہایت جھونڈے پن سے ... اکسینیا نے اُسے ڈان کو اور سینگوں آسمان کو دیکھا۔

"ایجینیا" وہ پکارا۔

"ایجینیا سر جھکائے چلتی رہی۔ جب وہ سات آٹھ قدم چل چکی تو اُس نے غصّہ سے بیلوں کو چابک مارتے ہوئے پوچھا "سٹیپن رائی کاٹنے کب جائے گا؟"

"وہ تیار ہو رہا ہے۔"

"تم اسے الوداع کہہ آؤ۔ اتنے میں مَیں بھی فارغ ہو کر آتا ہوں۔ تم میرے کھیت کے باغ میں میرا انتظار کرنا۔"

ایجینیا لہراتی ہوئی بالٹیاں لیے ہوئے ڈان کو روانہ ہوئی۔ موجوں کے کندھوں پہ بہتا ہوا جھاگ کنارے پر جمع ہو رہا تھا۔ بحری بگلے دریا پر منڈلا رہے تھے۔ ننھی ننھی مچھلیاں پانی کی سطح پر آ گئی تھیں۔ دریا کے دوسرے کنارے کی طرف، جہاں ریت بکھری ہوئی تھی سفید چٹانیں غرور سے سر بلند کیے کھڑی تھیں۔ ایجینیا جھک کر دریا میں گھس گئی۔ رقص کرتی ہوئی موجیں اُس کی پنڈلیوں کو چھیڑ رہی تھیں۔ سٹیپن کی آمد کے بعد آج وہ پہلی مرتبہ ہنسی۔ اُس نے جانتے ہوئے گریگر کی طرف دیکھا۔ وہ ڈھلان پر چڑھ رہا تھا۔ ایجینیا نے بھیگی ہوئی آنکھوں کی دھند میں سے اُس کی مضبوط ٹانگوں کی داد دی۔ اُس کے نقوشِ پا پر دور ہی سے بوسے پھینکے۔ اُس کی کمر پر پھٹے ہوئے قمیص کا ایک ٹکڑا لہرا رہا تھا۔ سوراخ یہاں سے اُس کا سانولا بدن چمک رہا تھا۔ اُس نے جسم کے اُس حصّے پر آنکھوں ہی سے بوسہ دیا۔ یہ جسم کبھی اُس کا تھا۔ آنسو اُس کے لبوں تک بہہ آتے تھے۔

اُس نے بالٹیاں زمین پر رکھ دیں۔ پھر انھیں بہنگی کے کندھوں میں پھنسا لیا۔ اُس نے گریگر کے بوٹوں کے نشان کی طرف حسرت سے دیکھا۔ گردوپیش نگاہ دوڑائی۔ ادھر ادھر کوئی متنفّس موجود نہ تھا۔ دور کچھ لڑکے نہا رہے تھے ۔۔۔ وہ جھک گئی۔ اُس نے ہتھیلی اُن نشانوں پر پھیرنی شروع کی۔ پھر اٹھی اور بہنگی کندھوں پر رکھ کر گھر کی طرف روانہ ہوئی۔

ٹڈی سی اور ایک دھندلا پٹا ہوا سورج گاؤں کے اوپر سے گزر رہا تھا۔ بادلوں کے

جھرمٹ میں سے آسمان کی گہری نیلاہٹ نظر آرہی تھی۔ جلتے ہوئے لوہے کی چھتیں، ویران گلیوں، کھیتوں اور زرد گھاس پر تمازت مسلط تھی۔

اکسینیا سیڑھیوں کے قریب پہنچی تو سٹیپن گھاس چھپنے کی مشین میں گھوڑے جوت رہا تھا۔ اُس نے تنکوں کی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ اُس نے باگیں ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا "پھاٹک کھول دو۔"

اکسینیا نے جرأت کر کے پوچھا "کب لوٹو گے؟"

"شام کو۔ میں اور اینیکشا مل کر کٹائی کریں گے۔ اس کا بھی کھانا لے کر آنا۔ وہ میتھو کے کھیت کاٹ کر آئے گا۔"

کٹائی کی مشین کے پہیئے چرچرائے۔ گرد کے دھوئیں میں وہ غائب ہو گیا۔ اکسینیا گھر چلی آئی۔ ایک لمحے تک وہ سر پر ہاتھ رکھے سوچتی رہی لیکن فوراً ہی رومال سے بال لپیٹتی ہوئی دریا کی طرف دوڑ پڑی۔

"اگر وہ واپس آ گیا تو پھر کیا ہو گا؟" یہ سوال یکایک اس کے ذہن میں پیدا ہوا۔ وہ رکی جیسے اس کی راہ میں کوئی گہرا گڑھا حائل ہو گیا ہو۔ لیکن وہ دوڑتی ہوئی دریا کے کنارے کنارے چراگاہ میں جا پہنچی۔

باڑ اور باغات، پھولوں کا طوفان سورج کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آلوؤں کے سبزی مائل زرد پودے — شامیل خاندان کی عورتیں آلوؤں کا کھیت کھود رہی تھیں۔ اُن کی کمر جھکی ہوئی تھی۔ انھوں نے گلابی لہنگے پہن رکھے تھے۔ میلیخوف کے باغ میں پہنچ کر اکسینیا نے چاروں نگاہ دوڑائی۔ وہ باڑ میں سے پھاند کر اندر داخل ہوئی۔ گھنی جھاڑی کے پیچھے لہنگا سمیٹ کر بیٹھ گئی۔ گریگر نے اُسے یہیں آنے کو کہا تھا۔

اُس نے سننے کے لیے جھاڑی سے کان لگایا۔ اُس کے کان میں سکوت گونج اٹھا۔ سر پر شہد کی مکھی بھنبھنا رہی تھی — وہ آدھ گھنٹے تک یونہی بیٹھی رہی۔ دل میں وسوسے اُٹھ رہے

لے رہا ہے تجھے ـــــ کیا وہ آئے گا ؟ ـــــ وہ چلنے کے لیے اُٹھی ہی تھی، اُس نے سر پہ رومال درست کیا ہی تھا کہ پھاٹک زور سے چرچرایا۔

"ایجینیا!"

"میں یہاں ہوں" ایجینیا پکاری۔

"تم آ ہی گئیں!" وہ پتوں کو سرسراتا ہوا اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

اُن کی نگاہیں ملیں ـــــ وہ رو پڑی۔

"مجھ میں اب ہمت نہیں رہی ـــــ میں ہمت ہار چکی ہوں گریگر!"

"کیوں، وہ تمھیں زیادہ تنگ کرتا ہے؟"

فرطِ غضب میں اُس نے قمیص کا کالر جھٹکے سے کھول دیا۔ اُس کے پستانوں پر نیلی نیلی خراشیں تھیں۔

"کیا تمھیں نہیں معلوم وہ مجھے رات بھر پیٹتا رہتا ہے؟ وہ میرا خون چوس رہا ہے۔ اور تم عجیب ہو...... کتّے کا سا مجھ سے سلوک کیا پھر یہ جا وہ جا ـــــ" اُس نے قمیص کے بٹن لگا لیے۔ خوفزدہ ہو کر گریگر کی طرف دیکھا۔ اُسے ڈر تھا کہ کہیں وہ ناراض نہ ہو گیا ہو۔

"تم سارا الزام مجھ پر تھوپ رہی تھی" اُس نے گھاس کی پتی اکھاڑتے ہوئے کہا۔

"کیا تم ملزم نہیں؟"

"ایک کُتّے کو کُتیا کی پروا نہیں ہوتی۔"

ایجینیا نے منہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔ یہ حملہ اُس پر بھاری ضرب کی طرح پڑا۔

گریگر ناک سکوڑتا ہوا اُس کی طرف مُڑا۔ ایک آنسو اُس کے ہاتھ پہ گر پڑا تھا۔ دھندلے سورج نے اُس کے جسم پر ایک لمحے کے لیے ضو پاشی کی۔

گریگر آنسو برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اُس نے بھوری چیونٹی کو، جو اُس کی پتلون پہ چلی جا رہی تھی، مسل دیا۔ ایجینیا پر نگاہ کی۔ وہ اپنی جگہ ابھی تک جامد تھی۔ جب ہاتھ نے اُن کی

صورت چھپا رکھی تھی اُس میں سے اُنگلیوں کی راہ آنسوؤں کی تین دھاریں بہ رہی تھیں
"کیوں، کیا ہوا؟ کیا میں نے تمہیں صدمہ پہنچایا ہے؟ ایکسینیا! دیکھو سنو تو سہی مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔"

اُس نے چہرے پر سے ہاتھ ہٹا لیے "میں تو تمہاری صلاح لینے آئی تھی۔ تم کس پیسے آتے ہو؟ زندگی ــ موجودہ زندگی بیحد تلخ ہے ــ اور تم...... میں تمہیں جھگڑنے نہیں آئی۔ تم نہ ڈرو" وہ بولی۔ اُس لمحے اُسے واقعی یقین تھا کہ وہ گریگر کو پابہ زنجیر کرنے نہیں آئی ــ لیکن جب وہ ڈان کی طرف تیزی سے بھاگ رہی تھی تو وہ سوچ رہی تھی ــ "میں اُسے اپنا کے رہونگی۔ اب اُس کے سوا میرا کون ہے جس کے ساتھ میں رہ سکتی ہوں؟"

"ہماری محبت مرگئی" اس کا مطلب تو یہ ہوا!" گریگر بولا۔ وہ کہنیوں کے سہارے لیٹ گیا۔ اور گلاب کی پتیاں چبانے لگا۔

"کیونکر مرگئی؟" ایکسینیا چونک اُٹھی۔ "کیونکر؟" اُس نے اس بات کا جواب اس کی آنکھوں میں پڑھنے کی پوری کوشش کی۔

گریگر نے آنکھیں پھیر لیں۔

خشک زمین سے تمازت اور نمی کی بُو اُٹھ رہی تھی۔ ہوا سورج مکھی کی پتیوں میں سے گزرتی ہوئی چل رہی تھی ...... ایک لمحے کے لیے دوڑتا ہوا بادل سورج پہ چھایا اور میدان میں 'گاؤں' پر اور ایکسینیا کے سر پر دھوئیں کا سا سایہ چھا گیا۔

گریگر نے ایک سرد آہ بھری۔ اُس گھوڑے کی طرح جس کا گلا سوج گیا ہو، پیٹھ کے بل لیٹ گیا تاکہ کندھے جلتی ہوئی زمین سے گرما سکے۔

"سنو ایکسینیا!" اُس نے آہستہ سے کہا "مجھے ایک خیال سوجھا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں"
باغ میں سے جاتی ہوئی گاڑی سے ایک نسوانی آواز آئی "او گنیے! ذرا خیال سے"
آواز کچھ اتنی قریب سے آئی کہ ایکسینیا زمین پہ بیٹھ گئی۔ گریگر نے سر اُٹھا کر بہت آہستہ

سے کہا "سر سے رومال اُتار لو۔ یہ نظر آتا ہے۔ انھوں نے ہمیں دیکھ نہ لیا ہو۔"

اُس نے رومال اُتار دیا۔ گرم ہوا سورج مکھی کے پودوں میں سے ہوتی ہوئی اُس کے سنہرے بالوں کے گچھوں سے، جو گردن پر لہرا رہے تھے کھیلنے لگی۔ گاڑی کی کھڑکھڑاہٹ آہستہ آہستہ بند ہو گئی۔

"میں بتاؤں۔۔۔ میں کیا سوچ رہا ہوں؟" گرگجیہ بولا "میں سوچ رہا ہوں۔ بیتے ہوئے لمحے واپس نہیں بلائے جا سکتے۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ وہ لمحے دوبارہ ہاتھ نہیں آ سکتے۔ ہم ایک دوسرے کو بُرا بھلا کیوں کہیں؟ ایک دوسرے پر الزام کیوں لگائیں۔۔۔۔؟ کچھ بھی ہو ہمیں ساتھ رہنا ہے۔۔۔۔"

ایجینیا ہمہ تن گوش تھی۔ اُس نے گرگجیہ کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ ہمیں ختم۔۔۔۔"

ایجینیا کے نتھنے پھیلے پھر سکڑ گئے۔ اُس کے چہرے پر خوف اور ایک عظیم خطرے کی روشنی پھیل گئی۔ منہ خشک ہو گیا۔ وہ جملے کے اختتام کا شدید انتظار کر رہی تھی۔ اُس نے سوچا تھا کہ گرگجیہ کہے گا "ہمیں ختم کر دینا ہو گا اب اس قصّے کو۔"

ایجینیا اُٹھ کھڑی ہوئی، دوڑ کر پھاٹک تک پہنچ گئی۔

"ایجینیا! ایجینیا!" گرگجیہ گھٹی ہوئی آواز میں پکار اُٹھا۔

پھاٹک چرچرایا۔۔۔ ایجینیا جا چکی تھی۔ وہ بھی اُٹھا۔ ایجینیا کے پیچھے روانہ ہوا لیکن اس نے اسے نہیں دیکھا بلکہ اُس کی بجائے وہ تو کوئی اجنبی عورت تھی ان جانی اور ان دیکھی جو سر جھکائے اس سے دور جا رہی تھی۔

۱۴

رانی کی کٹائی کے فوراً بعد قبل اس کے کہ وہ غلّہ گھر میں لے جاتی گیہوں بھی پک گئے۔ ڈھلانوں اور کھیتوں میں سبز پتے زرد پڑ گئے۔ اس دفعہ فصل اچھی ہوئی تھی۔ ہر شخص کے لبوں پر یہی پیغام تھا۔ گیہوں کی بالیاں بڑی تھیں۔ گیہوں کا دانہ موٹا اور وزنی تھا لیکن بہار میں مشرق سے آنے والی خشک سالی کا اثر فصل پر پڑا تھا۔

اپنی ماں سے مشورے کے بعد پینٹیلیمون نے فیصلہ کیا کہ اگر کارشنف خاندان راضی ہو گیا تو گریگر کا بیاہ یکم اگست تک ملتوی کر دیا ہو گا۔ وہ کارشنف کے ہاں اُن کا جواب لینے کے لیے ابھی تک نہیں گیا تھا۔ سب سے پہلے فصل کی کٹائی لازم تھی ۔۔۔ دُوسرے وُہ فرصت کے دن کا انتظار کر رہا تھا۔

جمعہ کے دن میلیخوف خاندان نے کٹائی شروع کی۔ پینٹیلیمون نے ایک گاڑی اناج کی پولیاں باندھ کر لادنے کے لیے تیار کی۔ پیوترا اور گریگر کھیت میں فصل کاٹنے کے لیے گئے ۔۔۔ پیوترا گھوڑے پر سوار تھا اور گریگر پیدل۔ گریگر سوچ میں غرق تھا۔ اُس پر اداسی اور دلگیری مسلط تھی ۔۔۔ پیوترا دیکھ رہا تھا کہ اُس کا بھائی لڑنے مارنے کے لیے آمادہ ہے ۔۔۔ اُس نے اُسے چھیڑنے کی غرض سے کہا ۔۔۔ "بخدا! میں نے اپنے کانوں سے اُسے کہتے ہوئے سنا۔"

"مجھے پروا نہیں اگر وہ بکتی ہے" گریگر نے مونچھیں چباتے ہوئے کہا۔

"وہ کہنے لگی میں نے میلیخوف کے سورج مکھی کے تختے پر سے آوازیں سنیں جب قصبے سے واپس آ رہی تھی۔

"پیوترا چپ رہو!"

"ہاں آوازیں سنیں ۔۔ جب میں نے باڑ میں سے جھانکا......"

گریگر آگ بھبوکا ہو گیا۔ "تم منہ بند کرو گے کہ نہیں......؟"

"تم عجیب لڑکے ہو ۔۔ مجھے بات تو ختم کر لینے دو۔"

"میں تمھیں آگاہ کیے دیتا ہوں ۔۔۔ وہ نوبت ہاتھا پائی تک نوبت آ جائے گی!" گریگر نے دھمکی دی۔

پیوترا نے بھویں اونچی کیں اور زین پر سے گریگر کی طرف گھوم گیا۔

"...... میں باڑ میں سے جھانکتی ہوں تو دو عاشق معشوق کو گلے میں باہیں ڈالے پڑے دیکھتی ہوں۔ وہ کہتی ہے ...... کون؟ میں پوچھتا ہوں۔ وہ جواب دیتی ہے۔ اور کون؟ اکسینیا اور

تمہارا بھائی ......' میں کہتا ہوں ......"

گریگر جیلی کا دستہ پکڑ کر، جو کاٹنے کی مشین سے پیچھے پڑی رہ گئی تھی، بھائی کی طرف چلا۔ پیوتڑا لگام چھوڑ کر گدی پر سے اچھلا اور گھوڑوں کے ... منہ کو دگیا۔ "پاگل ہو گیا ہے پاگل ---- اگر کسی نے پاگل نہیں دیکھا تو دیکھ لے ......" وہ گریگر کی طرف دیکھ کر ہنسا۔ جیلی زمین میں گڑ گئی اور لہرانے لگی پیوتڑا نے بدکے ہوئے گھوڑوں کی باگیں پکڑتے ہوئے کہا "سؤر! تم نے مجھے جان سے مار دیا ہوتا"

"میں تمہیں جان سے مار دیتا ......"

"تم بے وقوف ہو۔ پاگل شیطان ہو۔ تم اپنے باپ کے بیٹے ہو۔ سچے ترک!"

گریگر جیلی زمین سے اکھاڑ کر گھوڑوں کی طرف لپکا۔ پیوتڑا نے انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے اُسے پاس بلایا اور بولا "لاؤ یہ جیلی مجھے دے دو۔"

اُس نے باگیں بائیں ہاتھ میں پکڑلیں۔ پھر جیلی کے دستے سے گریگر کے جبڑے پر ضرب لگائی۔ گریگر اچھلا۔ ایک لمحے کے بعد دونوں نے سگرٹ سلگاتے اور زور زور سے ہنسنے لگے کرسٹونیا کی بیوی، جو گاڑی میں گھر جا رہی تھی، گریگر کو اپنے بھائی پر حملہ کرتے ہوئے دیکھ چکی تھی۔ وہ گاڑی میں سے اُچک کر دیکھنے لگی۔ لیکن اُسے کچھ بھی نظر نہ آیا کیونکہ میلیخوف کی کٹائی کی مشین اُس میں اور دونوں بھائیوں میں حائل تھی۔ ابھی وہ گاؤں کی گلی میں داخل بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اُس نے ایک پڑوسی سے کہا "کلیمونا! دوڑ کر پینٹیلیمون ترک کو بتا ناکہ اُس کے بیٹے دو جیلیوں سے لڑ رہے ہیں۔ گریگر نے پیوتڑا کے پہلو میں جیلی بھونک دی ہے اور پیوتڑا نے اُس کے ...... خون بہ رہا ہے ---- کچھ نہ پوچھو۔"

اسی اثنا میں دونوں بھائیوں نے کٹائی شروع کر دی تھی۔ پیوتڑا اکتا چکا تھا۔ وہ گھوڑوں پہ غصہ اتار رہا تھا۔ گریگر مشین سے کٹی ہوئی فصل گاڑی میں پھینکتا جاتا تھا۔ کٹائی کی سرگرمی ہر طرف پائی جاتی تھی۔ مشینوں کے چمکتے ہوئے پھل کھڑ کھڑا رہے تھے۔

"دو قطاریں اور کاٹنے کے بعد ہم سگرٹ پینے کے لیے رکیں گے" مشین کی کھڑکھڑاہٹ میں پیوتر اچلایا۔ گریگری نے اُس کا جملہ سُن کر اثبات میں سر ہلایا۔ وہ لب نہ کھول سکا۔ پسینہ اس کے چہرے سے بہ رہا تھا۔ اور آنکھوں میں صابن کی طرح لگ رہا تھا۔ گھوڑوں کو روکنے کے بعد انھوں نے پانی پیا اور سگرٹ سلگائے۔

"کوئی سڑک پر تیزی سے گھوڑا دوڑاتا ہوا آتا ہے....." پیوترا نے راستے نزنی کی۔ وہ آنکھوں پر ہتھیلی کا سایہ کیے ہوئے تھا۔ گریگری نے بھی اُس طرف نظر اٹھائی۔ "یہ تو ابا ہے..."

"تم تو پاگل ہو۔ دونوں گھوڑے ہمارے پاس ہیں۔ وہ بھلا کس پر سوار آرہا ہے۔"

"میں سچ کہتا ہوں کہ ابا ہی ہے۔"

گھڑسوار نزدیک آ گیا۔ ایک لمحے کے بعد وہ صاف طور پر نظر آنے لگا۔

"ہاں! ابا ہی تو ہے۔" گریگرا ایک نامعلوم حیرت سے رقص کرنے لگا۔

"میرے خیال میں ضرور گھر پر کوئی بات ہوئی ہے۔" گریگر کی خیال آرائی نے پیوترا کو بھی فکرمند کر دیا۔ ابھی وہ سو گز ہی کے فاصلے پر تھا کہ پنتیلیمون باگیں کھینچتے ہوئے بولا "تمہیں تمہاری ماں نے ادھ موا کر دوں گا کمینے کے بچو!" اُس نے چابک سر پر ہلایا۔

"مگر کچھ ہوا بھی ہو....." پیوترا بھی حیران تھا۔ اُس نے نصف دنچہ منہ میں لیتے ہوئے پوچھا۔

"مشین کے پیچھے ہو جاؤ۔ بخدا وہ چابک مار بیٹھے گا۔" گریگری مشین کو باپ کی طرف دھکیلتے ہوئے مسکرایا۔

ٹھپاگ اُگلتا ہوا گھوڑا نزدیک آ گیا۔ پنتیلیمون نے چابک لہرایا: "شیطان کے بیٹو! تم کیا کر رہے تھے ——؟"

"دیکھ تو رہے ہو کہ ہم کٹائی میں مصروف ہیں۔" پیوترا نے چابک سے پناہ لیتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن کون کسے جیلی سے مار رہا تھا۔ تم آپس میں کیوں لڑ رہے تھے؟"

گریگری نے باپ کی طرف پیٹھ کرتے ہوئے کہا "کیسی جیلی —— کون لڑ رہا تھا؟"

"وہی دوڑتی آتی مرغی کی بچی اور کہنے لگی کہ تیرے بیٹے جیلی سے ایک دوسرے کو لہولہان

کر رہے ہیں۔ بولو کیا کہتے ہو؟" پینٹیلیمون نے دیوانگی کے عالم میں سر ہلایا۔ وہ باگیں چھوڑ کر گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔" میں گھوڑا ہانک کر ہوا کی طرح تمہیں بھگانا آیا ہوں۔"

"لیکن تم سے یہ کہا کس نے؟"

"ایک عورت نے۔"

"وہ جھوٹ بول رہی تھی ابا۔ وہ گاڑی میں سوئی پڑی ہوگی اور اسے یہ خواب آیا ہوگا کہ ہم لڑ رہے ہیں۔"

"عورت ـــ پھر وہی عورت" پینٹیلیمون داڑھی کھجاتے ہوئے بولا" وہ مرغی کا بچہ! میرے خدا اس قدر جھوٹ۔ میں اس مرغی کے پر نوچ لوں گا۔" وہ غصے سے تھرتھرانے لگا۔

خاموش مسکراہٹ سے گریگر زمین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پیوٹرا نے آنکھیں باپ کے چہرے پر سے نہ ہٹائیں جو بھیگے ہوئے ابرو انگلی سے جھاڑ رہا تھا۔ پینٹیلیمون مطمئن ہو چکا تھا۔ وہ کٹائی کی مشین پر بیٹھ گیا۔ فصل کی ایک قطار کاٹ کر گھوڑے پر سوار ہوا اور گاؤں واپس چلا گیا۔ چابک وہیں چھوڑ گیا۔ پیوٹرا نے بھولا ہوا چابک اٹھا لیا اور بولا "بال بال بچ گئے۔ یہ چابک نہیں، اس نے تو بھیا سر اڑا دیے ہوتے!"

۴

کارشنف خاندان تاتارسک گاؤں میں سب سے امیر تھا۔ ان کے پاس بیلوں کی چودہ جوڑیاں تھیں۔ گھوڑے تھے ـــ اور پندرہ گائیں تھیں۔ بےشمار دوسرے ڈھور ڈنگر تھے۔ کئی سو بھیڑ بکریاں تھیں۔ ٹین کی چھت کا مکان ماخوف تاجر کے مکان کی طرح اچھا تھا۔ اس کے گھر میں چھ آراستہ کمرے تھے۔ صحن نئی قسم کے ٹائیلوں سے بنا ہوا تھا۔ باغ تین ایکڑ زمین پر مشتمل تھا۔ انسان کو اس کے علاوہ اور کیا چاہیے۔

پینٹیلیمون اسی لیے خفیہ طور پر پہلی دفعہ کارشنف کے ہاں گیا تھا۔ کارشنف اپنی بیٹی کے لیے گریگر سے زیادہ امیر شوہر تلاش کر سکتا تھا۔ پینٹیلیمون بھی اس حقیقت سے آگاہ تھا۔

جبھی تو اُسے اُس کی طرف سے انکار کا خدشہ تھا۔ وہ کارشنف کے ہاں دوبارہ گرنگیر کی درخواست لے کر جانا نہ چاہتا تھا۔ مگر النیجار روز پرانے زنگ کی طرح اُس کی جان کھاتی۔ آخر وہ بوڑھے کی ضد پر غالب آ گئی۔ اس لیے ایک دن وہ کارشنف کے ہاں جواب لینے کے لیے چلا گیا۔ راستے میں وہ النیجار، گرنگیر اور دوسرے لوگوں کو گالیاں دیتا رہا۔

اسی دوران میں کارشنف کی لگی ہوئی بیٹی کی توبے کی چھت کے نیچے ایک زبردست ان بن جاری تھی۔ بینٹلیمون کی رخصت کے بعد نتالیا نے والدین سے کھلم کھلا کہہ دیا تھا "اگر گرنگیر کو مجھ سے محبت ہے تو میں کسی اور کو اپنا شوہر نہ بناؤں گی۔"

"بیوقوف نے اپنا شوہر آپ تلاش کر لیا ہے" اُس کے باپ میرون کارشنف نے کہا۔ "کیا اس لیے کہ وہ خانہ بدوشوں کی طرح سیاہ فام ہے — میری بچی! میں تجھے ایسے شوہر کے پلّے نہ باندھنا چاہتا تھا۔"

"مجھے کوئی اور نہیں چاہیے ــــ ابا" لڑکی رونے لگی "اگر تم نہیں چاہتے تو مجھے کسی خانقاہ میں بھجوا دو۔ میں بقیہ زندگی وہیں گزار دوں گی۔"

"وہ آوارہ ہے ــــ وہ "عورت باز" ہے۔ وہ گھٹیا رنڈوں کے پیچھے بھاگتا ہے" اُس کے باپ نے آخری پانسا پھینکا۔

"پروا نہیں...... مجھے اس کا غم نہیں۔"

نتالیا باپ کی بڑی بیٹی تھی اور منظورِ نظر بھی۔ اُس نے اس کی شادی پر زور بھی نہ دیا تھا۔ شادی کے لیے بے شمار درخواستیں آئی تھیں۔ اچھے اچھے رشتے آ رہے تھے۔ مگر نتالیا نے کسی کو بھی اپنا دولہا بنانا منظور نہ کیا تھا۔

دل ہی دل میں میرون گرنگیر کی محنت و قوت کا مدّاح تھا۔ اس نے اس کا انتخاب بھی کیا تھا۔ جب پہلی مرتبہ گرنگیر نے گھڑدوڑ جیتی تھی۔ مگر وہ بیٹی کا ہاتھ ایک غریب شخص کے ہاتھ میں دینے پر رضامند نہ تھا۔ دوسرے گرنگیر کی رسوائی بھی خاصی ہو چکی تھی۔

"ایک محنتی اور خوش شکل لڑکا ہے وہ۔۔" اس کی بیوی نے رات کو اس کے جھریوں والے ہاتھ پر تھپکیاں دیتے ہوئے کہا "سنا لیا کو اس سے محبت بھی ہے۔"

میرداں نے بیوی کی سوکھی ہوتی چھاتی کی طرف سے منہ پھیر لیا اور غصے میں بولا "تمہاری تو مت ماری گئی ہے ۔۔۔ خوش شکل! میں ایک نرک کو بیٹی دے دوں؟ کیا میں اتنا ہی گیا گزرا ہوں؟"

"اُن کا کنبہ محنتی ہے ۔۔۔ پھر وہ اتنے غریب بھی نہیں۔"

"جاؤ بھی ۔۔۔ مجھے تنہا چھوڑ دو مجھے تھپکیاں کیوں دے رہی ہو۔ کیا میں گائے ہوں یا بچھڑا؟ تم جانتی ہو سنا لیا کیا ہے ۔۔۔ میں جانتا ہوں۔ وہ ہر نوجوان کے عشق میں مبتلا ہو سکتی ہے۔"

"بیٹی کا کچھ تو دھیان کرو۔۔۔۔" لیکن میرداں دیوار کی طرف منہ کر کے لیٹ گیا اور خراٹے لینے لگا جیسے سو گیا ہو۔

پینٹلیموں جواب لینے کے لیے آیا تو میرداں مخمصے میں گرفتار ہو گیا۔ جب اجنبی نے سیڑھیوں میں قدم رکھا تو میرداں بولا "لو وہ آ بھی گئے ۔۔۔ کیا کرنے آئے ہیں یہ آج؟"

"صبح بخیر!" پینٹلیموں چلایا پھر اپنی بلند آواز پر خود ہی شرمندہ ہو گیا۔

"صبح بخیر۔" میرداں نے سوالیہ انداز میں جواب دیا۔

"خدا کے فضل سے موسم کیسا اچھا ہے!"

"خدا کرے ایسا ہی رہے۔"

"اب لوگ زیادہ خوشحال ہو جائیں گے۔"

"واقعی۔"

"بالکل ۔۔۔ ہاں تو میرداں گریگوری وِچ! ہم اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ تمہارے فیصلے کا پتا کر سکیں۔ کہو تم نے کیا سوچا ہے؟ کیا رشتہ ممکن ہے؟"

"اندر آ جاؤ ۔۔۔ بیٹھو تو سہی۔" میرداں نے اُن کا خیر مقدم کیا اور لمبے لمبے لنگڑے سے فرش

پر جھپانٹو دیتے ہوئے جھک گئی۔

اینجنا بیٹھ گئی ۔۔ اُس کا پاپلین کا کوٹ سرسرا رہا تھا۔ میروڈن میز پوش پہ کہنیاں رکھے، سوچ میں غرق تھا۔ میز پوش پہ مرحوم زار اور زارینہ کی تصویر چھپی ہوئی تھی۔ وسط میں شاہی خاندان کی دو شہزادیاں تھیں جن کے ساتھ زار نکولس کھڑا تھا۔

میروڈن مہر سکوت توڑتے ہوئے بولا "ہم نے بیٹی دینے کا فیصلہ کر لیا ہے...... ہم آپس میں رشتہ دار ہو سکتے ہیں اگر جہیز کے معاملے میں اتفاق ہو جاتے"!

اتنا سنتے ہی اینجنا نے ریشمی کوٹ کے اندر سے سفید روٹی برآمد کی اور اسے میز پر مار کر توڑ دیا۔ نامعلوم اسباب کی وجہ سے پینٹیلیمون اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنانا چاہتا تھا۔ مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔ اس کی انگلیاں کوئی اور ہی نشان بنا کر رہ گئیں یکایک اُس کی موٹی انگلیاں اُس کے نیلے کوٹ میں جا گھسیں اور وہاں سے شراب کی سُرخ بوتل نکال لیں۔ بُری طرح آنکھیں جھپکتے ہوئے اس نے میروڈن کے جھریوں سے لبریز چہرے کی طرف دیکھا۔ پھر اُس نے بوتل کے پیندے پر احتیاط سے طمانچہ مارتے ہوئے کہا "عزیز دوستو! ہم خدا کے حضور میں دعا نذر کریں گے ۔۔ شراب پی کر شادی کی شرائط پر گفتگو کریں گے"!

ایک گھنٹے کے بعد دونوں بُڈھے قریب قریب بیٹھے تھے۔ اس قدر قریب کہ پینٹیلیمون کے کانوں کے آویزے کا شفق کے گال کو چھو رہے تھے۔ پینٹیلیمون سر کے بل جھگڑتے ہوئے کھیرے کھا رہا تھا اور جہیز کی تفصیلات پر سرگرم بحث ہو رہی تھی۔

"میرے عزیز!" اُس نے دہرایا "میرے عزیز!" پھر وہ غرّایا "میرے عزیز! تمہارا مطالبہ بہت زیادہ ہے ۔ میں اتنا کچھ نہیں دے سکتا۔ ذرا سوچو تو سہی! کیوں شرمندہ کرتے ہو؟ ربڑ کے جوتے گیٹس کے ساتھ ۔ بالوں والا کوٹ، اونی ملبوسات، اور ریشمی رومال ۔ یہ تمام اشیا تو میری مکمل بربادی کا پیغام ہیں" پینٹیلیمون نے بانہیں پھیلا دیں۔

میروڈن نے سر جھکا لیا۔ میز پوش پہ بنی ہوئی تصویریں دیکھتا ہوا اُن کے نیچے لکھی ہوئی

عبارت پڑھنے لگا۔ روس کے موروثی بادشاہ ۔ شہنشاہ نکولس۔ اس نے شہنشاہ کی شکل دیکھی جا بجا ہی مکین اُس پر واڈکا کی خالی بوتل پڑی تھی ۔۔۔ آنکھیں جھپکتے ہوئے میروتن شہنشاہ کے لباس کا فیشن دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن کھیرے کے ٹکڑے اُس پر جا بجا بکھرے ہوئے تھے۔ شہنشاہ بیٹیوں کے ہجوم میں نہایت اطمینان سے دیکھتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ میروتن کچھ اس قدر برہم ہوا تھا کہ اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ۔۔۔ "تم کس قدر مسرور نظر آ رہے ہو۔" اُس نے تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔ "جیسے لطف تو کرسی میں بیٹھی باہر دیکھ رہی ہو لیکن ذرا دم لو سب تمھیں بیٹیاں بیاہنی پڑیں گی تو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔ پھر میں دیکھوں گا اور تم گھبراؤ گے۔"

پنٹیلیمون نے اُس کے کان میں پھر وہی راگ بھرتے ہوئے کہا "جانتے ہو تمھاری بیٹی کے عوض ۔ مگر اب تو اُسے ہم اپنی بیٹی کر سکتے ہیں ۔۔۔ کیا کرنا ہوگا ؟ بالوں والے کوٹ اور ربڑ کے جوتوں کی خاطر ہمیں اپنی ایک گائے سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔"

"کیا تمھیں افسوس ہو رہا ہے ؟"

"افسوس تو نہیں مگر ۔ ۔ ۔ ۔"

"مگر کیا ؟ کہہ دو کہ افسوس ہو رہا ہے۔"

"ٹھہرو میرے عزیز !"

"بھٹھر و کیا ۔۔۔ اگر تمھیں افسوس ہو رہا ہے تو جاؤ بھاڑ میں۔" میروتن نے میز پوش پر ہاتھ پھیرا اور گلاس زمین پر گرا دیئے۔

"ایک گائے کا کم ہو جانا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" پنٹیلیمون نے اپنی رام کہانی کا آغاز کیا۔

"تمھیں یہ تحائف لے کر آنا ہوگا۔ اُس کا اپنا جہیز کا صندوق ہے۔ اگر تم اُسے اپنے بیٹے کی بیوی بنانا چاہتے ہو تو کاسکوں کے قدیم رواج پر عمل کرنا ہوگا۔ پرانے وقتوں میں یہی ہوتا رہا ہے ۔ اب ہم بھی وہی کچھ کریں گے۔"

"میں خود پرانے رواجوں کا خیال رکھتا ہوں۔"

"ضرور خیال رکھو۔"

"میں خیال رکھتا ہوں۔"

"بچوں کو اپنا بچاؤ آپ کرنے دو جیسے ہم نے اپنا بچاؤ آپ کیا ہے۔"

دونوں بوڑھوں کی ڈاڑھیاں ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔ پینٹیلیمون کھیرے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا اٹھا کر کھانے لگا۔

دونوں بوڑھی عورتیں ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے بیٹھی تھیں۔ وہ چیختی ہوئی باتیں کر رہی تھیں۔ ایلخنا کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور میریا کا واڈ کا کے اثر سے ناشپاتی جیسا۔

"دونوں بچوں کی جوڑی عدیم النظیر ہے۔ میری بیٹی بڑی محنتی اور فرمانبردار ہے۔ وہ تمھاری بات کبھی نہ کاٹے گی۔"

"میری بہن!" ایلخنا نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا "یہی تو میں نے اس سے کہا ہے۔ اُس سؤر کے بچے کو سمجھایا ہے۔ وہ پچھلے اتوار بھی اُس کے پاس جا رہا تھا مگر میں نے اُسے ڈانٹ بتائی "کہاں جاتا ہے بدمعاش! کب چھوڑے گا اُس حرام زادی کا پیچھا؟ بڑھاپے میں ہماری عزت خراب نہ کر۔ ایک نہ ایک دن سٹیپن تمھارا یہ کھیل ہمیشہ کے لیے ختم کر دیگا۔"

مشکا نے دروازے کی درز سے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ نتالیا کی دو چھوٹی بہنیں سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ نتالیا دوسرے کمرے میں بیٹھی کوٹ کی موٹی آستین سے آنسو پونچھ رہی تھی۔ وہ نئی زندگی سے دوچار ہونے والی تھی اسی لیے خوف زدہ تھی۔

سامنے کے کمرے میں واڈ کا کی تین بوتلیں خالی ہو چکی تھیں۔ فیصلہ ہوا کہ یکم اگست کو ——— لڑکے اور لڑکی کا نکاح کر دیا جائے گا۔

۵

کارشنقن کے گھر میں شادی کی تیاری کے باعث بڑی چہل پہل تھی۔ دُلھن کے کپڑے نہایت تیزی سے سِل رہے تھے۔ ناتالیا ہر شام بیٹھ کر شوہر کے دستانے اور مفلر بُنتی رہتی۔ اُس کی ماں اندھیرا ہونے تک مشین لیے بیٹھی رہتی۔ اُس نے مدد کے لیے ایک درزن بھی اُجرت پر بُلوالی تھی۔
مشکا باپ کے ساتھ کھیت میں اُس کا ہاتھ بٹا کر لوٹا تو اُس نے بھاری دیہاتی بوٹ اتارتے ہوئے ناتالیا کو چھیڑنے کی غرض سے آغازِ گفتگو کیا — "بن رہی ہو"
"ہاں — کیوں کیا ہے؟"
"بُنے جا — بیوقوف! بُنے جا۔ وہ تمہارا شکر گزار ہونے کے بجائے تمہاری ناک توڑ دیگا۔"

"وہ کیوں؟"
"میں گریگا کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ میرا دوست ہے۔ وہ ایسا ہی ہے۔ دانت کاٹے گا مگر بتائے گا نہیں کہ کیوں اُس نے یہ حرکت کی۔"
"جھوٹ نہ بولو۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں جانتی نہیں اُسے؟"
"مگر میں اُسے تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ ہم تو سکول میں بھی اکٹھے رہتے ہیں۔"
ناتالیا خفا ہو گئی۔ وہ آنسو پیتی ہوئی مفلر پر جھک گئی۔
"بُری بات تو یہ ہے کہ اُسے قبض کی بھی شکایت ہے۔ تم تو بیوقوف ہو ناتالیا! اب بھی انکار کر دو۔ میں ابھی گھوڑے پر زین ڈال کر اُسے مطلع کرتا ہوں . . . . ."
ناتالیا کو مشکا سے اُس کے دادا گریشا کا نے نجات دلوائی جو کمرے کے فرش پر لاٹھی ٹیکتا ہوا آپہنچا تھا۔ اس نے مشکا کی کمر میں لکڑی چبھوتے ہوئے کہا: "تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"
"یونہی چلا آیا بڑے ابا!"
"یونہی چلے آئے ہو تو بھاگو یہاں سے۔"

داداگریشا کا کو زمین ناپتے ہوئے اکہتر سال گزر گئے تھے۔ اُس نے ۱۸۷۷ء کی جنگِ ترکی میں حصّہ لیا تھا۔ وہ جرنیل گورکو کا اردلی تھا۔ مگر جلد ہی اس کی نظر سے گر جانے کے باعث پلٹن میں واپس بھیج دیا گیا۔ اُسے دو کراس اور ایک سینٹ جارج کا تمغۂ شجاعت کے صلے میں عطا کیا گیا تھا۔ اُس نے پلفنا اور دروزس پہ گولیوں کی بوچھاڑ میں دلیری کا ثبوت دیا تھا۔ اب وہ بیٹے کے ساتھ رہتا تھا۔ سارا گاؤں اس کی عزت کرتا تھا۔ کیونکہ اُس کا ذہن صاف اور ریاکاریوں سے بالکل معرا تھا۔ اُس کی بے ریا ایمانداری اور مہمان نوازی کی قدر کی جاتی تھی۔ وہ بقیہ زندگی ماضی کی یادوں کے سہارے بسر کر رہا تھا۔

گرمیوں میں وہ جھونپڑے کے سامنے صبح سے شام تک بیٹھا رہتا۔ لکڑی زمین پہ رکھے سر جھکائے رہتا۔ اُس کی ٹوپی کی شکستہ اٹھان اُس کی بند آنکھوں پہ سایہ کیے رہتی سیاہ خون اُس کی موٹی اور پھولی ہوئی انگلیوں کی رگوں میں دوڑتا ہوا دکھائی دیتا۔

"کیا تم مرنے سے ڈرتے ہو بڑے ابا؟" نتالیا اُس سے ہمیشہ یہی سوال کیا کرتی تھی۔

بوڑھا سال خوردہ گردن موڑتا اور سنہری مائل سفید مونچھیں ہلاتا ہوا جواب دیتا۔

"میں موت کا انتظار ایک عزیز ترین مہمان کی طرح کر رہا ہوں۔ میں زندگی بسر کر چکا ہوں۔ میں روس کے زاروں کی خدمت انجام دے چکا ہوں۔ جوانی میں کثرت سے وودکا پی چکا ہوں"۔

نتالیا دادا کے ہاتھوں پر تھپکیاں دیا کرتی اور وہ لکڑی ہاتھ میں لیے ہوئے سر جھکائے رہتا۔ اُس نے نتالیا کی شادی کی خبر بظاہر سکون سے سنی لیکن دل ہی دل میں وہ برافروختہ ہو رہا تھا۔ میز پر بیٹھ کر نتالیا اُسے ہمیشہ خاص ٹکڑے اور چنی ہوئی بوٹیاں دیا کرتی تھی وہ اُس کے کپڑے دھوتی۔ موزوں کی مرمت کرتی۔ پھٹے ہوئے قمیص اور پتلونوں میں ٹانکے لگاتی۔ اسی وجہ سے جب بوڑھے کو اُس کی شادی کی خبر [illegible] وہ دو دن تک تندمزاج اور بگڑا بگڑا سا رہا۔

۔ میلیخوف کا کنبہ مشہور کا سک کنبہ ہے۔ پرا کوفی اور میں ایک ہی پلٹن میں تھے لیکن اُن کے پوتے کیسے ہیں؟" اُس نے میرون سے پوچھا۔

"وہ زیادہ بُرے نہیں" میرون نے جواب دیا۔

"گریگوری ایک ناشائستہ لڑکا ہے۔ تھوڑے دنوں کی بات ہے میں کلیسا سے واپس آ رہا تھا کہ وہ پاس سے گزرا۔ مجھے سلام کیے بغیر گزر گیا۔ ان دنوں بوڑھوں کی کوئی قدر نہیں...... چلو اگر نتالیا کو وہ پسند ہے تو......"

اُس نے اس کی شادی کی بات چیت میں بھی کوئی حصّہ نہ لیا تھا۔ وہ باورچی خانے سے باہر آ کر بیٹھ گیا تھا۔ اُس نے واڈکا کا ایک گلاس پیا تھا۔ اپنے آپ کو بدمست پا کر وہ باہر آ گیا تھا۔ دو دن تک وہ مسرور نتالیا کی حرکات و سکنات کا مطالعہ کرتا رہا تھا۔ آخر اُس نے رویہ نرم کر لیا۔

"نتالیا میری ننھی سی پوتی! خوش ہے نا؟"

"میں وثوق سے نہیں کہہ سکتی بڑے آبا!"

"تم پر خدا کی رحمت ہو۔ مسیح ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے...... خدا انہیں برکت دے"۔ پھر اُس نے ملامت کے انداز میں کہا "مجھے خیال نہ تھا کہ تم میری زندگی ہی میں مجھے تنہا چھوڑ جاؤ گی۔ میری زندگی تمہارے بغیر تلخ ہو جائے گی۔"

مشکا اُن کی گفتگو سن رہا تھا۔ اُس نے راستے نفی کی "بڑے آبا! تم تو شاید ایک سو سال اور زندہ رہو۔ کیا وہ اس وقت تک بیٹھی انتظار کرتی رہے گی؟ بڑے آبا کتنے عجیب ہو تم......!"

بوڑھا فرطِ غضب سے سرخ ہو گیا۔ وہ لکڑی ہلاتے ہوئے بولا "دور ہو جا گتیا کے بچے ــــ جا چلا جا۔ بدمعاش! تجھ سے کس نے کہا تھا کہ تو چھپ کر ہماری گفتگو سن؟"

۶

شادی سالانہ تہوار کے دوسرے دن مقرر کی گئی تھی۔ عیدِ استقبالِ مریم کے دن گریگر

اپنی ہونے والی بیوی سے ملنے آیا۔ وہ گول میز کے گرد ایک مزین کمرے میں بیٹھ گیا۔ دلہن کی سہیلیوں کے ساتھ اُس نے سورج مکھی کے پھولوں کے بیج، اخروٹ وغیرہ چھیلے۔ پھر گھوڑے پر سوار ہو گیا ــــ نتالیا اُسے الوداع کہنے آئی۔ اصطبل کی چھت کے نیچے جہاں اُس کا گھوڑا بندھا تھا جس پر نیا چمکتا ہوا زین پڑا تھا۔ نتالیا ہاتھ قمیص کے نیچے چھاتی تک لے گئی، اُس کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے اُس نے وہاں سے ایک گرم گرم تحفہ برآمد کیا اور اُسے گریگری کے ہاتھ میں دے دیا۔ تحفہ لے کر گریگری نے اُسے اپنے دانتوں کی تیز دوشنی سے پسند کیا دیا۔۔۔ وہ ہنسا ــــ "یہ کیا ہے ــــ؟"

"تم خود دیکھ لینا۔۔۔ میں نے تمہارے لیے تمباکو کا بٹوا بنا ہے۔"

گریگری نے بے اختیار ہو کر اُسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ اسے چومنا چاہتا تھا لیکن اُس نے اس کی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر اُسے دور ہی رکھا۔ کمر جھکا دی اور آنکھیں جھونپڑی کی کھڑکی کی طرف پھیر لیں۔

"وہ ہمیں دیکھ لیں گے ــ" نتالیا نے زیرِ لب کہا۔

"دیکھتے رہیں۔۔۔۔۔"

"مجھے شرم آتی ہے۔۔۔۔"

جب وہ گھوڑے پر سوار ہوا تو نتالیا باگ تھامے رہی۔ گریگری نے پاؤں رکاب میں رکھ دیا۔ اور اصطبل سے رخصت ہوا۔ نتالیا نے پھاٹک کھول دیا اور اُسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

گریگری بائیں طرف جھک گیا تھا اور چابک لہراتا ہوا اڑا جا رہا تھا۔

"گیارہ دن اور ہیں۔۔۔۔" نتالیا نے ذہن میں دن گنے اور مسکرا پڑی۔

۱

گیہوں کی سبز نکیلی پتی زمین کا سینہ توڑکر اگتی ہے۔ پھر بڑھنا شروع کر دیتی ہے۔ چند ہفتوں میں ایک گز اان کے درمیان اُڑتا غائب ہوسکتا ہے۔ اناج زمین سے رس چوستا ہے اوراس کی بالیں اُگ آتی ہیں۔ گیہوں میں دُودھ کی سی خوشبو پیدا ہو جاتی ہے۔ پھراس کے پھول نکلنے شروع ہوتے ہیں اوراس کی بالوں پر سنہری گرد سی چھانے لگتی ہے۔ کسان میدان میں جاتا اور اسے دیکھتا ہے مگر خوش نہیں ہوتا۔ جہاں کہیں اُس کی نظر پڑتی ہے اُسے ڈھور ڈنگروں کے گردہ دکھائی دیتے ہیں۔ وہ کھروں سے گیہوں کو روند دیتے ہیں۔ جہاں کہیں وہ ڈھور ڈنگر جمع ہوتے ہیں کچلے ہوئے گیہوں پاس پڑے سسکتے رہتے ہیں۔ کسان یہ منظر دیکھ کر آگ بھبوکا ہو جاتا ہے۔

دیبینیا کا بھی یہی حال تھا۔ اُس کے احساسات، جن میں پھول لگ گئے تھے، گریگر نے روند کر رکھ دیا تھا، بوٹوں سے کچل کر رکھ دیا تھا۔ اُس نے ان میں آگ لگا کر انھیں راکھ کا ڈھیر بنا دیا تھا۔ اُس کا قصہ انھیں دو جملوں میں بیان ہوسکتا تھا۔

جب وہ گریگر سے باغ میں مل کر لوٹی تھی اُس کا جوش ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ وہ بے روح ہو چکی تھی، اشتیاق سے بے نیاز۔ وہ ایک ایسا کھیت بن چکی تھی جس پر جنگلی گھاس اُگ آئی ہو۔ وہ ٹال دانتوں سے کاٹتی ہوئی واپس آئی۔ اُس کا گلا آنسوؤں کی وجہ سے خشک ہو رہا تھا۔ دم گھٹا جارہا تھا۔ وہ جھونپڑی میں داخل ہوئی اور فرش پر گر پڑی مگر اس کی اذیت چند لمحوں میں کم ہوگئی — تکلیف بھی شاید تھک چکی تھی۔ اُس کے دل میں درد کی لہر اُٹھی تھی مگر جلد ہی پھر ڈوب گئی تھی۔

ڈھور ڈنگروں سے کچلا ہوا اناج پھر سر نکال لیتا ہے۔ سورج کی تپش اور شبنم اُسے پاؤں

پہ کھڑا کر دیتی ہیں۔ پہلے وہ بوجھ کی وجہ سے جھک جاتا ہے۔ پھر تیر کی طرح سیدھا ہو جاتا ہے۔ دن اُس پہ مسکراتے ہیں۔ ہوائیں پھر اُسے جھولا جھلاتی ہیں۔

رات کو جب وہ وفورِ شوق میں اپنے شوہر سے بوس و کنار کرتی تو اس کے دل میں نفرت اور محبت بیک وقت موجزن ہو جاتیں۔ اُس نے انتقام کی ایک عجیب صورت نکال لی تھی۔ وہ گریگری سے نتالیا کو چھین لینا چاہتی تھی۔ وہ اُس مسرور نتالیا کو جس نے رنج و مسرت کی چاشنی نہیں چکھی تھی، غم و الم کے سمندر میں ڈبو دینا چاہتی تھی۔ وہ رات بھر تجاویز سوچنے میں مصروف رہتی۔ سٹیپن کا بھاری سر اس کے بازو پر آرام کرتا اور وہ سوچتی رہتی۔ وہ تہیہ کر چکی تھی کہ گریگری کو چھین کر رہے گی، چاہے اس کے راستے میں پہاڑ ہی کیوں نہ حائل ہو جائیں۔ وہ گریگری کے دل کو محبت سے متلاطم کر دے گی۔ اسے پہلے کی طرح اب بھی اپنا لے گی۔

دن میں اکسینیا دل کی آگ گھر کے دھندوں کی وجہ سے دبائے رکھتی۔ وہ گریگری سے گاہے گاہے ملتی۔ اُسے دیکھتے ہی وہ زرد پڑ جاتی۔ وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں اُسے انتقام کی دعوت دیتی۔ اپنے عزم بالجزم کا یقین دلاتی۔

ہر ملاقات کے بعد گریگری کے دل میں اُس کے حصول کی تڑپ پیدا ہو جاتی۔ وہ اب بے وجہ غضب آلود ہو جاتا۔ ڈونیا اور اُس کی ماں کو ہدفِ غیظ بننا پڑتا۔ پھر وہ خوشی سے ٹوپی پہن کر لکڑیاں کاٹنے لگتا حتیٰ کہ اُس کا جسم پسینے میں شرابور ہو جاتا۔ پنٹیلیمون بڑبڑا اُٹھتا۔

"بدمعاش نے لکڑیوں کے دو گٹھے کاٹ کر رکھ دیئے ہیں۔ ٹھہر جا، بیاہ ہو لینے دے پھر دیکھوں گا کہ تو اسی طرح لکڑیاں کاٹتا ہے کہ نہیں۔ بیاہ تیری ساری طاقت چوس لیگا۔ ٹھہر تو سہی!"

۲

چار سجی ہوئی گاڑیاں دلھن کو لانے والی تھیں۔ دیہاتیوں کا ایک ہجوم چھٹی کے لباس میں ملبوس میلیخوف کے احاطے میں جمع تھا۔ پیوترا شاہ بالا بنا ہوا تھا۔ نیلی دھاری کی پتلون اور سیاہ کوٹ پہنے مونچھوں کے نیچے مسکرا رہا تھا۔ اُس کے بازو پہ دو سفید رومال لپٹے ہوئے تھے۔

"شرماؤ نہیں گرو تیجیہ" اس نے بھائی کو مخاطب کیا" نوجوان مرغے کی طرح سر بلند رکھو ......"

ڈارِیا آزاد ابابیل کی طرح اڑنی لہنگے میں ملبوس تھی۔ وہ پیوترا سے گویا ہوئی "چلو بھی"۔

"اپنی اپنی جگہ سب بیٹھ جائیں۔ میری گاڑی میں پانچ اشخاص بیٹھیں اور دولہا"۔ پیوترا نے حکم دیا" چلو جلدی کرو" لوگ اچھل اچھل کر گاڑیوں میں سوار ہو گئے۔ الیخینا سرخ و سفید الیخینا نے فاتحانہ انداز میں پھاٹک کھولا۔ چاروں گاڑیاں ایک دوسری کے پیچھے روانہ ہوئیں۔

پیوترا گریگری کے قریب بیٹھا تھا۔ اُن کے سامنے ڈاریا رومال ہلا رہی تھی۔ ہچکولے ان کی اڑنی ہوئی تانوں کو بیچ ہی میں توڑ دیتے تھے۔ کاسکوں کی قرمزی ٹوپیاں، نیلی اور کالی وردیاں، ہاتھوں پر بندھے ہوئے سفید رومال، رنگین لہنگے اور گاڑیوں کے پیچھے اڑتی ہوئی مہین گرد نگاہیں ایک رنگین نظارے سے متصادم ہو کر رہ جاتی تھیں۔

گریگری کا چچیرا بھائی انیکھی دولہا کی گاڑی چلا رہا تھا۔ گھوڑوں پر جھکا ہوا اور چابک لہراتا ہوا وہ سیٹی بجانے میں محو تھا۔ پسینے میں نہائے ہوئے گھوڑے رگھنے پر اور بھی تیزی سے چل رہے تھے۔

"ذرا قدم بڑھاتے چلو"۔ گریگری کا چچا اپنی گاڑی دولہا کی گاڑی کے برابر لاتے ہوئے پکارا۔ گریگری کو چچا کی پیٹھ کے پیچھے ڈونیا کا ہنستا ہوا چہرہ دکھائی دیا۔

"تم یوں نہ چلو گے ....." گریگری کا چچا نیچے کو دکر گھوڑوں پر چابک برساتا ہوا چلایا۔ گھوڑے ہوا ہو گئے۔

"تم گر پڑو گے" ڈونیا انیکھی کے جھکتے ہوئے بوٹوں کے گرد بازو لپیٹ کر بولی "ذرا ٹھہرو ـــ ذرا ٹھہرو"۔ چچا ایلیا ان کے قریب سے چلایا لیکن ان کی آواز شور میں تحلیل ہو کر رہ گئی۔ اور گھوڑے ہوا سے باتیں کرتے ہوئے بڑھتے رہے۔

دوسری گاڑیاں مردوں اور عورتوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ساتھ ساتھ بڑھتی جا رہی تھیں۔ گھوڑے سرخ اور نیلے پھندنوں سے سجے ہوئے تھے۔ اُن کی گردنیں اور کان کاغذی پھولوں

سے مزین تھے۔ اونچی نیچی سڑک پہ گاڑیاں کھڑکھڑا رہی تھیں۔ گھوڑے جھاگ کے بلبلے چھوڑ رہے تھے۔ پھندنے ہوا سے لہرا رہے تھے۔ کارشنف کے جھونپڑے کے دروازے پر گاؤں کے بچے جلوس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ انھوں نے سڑک سے گرد و غبار بلند ہوتے ہوئے دیکھا اور بھاگتے ہوئے صحن میں آگئے: "وہ آرہے ہیں، وہ آرہے ہیں" انھوں نے اطلاع دی۔

گاڑیاں کھڑکھڑاتی ہوئی دروازوں کے پاس آگئیں۔ پیوترا نے پھاٹک تک گرگچیہ کی رہنمائی کی۔ دوسرے براتی اُن کے پیچھے چل رہے تھے۔ باورچی خانے کا دروازہ بند تھا۔

"مسیح ہم پہ اپنا کرم فرمائے" پیوترا نے دروازے پر دستک دیتے ہوئے کہا۔

"آمین!" دروازے کی طرف سے آواز آئی۔

پیوترا نے پہلا جملہ تین دفعہ دہرایا اور تین ہی دفعہ دروازہ کھٹکھٹایا۔ ہر دفعہ اسے وہی جواب ملا۔

"کیا ہم اندر آسکتے ہیں......؟"

"شوق سے"

دروازہ کھلا۔ والدین کی نمائندہ نتالیا کی دایہ نے نہایت شائستگی سے پیوترا کا استقبال کیا۔

"اسے پی لیجیے شاہ بالا صاحب!" اُس نے پیوترا کو کڑوے رس کا گلاس دیتے ہوئے کہا۔

پیوترا مونچھیں سنوارتا ہوا اسے پی گیا اور ہنستا ہوا بولا "تم نے مجھے خوش آمدید کہی ہے۔ میری چڑیا! میں تمھیں یونہی نہ جانے دوں گا، انعام دونگا"

جب شہ بالا اور نتالیا کی دایہ آپس میں باتوں کی جنگ لڑ رہے تھے تو دولھا کے رشتہ دار شادی کی رسم کے طور پہ واڈکا سے لبریز تین تین گلاس لیے آپہنچے۔

نتالیا عروسی جوڑا پہنے اور چہرے پہ مہین نقاب ڈالے میز کے گرد بیٹھی تھی۔ اس کی دونوں بہنیں اُس کے ساتھ تھیں۔ میریا کی ہتھیلی پہ پن تھی اور اگرپینا کے ہاتھ میں بیلچہ۔ پسینے میں نہایا ہوا اور واڈکا کے نشے میں سرشار پیوترا جھکا اور اپنے گلاس میں اُس نے پچاس سکے ڈال

دیئے۔ میرپا نے میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا "یہ کافی نہیں۔ ہم اس قیمت پر دلہن فروخت نہ کریں گے۔"

پیوترا نے ایک دفعہ پھر گلاس میں چاندی کی مٹھی بھر کر ڈالی۔

"ہم تمہیں اس قیمت پر دلہن کو لے جانے نہ دیں گے"۔ دونوں بہنیں چلائیں۔

"جو کچھ میرے پاس تھا میں دے چکا۔ میں قیمت سے زیادہ ادا کر چکا ہوں۔"

"لڑکیو۔۔ ضد نہ کرو۔" میرون نے مسکراتے ہوئے حکم دیا۔ اتنا سنتے ہی دلہن کے رشتہ دار اور اس کی سہیلیاں میز کے گرد بیٹھ گئیں۔ پھر اٹھیں اور آنے والوں کے لیے جگہ بناتی ہوئی بیٹھ گئیں۔

پیوترا نے شال کا ایک سرا گریگر کے ہاتھ میں دے دیا۔ پھر بنچ پر کھڑا ہو کر اسے دلہن کے قریب لے گیا۔ نتالیا نے شال کا دوسرا سرا اپنے ہاتھ میں لے لیا جو بھیگا ہوا تھا۔ گریگر اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔

میز کے گرد چبانے کی آواز آ رہی تھی۔ مہمان ہاتھوں سے ابلی ہوئی مرغی کے ٹکڑے کر رہے تھے۔ جب انیکی مرغی کا خاصا حصہ ہضم کر گیا تو گھی اس کی ٹھوڑی سے بہتا ہوا گریبان تک آ گیا۔ گریگر اور نتالیا کے پیچھے باندھ دیئے گئے۔ گریگر حسرت سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے سامنے پلیٹ میں گرم گرم سویاں رکھی ہوئی تھیں۔ اسے بھوک ستا رہی تھی۔ وہ کھانا چاہتا تھا۔ اس کی آنتیں قل ہو اللہ پڑھ رہی تھیں۔ لیکن شادی کی رسم نے اسے مجبور کر دیا۔

مہمانوں نے پیٹ بھر کر کھایا اور دیر تک کھاتے رہے۔ مردانہ پسینے کی بو زنانہ پسینے کی نکہت میں حلول کر رہی تھی۔ لہنگوں، قمیصوں، شالوں اور کوٹوں سے فنائل کی بو آ رہی تھی۔

گریگر نتالیا کو کنکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے آج پہلی مرتبہ دیکھا کہ اس کا اوپر کا ہونٹ نچلے ہونٹ سے موٹا تھا اور نچلے ہونٹ پر اس طرح پڑا تھا جیسے نچلے ہونٹ نے ٹوپی پہن رکھی ہو۔ اس نے کچھ اور بھی دیکھا۔ اس کے دائیں گال پر ایک بھورا تل تھا جس پر دو سے

سنہری بال چھوٹ رہے تھے۔ گریگریہ دیکھ کر مشتعل ہو گیا۔ اسے اکسینیا یاد آئی۔ صراحی دار گردن گھونگریالے بال۔ اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اس پر خشک گھاس بر سادی ہو۔ وُہ مغموم ہو گیا اور فکر مندانہ انداز میں دوسروں کو، جو لبوں پر زبان پھیر رہے تھے، خاموشی سے کھاتے ہوئے دیکھنے لگا۔

جب وُہ اٹھ کھڑا ہوا تو کسی نے گیہوں کے دانوں کی ایک مٹھی اُس کے بوٹوں میں پھینکی تاکہ وہ نگاہِ بد سے محفوظ رہے۔ گیہوں کے دانے اُس کے گھر تک پاؤں میں چبھتے رہے۔ اُس کے قمیص کا تنگ گریبان بھی اسے ستا رہا تھا۔ گریگریہ خاموش اور غضب آلود اپنے آپ کو ملامت کر رہا تھا۔

۲۲

واپسی پر برات کا جلوس بوڑھے پینٹیلیمون اور اس کی بیوی کے پاس آکر رکا۔ پینٹیلیمون سفید ڈاڑھی کھجا رہا تھا۔ اُس کی بیوی خاموش کھڑی تھی۔

گیہوں کی بارش میں نہا لیا اور گریگریا ان کے قدم چھونے اور دعا لینے آگے بڑھے۔ دعا دیتے ہوئے پینٹیلیمون کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُس نے شرمندہ ہو کر گردن جھکا لی وہ دوسروں پر اپنی کمزوری ظاہر نہ کرنا چاہتا تھا۔

دولھا اور دُلھن دونوں جھونپڑی کے اندر چلے گئے۔ ڈاریا باہر کی طرف پیوٹرا کی تلاش میں دوڑی اور ڈونیا سے ٹکرا گئی۔

"پیوٹرا کہاں ہے؟"

"میں نے اسے کہیں نہیں دیکھا۔"

"اسے پادری کو بلا کر لانا چاہیے ـــــ خدا جانے کہاں چلا گیا ہے؟"

اُس نے پیوٹرا کو ڈھونڈ لیا۔ وہ واڈکا حد سے زیادہ پی گیا تھا اور گاڑی میں پڑا کراہ رہا تھا۔ اُس نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا "زیادہ کھا گئے ہو۔ اُٹھو اور پادری کو بلا لاؤ۔"

"دور ہو — تو کون ہے حکم دینے والی!" پیوٹرا چلایا۔

ڈاریا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُس نے دو انگلیاں اُس کے حلق میں ڈال دیں اسے متلی ہوئی۔ پھر اُس نے ٹھنڈے پانی کی بالٹی اس پر انڈیل دی۔ تولیے سے مُنہ پونچھا اور پادری کے ہاں اُسے ساتھ لے گئی۔

ایک گھنٹے سے بھی کم وقت میں گریگور اور نتالیا ساتھ ساتھ کلیسا میں کھڑے تھے۔ اُس کے ایک ہاتھ میں موم بتی تھی۔ اس کے گرد لوگ سرگوشیاں کر رہے تھے۔ اُس کے ذہن میں یہ جملہ اُبھر رہا تھا "میں لُٹ گیا — میں تباہ ہو گیا" اُس کے پیچھے پیوٹرا کھڑا تھا۔ وہ کھانسا — دُور ڈونیا چمکتی ہوئی آنکھیں لیے مسکرا رہی تھی۔ گریگور کو ایسا معلوم ہوا جیسے وہ ان سب کو اچھی طرح پہچانتا ہو۔ اسے جیسے پابہ زنجیر کر دیا تھا۔ گریگور نے ڈیسک کے گرد چکر لگایا۔ پیوٹرا کے اشارہ کرنے پر وہ رُک گیا۔ وہ موم بتی کے جھلملاتے ہوئے شعلے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس پر غنودگی چھا رہی تھی۔

"اپنی انگوٹھیاں بدلو" پادری وساریَن نے حکم دیا۔

انھوں نے حکم کی تعمیل کی۔ "کیا یہ جھنجھٹ جلد ختم نہ ہو گا" اُس نے پیوٹرا سے پوچھا۔

پیوٹرا مسکرایا۔ "بہت جلد"

اس کے بعد گریگور نے نتالیا کے نم آلود لب چوسے۔ کلیسا بجھی ہوئی موم بتیوں کے دھوئیں کی بُو سے لبریز ہو گیا۔ ہجوم دروازے کی راہ سے کلیسا خالی کرنے لگا۔

گریگور نتالیا کے کھردرے اور بڑے بڑے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیے باہر آ گیا۔ موجِ صبا نے اُس کے نتھنوں کو جنگل کی نکہت سے بھر دیا۔ میدان سے شام کی خنکی چلی آ رہی تھی۔ ڈان سے پرے روشنی جھلملا رہی تھی۔ بارش تیزی سے بڑھی آ رہی تھی۔ کلیسا کی سفید باڑ کے پرے آوازوں کا شور بپا تھا۔ گھوڑوں کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔

۴

کارشنوف کنبہ کلیسا سے دولہا دلہن کی واپسی تک میلیخوف کے ہاں نہ آیا۔ پنٹیلیمون کی

بار یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ آ رہے ہیں یا نہیں، پھاٹک تک آیا۔ لیکن سڑک اسے ویران اور سنسان نظر آئی۔ اس نے نگاہیں ڈان کی طرف پھیر لیں۔ صحرا سنہرے رنگ کی زردی میں تبدیل ہو رہا تھا۔ خزاں کی گرد وسامانی نے گاؤں کو لپیٹ لیا تھا۔ اُس نے ڈان، سفید ٹیلوں اور جنگل کی طرف دیکھا۔ یکایک پہیوں کی کھڑکھڑاہٹ اُس کے کانوں میں پڑی۔ کتے بھونک رہے تھے۔ دو گاڑیاں گلی کے چوراہے میں پہنچ چکی تھیں۔ پہلی گاڑی میں میرون، پہلو میں اُس کی بیوی، سامنے دادا گریشاکا نئی وردی پہنے، سینٹ جارج کے تمغے لٹکائے بیٹھا تھا ـــ مٹکا نہایت بے پروا انداز میں گاڑی چلا رہا تھا۔

سینٹلیمون نے پھاٹک کھول دیا۔ دونوں گاڑیاں احاطے میں آ گئیں۔ الینچا لمبے لہنگے کی گوٹ سے فرش پر جھاڑو دیتی ہوئی قریب آ گئی "آپ کا کرم ہوگا اگر آپ ہماری غریبانہ جھونپڑی میں قدم رکھیں گے" وہ کمر جھکاتے ہوئے بولی۔

سینٹلیمون نے گردن ٹیڑھی کرتے اور ہاتھ پھیلاتے ہوئے اُن کا خیر مقدم کیا "ہم آپ کو نہایت مودبانہ دعوت دیتے ہیں۔"

اُس نے گھوڑوں کو کھولنے کا حکم دیا اور نووارد وں کی طرف لپکا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد وہ اپنے میزبان کے عقب میں چلنے لگے۔ مزتین کمرے میں پہلے ہی سے نصف درجن کے قریب مہمان اُن کا انتظار کر رہے تھے۔ اُن کی آمد کے فوراً بعد بیاہا ہوا جوڑا بھی کلیسا سے واپس آ گیا۔ جب وہ داخل ہوئے تو سینٹلیمون نے واڈکا سے گلاس بھر دیے۔

"نو بیاہ میرون! ہمارے بچوں کی صحت کا جام ـــ خدا کرے ان کی زندگی بھی ہماری طرح خوشحال بسر ہو۔ وہ مسرور اور صحت مند رہیں۔"

انھوں نے دادا گریشاکا کو بھی واڈکا کا گلاس دیا۔ وہ پی تو گیا مگر نصف گلاس سے اس کی وردی کا کالر بھیگ گیا۔ گلاس آپس میں کھنکنے لگے ـــ مہمان شراب پیتے رہے، پینے رہے۔ شور، ناج کی منڈی کے شور سے کم نہ تھا۔ کارشنف کا ایک دور کا رشتہ دار، جو میز کے ایک کنارے

پر بیٹھا تھا، کھڑے ہو کر چلایا "یہ وا ڈ کا تلخ ہے۔"

"تلخ ہے —— تلخ ہے ——" مہمانوں نے چیخنا شروع کیا۔

"واقعی تلخ ہے" باورچی خانے سے آواز آئی۔

گریگی نے خشم آلود ہوتے ہوئے بیوی کے بے ذائقہ ہونٹ چوسے۔ اور کمرے کے چاروں طرف ایک زہر آلود نگاہ ڈالی —— تمتماتے ہوئے چہرے، نشے سے تھرکتے ہوئے تبسم اور کیچڑ سے بھری ہوئی نگاہیں۔ چلتے ہوئے منہ، شوربے میں نہائے ہوئے میز پوش اور شور —— اُسے اور کچھ نظر نہ آیا۔

کلافدین —— میرون کا رشتہ دار دوبارہ کھڑا ہو کر چلایا "شراب تلخ ہے۔"

"تلخ ہے" وہی آوازیں دوبارہ بلند ہوئیں۔

باورچی خانے میں ڈاریا نے نشے کی ترنگ میں گانا شروع کر دیا۔ اُس کی آواز کمرے میں صاف سنائی دے رہی تھی۔ دوسری آوازوں نے بھی اُس کا ساتھ دیا۔ لیکا یک کرسٹونیا نے کھڑکی زور سے بند کی۔

گیت ختم ہو چکا تھا۔ اب منہ پھر سے چلنے شروع ہو گئے تھے۔ لوگ بے تحاشا کھا رہے تھے۔

"یہ گوشت کھاؤ۔"

"اپنا ہاتھ میرے ہاتھوں پر سے اٹھاؤ، میرا شوہر دیکھ رہا ہے۔"

"تلخ —— تلخ —— !"

باورچی خانے میں فرش ہلنے لگا۔ ایڑیاں ٹکرائیں اور ایک گلاس زمین پر گر پڑا۔ اُس کی کھنک شور میں تحلیل ہو گئی۔ گریگر نے بیٹھے ہوئے لوگوں کے سروں پر سے باورچی خانے میں جھانکا۔ عورتیں سیٹیوں کی آوازوں پر ناچنے لگیں۔ وہ لہنگے بار بار اٹھا رہی تھیں۔ ہر ایک نے پانچ پانچ چھ چھ لہنگے پہن رکھے تھے۔ وہ رومال اور کہنیاں لہرا رہی تھیں۔

ارگن باجا ہاتھ میں لیے کسی نے کاسک ناچ کا ترانہ چھیڑ دیا تھا۔ ایک چیختی ہوئی آواز

بلند ہوئی۔

"دائرہ بناؤ — دائرہ —"

"ذرا ایک طرف ہو جاؤ" پیوتر آ نے اُٹھتے ہوئے مطالبہ کیا۔

گریگر نے اُٹھتے ہوئے نتالیا کو آنکھ ماری۔

"پیوتر آ کاسک رقص کرنے کے لیے اٹھا ہے — اسے غور سے دیکھنا"

"مگر کس کے ساتھ رقص کرے گا؟"

"دیکھتی نہیں ہو۔ تمھاری ماں کے ساتھ۔"

میریا نے ہاتھ پھیلا دیے۔ اس کے بائیں ہاتھ میں رومال پھڑپھڑا رہا تھا۔ پیوتر آ اس کی طرف دبے پاؤں گیا۔ وہ کولھوں پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا اور دوبارہ اٹھا، پھر اپنی جگہ واپس آ گیا۔ میریا نے لہنگا اس طرح پکڑ لیا جیسے چراگاہ میں کیچڑ قدمی کے لیے چلی ہو۔ پھر اُس نے ٹانگ اِدھر اُدھر مارتے ہوئے مرد کی طرح ناچنا شروع کر دیا۔

ارگن بجانے والے نے ترانہ اور بھی تیز کر دیا۔ پیوتر آ موسیقی کی آواز پر رقص کر رہا تھا، پھر وہ ہتھیلیاں بوٹوں پر مارتے اور شور مچاتے ہوئے ناچنے لگا۔ وہ مونچھوں کے سرے بری طرح چبا رہا تھا۔ بڑی تیزی سے گھٹنے چلا رہا تھا۔ گریگر اچھی طرح نہ دیکھ سکتا تھا۔ وہ مہمانوں کا شور سن رہا تھا۔ یا بوٹوں کی ایڑیوں میں لگی ہوئی آہنی پتیوں کی جھنکار!

اُس کے بعد میرون نے الیچنا کے ساتھ رقص کیا۔ وہ مجمع سے باہر نہایت سنجیدگی کے عالم میں نکلے۔ پنٹیلیمون سٹول پر کھڑا ہو کر لنگڑی ٹانگ ہلاتا اور زبان سے ٹک ٹک کرتا ہوا اُنھیں دیکھا کیا۔ اُس کے کان کی بالی بھی رقص کر رہی تھی۔

دوسرے، جو اتنے ماہر رقص نہ تھے، ناچنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"مجلس رقص خراب نہ کرو۔"

"چھوٹے قدم — اوہ تم ......"

"اُس کی ٹانگیں تو ہلکی ہیں لیکن کولہے بھاری ہیں۔"

"یونہی ناچتے رہو....."

کمرے میں یہی آوازیں چاروں طرف بلند تھیں۔ بوڑھا گریشاکا بدمست ہو چکا تھا۔ اس نے پڑوسی کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"تم کب فوج میں بھرتی ہوئے تھے؟"

اُس کے پڑوسی بوڑھے نے جواب دیا۔ "بیٹا! ۱۸۳۹ء میں۔"

"کب ___؟" گریشاکا نے کان کھجایا۔

"بتا تو دیا کہ ۱۸۳۹ء میں۔"

"کیا نام ہے تمھارا؟ ___ تمھاری پلٹن کا نام کیا ہے؟"

"میکسم بوگاتریف ___ میں بیکلانف پلٹن میں نائک تھا۔"

"کیا تم بھی میلیخوف خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟"

"کیا کہا ___؟"

"تمھارا خاندان پوچھتا ہوں؟"

"میں دولھا کا نانا ہوں۔"

"بیکلانف کی پلٹن میں تھے تم؟"

بوڑھے نے گریشاکا کی طرف دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

"پھر تو تم نے جنگِ کاکیشیا بھی لڑی ہوگی؟"

"میں بیکلانف کے زیرِ سرکردگی لڑا تھا اور فتحِ کاکیشیا میں مدد دے چکا ہوں۔ ہماری پلٹن میں بے نظیر کاسک تھے۔ وہ طویل القامت تھے۔ اُن کے شانے چوڑے، بےحد چوڑے تھے۔ مثالی مرد ___ میرے بیٹے! ___ مثالی مرد ___ مرحوم جرنیل مجھ پر بڑے مہربان تھے۔"

"میں جنگِ ترکی دیکھ چکا ہوں۔" گریشاکا نے تمغوں سے بھرا ہوا سینہ نمایاں کیا۔

"ہم نے تڑکے ہی ایک گاؤں پر قبضہ کر لیا ...... دوپہر کے وقت خطرے کا بگل بجا۔"
بوڑھا گریشا کا اُس کی سنے بغیر اپنی داستان سنا رہا تھا۔

"ہم روسٹرز کے گرد و نواح میں مصروف پیکار تھے۔ ہماری ٹاؤن کی پلٹن جان توڑ کر لڑ رہی تھی۔ مَیں ابھی جھونپڑے میں تھا کہ خطرے کا بگل بجا ...... اور مَیں نے ساتھی سے کہا۔

"ہمیں پسپا ہونا پڑے گا تموفی! ــــ مگر پہلے دیوار پر سے قالین اتار لیں۔

مجھے دو دشمن ملے۔ میں نے ایک ترکی میجر کو زندہ گرفتار کر لیا تھا ...." گریشا کا رونے لگا اور اس نے کپکپاتے ہوئے مکتے سے پڑوسی کے ضرب لگائی۔ دوسرا بوڑھا مرغی کی ٹانگ کو شوربے میں بھگوتا ہوا اطمینان سے گویا ہوا "سُن بیٹا! اُس چوری نے میرا کیا حشر کیا۔ میں نے آج تک کوئی چیز نہ اُٹھائی تھی۔ اُس چیز کو ہاتھ نہ لگایا تھا جو میری نہ تھی۔ مجھے اس قالین کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اب تو میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ گھوڑے کی زین سے بھی بڑیا ہے۔"

"میں نے سمندر کے پار کی دنیا بھی دیکھی ہے ــــ" گریشا کا اپنے پڑوسی کو مرعوب کرنا چاہتا تھا۔ وہ آغاز کی تفصیل نظرانداز کرتے ہوئے داستان کے ارتقا تک پہنچ گیا ... کپتان نے پلٹن کی قطاروں میں پہنچ کر حکم دیا ــــ آگے بڑھو ......"

بوڑھے کاسک نے گردن پیچھے کی طرف پھینک دی جیسے کوئی گھوڑا بگل کی آواز سُن کر سر پیچھے کی طرف کر لے۔ اُس نے میز پر مکا مارتے ہوئے کہا "تیار ہو جاؤ سپاہیو ــــ بیکالانف کے سپاہیو! تیار ہو جاؤ ...." اُس کی آواز اور بھی بلند ہو گئی "بیکالانف کے نوجوانو .... حملہ کر دو ــــ آگے بڑھو۔"

اس نے پھر نوجوان گریشا کا کی طرف دیکھا۔ اس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے بھیگ چکی تھی۔ جنہیں وہ پونچھنا نہ چاہتا تھا۔

گریشا کا بھی مشتعل ہو چکا تھا "اُس نے یہ حکم دے کر شمشیر لہرائی۔ ہم تیزی سے آگے بڑھے اور دشمن اس طرح کٹ کٹ کر گرنے لگے ......" اُس نے میز کے کپڑے پر انگلی سے ایک

مربع نشان بنایا۔" ہم نے تین دفعہ اُن پر حملہ کیا۔ ہر دفعہ ہمیں پسپا ہونا پڑا۔ ہم جب کبھی حملہ کرتے اُن کا رسالہ ہم پر ٹوٹ پڑتا۔ کمانڈر نے ہمیں اُن سے پہلے نپٹنے کا حکم دیا ہم ان پر جا پڑے۔ ہم نے ان کے پرخچے اڑا دیے۔ دنیا کا کون سا رسالہ ہے جو کاسکوں کی ضرب کی تاب لا سکتا ہے۔ وہ جنگل کی طرف بھاگ کھڑے ہوتے۔ میں نے دیکھا کہ اُن کا افسر میرے سامنے دوڑا جا رہا ہے۔ ایک خوش شکل افسر، کالی کالی مونچھیں تھیں اس کی۔ اُس نے مجھے لپکتا ہوا دیکھا۔ پستول سے مجھ پر وار کیا لیکن وار خالی گیا۔ میں نے گھوڑے کے ایڑ لگائی اور اسے جا پکڑا۔ میں اُس کے دو ٹکڑے کر دینا چاہتا تھا لیکن وہ بھی انسان تھا۔ اس کے علاوہ میرے ذہن میں ایک نہایت اچھی تجویز آ چکی تھی۔ میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔ اُس نے میرے بازو کو کاٹ لیا۔ لیکن میں اُسے کب چھوڑنے والا تھا......"

گرشتیا کا نے فاتحانہ انداز سے پڑوسی کی طرف دیکھا لیکن بڈھے کا سر اُس کے سینے پر جھک گیا تھا اور وہ خراٹے لے رہا تھا۔

سات

ا

سرجی ماخوف کو اپنا حسب ونسب دور تک یاد تھا۔

پیٹر اوّل کے عہد میں ایک شاہی کشتی ڈان سے آزف کی طرف جا رہی تھی۔ اُس میں بارُود اور بسکٹ تھے۔ لیٹرسے گاؤں چگونک کے کاسکوں نے رات کے وقت اُس پر چھاپہ مارا۔ سوتے ہوئے پہرےداروں کو اُنھوں نے ہلاک کر دیا۔ بارُود اور بسکٹ چرا لیے اور ناؤ ڈبو دی۔

زار نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ چگونک گاؤں کو جلا کر خاک سیاہ کر دیں۔ چگونک کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا اور کاسکوں کو تہ تیغ۔ اُن میں سے چالیس کو پھانسی پہ لٹکا دیا۔ ان کی لاشوں کو دریا میں بہا دیا گیا تاکہ پڑوسی دیہات کو عبرت ہو جائے۔

دس سال کے بعد چگونک کا خاک سیاہ گاؤں دوبارہ آباد ہونا شروع ہُوا۔ زار کے حکم سے ایک جاسوس، جس کا نام ماخوف تھا، وہاں آکر رہا۔ وہ چاقوؤں، تمباکو اور دوسری کاسکوں کی ضروریات کی تجارت کرتا رہا۔ وہ چُرائی ہوئی چیزوں کی خرید و فروخت بھی کرتا۔ سال میں وہ دو مرتبہ دارالسلطنت میں ذخیرہ اندوزی کی غرض سے بھی جاتا۔ اصل میں وہ ضلع کے حالات کی رپورٹ لے کر جاتا تھا۔

اس روسی کسان اور خفیہ ایجنٹ گماشتا ماخوف ہی کی نسل سے ماخوف تاجر کا خاندان چلا آتا تھا۔ وہ کاسکوں کی سرزمین پر قدم جما چکا تھا۔ اُن کا کنبہ پھیلتا رہا۔ شاہی مراعات حاصل تھیں۔ یہ مراعات شاید اُنھیں آج بھی حاصل ہوتیں لیکن تباہ کن آگ کی بدولت، جو سرجی ماخوف

کے دادا کے عہد میں لگی تھی، یہ مراعات بند ہو گئیں۔ سرجی ماخوف کے دادا نے جوا کھیل کر اپنے آپ کو پہلے ہی تباہ کر لیا تھا۔ وہ دوبارہ خوشحال ہونا شروع ہوا تھا کہ آگ بھڑک اٹھی۔ مفلوج باپ کو دفنانے کے بعد سرجی ماخوف نے پانچ سال تک مصیبت میں زندگی بسر کی۔ چند سال تک کسانوں کو لوٹنے کے بعد اُس نے بساطی کی دکان کھول لی۔ ایک پادری کی لڑکی سے شادی کر لی۔ اُسے جہیز میں خاصا مال ملا۔ اُس نے کپڑے کی دکان کھول لی۔ سرجی نے عین وقت پر پارچہ بافی کی تجارت شروع کی تھی۔ اسے بےحد فائدہ ہوا۔ ڈان کے بائیں کنارے کی طرف سے کاسک ہجرت کرتے ہوئے اُدھر آ رہے تھے کیونکہ اُن کی زمینیں بنجر اور ریتلی ہو چکی تھیں ـــــ اُن کسانوں کے لیے ماخوف کی دکان میں دلفریب اور جاذب نظر اشیاء موجود تھیں۔ سرجی نے کاروبار اور بھی وسیع کر لیا۔ اُس کی دکان میں ہر قسم کا مال تھا۔ وہ زراعتی مشینیں بھی فروخت کرنے لگا۔ تین سال کے اندر سرجی نے اناج اٹھانے کی مشین بھی لگا لی۔ اُس نے پہلی بیوی کی وفات کے بعد بھاپ سے چلنے والی آٹے کی مشین بھی منگوا لی۔

ٹاٹارسک اور دوسرے پڑوسی گاؤں اُس کی مٹھی میں تھے اور چار چوکیدار تھے۔ چوبیس انسان اُس کے رحم و کرم پر تھے۔ وہ اَن کا اَن داتا تھا۔ اُس کی پہلی بیوی سے اُس کے ہاں دو بچے تھے۔ لڑکی الزبیتا اور سست و کاہل لڑکا ولادیمیر۔ اُس کی دوسری بیوی بانجھ تھی اس لیے وہ دونوں بچوں کو بےحد پیار کرتی تھی۔ چونکہ وہ عصبی المزاج تھی۔ اس لیے بچے بھی اُس سے متاثر ہوتے۔ ان کا والد ان کی طرف کوئی توجہ نہ دیتا تھا۔ اس کے نزدیک ان کی اہمیت ایک باورچی سے زیادہ نہ تھی۔ اُس کی تجارتی مصروفیات اس قدر زیادہ تھیں کہ وہ ان پر کوئی وقت صرف نہ کر سکتا تھا۔ اُس کی جاہل بیوی بچوں کے مزاج سمجھنے کی کوشش ہی نہ کرتی۔ بچے خود رَدی سے بڑھ رہے تھے۔ بہن اور بھائی کی فطرت میں ناقابلِ بیان حد تک یکسانی تھی۔ اُن میں اپنے باپ کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ ولادیمیر سست تھا۔ اس میں ذہانت کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ دیکھنے میں بیوقوف نظر آتا تھا۔ لڑکا جس کا بیشتر وقت باورچی

اور دایہ کے ساتھ بسر ہو رہا تھا وہ زندگی کے نشیب و فراز سے شناسا ہو چکی تھی۔ عورتیں اُسے دیکھ کر حیرت کا اظہار کرتیں۔ وہ دوشیزگی ہی میں رس سے بھرے ہوئے جنگلی پودے کی طرح بڑھ چکی تھی۔

۲

سال گزرتے رہے۔ بوڑھے اور بھی ضعیف العمر ہو گئے اور نوجوان اور بھی جوان۔

ولاڈیمیر، خوف ایک دُبلا پتلا زرد رنگ کا لڑکا اب پانچویں جماعت میں تھا۔ آج وہ مِل کے احاطے میں ٹہل رہا تھا۔ وہ گرمیوں کی چھٹیوں پر گھر آیا ہوا تھا۔ وہ ہجوم میں چہل قدمی کر رہا تھا۔ کاسک مزدوروں کے جملے اس کی خود پسندی میں پَر لگا رہے تھے۔

"وہ جا رہا ہے مالک کا جانشین ......"

وہ گاڑیوں میں سے نہایت احتیاط کے ساتھ راستہ ٹٹولتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ وہ پاؤں کو چاروں طرف بکھرے ہوئے گوبر سے بچا رہا تھا۔ دفعتاً اُسے یاد آیا کہ اُس نے انجن تو دیکھا ہی نہیں۔

سرخ رنگ کی ٹنکی کے پاس مشین گھر کے دروازے پر نمونی مزدور، ڈیلٹ پیمانٹشی اور نوتی کا معاون ڈیوڈ چکنی مٹی کا دائرہ ننگے پاؤں سے مسل رہے تھے۔ ان کے پاجامے گھٹنوں سے اُوپر اُٹھے ہوئے تھے۔

"وہ آگیا ہمارا مالک ...." پیمانٹشی نے ازراہِ تمسخر کہا۔

"دوپہر بخیر — کیا کر رہے ہو؟"

"ہم مٹی گوندھ رہے ہیں" ڈیوڈ نے جواب دیا۔ وہ تبسّم روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ چکنی مٹی کے ڈھیر سے اُس نے پاؤں نکالتے ہوئے کہا "تمہارا باپ بڑا کنجوس ہے۔ پیسے بچانے کی خاطر وہ عورتوں کو اس کام کے لیے ملازم نہیں رکھتا ...."

ولاڈیمیر کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اسے ڈیوڈ سے سخت نفرت ہو گئی۔

"کیا مطلب ہے تمھارا؟"

"یہی کہ وہ بیحد کمینہ ہے" ڈیوڈ مسکراتے ہوئے بولا۔ دوسرے ہنس پڑے۔ ولاڈیمیر کو اپنی بے عزتی کا احساس ہوا۔ وہ ڈیوڈ کی طرف ٹکٹکی لگاتے دیکھتا رہا۔

"کیا تم مطمئن نہیں ہو؟" ولاڈیمیر نے سوال کیا۔

"اس کیچڑ میں ذرا لت پت ہو کر دیکھو پھر تمھیں خود ہی پتا چل جائیگا کہ ہم مطمئن ہیں کہ غیر مطمئن۔ اس سے تمھارے باپ کو بیحد فائدہ پہنچے گا اگر وہ بھی اس میں کود کر دیکھے۔ اُس کے پیٹ میں درد نہ ہو جاتے تو میرا ذمہ۔" وہ تیزی سے چکنی مٹی کے ڈھیر پر پاؤں چلانے لگا۔ ولاڈیمیر انتقام لینے کی غرض سے کوئی موزوں فقرہ تراش رہا تھا۔

"غم نہیں، میں باپ سے کہہ دوں گا کہ تم اس کام سے مطمئن نہیں۔"

اُس نے انکھیوں سے ڈیوڈ کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا تو رہا تھا لیکن اب اس کی مسکراہٹ میں کسی قدر تبدیلی آگئی تھی اور اس میں غم واندوہ کی جھلک پیدا ہو گئی تھی۔ دوسرے کے چہرے پر بھی اذیت ناک سیاہی پھیل گئی تھی۔ چند لمحوں تک وہ مٹی کا ڈھیر خاموشی سے گوندھتے رہے۔ ڈیوڈ نے لتھڑے ہوئے پاؤں سے نگاہ اٹھاتے ہوئے کہا "ولوڈیا میں تو یونہی ہنس رہا تھا —— مذاق کر رہا تھا۔"

"نہیں، میں باپ سے ضرور کہہ دوں گا۔" اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ اُس کی ہتک کی گئی تھی۔ وہ گھر کی طرف چل دیا۔

"ولوڈیا —— ولوڈیا ٹھہر ٹھہر ٹھہر!" ڈیوڈ نے اُسے آواز دی اور مٹی بھری ٹانگوں پر دھبوں والی پتلون اتارتا ہوا گارے سے باہر نکلا۔

ولاڈیمیر کھڑا ہو گیا تھا۔ ڈیوڈ اس کے قریب ہانپتا ہوا آیا۔

"اپنے باپ سے نہ کہنا —— مجھے معاف کر دو —— میں بیوقوف ہوں۔ میں نے سوچے سمجھے بغیر بکواس کی تھی۔"

"بہت اچھا، میں ابا سے کچھ نہ کہوں گا۔" ولادیمیر ناک سکوڑتا ہوا پھاٹک کی طرف لپکا۔ ویلیٹ ڈیوڈ سے مخاطب ہوا "تم کیوں بکواس کرنے لگتے ہو۔ شیروں کو کیوں جگاتے ہو؟ انھیں سویا رہنے دو اور وہ بھی تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچائیں گے!"

پھاٹک کے پاس پہنچ کر ولادیمیر نے مڑکر دیکھا۔ اس نے دل میں سوچا "سور کہیں کے۔ میں اپنے باپ سے کیوں نہ کہوں" اس نے دیکھا کہ ڈیوڈ کے لبوں پر تبسم تھا۔ اس نے فیصلہ کیا "میں اپنے باپ سے ضرور یہ بات کہہ دوں گا!"

ولادیمیر نے گھر کی سیڑھیوں پر چڑھنا شروع کیا۔ اس کے سر پر انگوروں کی بیل پھیلی ہوئی تھی۔ وہ والد کے خاص کمرے کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے دروازے پر دستک دی سرجی آرام کرسی پر بیٹھا تھا۔ جون کا ایک ماہنامہ اس کے گھٹنوں پر کھلا ہوا تھا۔ ایک ننھا سا چاقو اس کے قدموں میں پڑا تھا۔

"کیا چاہتے ہو؟"

"صحیب، میں مل سے واپس آرہا تھا...." ولادیمیر ایک لمحے کے لیے سوچنے لگا لیکن اسے ڈیوڈ کا فروزاں تبسم یاد آگیا۔ اس نے باپ کی ضخیم توند کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں نے ڈیوڈ کو کہتے سنا...."

سرجی نے اپنے بیٹے کی داستان توجہ سے سنی "میں اسے کل ہی جواب دے دوں گا۔ اسے نکال دوں گا" پھر وہ ناک سکوڑتا ہوا ماہنامے کے مطالعے میں مصروف ہوگیا۔

۳

ایک روز شام کو گاؤں کے ذہین اور مدبر لوگ سرجی ماخوف کے ہاں جمع تھے۔ یویا شکن تھا جو ماسکو کے ٹیکنیکل سکول کا طالب علم تھا۔ مدرس بلینڈ تھا جسے تپ دق گھن کی طرح کھائے جا رہی تھی۔ اس کی مسادن مارتھا گیراسی موفنا تھی جو سدا نوجوان نظر آتی تھی۔ اس کا لہنگا کچھ اس بے باکانہ انداز میں لہراتا تھا کہ کوئی دیکھتا رہے۔ پوسٹ ماسٹر تھا جو ابھی تک کنوارا

تھا جس کے کپڑوں سے گھٹیا عطر کی خوشبو اُٹھ رہی تھی۔ کبھی کبھی نوجوان ایوتجن ستکی بھی اپنے باپ کی جاگیر سے آشامل ہوتا تھا۔ صحن میں بیٹھی ہوئی یہ مختصر سی جماعت چائے پیتی رہتی اور بے معنی گفتگو میں مشغول رہتی۔ جب گفتگو بدمزہ ہو جاتی یا کسی موضوع کی تلاش کے لیے سکوت ہوتا تو میزبان کے قیمتی گراموفون سے لطف اندوز ہونے کا سامان بہم پہنچایا جاتا۔

کبھی کبھی لمبی چھٹیوں میں سرجی ماخوف مہمانوں کی تواضع نہایت قیمتی شرابوں سے کیا کرتا تھا۔ اُس دن وہ دل کھول کر خرچ کرتا لیکن دوسرے موقعوں پر بخیلی کا ثبوت دیتا البتہ کتابیں خریدنے میں وہ بخل کا اظہار نہ کیا کرتا تھا۔ وہ مطالعے کا بیحد شائق تھا۔ جو کچھ پڑھتا اُسے یاد بھی رہتا۔ گاؤں کے دو پادریوں وسیرتین اور پنکریتی کا اُس سے دنیا تعلق نہ تھا۔ اُن کا اعتقاد پرانا تھا۔ اُن کا آپس میں بھی دوستانہ نہ تھا۔ پنکریتی ہمیشہ ساتھیوں کو گمراہ کیا کرتا تھا۔ وسیرتین یوکرین کی منتظمہ خانہ کے ساتھ تنہا رہتا تھا۔ وہ خلوت پسند واقع ہوا تھا۔ اُسے پنکریتی سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔

مدرس بلینڈا کے سوا سب کا اپنا اپنا گھر تھا۔ ماخوف کا نیلا مکان چورا ہے پر واقع تھا۔ گھر کے سامنے چوراہے کے بیچوں بیچ اُس کی دکان تھی۔ جس پر بکھرے ہوئے حروف کا بورڈ ٹنگا ہوا تھا اور دروازے میں شیشے لگے ہوئے تھے۔ دکان سے ملحق ایک شیڈ تھا۔ ایک سوگز کے فاصلے پر کلیسا تھا۔ کلیسا سے پرے سکول کی سفید چاردیواری تھی۔ دو خوشنما مکان پادری پنکریتی کی ملکیت تھے جن کی چھت نیلی تھی۔ تیسرا مکان پادری وسیرتین کا تھا جس نے مشابہت میں اختلاف پیدا کرنے کے لیے ایک بالکنی اور گول باڑ کا اضافہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد دو اور دو منزلہ مکان تھے۔ ان کے پیچھے ڈاک خانہ تھا۔ ڈاک خانے کے بعد کاسکوں کے جھونپڑے شروع ہو جاتے تھے۔ جھونپڑوں سے پرے مل تھی جس کی ٹین کی چھتیں زنگ آلود تھیں اور دور سے دکھائی دیتی تھیں۔ گاؤں کے باشندے دوسری دنیا سے الگ تھلگ بستے تھے۔ اپنے اپنے جھونپڑے میں بند۔ جو کوئی شام کو پڑوسی سے ملنے کے لیے

نکلنا، دروازہ بند کر جانا۔ کتوں کو زنجیر سے کھول جانا۔ صرف رات کے چوکیدار کی آواز جامد سکوت کو توڑتی ہوئی سنائی دیتی۔

۴

اگست کے آخر میں ایک دن دریا کے کنارے متکا کا رشنف کی ملاقات الزبتیا ماخوف سے ہو گئی۔ وہ دریا کے کنارے سے کشتی کھیتا ہوا آ رہا تھا۔ وہ کشتی کنارے سے باندھ ہی رہا تھا کہ اسے ایک انجین ناؤ آتی ہوئی دکھائی دی۔ چھوٹی سی ناؤ کو یونیورسٹی کا طالب علم چلا رہا تھا۔ اس کا ننگا سر پسینے سے چمک رہا تھا۔ ماتھے پر نیلی رگیں اُبھر آئی تھیں۔

متکا پہلے پہل تو ناؤ میں بیٹھی ہوئی الزبتیا کو پہچان نہ سکا۔ کیونکہ تنکوں کی ٹوپی کے باعث اُس کا چہرہ سایے میں تھا۔ اُس کے دھوپ جلے ہاتھوں میں پھول تھے اور وہ ہاتھ اُس کے سینے پر رکھے ہوئے تھی۔ "کارشنف" وہ متکا کو دیکھ کر چلائی "تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔"

"دھوکا!"

"کیا تمھیں یاد نہیں؟ تم نے کہا تھا کہ مجھے مچھلیاں پکڑنے کے لیے لے چلو گے؟"

یونیورسٹی کے طالب علم نے چپو پھینک دیے اور مڑ کر دیکھنے لگا۔ چھوٹی ناؤ کی ناک ساحل سے ٹکرائی۔

"تمھیں وعدہ یاد نہیں؟" الزبتیا نے سوال دہرایا اور ہنس کر ناؤ سے باہر آگئی۔

"مجھے وقت نہ مل سکا، بہت کام کرنا پڑتا ہے" متکا نے معذرت خواہی کے انداز میں کہا۔

"اچھا، اب مجھے مچھلیوں کے شکار پر کب لے چلو گے؟"

"کل ہی سہی ۔۔۔ اب مجھے فرصت ہی فرصت ہے۔"

"اس دفعہ تو دھوکا نہیں دو گے؟"

"ہرگز نہیں۔"

"میں تمھارا انتظار کروں گی۔ شاید تم کھڑکی کو نہیں بھولے۔ میں جلد ہی چلی جاؤں گی۔

جانے سے پہلے مچھلیوں کے شکار پر جانا چاہتی ہوں۔" ایک لمحے کے لیے وہ خاموش رہی۔ پھر مسکراتے ہوئے گویا ہوئی: "تمھارے گھر میں کسی کی شادی بھی تو ہوئی تھی؟"

"میری بہن کی۔"

"کس سے بیاہ ہوا ہے اُس کا؟" پھر جواب کا انتظار کیے بغیر وہ ایک پُراسرار طریقے سے مسکرائی۔

"آؤ گے نا ۔۔۔ ضرور آنا۔" ایک دفعہ پھر اس کی مسکراہٹ نے مٹکا کے دل کو ڈس لیا۔

وہ اُسے ناؤ تک جاتے ہوئے دیکھتا گیا۔ بوپارسکن اُسے دھکیل رہا تھا۔ مگر الزبیٹا نے مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلا کر مٹکا سے الوداع کہی۔

جب کشتی ذرا دُور چلی گئی۔ مٹکا نے بوپارسکن کو سوال کرتے ہوئے سنا "کون تھا یہ لڑکا؟"

"میرا واقف تھا۔"

"اُس سے محبت تو نہیں؟"

مٹکا اُس کا جواب نہ سُن سکا۔ بوپارسکن ہنستا ہوا چپو چلا رہا تھا۔ مٹکا الزبیٹا کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔ اُس کی ٹوپی کا ارغوانی فیتا اُس کی گردن پر پھڑپھڑا رہا تھا۔

مٹکا پہلے کبھی اس شوق سے مچھلی کے شکار پر روانہ نہ ہوا تھا لیکن اُس شام کو وہ بڑے انہماک سے اس کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ جب وہ تیاری کر چکا تو اس کا دادا گرنیشیا کا جو آنکھوں پر عینک لگائے کھڑکی میں بیٹھا انجیل پڑھ رہا تھا اس کی آواز سن کر چونک پڑا۔

"دادا ۔۔۔!"

"کیوں کیا ہے؟"

"آج صبح مرغے کی پہلی بانگ پر جگا دینا۔"

"کیوں۔ اتنی صبح کہاں جاؤ گے؟"

"مچھلیاں پکڑنے ۔۔۔۔۔۔"

بڑھے کو بھی مچھلیوں کے شکار کا شوق تھا۔ لیکن پھر بھی اُس نے مشکا کی مخالفت کرتے ہوئے کہا "تمہارا باپ کہہ رہا تھا کہ کل سَن کے بٹنے کا دن ہے۔ ان دنوں تفریح کا موقع نہیں"۔

مشکا دروازے سے نکلتا ہوا بولا "اگر کل سَن کے ریشوں کو ہی بٹنا ہے تو میں نہیں جاؤں گا"۔

بوڑھا پکارا "ٹھہرو۔ کہاں چل دیئے۔ میں تمہارے باپ سے کہوں گا کہ وہ تمہیں اجازت دے دے۔ تمہیں صبح سویرے جگا بھی دوں گا"۔

آدھی رات کے وقت بوڑھا لاٹھی ٹیکتا ہوا غلہ گھر کی طرف روانہ ہوا۔ سیڑھیوں سے راستہ ٹٹولتا ہوا وہ آ پہنچا۔ مشکا کمل پر لیٹا ہوا تھا۔ گریشا کا اُسے لاٹھی سے چھیڑتا ہوا جگانے لگا۔

"مشکا! ۔۔۔ مشکا!"

مگر مشکا نے ایک آہِ سرد کھینچی اور ٹانگیں سکیڑ کر دوبارہ غافل ہو گیا۔ اس دفعہ بوڑھے نے ذرا سختی سے اُس کے معدے میں لاٹھی چبھو دی۔ مشکا ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ اُس نے لاٹھی کا سرا پکڑ لیا۔ "تم تو غافل سوتے ہو" بوڑھا بولا۔

مشکا دالان سے دبے پاؤں چورا ہے کی جانب چلا۔ اُس نے بنیاں زمین پر رکھ دیں اور ایڑیوں کے بل چلنے لگا تاکہ کتے نہ جاگ پڑیں۔ گھر کے دالان میں جا پہنچا۔ اُس نے دروازے کی کنڈی ہاتھ سے محسوس کی مگر دروازہ سختی سے بند تھا۔ وہ دروازے کے ساتھ برآمدے میں سے ہوتا ہوا کھڑکی کے قریب پہنچ گیا۔ کھڑکی میں سے عورت کے جسم اور نامعلوم عطروں کی خوشبوئیں آ رہی تھیں۔

"الزبیٹا ۔۔۔ الزبیٹا ۔۔۔!" اُس نے آہستہ سے آواز دی۔

مشکا نے خیال کیا کہ اس نے بلند آواز میں پکارا ہے۔ اُس نے سوچا اگر وہ غلط کھڑکی کے نیچے کھڑا ہے تو پھر کیا بنے گا۔ کیا ہو گا اگر سرجی بی تخوف اس کھڑکی میں سوتا ہو۔ وہ بندوق سے اُس کا خاتمہ کر دے گا!

"الزبیٹا! مچھلی کے شکار کو چلتی ہو؟"

"اگر اُس نے غلط کھڑکی کا انتخاب کیا ہے تو مچھلی کے بجائے وہ خود شکار ہو جائے گا" وہ سوچ رہا تھا۔

"اُٹھتی ہو کہ نہیں؟" اُس نے جھنجلا کر پھر آواز دی۔

"کون ہے؟" ایک آواز آئی، ذرا گھبرائی ہوئی۔

"میں ہوں کارشنف! ـــــ مچھلی کے شکار کو چلتی ہو؟"

"اوہ تم ہو ـــــ؟ ٹھہرو میں ابھی آئی۔"

کھڑکی کے اندر کسی کے حرکت کرنے کی آواز آرہی تھی۔ اس کی نیند سے بھری ہوئی آواز بھاری تھی۔ مٹکا نے کمرے میں لباس کی سرسراہٹ سنی۔ چند لمحوں کے بعد اُس کا مسکراتا ہوا چہرہ سفید رومال اوڑھے نمودار ہوا۔ وہ کھڑکی سے جھانک رہی تھی۔ "میں اسی راستے سے اُتروں گی ـــــ مجھے ذرا اپنا ہاتھ تو دینا۔" اُس نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اُس نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

وہ اکٹھے ڈھلان پر پہنچے۔ رات کو دریا چڑھ گیا تھا۔ اُس کی موجیں ساحل سے دیوانہ وار ٹکرا رہی تھیں۔

"ٹھہرو مجھے جوتے اتار لینے دو۔"

"لاؤ میں تمھیں اُٹھا لوں۔" مٹکا نے تجویز پیش کی۔

"نہیں، میں جوتے اتار لیتی ہوں۔"

"نہیں، میں تمھیں اٹھا لیتا ہوں۔ تمھیں آرام ملے گا۔"

"نہیں رہنے دو۔" اُس نے گھبراہٹ کا اظہار کیا۔

مگر مزید بحث میں اُلجھنے سے گریز کرتے ہوئے مٹکا نے اپنے بازو اُس کی ٹانگوں کے گرد لپیٹ دیے اور اُسے آسانی سے اٹھا لیا۔ پانی کو چیرتا ہوا وہ آگے بڑھا۔ الزبٹیا نے بے اختیاری کے عالم میں اُس کی مضبوط گردن پکڑ لی اور ہنسنے لگی۔

اگر منکا پتھر پر سے نہ لڑکھڑاتا اُس پتھر پر سے جسے عورتیں کپڑے دھوتے ہوئے پھینک گئی تھیں تو وہ اتفاقیہ بوسے سے محروم رہ گیا ہوتا۔ الزبیتا نے اپنے چہرے کو اُس کے ہونٹوں پہ دبایا۔ کشتی سے دو قدم کے فاصلے پر آ کر وہ رک گئے۔ پانی اُس کے بوٹ بھگوتا ہوا گزر رہا تھا۔ اُس کے پاؤں میں خنکی چبھ رہی تھی۔

اُس نے کشتی کھول دی اور کود کر اُس میں سوار ہوگیا۔ وہ کھڑا ہو کر چپو کھینے لگا۔ کشتی دوسرے کنارے کی طرف چل دی۔ دوسرے کنارے پہ پہنچ کر اُس نے لڑکی کی اجازت لیے بغیر اُسے اٹھا لیا اور جھاڑی میں لے گیا۔ الزبیتا نے اُس کا مُنہ نوچ لیا۔ ایک دو دفعہ وہ چلائی بھی لیکن اُس کی طاقت اُسے جواب دے چکی تھی۔ وہ رو بھی پڑی لیکن اُس نے آنسو نہ بہائے۔

صبح کو نو بجے کے قریب وہ واپس آئے۔ دریا کی سطح پہ ہوا کھیل رہی تھی۔ آسمان پر گرد و غبار چھایا ہوا تھا۔ موجیں کف اُگل رہی تھیں۔ کشتی موجوں پر رقص کر رہی تھی۔ پانی کے ٹھنڈے چھینٹے الزبیتا کے مُنہ اور بالوں پر پڑ رہے تھے۔ وہ نہایت بے دلی سے آنکھیں گھما رہی تھی۔ منکا اُس کی طرف دیکھے بغیر چپو چلا رہا تھا۔ اُس کے قدموں میں دو مچھلیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اُس کے چہرے پر گناہ، اطمینان، خطا اور تشویش کے ملے جلے آثار درخشاں تھے۔

"میں تمہیں تمہارے گھر کے قریب اُتار دوں گا" وہ بولا۔

دریا کے کنارے گرد سے اٹی ہوئی باڑیں گرم ہوا سے لرز رہی تھیں۔ سورج مکھی کے پھول پوری طرح شگفتہ ہو چکے تھے۔ چراگاہ میں تازہ ہری ہری گھاس اُگی ہوئی تھی۔ تیز تیز ہوا دریا کی طرف اڑی جا رہی تھی۔ الزبیتا ناؤ سے باہر آئی تو منکا نے اُسے مچھلی دیتے ہوئے کہا "اپنے ستپن کی مچھلی تو لیتی جاؤ"۔ اُس نے فرطِ حیرت سے اُسے دیکھتے ہوئے مچھلی لے لی۔

"اچھا تو پھر میں جاتی ہوں"۔ اُس نے کہا۔ اُس کے قدم سست پڑ گئے تھے۔ اُس کی خوش مزاجی اور شگفتگی اُس جھاڑی میں رہ گئی تھی۔

"الزبیتا ـــــ"

وہ مڑی ۔۔۔ وہ گھبراہٹ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی جب وہ پاس آئی تو مٹکا نے گھبراہٹ کے عالم میں کہا "تمہارے لباس میں پیچھے کی طرف سوراخ ہو گیا ہے ۔ مگر ننھا سا۔"

وہ شرم کے مارے تمتما اٹھی۔ ایک لمحے کی خاموشی کے بعد مٹکا نے مشورہ دیا "پچھلی طرف سے جانا۔"

"کچھ بھی ہو، مجھے چوراہے ہی سے گزرنا ہی پڑے گا ..... میں چاہتی تھی کہ سیاہ لباس پہن کر آؤں مگر ....." اُس کی آواز میں نفرت اُبھاگر تھی۔

"کیا میں اسے پتے سے بند کر دوں؟" مٹکا نے خدمت پیش کی مگر اُس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔

۵

صبا کی سرسراتی ہوئی سرگوشی کی طرح گاؤں بھر میں اس خبر کا چرچا ہونے لگا کہ سرتی ما خوف کی بیٹی الزبیٹا ساری رات مٹکا کار تشنف کے ساتھ باہر رہی ہے ۔۔ عورتیں ڈھور ڈنگر ہانکتے ہوئے، کنوئیں کے گرد اور دریا کے کنارے کپڑے ہموار پتھروں پر پٹکتے ہوئے یہی ذکر کر رہی تھیں۔

"بیچاری کی حقیقی ماں مر چکی ہے نا ۔۔۔"

"اُس کے باپ کو بچوں کی دیکھ بھال کی فرصت ہی نہیں۔ سوتیلی ماں کو ان کی کیا پروا ہے۔"

"چوکیدار کہتا ہے کہ اس نے آدھی رات کے وقت کسی کو دستک دیتے ہوئے سنا تھا۔ پہلے تو اُس نے خیال کیا کہ کوئی چور ہے ۔۔ وہ دوڑا دوڑا گیا کہ دیکھے کون ہے ۔ دیکھا تو مٹکا تھا۔"

"آج کل کی لڑکیاں گردن تک گناہ میں ڈوبی ہوئی ہیں ۔۔ کسی کام کی نہیں۔"

"مٹکا نے میرے لڑکے ماشکل کو بتایا ہے کہ وہ اُس سے شادی کرے گا۔"

"لوگ کہتے ہیں کہ الزبیٹا ہی نے اسے مجبور کیا تھا۔"

"میری بہن! کتا بھی رضامندی کے بغیر کتیا کو سونگھتا تک نہیں۔"

ماخوف کے کان میں یہ آواز پڑی۔ یہ خبر اُس کے سر پر مکان کی چھت سے گرتی ہوئی اینٹ کی طرح پڑی۔ دو دن تک نہ تو وہ دکان پر گیا نہ مل میں۔

تیسرے دن سرجی ماخوف نے گاڑی نکلوائی اور ضلع کے مرکز کی طرف روانہ ہوا۔ اُس کے پیچھے ایک اور گاڑی تھی جسے دو گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ کوچوان کے پیچھے الزبیٹا بیٹھی ہوئی تھی۔ اُس کا رنگ لاش کی طرح زرد تھا۔ اُس کے گھٹنوں پر ایک ہلکا سا سوٹ کیس رکھا ہوا تھا۔ پھاٹک کے پاس اُس نے دستانے ہلا کر ولاڈمیر اور اپنی سوتیلی ماں کو الوداع کہی۔

پینٹیلیمون اسی وقت دکان میں سے لنگڑاتا ہوا نکل رہا تھا۔ وہ رکا اور چوکیدار سے پوچھنے لگا:

"مالک کی بیٹی کہاں جارہی ہے؟"

"ماسکو۔۔۔ سکول میں۔"

دوسرے دن ایک ایسا واقعہ ہوا جس کا ذکر کنوئیں پر، دریا پر، اور ہر گلی کوچے میں ہوتا رہا۔ شام سے پہلے مٹکا سرجی ماخوف سے ملنے گیا۔ اُس نے لوگوں کے ہجوم سے بچنے کے لیے شام کر دی تھی۔ وہ اُس کے ہاں دوستانہ پیغام لے کر نہیں بلکہ الزبیٹا کو اپنی بیٹی بنانے کی غرض سے گیا تھا۔

مٹکا، الزبیٹا سے چار مرتبہ مل سکا تھا۔ آخری ملاقات کے موقع پر اُس نے سوال کیا تھا "الزبیٹا! مجھ سے شادی کرو گی؟"

"پاگل نہ بنو۔"

"میں تمھاری دیکھ بھال کروں گا۔ تمھاری خدمت کروں گا۔۔۔ تمھیں پیار کروں گا میرے گھر میں خادم ہیں۔ وہ کام کریں گے اور میں تمھیں کھڑکی میں بیٹھے کتاب پڑھتے دیکھا کرونگا۔"

"تم تو بیوقوف ہو۔"

مٹکا اور کچھ نہ کہہ سکا۔ وہ مایوس ہو کر گھر آگیا۔ صبح اُس نے والد کو اطلاع دی "ابا۔۔

میرا بیاہ کر دو۔"

"چپ بھی رہو" میروآن بولا۔

"کیا تمہیں اتنی ہی جلدی ہے ــــ کون ہے وہ ــــ کیا مانکھا ــــ؟"

"نائی کو سرجی ماخوف کے گھر بھیج دو ابا!"

"میروآن نے گانٹھنے کے اوزار جن سے وہ ساز کی مرمت کر رہا تھا، نیچے رکھ دیے اور قہقہہ لگاتے ہوئے بولا" بیٹا! تم پر آج یہ کیا بھوت سوار ہے۔"

مٹکا اپنی جگہ جامد کھڑا رہا۔ اُس کا باپ تنک کر بولا "بیوقوف! سرجی ماخوف کے پاس ایک لاکھ روبل سے زیادہ سرمایہ ہے ــــ وہ تاجر ہے۔ اور تم کون ہو؟ دور جاؤ۔ ورنہ اسی سانٹے سے کھال ادھیڑ دوں گا۔"

"ہمارے پاس بیلوں کی بارہ جوڑیاں ہیں۔ اُس زمین کی طرف تو دیکھو جو ہماری ہے۔ اُس کے علاوہ وہ ایک کسان ہے اور ہم کاسک۔"

"بھاگ جاؤ" میروآن نے نرمی سے کہا۔

اُس کا دادا ہی ایک ایسا شخص تھا جس نے اُس کی داستان بڑے اطمینان سے سنی۔ بوڑھے نے میروآن کو پوتے کی امداد پر آمادہ کرنا چاہا۔

"میروآن! تم کیوں رضامند نہیں ہوتے ــــ لڑکا پاگل ہوا جا رہا ہے" گریشا کا نے آغازِ گفتگو کیا۔

"ابا تم ابھی نیچے ہو ــــ سیانے بچے ــــ مٹکا بیوقوف ہے اور تم......"

"زبان سنبھالو" گریشا کا نے لکڑی فرش پر ماری "کیا ہم اُس کے برابر نہیں ــــ اُس کے ہمسر نہیں ــــ ایک کاسک کے ساتھ اُسے اپنی بیٹی کا بیاہ کرنے پر نازاں ہونا چاہیے ــــ سارے گاؤں میں ہمارے کنبے کی دھوم ہے ــــ ہم کسان ہی نہیں بلکہ مالک ہیں ــــ جاؤ اور اُس سے پوچھو ــــ اُس سے کہو کہ جہیز میں مل دے دے۔"

میروآن پھر خشم آلود ہو گیا۔ وہ احاطے میں آ کر چپکا بیٹھ گیا۔ اس لیے مٹکا نے فیصلہ کیا کہ وہ خود

سرجی ماخوف کے ہاں جائے گا۔ اسے باپ کی ضد کا حال معلوم تھا۔

وہ سیٹی بجاتا ہوا ماخوف کے دروازے تک گیا۔ اس کے بعد اس کی ہمت جواب دے گئی۔ ایک لمحے کے لیے وہ ہچکچایا پھر جرأت کر کے اندر داخل ہوا۔ اس نے ملازم سے پوچھا "مالک گھر ہی پہ ہے۔"

"وہ چائے پی رہا ہے — ذرا ٹھہرو —" جواب ملا۔

وہ بیٹھا ہوا منتظر رہا — اس نے سگرٹ سلگایا اور لمبے لمبے کش کھینچنے لگا۔ سگریٹ کا ٹکڑا اس نے فرش پہ پھینک کر اسے قدموں سے کچل دیا۔ ماخوف واسکٹ پہ برش پھیرتا ہوا باہر آیا۔

اس نے مٹکا کو دیکھا تو ابرو پہ بل ڈال لیا "اندر آجاؤ!"

مٹکا ماخوف کی ٹھنڈی نشست گاہ میں داخل ہوا۔ وہ حوصلہ جیسے وہ میروتن کے دروازے تک صحیح سلامت لے آنے میں کامیاب ہو گیا تھا، دہلیز سے گزرتے ہی دم توڑ گیا۔ تا بمیز کے گرد بیٹھ گیا۔ اس نے میز کی سطح کریدتے ہوئے پوچھا "کیوں — کیسے آئے ہو؟"

"میں یہ بتا کرنے ......" مٹکا، ماخوف کی سرد آنکھوں کی طرف دیکھ کر کپکپا اٹھا "شاید تم مجھے الزبیتا بخش دو گے" مایوسی، غصہ، برہمی اور خوف بیک وقت اس کے چہرے پر پسینا لے آئے۔

ماخوف کا بایاں ابرو کپکپایا۔ اوپر کا ہونٹ نچلے ہونٹ سے جدا ہو گیا۔ اس نے بدن آگے کی طرف جھکا دیا "کیا کہا بدمعاش! میں تجھے اٹامن کے سامنے پیش کر دوں گا۔ سؤر کے بچے!"

ماخوف کی وحشی آواز سن کر مٹکا کا حوصلہ بڑھ گیا "اسے بے عزتی خیال نہ کرو۔ میں اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنے آیا ہوں۔"

ماخوف نے سرخ آنکھیں اٹھائیں اور ایک بڑی سی راکھ دانی اس کی طرف پھینکی۔ وہ مٹکا کے گھٹنے پہ آکر لگی لیکن اس نے یہ چوٹ برداشت کر لی۔ اس نے دروازہ کھولا۔ شرم اور تکلیف سے مجبور ہو کر بولا "سرجی ماخوف! تمھاری مرضی ...... تمھاری مرضی ...... مگر میں سچ کہتا ہوں کہ اب تمھاری بیٹی کی تمنا کون کرے گا۔ میں تو اس کا گناہ چھپانے کی غرض سے آیا تھا — کت

چھوڑی ہوئی ہڈی کو تم تو جانتے ہو، چھونا بھی نہیں۔"

رومال ہونٹوں پر رکھے ہوئے ماتحوف مٹکا کی طرف لپکا۔ دروازہ بند کر کے مٹکا احاطے میں آ گیا۔ ماتحوف نے کوچوان کی طرف اشارہ کیا۔ کوچوان نے مالک کا اشارہ پاتے ہی کتے کھول دیئے۔ مٹکا کو دیکھ کر وہ اس کی طرف دوڑتے ہوئے لپکے۔ ابھی وہ مڑنے بھی نہ پایا تھا کہ سب سے اگلا کتا اس کے کندھوں تک پہنچ گیا۔ اس کے پاؤں اس کے کوٹ میں پھنس گئے تھے۔ چاروں کتے اس سے لپٹ گئے تھے۔ اس کا گوشت بُری طرح اُدھڑ رہا تھا۔ اس نے کوچوان میلین کی طرف دیکھا۔ وہ مزے سے بیٹھا پائپ سے دھواں اُڑا رہا تھا۔ پھر وہ اُٹھا اور دروازہ بند کر کے اندر چلا گیا۔

سرجی ماتحوف برآمدے کے کھمبے سے لگا ہوا یہ نظارہ دیکھ رہا تھا۔ اس کی سفید مٹھیاں کس کر بندھی ہوئی تھیں۔ مٹکا پوری طاقت سے دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ کتوں کے جسموں سے آنچ آ رہی تھی۔ اس نے ایک کو گلے سے پکڑ لیا اور اس کا دم گھونٹ دیا۔ قریب ہی سے ایک کاسک گزر رہا تھا۔ اس نے بمشکل دوسرے کتوں کو مار بھگایا۔

آٹھ

۱

میلیخوف کے کہنے نے نتالیا کو کھیت کے کام میں بیحد کارآمد پایا۔ اُس کے والدکے پاس ملازم تھے لیکن اُس نے اُسے کام کرنا سکھایا تھا۔ محنتی نتالیا نے شوہر کے والدین کے دلوں پر فتح پالی تھی۔ ایلنچنا جسے اپنی بڑی بہو داریا پسند نہ تھی، ابتدا ہی سے نتالیا کی گرویدہ ہو چکی تھی۔

"سوئی رہ — سوئی رہ ننھی گڑیا! تو کیوں صبح سویرے جاگتی ہے" وہ ہمدردی کا اظہار کرتی "جا بستر میں جاکر لیٹی رہ۔ ہم تیرے بغیر بھی سب کام کر لیں گے۔"

پنتیلیمون، جو گھریلو معاملات میں سخت واقع ہوا تھا، وہ بھی اپنی بیوی سے کہتا "دیکھ او بڑھیا! نتالیا کو نہ جگانا۔ وہ اُٹھ کر سب کام کر لے گی۔ آج وہ گریگری کے ساتھ ہل چلانے کے لیے جا رہی ہے۔ داریا کو جگا لے۔ وہ بڑی کاہل الوجود اور بُری ہے۔ وہ چہرے پر پوڈر تھوپتی اور ابرو دیا کرتی ہے۔ کتیا — !"

گریگری اپنی نئی نویلی دلھن سے مانوس نہ ہوا۔ تین ہفتوں تک تو وہ اس بات پر خوش رہا کہ اُس نے اکسینیا سے قطع تعلق نہ کیا تھا۔ اُس نے سوچا تھا کہ وہ اکسینیا کو بھول جائے گا۔

لیکن وہ اس کے دل میں گھر کر چکی تھی۔ شادی سے پہلے بھی اُس نے دل سے سوال کیا تھا:

"گریگری — اکسینیا کا کیا ہو گا — کیا خیال ہے تمہارا اُس کے متعلق؟"

"کیوں کیا خیال ہے؟" وہ اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا۔

"اُسے چھوڑ دینا درست ہے کہ نہیں؟"

"اگر میں نے اُسے چھوڑ دیا تو کوئی دوسرا اسے اپنا لے گا" وہ مسکرایا۔

لیکن ایسا نہ ہوا۔ جوانی کے نشے میں وہ بیوی پر ریجھا رہا مگر اُسے محبت کا جواب سرد مہری کی صورت میں ملا۔ نتالیا جسمانی لذت سے پرہیز کرتی۔ اسے یہ خصوصیت ماں کی طرف سے ورثے میں ملی تھی۔ گریگری' اکسینیا کی گرم جوشی کو یاد کر کر کے آہیں بھرتا۔

"تمہارے باپ نے تمہیں برف سے بنایا ہے نتالیا!"

ایک دن جب اُس کی ملاقات اکسینیا سے ہوئی تو اس نے مسکرا کر پوچھا "کہو گریگری! اپنی بیوی سے کیونکر گزر رہی ہے؟"

"اچھی گزر رہی ہے" اُس نے اکسینیا کی پیار بھری نگاہ سے بچتے ہوئے جواب دیا۔

۲

سٹیپن نے جان بوجھ کر بیوی سے جھگڑا مول لیا تھا۔ اب وہ شراب خانے میں بہت کم جاتا۔ ایک شام کو جب وہ گیہوں پھٹک رہا تھا' اُس نے تجویز پیش کی۔ آج پہلی دفعہ اُس نے کہا "آؤ کوئی گیت گائیں اکسینیا!"

وہ دونوں گیہوں کے ڈھیر سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گئے۔ سٹیپن نے ایک فوجی گیت شروع کیا۔ اکسینیا بھی گلے کا زور لگاتی ہوئی شامل ہو گئی۔ گریگری نے بھی گیہوں پھٹکتے ہوئے دونوں کو گاتے سُنا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اکسینیا شوہر سے بیحد خوش ہے۔

سٹیپن نے میلخوف کنبے سے علیک سلیک بھی چھوڑ دی۔ وہ غلہ گاہتے ہوئے اکسینیا سے مذاق بھی کرتا جاتا تھا اور اکسینیا کھلکھلا کر ہنس پڑتی۔ گریگری جھانک کر دیکھ رہا تھا۔ اُس کی کالی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ سبز لہنگا لہرا رہا تھا۔ گریگری کوشش کے باوجود گردن موڑنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔۔۔ بے اختیار ہو کر اُس کی نگاہیں سٹیپن کی جھونپڑی کی طرف اُٹھ جاتیں۔ وہ بھول گیا تھا کہ نتالیا باڑ کی مرمت میں ہنٹلیمون کا ہاتھ بٹا رہی تھی۔ اُس نے پیوتر اکو بھی نظر انداز کر دیا جو بھائی کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

دور و نزدیک غلہ گاہنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ گھوڑوں کو ہانکنے کا شور اور چابک کے

پتّے ایک عجیب موسیقی پیدا کر رہے تھے۔ گاؤں اچھی فصل ہونے کی وجہ سے مسرور ہو رہا تھا۔ اسی لیے تو غلّے کے گاہنے کا کام ستمبر کی گرمی میں شروع کیا گیا تھا۔ ہر کھیت میں، ہر جھونپڑی کی چھت کے نیچے ہر کنبہ تلخ و شیریں زندگی بسر کر رہا تھا۔ بوڑھا گریشا دانتوں کے درد سے نالاں تھا۔ سرجی بانوف رسوائی کے بعد ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ وہ رو رہا تھا اور دانت کٹکٹا رہا تھا۔ سٹیپن کے دل میں گریگر کے خلاف نفرت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ رات کو آہنی انگلیوں سے کمل کھینچ کر پھاڑ دیتا تھا۔ نتالیا ادھر اُدھر مسرت کی تلاش میں دوڑتی پھرتی تھی۔ گریگر سرد آہیں بھرتا تھا۔ اکسینیا جب بھی شوہر سے اظہارِ محبت کرتی گریگر سر سے پاؤں تک دہکتا ہوا کوئلہ بن جاتا۔ ڈیوڈ کو مل سے جواب مل چکا تھا۔ ان دنوں وہ بیکار تھا۔ وہ رات ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کاٹ دیتا تھا۔ ولیٹ آنکھیں چمکاتا ہوا کہتا "ڈیوڈ! تم تو بیوقوف ہو۔ جلد ہی ان کے گلے پہ کند چھری پھیر دی جائے گی۔ ایک انقلاب کافی نہیں ۱۹۰۵ء کا انقلاب دہرایا جانا چاہیے۔ پھر ہم بدلہ لیں گے۔" اس نے جلی ہوئی انگلیاں مروڑتے ہوئے دھمکی دی اور کوٹ کا کالر سمیٹ کر خاموش ہو گیا۔

گاؤں سے بوڑھا وقت رینگتا ہوا گزر رہا۔ دن راتوں میں تبدیل ہوتے رہے اور راتیں دنوں میں۔ ہفتے مہینے بنتے رہے اور مہینے سال۔ ہوا غراتی ہوئی چلتی رہی۔ خزاں میں بیگوں آسمان جھلملاتا رہا۔ ڈان آہستہ خرامی سے سمندر کی طرف بہتا رہا۔

۳

اکتوبر کے آخر میں ایک اتوار کو فیوڈوٹ ضلع کے قصبے میں کسی کام کی غرض سے پہنچا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا اور موٹی موٹی بطخوں کے چار جوڑے ساتھ لے گیا تھا۔ انھیں اس نے منڈی میں فروخت کر دیا۔ اس نے بیوی کے لیے سوتی کپڑا خریدا۔ گھر واپس آنے ہی والا تھا کہ اسے ایک اجنبی ملا جو ایک پردیسی تھا۔ وہ گرد و نواح کا باشندہ معلوم نہ ہوتا تھا۔

"دوپہر بخیر — !" اس نے فیوڈوٹ کو ٹوپی اٹھا کر سلام کیا۔

"دوپہر بخیر ـــــ!" فیوڈوٹ نے جواب دیا۔

"کہاں سے آئے ہو؟"

"گاؤں سے۔"

"کس گاؤں سے؟"

"ماطارسک سے۔"

اجنبی نے جیب سے چاندی کا سگرٹ کیس نکالا اور فیوڈوٹ کو پیش کرتے ہوئے بولا۔

"خاصا بڑا گاؤں ہے۔"

"ہاں تین سو گھرانوں پر مشتمل ہے۔"

"وہاں کوئی لوہار یا بڑھئی بھی ہے؟"

"ہے ـــ مگر یہ باتیں کس لیے دریافت کر رہے ہو؟"

"میں تمھارے گاؤں میں آ کر رہنا چاہتا ہوں۔ ابھی ابھی ضلع کے اٹامن کے پاس سے آ رہا ہوں ـــ کیا تم مجھے ساتھ لے چلوگے؟ میری بیوی میرے ساتھ ہے اور صرف دو صندوق۔"

"چلو ـــ میں تمھیں لے چلتا ہوں۔"

اجنبی، اُس کی بیوی اور صندوق لاد دیئے گئے اور وہ سفر پر روانہ ہو گئے۔ فیوڈوٹ کی سواریاں اُس کے پیچھے خاموشی سے بیٹھی رہیں۔ فیوڈوٹ نے پہلے تو ایک سگرٹ طلب کیا پھر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

"کہاں سے آ رہے ہو؟"

"رستوف سے۔"

"کیا پیدائش بھی وہیں کی ہے؟"

"ہاں۔"

فیوڈوٹ نے مڑ کر بغور سواریوں کا معاینہ کیا۔ مرد درمیانے قد کا تھا مگر دُبلا۔ اُس کی

آنکھوں میں ذہانت کی چمک تھی۔ جب وہ بولتا تھا تو مسکراتا تھا۔ اُس کے اوپر کے ہونٹ میں خم تھا۔ اُس کی بیوی بُنے ہوئے شال میں اُونگھ رہی تھی۔

"تم نے ہمارے گاؤں کا انتخاب کیوں کیا ہے؟"

"میں آہنگر ہوں ۔۔ قفل سازی کا کام بھی جانتا ہوں۔ میرا ارادہ وہاں دکان کھولنے کا ہے۔"

فیوڈوٹ نے مرد کی طرف شک کی نگاہوں سے دیکھا۔ اجنبی نے بیان میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں کپڑے سینے کی سنگر مشینوں کا ایجنٹ بھی ہوں۔"

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"شاک مین!"

"روسی تو نہیں ہو؟"

"میں روسی ہوں ۔۔۔ لیکن میرا دادا جرمن تھا۔"

چند لمحوں میں فیوڈوٹ مکمل واقفیت حاصل کر چکا تھا۔ اُسے آسپ شاک مین سے متعلق تفصیلات معلوم ہو چکی تھیں۔ شاک مین پہلے پہل تو ایک فیکٹری میں کام کرتا رہا تھا پھر جنوب مشرقی ریلوے ورکشاپ میں۔ چند لمحوں تک گفتگو بند رہی۔ فیوڈوٹ نے سرِراہ ایک چتنے گھوڑے کو پانی پلایا۔ خاصا کچھ کھانے کے بعد وہ اونگھنے لگا تھا۔ اُس نے لگام گاڑی سے باندھ دی اور آرام سے لیٹ گیا لیکن اُسے سونے نہ دیا گیا۔

"تمہارے علاقے میں زندگی کیسی گزرتی ہے؟"

"بُری نہیں۔ کھانے والے کی افراط ہے۔"

"کاسک مطمئن ہیں؟"

"بعض ہیں اور بعض نہیں۔ ہر آدمی کو خوش کون کر سکتا ہے؟"

"سچ ہے ۔۔ سچ ہے ۔۔" شاک مین نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تمھارا کیا حال ہے؟"

"اچھا ہے۔"

"سالانہ فوجی تربیت تو ایک وبال ہو گی ــــ؟"

"فوجی تربیت ــــ! لیکن اب تو ہم اس سے مانوس ہو چکے ہیں۔"

"افسر برے ہونگے۔"

"ہاں ــــ سوّر کے بچّے۔" فیوڈوٹ مشتعل ہو چکا تھا لیکن عورت کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا "حکام سخت ہیں.... جب میں فوجی خدمت کے لیے گیا تو مجھے بیل بیچ کر گھوڑا لینا پڑا تھا لیکن انھوں نے اسے مسترد کر دیا۔"

"مسترد کر دیا ــــ" شاک مین نے حیرت کا اظہار کیا۔

"وہ کہنے لگے، اس کی ٹانگیں اچھی نہیں۔ میں نے بہتیرے دلائل دیے لیکن وہ نہ مانے.... مصیبت ہے۔"

گفتگو جاری رہی۔ فیوڈوٹ دیہاتی زندگی سے متعلق معلومات بہم پہنچاتا رہا۔ وہ گاؤں کے ٹامن کو تقسیم اراضی پر بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ چراگاہوں کی تقسیم میں ناانصافی برتی گئی۔ وہ پولینڈ کی صورت حال کو سراہتا رہا۔ کیونکہ ایک دفعہ اُس کی پلٹن کا قیام وہیں ہوا تھا۔ شاک مین سگرٹ پیتا رہا اور مسکراتا رہا لیکن ماتھے پر تیوریاں پڑتی اور مٹ جاتی تھیں۔ وہ کسی اندرونی جذبے سے متاثر ہو رہا تھا۔

وہ شام ہونے سے پہلے ہی گاؤں پہنچ گئے۔ فیوڈوٹ کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے شاک مین لیوکشکا بیوہ کے ہاں ٹھہرا اور انھوں نے دو کمرے کرایے پر لے لیے۔

"تم کسے واپس لائے تھے؟" فیوڈوٹ کے پڑوسی نے پوچھا۔

"کوئی ایجنٹ ہے!"

"ایجل ــــ! فرشتہ؟"

"پاگل ہو تم تو ــــ ایجل نہیں ایجنٹ۔ وہ کپڑا سینے کی مشینیں بیچتا ہے ــــ چچی میریا ــــ

سناتھ سنے!"

دوسرے دن قفل ساز سٹاک مین اٹامن سے ملنے گیا۔ فیوڈور میلنسکف کو اٹامن کے عہدے پر فائز ہوئے تین سال ہو چکے تھے۔ اس نے نووارد کا پروانۂ راہ داری اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ اور دیکھتا رہا۔ اُن کی نگاہیں متصادم ہوئیں۔ پھر اٹامن نے پُرتحکّم لہجے میں کہا "تم ٹھہر سکتے ہو۔"

نووارد نے سر جھکایا اور رخصت ہوا۔ ایک ہفتے تک وہ لیوکشکا کی جھونپڑی سے باہر نہ نکلا۔ وہ کلہاڑی لیے مرمت خانے کی تعمیر میں مصروف رہا۔ عورتوں کو جو اس میں دلچسپی تھی وہ مرچکی تھی۔ صرف بچّے سارا دن بے جھجک اُسے باڑ میں سے جھانکتے رہتے۔

۴

مقدس مریم کے یوم شفاعت سے تین دن پہلے گریگوری اور اس کی بیوی نتالیا کھیت میں ہل چلانے کے لیے گئے۔ پنٹیلیمین علیل تھا۔ وہ لاٹھی پر جھکا ہوا درد سے کراہتے ہوئے انھیں جاتے دیکھ رہا تھا۔ الینچا نے نتالیا کو واسکٹ پہناتے ہوئے کہا "گھر دیر سے نہ لوٹنا جلد آنا۔"

ڈونیا کی پتلی کمر نیلے کپڑوں کی گٹھڑی کے بوجھ سے بل کھا گئی تھی۔ وہ ڈان پر انھیں کھنگالنے کے لیے لے جا رہی تھی۔ اس نے نتالیا کو آواز دی اور بولی "نتالیا! جنگل میں سے آتے ہوئے دو چار کھٹے توڑ لانا۔۔۔!"

بیلوں کی تین جوڑیاں ہل گھسیٹتی ہوئی لے جا رہی تھیں۔ گریگور کو زکام ہو گیا تھا۔ اس نے سینے پر رومال لپیٹ رکھا تھا اور کھانستا ہوا جا رہا تھا۔ نتالیا اس کے پہلو میں چل رہی تھی۔ بیجوں کا تھیلا اُس کی پیٹھ پر لدا ہوا تھا۔

چٹیل میدان پر کامل سکوت طاری تھا۔ چٹان کے پاس بیلوں کی بےشمار جوڑیاں ہل چلا رہی تھیں۔ بیلوں کو ہانکتے ہوئے مرد سیٹیاں بجا رہے تھے۔ زمین کے سینے پر لکیریں پڑ رہی تھیں۔ آسمان سے خنکی برس رہی تھی۔ سڑک کے کنارے جنگل اور جھاڑ جھنکاڑ پر آسمان کی نیلاہٹ چھائی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں بادلوں کے جالے تنے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔

ہل چلانے والوں کو رخصت کرنے کے بعد پیوتُر اور ڈاریا نے مل پر جانے کی تیاری کی۔ پیوتُر نے غلّہ گھر سے گیہوں نکالے۔ ڈاریا نے انھیں بوریوں میں بھر کر گاڑی میں ڈال دیا اور ستیپان نے گھوڑے جوڑے۔

جب وہ مل پر پہنچے تو اُنھوں نے دیکھا کہ سارا صحن گاڑیوں سے بھرا ہوا ہے۔ تنگ بھیڑ کے باعث گھرے بیٹھے ہیں۔ پیوتُر باگیں ڈاریا کی طرف پھینکیں اور گاڑی میں سے کودا۔

"ہماری باری کب آئے گی ؟" اُس نے ویلیٹ پیمائشی سے سوال کیا۔

"اٹھائیسویں نمبر پر۔"

پیوتُر اپنی بوریاں لانے کے لیے پلٹا۔ جب وہ مڑا تو اُس نے ایک بھاری آواز کو گالیاں دیتے سُنا :

"تم سوئے رہتے ہو اور اپنی باری سے پہلے کام کرانا چاہتے ہو۔ دُور ہو جاؤ ، سوختول ! ورنہ مُنہ توڑ دونگا ....."

پیوتُر نے آواز پہچان لی۔ یہ آواز گھُرِ گھُرِ سے یعقوب کی تھی۔ وہ کھڑا ہو کر سننے لگا۔ "تول گھر" سے ضرب پڑنے کی آواز آئی۔ ضرب ٹھیک نشانے پر پڑی تھی۔ یوکرینی، جس کے سر پہ ٹوپی گردن کی طرف مڑی ہوئی تھی، دروازے کے باہر لڑکھڑاتا ہوا آگیا۔

"یہ کس لیے ؟" اُس نے اپنے گال پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"چلا جا ـــ ورنہ گردن مروڑ کر رکھ دونگا ۔ حرامزدے کے بچے !"

"مکی فور ـــ مدد ـــ مدد !" یوکرینی نے ساتھی کو آواز دی۔

گھُرِ گھُرِ یعقوب توپخانے میں سپاہی تھا۔ گٹھیلا جسم اور مضبوط ہاتھ پاؤں۔ اسے گھُرِ گھُرِ اس لیے کہا جاتا تھا کہ گھوڑے کی لات سے اس کے گال پر سُم کا نشان بن گیا تھا۔ ایک بلیٹے قد کے یوکرینی نے اُسے پیچھے سے آدبوچا۔ وہ رنگدار قمیص پہنے ہوئے تھا۔ اُس نے یعقوب کو ایک کاری ضرب رسید کی لیکن وہ پاؤں پر کھڑا رہا۔

"بھائیو ۔۔۔! کاسک پر حملہ ہو رہا ہے۔" اُس نے آواز دی۔

دیکھتے دیکھتے یوکرینی اور کاسک ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ ایک اچھے خاصے فساد کی ابتدا ہو گئی۔ مل کے دروازے کے قریب ہی انسانوں پر وحشت سوار ہو گئی تھی۔ دروازہ انسانوں کے جسم کے بوجھ تلے چرچرا رہا تھا۔ پیوتر بھی بوری پھینک کر ہجوم میں جا گھسا۔ ڈاریا نے گاڑی میں کھڑے ہو کر اُسے ہجوم میں غائب ہوتے ہوئے دیکھا۔ پھر اُس نے اُسے مل کی دیوار سے ٹکراتے ہوئے دیکھا۔ مردوں کے قدم اُسے روند رہے تھے۔ یہ دیکھ کر بے اختیار اُس کی چیخیں نکل گئیں۔

مٹکا کارشنف ہاتھ میں لوہے کی سلاخ لیے ہوئے کسی کے ایک کونے سے لپکا۔ وہی یوکرینی، جس نے یعقوب کے مکا مارا تھا، ہجوم سے باہر آ گیا۔ اُس کے قمیص کی پھٹی ہوئی آستین اُس کے کندھے پر کسی پرندے کے ٹوٹے ہوئے پر کی طرح لٹک رہی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں کے بل چلتا ہوا ایک گاڑی میں سے لمبا سا بانس کھینچ لایا۔ اُس نے آتے ہی وہ بانس مٹکا کے سر پر رسید کیا۔ تینوں شامیل بھائی بھی دوڑتے ہوئے آ پہنچے تھے۔ ننھا الیگزی گاڑیوں پر سے کودتا ہوا اور اُس کا بھائی تیلون کو جرابوں میں اڑسنے کے لیے جھکا۔ ڈاریا گاڑی میں کھڑی نسلی جنگ کا نظارہ کر رہی تھی۔ وہ جوش کے عالم میں کبھی تالیاں بجاتی اور کبھی رُک جاتی۔ سر جی ماخوف بھی تو ند ہلاتا ہوا گزرا۔ اُس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ وہ لب چوس رہا تھا۔ دم پھولا ہوا تھا۔ ڈاریا نے دیکھا کہ الیگزی کے آہنی مکے نے یوکرینی کو زمین پر چت گرا دیا۔ اُس نے دیکھا کہ مٹکا نے لوہے کی سلاخ سے ماخوف کو مُنہ کے بل گرا دیا۔ اُسے جیرت نہ ہوئی۔ مٹکا انتقام لے رہا تھا۔ ماخوف گھٹنوں کے بل چلتا ہوا ایک گاڑی میں چھپ گیا۔ ڈاریا نے جی کھول کر ایک قہقہہ لگایا۔ اُس نے جھک کر دیکھا کہ بوڑھا پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ہجوم میں سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور گاڑی کے نیچے پڑا خون تھوک رہا تھا۔ وہ خوفزدہ ہو کر گاڑی سے اُتری۔ گاؤں سے کاسک ہاتھوں میں لاٹھیاں لیے آ رہے تھے۔ تول گھر کے دروازے کے سامنے ایک نوجوان یوکرینی چت لیٹا ہوا تھا۔ اُس کا سر پھٹ چکا تھا۔ اُس کے گرد خون کا دریا بہہ رہا تھا۔ ایسا نظر آتا تھا کہ وہ دلفریب زندگی سے

رخصت ہو رہا ہے۔

بھیڑوں کے گلّے کی طرح یوکرینی بل کی دیوار کی طرف دھکیل دیئے گئے تھے۔ وہاں جہاں آگ کی بھٹی تھی۔ فساد کا انجام خطرناک ہو سکتا تھا۔ لیکن ایک بوڑھے یوکرینی کو مناسب تجویز سوجھ گئی۔ وہ بھٹی میں سے ایک جلتی ہوئی لکڑی کھینچ لایا اور غلّہ گھر کی طرف بھاگا جہاں گیہوں کی ایک ہزار بوریاں بند پڑی تھیں۔ وہ چلّایا "میں اسے آگ لگا دوں گا۔"

کاسک کانپ اُٹھے اور رُک گئے۔ ہوا تیزی سے چل رہی تھی۔ گیہوں کے ڈھیر میں ایک چنگاری سارے گاؤں کو جلانے کے لیے کافی ہو سکتی تھی۔ کاسک کسمسا کر رہ گئے۔ وہ لرزہ براندام تھے۔ ایک نامعلوم خوف نے انھیں منجمد کر دیا تھا۔ اُن میں سے بیشتر پسپا ہونے شروع ہو چکے تھے اور وہ بوڑھا یوکرینی چلّا رہا تھا "میں آگ لگا دوں گا — میں آگ لگا دوں گا — ورنہ نکل جاؤ احاطے سے۔"

گھُڑ سُوار یعقوب، سارے فساد کی جڑ سب سے پہلے احاطے سے رخصت ہُوا۔ کاسک اُس کے پیچھے تیزی سے رخصت ہونے شروع ہوئے۔ یوکرینیوں نے اپنی اپنی بوریاں گاڑیوں پر لادیں۔ گھوڑوں کو گاڑیوں میں جوتا اور گاڑیوں میں کھڑے ہو کر لگامیں کھینچتے ہوئے دروازے سے باہر نکل گئے۔

ٹنڈا دلگیزی آنکھیں جھپکتا، گال پھڑپھڑاتا ہُوا چلّایا "کاسکو! گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ...."

"اُن کا تعاقب کرو...." سبھی چلّائے۔

ملکا کا شنوف آگے بڑھنے ہی والا تھا۔ دوسرے کاسک اس آواز پر لبیک کہنے ہی والے تھے کہ ایک شخص سیاہ ٹوپی اوڑھے آ پہنچا۔ وہ تیز تیز قدم اُٹھاتے ہاتھ ہلاتا ہُوا قریب آ گیا "ٹھہرو۔"

"تم کون ہو ——؟" ایک بولا۔

"کہاں سے ٹپک پڑے تم؟" دوسرے نے مطالبہ کیا۔

"دیہاتیو! ٹھہرو۔"

"ہمیں دیہاتی کہنے والے کون ہو تم؟"

"کسان ہے۔ یعقوب! لگتا اس کے ایک"۔

نووارد ہنسا مگر اُس نے قطعاً خوف کا اظہار نہ کیا۔ اُس نے سر سے ٹوپی اُتار لی۔ پیشانی پونچھی اور آخر میں ایک مسکراہٹ سے اُنھیں رام کر لیا۔

"بات کیا ہے؟" اُس نے ٹوپی سے توبی گھر کے پاس بہے ہوئے خون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہم یوکرینیوں سے لڑتے رہے ہیں" الیگزنی نے جواب دیا۔

"مگر کیوں؟"

"وہ چاہتے تھے کہ ان کی باری پہلے آئے" یعقوب نے وضاحت کی۔

"ان میں سے ایک نے شاید سارے گاؤں کو آگ لگا دی ہوتی" آزیرف مسکرایا "یوکرینی نہایت بدمزاج ہوتے ہیں"۔

اس شخص نے آزیرف کی طرف ٹوپی سے اشارہ کرتے ہوئے پوچھا "مگر تم کون ہو؟"

آزیرف نے نہایت اطمینان سے جواب دیا "میں کاسک ہوں ـــــ اور تم ـــ اور تم خانہ بدوش تو نہیں!"

"میں اور تم دونوں روسی ہیں"

"تم جھوٹ بولتے ہو" آزیرف نے تندی سے کہا۔

"کاسک روسیوں ہی کی اولاد ہیں ـــــ کیا معلوم نہیں؟"

"کاسک' کاسکوں کے بیٹے ہیں ـــــ میں تمھیں بتا دوں"

اس شخص نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا "بہت دن ہوتے کہ مزارعے زمینداروں سے بغاوت کر کے یہاں ڈان کے کنارے آکر آباد ہو گئے اور وہ کاسک کہلانے لگے"۔

"جاؤ' اپنی راہ لو" الیگزنی بولا "سؤر کہیں کا' ثابت کرنا چاہتا ہے کہ ہم کسان ہیں ـــــ یہ کون ہے؟"

"یہی تو وہ نودار دہے جو جھینگی نوکیشکا کے ہاں رہتا ہے"۔
یوکریلیوں کے تعاقب کا وقت جا چکا تھا۔ کاسک منتشر ہو گئے۔ فسادیوں پر لعنت زنی کرتے ہوئے وہ گھروں کو روانہ ہوئے۔

۵

اُس رات میدان میں گاؤں سے کوئی پانچ میل پرے گریگر نے اپنے آپ کو سوتی کوٹ میں لپیٹتے ہوئے نتالیا سے بگڑتے ہوئے کہا "تم اجنبی سی معلوم ہوتی ہو۔ تم چاند کی طرح ہو ۔۔۔ ٹھنڈی تم گرمی نہیں پہنچا سکتیں۔ تم مرد کو بھڑکا نہیں سکتیں۔ تمھیں ناراض نہ ہونا چاہیئے نتالیا! میں تم سے محبت نہیں کرتا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ ذکر چھیڑوں لیکن مجھے افسوس ہے اس طرح ہمارا گزارا نہیں ہو سکتا۔ ہماری شادی ضرور ہوئی ہے۔ مگر میرا دل مسحور نہیں ہوا۔ میرے دل میں کچھ نہیں۔ یہ خالی ہے۔ جس طرح آج کی رات یہ میدان خالی ہے"۔
نتالیا نے دشوار گزار سبزہ زاروں کی طرف دیکھا۔ وہ ابر کے ٹکڑوں کو آسمان پر رواں دواں دیکھتی رہی اور خاموش رہی۔ گھاس سے بدبو آرہی تھی۔ پہاڑی پر کسی خیمے کی بجھتی ہوئی آگ جھلملا رہی تھی گریگر سحر سے پہلے بیدار ہوا۔ اُس کے کوٹ پر برف جمی ہوئی تھی۔ برف کی تہ تین انچ سے بھی زیادہ موٹی تھی۔ میدان تازہ پڑی ہوئی برف کی نیلاہٹ میں پوشیدہ تھا۔ جہاں گریگر پڑا ہوا تھا اس کے پاس ہی ایک خرگوش کے نقشِ پا اُبھرے ہوئے نظر آرہے تھے۔

۶

کئی سال ہوئے اگر کوئی کاسک لڑا تو جاتا ہوا یوکریلیوں کے لیے راستہ نہ چھوڑتا تھا تو یوکرینی اس پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ اسی لیے کاسک گروہ بند ہو کر جاتے ہیں۔ جب وہ گروہوں میں جاتے تو یوکریلیوں کو پکار کر کہتے "اے حوخولو! راستہ چھوڑ کر چلو۔ تم کاسکوں کی سرزمین پر رہتے ہو۔ اور انھیں کو گزرنے نہیں دیتے!"
یوکرینی بھی کاسکوں کی سرزمین پر قدم رکھتے ہوئے گھبراتے تھے۔ انھیں گیہوں بیچنے

کے لیے پادا موقوف آنا پڑتا تھا۔ بے وجہ فساد ہو جاتا تھا محض اس لیے کہ وہ یوکرینی تھے۔ جو خول تھے ۔چونکہ وہ جو خول تھے اس لیے کاسکوں کا فرض تھا کہ ان کے گلے پڑتے۔
ایک سو سال پہلے یہ نفرت کا بیج بویا گیا تھا۔ اب تو یہ بیج پھل سے آیا تھا۔ نسلی فسادیوں کلاں کو کا نیلا خون اور یوکرینیوں کا سرخ خون ڈان کے نواح میں بہایا گیا تھا۔

مل کے جھگڑے کے دو ہفتوں کے بعد ضلع کے پولیس افسر اس واقعے کی تفتیش کے لیے تاتارسک گاؤں میں آئے۔ سب سے پہلے شاکت مین پر جرح کی گئی۔ تفتیش کرنے والا نوجوان افسر ایک مشہور کاسک تھا۔

"اس گاؤں میں آنے سے پہلے تم کہاں رہتے تھے؟"

"رستوف میں۔"

"۱۹۰۵ء میں تمھیں کس لیے قید کیا گیا تھا؟"

"بدامنی کے لیے۔"

"اس وقت تم کہاں کام کرتے تھے؟"

"ریلوے کے ورکشاپ میں۔"

"ورکشاپ میں تم کیا تھے؟"

"قفل ساز۔"

"تم یہودی تو نہیں؟"

"نہیں ۔۔۔۔۔ میرا خیال ہے۔"

"مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ تمھارا خیال کیا ہے۔ کیا تم جلاوطن بھی کیے گئے تھے؟"

"ہاں۔"

نوجوان افسر نے سر اٹھایا اور لبوں کو چوستے ہوئے بولا "میں تمھیں یہی مشورہ دوں گا کہ تم اس ضلع سے فوراً نکل جاؤ۔ اور تمھیں نکلنا ہی ہوگا۔"

"کیوں؟"

"تم نے کاسکوں سے فساد کے دن کیا کہا تھا؟"

"کیا کہا تھا.....؟"

"اچھا، تم جاؤ۔"

شاک تین، ماخوف کے برآمدے میں داخل ہوا۔ ضلع کے حکام جب کبھی گاؤں آتے وہ تاجر کے مکان کو شرف اقامت بخشتے۔ شاک تین کی پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔ لیکن وہ دروازے کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہوا باہر نکل آیا۔

نو

۱

سردی آہستہ آہستہ آرہی تھی۔ کچھ دنوں کے بعد برف پگھل گئی اور ڈھور ڈنگر چراگاہوں میں دوبارہ چھوڑ دیے گئے۔ چند دنوں تک جنوبی ہوا چلتی رہی اور گرم ہو گئی۔ میدان سبزے سے لبریز ہو گئے جلد ہی دھند پڑنی شروع ہوئی اور ساتھ ہی برف بھی گرنے لگی۔ ڈان کے کنارے کے باغوں میں جمی ہوئی برف پہ خرگوشوں کے پاؤں کے نشان نظر آنے لگے۔ گلیاں ویران تھیں۔

برف باری کے بعد گاؤں میں جنگل کی لکڑیوں کی تقسیم کے لیے ایک مجلس منعقد ہوئی۔ کاسک بھیڑ کی کھالوں کے لمبے لمبے کوٹ پہنے سرکاری پنچایت گھر کی سیڑھیوں کے ارد گرد جمع ہو گئے اور سردی نے انہیں اندر دھکیل دیا۔ میز کے پیچھے اٹامن کے ایک طرف گاؤں کے بزرگ جمع تھے نوجوان کاسک جماعتوں میں ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ اٹامن کا سیکرٹری کاغذ کے صفحات پُر کر رہا تھا۔ اٹامن اُسے کاغذ پہ قلم چلاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ کمرہ سرگوشیوں سے گونج رہا تھا۔

"اس سال سوکھی گھاس ....."

"تم ٹھیک کہتے ہو، اس دفعہ سوکھی گھاس افراط سے ہوئی ہے مگر چراگاہوں میں میدانی گھاس تو کسی کام کی نہیں۔"

"لکڑیوں کی کٹائی کے باب میں کیا فیصلہ ہوا؟"

"خاموش رہو ــــ"

مجلس کی کارروائی شروع ہوئی۔ اٹامن نے ڈاڑھی کھجاتے ہوئے خاندانوں کے نام اور

لکڑیوں میں ان کے حق بتانے شروع کیے۔

"جمعرات کا دن لکڑیاں کاٹنے کے لیے معین نہیں کیا جا سکتا" ٹوملن نے اٹامن کو متوجہ کیا۔

"کیوں نہیں؟"

"جمعرات کے دن نصف گاؤں سوکھی گھاس گھر لانے میں مصروف ہو گا۔"

"لکڑیوں کی کٹائی کا کام اتوار پر اٹھا رکھیے۔"

مجلس سے اختلافات کی آوازیں بلند ہوئیں۔

بوڑھا ماتوی کشولن میز پر جھک گیا۔ اس نے لاٹھی کی نوک ٹوملن کی طرف کرتے ہوئے کہا "گھاس کے لیے ٹھہرا جا سکتا ہے۔ بیوقوف نہ بنو دوست۔۔۔ تم۔۔۔۔؟"

"تم کیوں اپنی عقل کا ڈھنڈورا پیٹتے ہو۔۔۔۔" ٹنڈرا الیگزی چلایا۔ چھ سال سے وہ ایک قطعۂ زمین کے لیے بوڑھے کشولن سے لڑتا چلا آرہا تھا۔ الیگزی ہر سال موسم بہار میں اس پر اپنا حق جتاتا تھا۔ لیکن ہر سال بوڑھا کشولن اس پر ہل چلا کر کاشت کر لیتا تھا۔

"خاموش رہو۔"

"کاش تم ذرا نزدیک ہوتے۔ ایک ایسا ہاتھ دیتا کہ عمر بھر یاد رکھتے۔"

اٹامن نے میز پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے کہا "بس ابھی مسلح فوجی بلوالوں گا اگر تم خاموش نہ رہے۔ جب چاروں طرف سکوت ہوا تو اس نے حکم دیا "لکڑی کاٹنے کا کام جمعرات کو علی الصبح شروع ہو گا۔"

"کتنا اچھا وقت انتخاب کیا ہے" کسی نے۔۔۔۔۔ طنز کرتے ہوئے کہا۔

"ایک بات اور۔ ضلع کے اٹامن کی طرف سے مجھے ہدایات موصول ہوئی ہیں" گاؤں کا اٹامن بولا "اگلے سنیچر کو گاؤں کے نوجوانوں کو اٹامن کے دفتر میں جمع کر کے ان سے قسم لی جائے گی۔ انہیں اس دن دوپہر کو اس دفتر میں حاضر ہونا چاہیے۔"

کھڑکی کے پاس پنٹیلیمون اور میرون کھڑے تھے۔ ان کے نزدیک ہی نوجوان کاسک ایک دوسرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہنس رہے تھے، مسکرا رہے تھے۔ ان کے درمیان اتامن کی فوج کا سپاہی آفدیچ کھڑا تھا۔

آفدیچ نے اتامن کے محافظ دستے میں خدمات انجام دی تھیں۔ وہ گاؤں کا پہلا شخص تھا جو اس منصب پر فائز کیا گیا تھا۔ فوجی خدمت کے دوران میں اس کے رویے میں نمایاں تبدیلی آگئی تھی۔ واپسی پر اس نے اپنی مہمات کی کہانیاں بیان کرنی شروع کر دی تھیں۔ وہ اپنے پیٹرزبرگ کے کارنامے بیان کرتا تھا۔ ابتدا میں تو اس کے سامعین اس کی داستان پر اعتبار کر لیتے تھے لیکن بعد میں ان پر یہ بات منکشف ہوئی کہ آفدیچ گاؤں کا سب سے بڑا دروغ گو ہے۔ لوگوں نے پھر اس کا مذاق اڑانا شروع کر دیا مگر وہ بھی ڈھیٹ تھا۔ ذرا بھی شرمندہ نہ ہوتا اور بے باکی سے جھوٹ بولنا، بے پر کی اڑاتا۔ اگر کوئی اسے جھوٹ بولتے ہوئے ٹوک دیتا تو وہ برہم ہو جاتا لیکن اگر اس کے سامعین صرف ہنستے اور کوئی طنزیہ جملہ نہ کہتے تو وہ جھوٹ میں مزید نمک مرچ کا اضافہ کر دیتا۔

آفدیچ کمرے کے وسط میں کھڑا تھا۔ وہ کاسکوں کے اجتماع کی طرف دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا "فوجی خدمت کا تذکرہ کرتے ہو۔ وہ پہلے کا سک اب کہاں۔ آج کل کے کاسکوں کی طرف دیکھ کر رونا آتا ہے۔ وہ ٹھنگنے قد کے ہیں اور کسی کام کے نہیں۔ مگر پرانے وقتوں کے کاسکوں کی کیا بات تھی — میں نے ان کے ڈھانچے دیکھے ہیں۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے وہ ڈھانچے تھے کہ ......"

"مگر آفدیچ! تم نے ان کی ہڈیاں کہاں کھود کر دیکھی تھیں؟" انی کشکا نے اپنے پڑوسی کے کہنی مارتے ہوئے سوال کیا۔

"آفدیچ! جھوٹ بولنا بند کر دو....." پنٹیلیمون نے ناک چڑھائی۔ اسے آفدیچ کی چرب زبانی پسند نہ تھی۔

"مجھے جھوٹ بولنے کی عادت نہیں بھائی!" آفدیچ نے جواب دیا۔ پھر وہ اتنی کشکاسے مخاطب ہوا "میں نے یہ ہڈیاں اس وقت دیکھی تھیں جب میں اپنے سالے کے لیے جھونپڑا تیار کر رہا تھا۔ جب ہم بنیاد کھود رہے تھے تو ہمیں ایک قبر ملی۔ اُس کے بازو اتنے بڑے تھے۔" اُس نے دونوں ہاتھ پھیلا دیے۔

میرون کھڑکی سے اُٹھتے ہوئے بولا "لڑکوں کو یہ بھی بتادو کہ تم نے پیٹرز برگ میں ایک ڈاکو کو کس طرح پکڑا تھا۔"

"چھوڑو بھی اس قصے کو۔"

"نہیں ضرور سناؤ۔ ضرور سناؤ" وہ قصہ ہمیں ضرور سناؤ آفدیچ" ہجوم نے اصرار کیا۔

مدعا یہ کہ۔۔۔۔" آفدیچ نے گلا صاف کیا۔ جیب سے تمباکو کا بٹوا نکالا۔ چٹکی بھر تمباکو ہتھیلی پر ڈالا اور چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولا "قید خانے سے ایک چور فرار ہو گیا۔ ہر جگہ اسے تلاش کیا گیا مگر وہ کہیں نہ ملا۔ حکام مایوس ہو چکے تھے۔ ایک رات پہریداروں کے افسر نے مجھے بلایا "جاؤ اس کمرے میں، شہنشاہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" اُس نے حکم دیا۔ میں حیران رہ گیا۔ میں بیحد متعجب ہوا۔ لیکن میں جرأت کر کے کمرے کے اندر چلا گیا۔ حضور شہنشاہ وہاں تشریف فرما تھے۔ میں اکڑ کر کھڑا ہو گیا۔ حضور شہنشاہ نے میرے کندھوں پر ہاتھ رکھدیا۔ "سنو ابوان آفدیچ!" انھوں نے فرمایا "ہماری سلطنت کا سب سے بڑا لٹیرا مفرور ہو گیا ہے۔ اُسے ڈھونڈ نکالو ورنہ میرے سامنے کبھی نہ آنا۔" "بہت اچھا بندہ پرور" میں نے جواب دیا۔ میں نے زار کے اصطبل سے تین بہترین گھوڑے لیے اور چور کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ میں نے اسے ماسکو کے قریب جا پکڑا۔ اُسے کوچ میں بٹھا کر پیٹرز برگ واپس لے آیا۔ آدھی رات کے وقت کیچڑ میں لت پت ہم پیٹرز برگ پہنچے۔ میں سیدھا شہنشاہ کے حضور میں باریابی کی غرض سے روانہ ہوا۔ راستے میں سبھی مجھے شہزادوں اور وزیروں نے روکنا چاہا لیکن میں کب رکنے والا تھا؛ بڑھتا گیا۔۔۔۔ میں نے دروازے پر جا کر دستک دی "سرکار عالی! کیا میں اندر آجاؤں؟" جواب آیا "کون ہے؟" میں

سرکار! ایوان آفدیچ" میں نے کمرے میں شور سنا شہنشاہ اپنی ملکہ کو جگا رہے تھے"۔ میریا فیوڈرونا!! اُٹھو، جلدی کرو — سماوار گرم کرو۔ ایوان آفدیچ آیا ہے"۔

اس جملے پر ہجوم نے قہقہہ بلند کیا۔ آہامن اور اُس کے سکریٹری نے بطخ کی طرح گردن اُٹھا کر ہنستے ہوئے نوجوان کاسکوں کی طرف گھور کر دیکھا۔

آفدیچ کا چہرہ مغموم ہو گیا۔ اُس کی نگاہیں سامنے بکھرے ہوئے چہروں کا جائزہ لینے لگیں۔

"ٹھہرو — ذرا دم تو لو پھر ہنسنا....."

"ہاہا"۔ ہاہا" — !!! ہاہا — !!!" قہقہے بلند ہوتے رہے۔" یہ تو ہماری پسلیاں توڑ دے گا" ہنستے ہنستے کاسکوں کے پیٹ میں بل پڑ گئے" سماوار گرم کرو، ایوان آفدیچ آیا ہے ہاہا! ہاہا!!"

مجلس ختم ہو گئی۔ پنچایت گھر کے باہر روندی ہوئی برف پر سٹیپن ایک طویل القامت کاسک اور چن چکی کا مالک کود رہے تھے شاید اپنے آپ کو گرم کرنے کے لیے۔

۲

مجلس میں شرکت کے بعد پنٹلیمون تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا اُس کمرے میں داخل ہوا جو اُس نے اور اس کی بیوی نے اپنے لیے وقف کر لیا تھا۔ ایلنچا کئی دن سے علیل تھی۔ اُس کا سوجا ہوا منہ اُس کی تکلیف کا آئینہ تھا۔ وہ پردوں کے بستر پر اوندھے منہ پڑی تھی۔ پنٹلیمون کے داخلے پر وہ سیدھی ہو گئی۔ اُس کی نگاہیں اُس کی ڈاڑھی پر آ کر جم گئیں۔

"آج تو پُرسکون ہو۔ لکڑیوں کی کٹائی کا کیا بنا؟" اُس نے سوال کیا۔

"جمعرات کی صبح کو شروع ہو گی" پنٹلیمون بستر کے قریب ایک صندوق پر آ کر بیٹھ گیا "تمھارا کیا حال ہے؟"

"ویسا ہی ہے..... میرا جوڑ جوڑ درد کر رہا ہے"۔

"میں نے تو کہا تھا کہ پانی میں نہ جاؤ — وہاں دوسری عورتیں بھی تو تھیں..... نتالیا کیسی ہے؟"

النجا کی آواز میں تشویش کی جھلک تھی۔ اس نے جواب دیا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ دو دن ہوئے، وہ پھر رو رہی تھی۔ میں احاطے میں گئی تو دیکھا کہ کوئی دروازہ کھلا چھوڑ گیا تھا، میں اندر چلی گئی۔ وہ چکی کے پاس کھڑی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیوں رو رہی ہو۔ اس نے جواب دیا کہ سر میں درد ہے ـــ لیکن میں اس سے سچ نہ بلوا سکی۔"

"شاید وہ بیمار ہے۔"

"لیکن میرا خیال یہ نہیں ..... کہیں گریگو ....."

"لیکن اب تو وہ اس کے ساتھ نہیں ... تم نے تو نہیں کچھ سنا؟"

"کیا کہہ رہے ہو گریگو کے ابا!" النجا خوف کے مارے پکار اٹھی "سٹیپن بیوقوف نہیں .... ہاں میں نے تو کچھ نہیں سنا!"

پنٹیلیمون کچھ دیر بیوی کے سرہانے بیٹھا رہا پھر باہر چلا گیا۔ گریگو اپنے کمرے میں بیٹھا بنسی کے کانٹے تیز کر رہا تھا۔ نتالیا! انھیں چربی میں بھگو رہی اور جدا جدا چیتھڑوں میں لپیٹتی جاتی تھی۔ پنٹیلیمون نے اسے غور سے دیکھا۔ اس کے زرد رخسار خزاں کے پتے کی طرح ہو گئے تھے۔ وہ بیحد لاغر ہو گئی تھی۔ اب تو اس کی آنکھوں میں نئے درد کی جھلک تھی۔ بوڑھا دروازے کے قریب آ کر رک گیا۔ اس نے سوچا "بدمعاش، لڑکی کو موت کے گھاٹ اتار رہا ہے۔" اس نے جب مڑ کر دیکھا تو نتالیا سر جھکا کر بنچ پر بیٹھ گئی تھی۔

"اب اسے رکھ بھی دو" بوڑھا فرطِ غضب سے چلایا۔ گریگو نے عالمِ حیرت میں باپ کی طرف دیکھا۔

"میں اسے دونوں طرف سے تیز کرنا چاہتا ہوں۔"

"رکھ دو اسے ـــ میں جو تم سے کہہ رہا ہوں ـــ لکڑیاں کاٹنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" وہ دروازے میں سے جاتے ہوئے رکا۔ وہ کچھ اور بھی دیکھنا چاہتا تھا لیکن باہر نکل گیا اور اس نے باقی غصہ جا کر بیوٹرا پر اگل دیا۔ گریگو خاموش بیٹھا سن رہا تھا۔

۳

جمعرات کو طلوعِ آفتاب سے دو گھنٹے قبل اِلینچا نے ڈاریا کو اٹھایا۔ "اٹھو چل کر چولھے میں آگ جلاؤ"

ڈاریا نے انگیٹھی جلائی۔ "جو کچھ پکانا ہے جلدی پکالو۔" پیوترا نے بیوی کو اٹھاتے ہوئے سگریٹ سلگایا۔

"وہ نتالیا کو کیوں نہیں جگاتی؟" ڈاریا نے حسد کا اظہار کیا۔

"جاؤ تم خود اُسے جگالاؤ۔" پیوترا نے اُسے مشورہ دیا۔

لیکن یہ مشورہ غیر ضروری تھا۔ نتالیا پہلے ہی اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ کبھی کی ایندھن بیننے جا چکی تھی۔

باورچی خانے میں ڈاریا اِدھر سے اُدھر ٹہل رہی تھی۔ اس کے پتلے کرتے میں سے اُس کی کسی ہوئی چھوٹی چھوٹی چھاتیاں کپکپاتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔ ازدواجی زندگی نے اُسے پژمردہ نہیں بنایا تھا۔ وہ سرو قد تھی اور نازک۔ ایک نوجوان لڑکی کی طرح۔

کھانا تیار ہونے سے پہلے ہی سحر نمودار ہوگئی۔ پینٹیلیمون نے جلد ناشتہ کر لیا۔ موٹا دلیا نگل لیا۔ گریگر آہستہ آہستہ کھا رہا تھا۔ اُس کا چہرہ غمگین تھا۔ پیوترا دُونیا کو ستا رہا تھا جس کے دانت میں درد تھا اور جس نے مُنہ باندھ رکھا تھا۔

گلی میں لکڑہاروں کی آوازیں آنی شروع ہو گئی تھیں۔ ڈان کی طرف بیل گاڑیاں جا رہی تھیں۔ گریگر اور پیوترا بھی بیل گاڑی جوتنے کے لیے باہر نکلے۔ گریگر نے آج بیوی کا بُنا ہوا مفلر گردن کے گرد لپیٹ رکھا تھا۔ ایک کوا کائیں کائیں کرتا ہوا اُن کے سروں پر سے اُڑا۔ پیوترا دیر تک اُس کی اُڑان دیکھتا رہا پھر اُس نے اظہارِ خیال کیا "جنوب کو جا رہا ہے جہاں گرمی ہوتی ہے"

گلابی بادل کے پیچھے ایک دوشیزہ کے تبسم کی طرح چاند کا ٹکڑا بہت مدھم چمک رہا تھا۔ چمنیوں سے دھواں غبار سے بن بن کر اس چاند کی طرف جا رہا تھا۔ دریا ابھی پوری طرح نہیں جما تھا۔ ندی کی طرف برف جم کر پتھر ہو چکی تھی لیکن وسط میں برف دریا کی سطح پر جھوم رہی تھی۔ ابھی اُس کے

بجھنے میں دیر تھی۔

پینٹیلیمون سب سے پہلے اپنے بوڑھے بیل لیے نکلا۔ اُس کے بیٹوں نے اُس کا تعاقب کیا۔ گرگیجی اور پیوترا کی مٹ بھیڑ انی کشکا سے ہو گئی۔ وہ بھی اپنے بیلوں کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور اس کی دبلی پتلی، دائم المرض بیوی راسیں تھامے ہوئے تھی۔ پیوترا بولا "کھو پڑ دسی! بیوی کو تو ساتھ نہیں لے جا رہے ہو؟"

"ہاں — خود کو گرم رکھنے کے لیے" اُس نے جواب دیا۔

"مگر اس سے تمہیں گرمی نصیب ہونے سے رہی۔ بہت دُبلی ہے"۔

"سچ کہتے ہو — میں اسے دلیا کھلاتا ہوں لیکن موٹی ہونے کا نام نہیں لیتی"۔

تینوں رکھٹے بیل ہنکتے ہوئے جنگل وشیرہ کی طرح سفیدی میں ملبوس تھا۔ انی کشکا شاخوں کو ہٹاتا ہوا اندر داخل ہوا۔ شاخوں پر سے برف بارش کی بوچھاڑ کی طرح گری۔ اُس کی بیوی اس میں نہا گئی۔

وہ چلائی "کیا بچوں کی طرح کھیل رہے ہو!"

"اسے برف میں دباؤ ......" پیوترا نے انی کشکا کو مخاطب کیا۔

سڑک کے موڑ پر ان کی ملاقات سٹیپن سے ہوئی۔ وہ دو بیلوں پر ہل لادے ہوئے گاؤں جا رہا تھا اُس کے گھونگھریالے بال اس کی گردن پر ٹوپی میں سے باہر لٹک رہے تھے۔

"سٹیپن! راستہ بھول گئے ہو کیا؟" انی کشکا نے آواز دی۔

"کیا کروں، میرا آرا ٹوٹ گیا ہے میں گاؤں واپس جا رہا ہوں" پیوترا کو دیکھ کر سٹیپن کی آنکھیں شعلہ بار ہو گئیں۔

"اپنا آرا پیچھے چھوڑ آئے ہو؟" انی کشکا نے سوال کیا۔

سٹیپن نے ہاتھ ہلایا۔ اس کا چابک سرسرایا۔ اُس نے گرگیجی کی طرف تندی سے گھورا اور چل دیا۔ راستے میں سٹیپن کا چھوڑا ہوا آرا پڑا تھا۔ اُس کے قریب ہی اکسینیا کھڑی تھی بھیڑ کی

کھال کا ایک کنارہ ہاتھ میں لیے ہوئے وہ انھیں کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"راستہ چھوڑدو ورنہ بیل تم پہ چڑھا دونگا۔ جانتی ہو تم میری بیوی نہیں ہو" انی کشکا مسکراتے ہوئے بولا۔ اکسینیا ایک طرف ہٹ گئی۔ اور اکڑتے ہوئے آدے پہ بیٹھ گئی۔

"میں تمھیں ساتھ تو لے چلتا مگر میری اپنی بیوی میرے ساتھ ہے" انی کشکا نے دوبارہ چھیڑ خانی کی۔

اکسینیا کے قریب سے گزرتے ہوئے پیوترا نے گریگری کی طرف دیکھا جو ابھی ہتھوڑی پکڑے کھڑا تھا۔

"کیا کراٹوٹ گیا؟" پیوترا نے سوال کیا۔

"ہاں" اُس نے جواب دیا۔ وہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی اور گریگری کی طرف دوڑتی ہوئی بولی "گریگری! مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔"

گریگری نے پیوترا کو بیل ہانکنے کے لیے کہا اور خود اُس کی طرف مڑ گیا۔ پیوترا ہنسا اور چل پڑا۔ دونوں خاموش کھڑے رہے۔ اکسینیا نے احتیاط سے گردوپیش نگاہ دوڑائی۔ پھر اُس نے سیاہ آنکھیں گریگری کے چہرے کی طرف کرلیں۔ مسرت اور شرم کے ملے جلے جذبات نے اُس کا چہرہ سُرخ کر دیا تھا۔ سانس پھول گیا تھا۔

سڑک کے موڑ سے گزرنے کے بعد پیوترا اور انی کشکا برگد کے پیچھے غائب ہو گئے۔

"گریگری! میں نے تمھاری مرضی پر عمل کیا ہے لیکن اب مجھ میں اتنی ہمت نہیں رہی کہ تمھارے بغیر زندہ رہ سکوں۔" اُس کے لہجے میں تیقن تھا۔ اُس کے ہونٹ بھنچ گئے تھے۔

گریگری نے کوئی جواب نہ دیا۔ جنگل پر سکوت طاری تھا۔ اُس کے کانوں میں خاموشی گونج رہی تھی۔ سڑک کی ہموار سطح اردوں کے چمکتے ہوئے پھولوں سے جھلملا رہی تھی۔ نیلا آسمان، اونگھتا ہوا جنگل..... ہر طرف ہی پُرسکوت نظارہ تھا۔

پرندے کی چیخ نے گریگری کو خواب سے چونکا دیا۔ اُس نے سر اُٹھایا اور پرندے کی خاموش اُڑان کی طرف دیکھنے لگا۔ خلافِ توقع وہ گویا ہوا "یہ گرمی کی جانب جا رہا ہے ـــ اپنے

آپ کو گرم کرنے ...." پھونک کر پھر اُس نے کہا ۔۔۔"اچھا ...." اُس نے بدمست نگاہیں ایجینیا کے چہرے پر گاڑ دیں اور معاً اُسے آغوش میں کھینچ لیا۔

۴

وو کیشکا کے گھر میں، سٹاک مین کے کمرے میں دیہاتیوں کی ایک جماعت سردی کی شامیں گزارتی۔ اس جماعت میں کرسٹونیا تھا، دیلیٹ اور ڈیوڈ تھے ۔۔۔ ایوان، الیگزی مچ اور کبھی کبھار فلکا موچی بھی آجاتا تھا۔ میشا کاشوفائی باقاعدگی سے شامل ہوتا۔

وہ سب پہلے تاش کھیلتے۔ پھر سٹاک مین نیکراسف کا مجموعۂ کلام اٹھا لاتا۔ وہ بلند آواز سے یہ کتاب پڑھتے پھر وہ ٹیگٹین کی تصنیف اٹھا لیتے۔ کرسمس کے دنوں میں سٹاک مین ایک ایک کتاب پڑھے جانے پر زور دیتا۔

"اس سے تو سویاں بنائی جا سکتی ہیں، اتنی چکناہٹ ہے اس میں" کاشوفائی، جو کلیسا کے سکول میں چند سال گزار چکا تھا، اس کتاب کی طرف دیکھ کر بولا۔

کرسٹونیا نے زوردار قہقہہ لگایا۔ ڈیوڈ جی کھول کر مسکرایا۔ سٹاک مین قہقہوں کے ختم ہونے کا منتظر رہا پھر بولا "پڑھو ۔۔۔ اسے پڑھو، اس میں کاسکوں کی روداد ہے۔"

کاشوفائی نے سر جھکا کر کتاب کا نام مشکل سے پڑھا "ڈان کے کاسکوں کی مختصر تاریخ!" اُس نے عنوان پڑھ کر مجمع پر نگاہ دوڑائی۔

"پڑھو ۔۔۔ ضرور پڑھو" مجمع ایک ساتھ پکار اُٹھا۔

وہ تین دن ہر شام اس کتاب کا مطالعہ کرتے رہے۔ انھوں نے ماضی کی آزاد زندگی کا حال پڑھا۔ پگاچیف، سٹینکا رزن اور ویسلی بلافن کے حالات پڑھے۔ گمنام مصنف نے کاسکوں کو آڑے ہاتھوں لیا تھا۔ اس نے ان کی موجودہ اندوہناک زندگی پر لعن طعن کی تھی۔ اُس نے حکام کا مذاق اُڑایا تھا۔ ان کے نظام حکومت کو فرسودہ قرار دیا تھا۔ حکومتِ زار پر اعتراضات کی بوچھاڑ کی تھی۔ سامعین مشتعل ہو چکے تھے، بھڑک اُٹھے تھے۔ ان میں کتاب کے مضامین سے متعلق باتوں کی

لڑائی چھڑ گئی تھی۔ شاک یین دروازے میں بیٹھا مسکرا رہا اور پائپ پی رہا تھا۔

"اس کا ایک ایک حرف حقیقت ہے — ٹھوس سچائی ہے" کرسٹونیا بول اٹھا۔

انجنیر کوٹلیارف ایک حب پسند کاسک تھا۔ اس نے کاسکوں کی حمایت کی۔

"کرسٹن! تم ایک کسان ہو تم میں کاسک خون اسی قدر ہے جس قدر بالٹی میں ایک قطرہ۔"

کرسٹونیا نے جواب دیا "بیوقوف ہو تم — نرے بدھو!"

"ابے او کسان! — خاموش رہو۔"

"کیا کسان مرد نہیں ہوتے — تمھاری طرح آدمی نہیں ہوتے؟"

"وہ کسان ہیں، سوکھی لکڑی اور چھال سے بنے ہوتے ہیں۔"

"جب میں پیٹرزبرگ میں فوجی خدمت پر مامور تھا" کرسٹونیا نے آغاز کیا "ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ہمیں زار کے محل پر پہرا دینے کے لیے متعین کیا گیا۔ اندر کمروں میں اور باہر بھی۔ ہم گھوڑوں پر سوار تھے۔ دو ایک طرف اور دو دوسری طرف! جب ہم ایک دوسرے سے ملتے تو آوازیں دیتے 'خیریت ہے — سکون ہے'، ہمیں کھڑے ہو کر باتیں کرنے کی اجازت نہ تھی۔ چلتے رہنے کا حکم تھا۔ انھوں نے ہمیں ہمارے خط و خال کے اعتبار سے انتخاب کیا تھا۔ مشابہت کا لحاظ رکھا گیا تھا۔ نائی کو میری ڈاڑھی رنگنی پڑی تھی۔ مجھے اس کاسک کی جگہ لینی پڑی تھی جس کی ڈاڑھی مٹیالی تھی۔ ڈاڑھی کے رنگے جانے کے بعد جب میں نے آئینہ دیکھا تو میرا دل جل بھن کر کباب ہو گیا۔"

"مگر کرسٹونیا! سوال کے جواب میں تم یہ کیا لے بیٹھے ہو؟ آخر کہنا کیا چاہتے ہو؟" کاٹلیارف نے دخل اندازی کی۔

"میں تمھیں لوگوں کا افسانہ سنا رہا ہوں۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ ہمیں زار کے محل میں پہرہ دینا پڑا۔ میں اور میرا دوست گھوڑوں پر سوار تھے کہ اتنے میں بہت سے طالب علموں نے ہمیں آ کر گھیر لیا۔ قبل اس کے کہ ہم انھیں خبر دار کرتے وہ ہمارے گرد جمع ہو چکے تھے "گھوڑوں

پر یہ جھگڑے سے کیا لگا رہے ہو؟" انھوں نے سوال کیا "ہم پہرہ دے رہے ہیں، چھوڑ دو ہماری لگامیں۔" میں نے تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھ کر کہا "گرم کیوں ہوتے ہو؟ ہم سے بدظن کیوں ہو" وہ طالب علم جس نے میرے گھوڑے کی لگام تھامی ہوئی تھی بولا "میں بھی کازک ہوں اور یونیورسٹی میں تعلیم پا رہا ہوں۔ میں ضلع کمینسکا کا رہنے والا ہوں۔ یہ لو دس روبل میرے والد کی صحت کا جام پی لینا۔ یہ رہی اس کی تصویر۔ اسے میری طرف سے تحفہ سمجھ لینا" ہم نے اُن سے وہ تصویر اور دس روبل لے لیے۔ ہم انکار نہ کر سکے۔ اتنے میں ایک افسر سپاہیوں کا ایک دستہ لیے ہوئے محل سے باہر آیا۔ وہ سختی سے بولا "کون ہے — کون تھے وہ؟" میں نے بتایا کہ کچھ طالب علم ہم سے گفتگو کر رہے تھے۔ خیر اس نے ہمیں معاف کر دیا۔ ادائے فرض کے بعد شام کو میں نے نانک سے کہا کہ ہم نے دس روبل کمائے ہیں اور اس بڈھے کی صحت کا جام پینا چاہتے ہیں۔ میں نے وہ تصویر بھی اُسے دکھائی۔ شام کو نانک واڈکا لے آیا۔ دو دن تک ہم نے خوب مزے اڑائے۔ لیکن بعد میں ہم پر انکشاف ہوا کہ وہ تصویر جرمنی کے مشہور باغی کی تھی۔ میں نے وہ تصویر اپنے بستر کے سرہانے لٹکا دی تھی۔ اس کی بھوری ڈاڑھی تھی۔ خوش شکل انسان تھا۔ تاجر معلوم ہوتا تھا۔ ہمارے دستے کے کمانڈر نے اسے دیکھ لیا اور بولا "کہاں سے لی ہے یہ تصویر تم نے؟" میں نے اسے ساری داستان سنائی وہ غرایا "تم نہیں جانتے یہ کون ہے؟ یہ ان کا قائد کارل ..... خدا بھلا کرے اس کا نام میں بھول گیا ہوں۔ کیا نام تھا اس کا ..... ؟"

"کارل مارکس ......" مشاک تین نے جملہ پورا کیا۔

"ہاں کارل مارکس" کرسٹونیا نے مسرت کا اظہار کیا "ہم نے دس روبل کی شراب کارل مارکس کی یاد میں پی ......"

"وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی صحت کا جام پیا جائے۔"

"کیوں — اس نے کیا نیکی کی ہے —" کاٹلیارف نے پوچھا

"میں پھر کبھی اس کے کارنامے سناؤں گا — آج ہمیں خاصی دیر ہو چکی ہے —"

شاکتین نے سگرٹ کا پائپ انگلیوں میں پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے سگرٹ کا بجھا ہوا ٹکڑا نکال پھینکا۔
انتخاب و آزمائش کے بعد دس کاسکوں کی مختصر سی جماعت شاکتین کے ہاں باقاعدگی سے جمع ہوتی۔ شاکتین اس جماعت کی رُوح بھی تھا اور دل بھی۔ وہ منزلِ مقصود کی طرف سرپٹ دوڑا جا رہا تھا۔ اس منزلِ مقصود کی طرف جس کا نقش وُہ اپنے ذہن میں بنا چکا تھا۔ وہ ان لوگوں کے سادہ مفروضات کو گھُن کی طرح چاٹ گیا تھا۔ اُس نے موجودہ نظامِ حکومت کے خلاف ان کے دلوں میں زہر بھر دیا تھا۔ پہلے پہل اسے بداعتقادی کی نگاہ سے دیکھا گیا تھا۔ لیکن وہ مضبوط ارادے کا انسان تھا، پسپا ہونا نہ جانتا تھا۔

۵

ڈان کے بائیں کنارے کی جانب ریتلی ڈھلان پر ویشنسکا کا مرکز واقع ہے۔ ڈان کے بالائی حصے کا ایک قدیم ضلع! پیٹر اوّل کے عہد میں چگھرنک کا قصبہ جو تباہ کر دیا گیا تھا۔ اُسی کا نام دوبارہ آباد ہونے پر ویشنسکا رکھ دیا گیا تھا۔ پہلے یہ وردنیزا اور آزوف کے درمیان ایک اتصالی مرکز تھا۔
ویشنسکا کے عین مقابل ڈان جنوب کی طرف خم کھاتا اور دائیں جانب مڑ جاتا ہے۔ باز کا گاؤں کے پاس سے پھر تیر کی طرح سیدھا ہو کر سبزی مائل پانی کو چٹانوں تک لے جاتا ہے۔ گاؤں سے ہوتا، چٹانوں سے گزرتا ہوا سمندر میں جا گرتا ہے۔ بحیرۂ آزوف کے نیلگوں سمندر میں۔
ویشنسکا کا گاؤں زرد ریت پر واقع ہے — یہ ایک خشک گاؤں ہے۔ نہ باغ نہ پھول۔ چوراہے پر ایک پرانا گرجا ہے، سال خوردہ، مٹیالا اور اپنی قدامت کی تصویر۔
چھ گلیاں اس چوراہے سے دریا کے متوازی جاتی ہیں۔ جہاں بز کا کے پاس ڈان خم کھاتا ہے ایک جھیل اتنی چوڑی ہے جتنا ڈان اتار کے وقت رہ جاتا ہے۔ وہ ایسی معلوم ہوتی ہے کہ درخت کے ڈنٹھلے میں کوئی کپڑا اُلجھا ہوا ہے۔ ویشنسکا کا ایک کنارہ اس جھیل تک آتا ہے اور دوسرے چھوٹے چوراہے پر دوسرا گرجا ہے۔ جس پر گوکھرو اور گھاس اُگ آئی ہے۔ جس کی چھت اور گنبد کائی سے ہرے ہو گئے ہیں اور جس کے اوپر سپید کے درختوں کا سایہ ہے۔

گاؤں کے شمال میں ریت کا سمندر ہے صنوبر کے درختوں کا جھنڈ ہے۔ غار ہیں جن میں پانی جمع ہے۔ اس ریتیلے جنگل میں دیہات کا جال بچھا ہوا ہے۔ چراگاہیں ہیں۔ اور جنگلی بیلیں ہیں۔

دسمبر کے ایک اتوار کو تمام دیہات سے آئے ہوئے پندرہ سو نوجوان کاسکوں کا انبوہ پرانے گرجے کے سامنے استادہ تھا۔ ایک نوجوان کاسک نے حکم دیا اور نوجوانوں نے اپنے آپ کو دو قطاروں میں تقسیم کر لیا۔ آتامن اپنے عملہ کے ساتھ کلیسا سے باہر آیا۔ اس نے ایک نوجوان افسر کی وردی پہن رکھی تھی۔

نوجوان سارجنٹ نے ایک دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے کہا "دایاں قدم سے۔ بڑھو آگے"۔ دونوں قطاریں کلیسا کے دروازے سے اندر پہنچیں۔ سیڑھیوں پر قدموں کا دھماکا پیدا تھا۔

گریگریہ نے حلف وفاداری کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس کے برابر مٹکا کا رتسنف کھڑا تھا۔ اس کے تنگ جوتوں نے اس کا چہرہ بری طرح مروڑ دیا تھا۔ گریگریہ کا اٹھا ہوا ہاتھ بے حس ہو چکا تھا۔ اس کے ذہن میں ہزاروں خیالات کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ جب وہ مصلوب مسیح کی تصویر کے نیچے سے گزرا اور اس نے صلیب کی چاندی کو، جو بہت سے لوگوں کے چومنے سے گیلی ہو رہی تھی، بوسہ دیا تو اسے ایکسینیا اور اپنی بیوی کا خیال آ گیا۔ اس کے سامنے جنگل، جنگل کے درختوں کے تنے اور ڈالیاں تھیں۔ رومال سے ڈھکے ہوئے چہرے میں ایکسینیا کی سیاہ اور نم دار آنکھوں کی تصویر اس کی آنکھوں میں پھر گئی۔

جب یہ رسم ختم ہو گئی تو انہیں دوبارہ قطاروں میں منصب وار کھڑا کر دیا گیا۔ ناک صاف کرتے اور انگلیوں کو وردی سے پونچھتے ہوئے سارجنٹ نے کہا "اب تم لڑکے نہیں رہے، کاسک ہو۔ تم نے حلف وفاداری اٹھایا ہے۔ تمہیں اس حلف کے مطالب کا علم ہونا چاہیئے۔ اب تم کاسک بن چکے ہو، تمہیں اپنے وقار کا خیال ہونا چاہیے۔ والدین کی اطاعت کرو۔ جب تم لڑکے تھے تو کھیلتے اور کودتے رہے مگر اب تمہیں فرض مستقبل سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ ایک سال کے بعد تمہیں فوج میں بلا لیا جائے گا" یہاں پہنچ کر سارجنٹ نے پھر ناک صاف کی اور دستانے

ہنستا ہوا بولا "تمھارے والدین تمھارے سامان کے انتظام کی فکر میں ہوں گے۔ تمھارے لیے فوجی گھوڑے کا بندوبست کرنا ہوگا اور...... عموماً...... اچھا، اب لڑکو! اپنے اپنے گھر جاؤ۔ خدا تمھارا نگہبان ہو۔"

۶

گاؤں کے دوسرے لڑکوں کو ساتھ لے کر گریگری اور متکا تاتارسک کی طرف روانہ ہوتے۔ شام ہو چکی تھی جب وہ گاؤں پہنچے۔ جھونپڑے کے قریب پہنچ کر گریگری نے کھڑکی میں سے جھانکا۔ لٹکا ہوا لیمپ کمرے میں مدھم روشنی پھیلا رہا تھا۔ گریگری نے بوٹ سے برف جھاڑی اور باورچی خانے کے دھوئیں میں سے اندر داخل ہوا۔ "میں آگیا ہوں ـــ" اُس نے اعلان کیا۔

"جلد آگئے! تم تو سردی میں جم چکے ہوگے" پیوترا نے مضطرب لہجے میں کہا۔

پینٹلیمون سر جھکائے اور کہنیاں گھٹنوں پر ٹیکے بیٹھا تھا۔ ڈاریا چرخہ کات رہی تھی۔ نتالیا میز کے پاس گریگری کی طرف پیٹھ کر کے کھڑی تھی۔ وہ گریگری کے داخلے پر مڑی نہ تھی۔ گریگری کی نگاہیں تیزی سے کمرے کا طواف کرتی ہوئی پیوترا کے چہرے پر آکر رُک گئیں۔ اُس نے بھائی کے چہرے سے بھانپ لیا کہ کوئی گھریلو حادثہ ضرور ہوا ہے۔

"حلفِ وفاداری اُٹھا لیا؟"

"اُٹھا لیا۔"

گریگری نے خاموشی سے باہر کے پہننے کے کپڑے اُتارے اور سوچنے لگا کہ اس خاموش خیرمقدم کا مطلب کیا ہو سکتا ہے۔ ایلینچنا تزین کمرے سے باہر نکلی۔ اُس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔

"نتالیا نے کوئی فساد کھڑا کیا ہے" گریگری سوچنے لگا۔

"اسے کھانا لا کر دو" اُس کی ماں نے ڈاریا کو حکم دیا۔ ڈاریا نے چرخہ کاتنا بند کر دیا۔ وہ اُٹھی اور باورچی خانے کی طرف بڑھی۔ وہاں بچھڑی لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔ اُس نے ابھی ابھی بچہ دیا تھا۔ گریگری شوربا پی رہا تھا اور نتالیا کی طرف دیکھتا جاتا تھا لیکن اُسے اس کا چہرہ نظر نہ آیا۔ وہ

سر جھکائے کچھ بُن رہی تھی۔ پینٹیلیمون سے آخر نہ رہا گیا۔ مصنوعی طور پر کھانستے ہوئے بولا۔ "نتالیا کہتی ہے کہ وہ اپنے والدین کے ہاں جانا چاہتی ہے۔"

گریگر نے روٹی کے لقمے سے پلیٹ صاف کی اور خاموش رہا۔

"اس کا سبب کیا ہے؟" پینٹیلیمون نے سوال کیا۔ اُس کا نچلا ہونٹ لرز رہا تھا۔ اس کے غضب آلود ہونے کی نشانی یہی تھی۔

"مجھے کیا معلوم!" گریگر نے جواب دیا۔

"مجھے تو معلوم ہے" پینٹیلیمون نے آواز ذرا بلند کی۔

"چلاؤ نہیں — چلاؤ نہیں۔" الیخنا دخل انداز ہوئی۔

"چلانے سے کیا فائدہ، یہ تو محبت کا سودا ہے۔ اگر تم دونوں اکٹھے رہنا چاہتے ہو تو خوشی سے رہو۔ اگر نہیں تو نہ سہی۔ خدا تمھاری نگہبانی کرے گا۔" بیوڑھا بولا۔

"میں نتالیا سے کچھ نہیں کہتا۔ اگر وہ بُری بھی ہوتی گنہگار بھی ہوتی پھر بھی میں اُسے کچھ نہ کہتا۔ میں تو اس سؤر سے پوچھتا ہوں —" پینٹیلیمون نے گریگر کی طرف اشارہ کیا جو انگیٹھی کے پاس بیٹھا آگ تاپ رہا تھا۔

"میں نے کیا گناہ کیا ہے؟" گریگر نے پوچھا۔

"تم نہیں جانتے — شیطان! تم نہیں جانتے؟"

"نہیں، میں نہیں جانتا!"

پینٹیلیمون پھرتی سے اُٹھ کھڑا ہوا اور گریگر کے پاس پہنچ گیا۔ نتالیا نے جراب پھینک دی۔ اُون کا گولا فرش پر لڑھکنے لگا۔ سوئیاں فرش پر جھنجھنائیں۔ اتنے میں بلی کا بچہ باورچی خانے سے نکلا اور اُون کے گولے سے کھیلنے لگا۔

"میں تم سے صرف اسی قدر کہنا چاہتا ہوں" پینٹیلیمون نے آہستہ سے کہا" اگر تم نتالیا کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے تو میرے گھر سے نکل جاؤ اور جہاں سینگ سمائیں چلے جاؤ۔ میں

تم سے صرف اسی قدر کہنا چاہتا ہوں۔ جہاں سینگ سمائیں چلے جاؤ۔" اُس نے جلد دہرایا اور بنچ پر خاموشی سے آ بیٹھا۔

"میں بھی اَبا تم سے صرف اسی قدر کہنا چاہتا ہوں اور غصّے سے نہیں" گریگر کی آواز بالکل دھیمی تھی" میں نے نتالیا سے شادی اپنی مرضی سے نہ کی تھی۔ یہ انتخاب تمہارا تھا۔ نتالیا کے لیے میرے دل میں کوئی جگہ نہیں۔ اُسے اس کے والدین کے گھر جانے دو۔ اگر اس کی مرضی یہی ہے۔"

"تم خود کیوں نہیں نکل جاتے؟"

"میں چلا جاؤں گا۔"

"جہنم میں جا......"

"میں جا رہا ہوں — جا رہا ہوں — اتنی جلدی نہ کرو۔" گریگر نے غصّے کے عالم میں اپنا پروں والا چھوٹا کوٹ اٹھا لیا اور باپ کی طرف دیکھ کر نتھنے پھلانے لگا۔ ان دونوں کی رگوں میں کاسک اور ترک خون دوڑ رہا تھا۔ غصّے میں دونوں میں کس قدر مشابہت پیدا ہو گئی تھی۔

"کہاں جاؤ گے؟" الینا نے گریگر کا بازو تھامتے ہوئے کہا لیکن اُس نے رعونت سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور ٹوپی اوڑھ لی۔

"جانے دو — سیاہ کار سؤر کہیں کا — جانے دو اسے — جاؤ۔ جاتے کیوں نہیں؟" بوڑھا کڑکا اور اس نے دروازہ کھول دیا۔

گریگر دوڑ کر سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ آخری آواز جو اس نے سنی وہ نتالیا کے رونے کی تھی۔

دھندلی رات نے گاؤں کو آغوش میں لے لیا تھا۔ سیاہ آسمان سے ظلمت برس رہی تھی۔ ڈان کی سطح پر برف چلتے ہوئے پستول کی طرح گر رہی تھی۔ گاؤں کے نکڑ پر دو کتے سر ہلا کر بھونک رہے تھے۔ دھند میں جھونپڑیوں سے آتی ہوئی روشنیاں زرد پڑ گئی تھیں۔

وہ اندھا دھند گلی میں داخل ہوا۔ سٹیپن کی کھڑکی ہیرے کی طرح جھلملا رہی تھی۔

"گرگجو...... !" نتالیا کی متجسس آواز سنائی دی۔

"جا، چلی جا کتیا !" گرگجو نے دانت کٹکٹاتے اور تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔

وہ پہلی گلی میں مڑ گیا۔ اُس نے آخری بار نتالیا کی دُور سے آتی ہوئی چیخ سنی "گرگجو! پیارے گرگجو۔ !" اُس نے تیزی سے چوک کو پار کیا اور سڑک کے موڑ پر رُک کر سوچنے لگا کہ رات کہاں بسر کرے۔ اُس نے میتیا کاشوفائی کا گھر انتخاب کیا۔ میتیا ماں اور بہن کے ساتھ چپان کے پاس پھوس کی جھونپڑی میں رہتا تھا۔ گرگجو احاطے میں داخل ہوا اور کھڑکی پر دستک دی۔

"کون ہے ؟"

"میتیا گھر پر ہے ؟"

"ہاں — مگر کون ہے جو اس سے ملنے آیا ہے ؟"

"میں ہوں گرگجو میلیخوف !"

ایک لمحے کے بعد میتیا آنکھیں مَلتا ہوا باہر آیا "تم ہو گرگجو !"

"ہاں !"

"اتنی رات گئے تمھیں کیا کام ہے ؟"

"مجھے اندر آنے دو پھر بتاؤں گا کہ کیوں آیا ہوں"

صحن میں گرگجو نے میتیا کا ہاتھ پکڑ لیا اور کھنکھارتے ہوئے بولا "میں رات یہیں تمھارے ہاں گزارنا چاہتا ہوں۔ میں گھر سے لڑ کر آیا ہوں۔ کیا مجھے کوئی کمرہ مل سکے گا۔؟ کہیں جگہ دے دو۔"

"انتظام ہو جائے گا — مگر جھگڑا کس بات پر ہوا ؟"

"پھر بتاؤں گا۔"

انھوں نے بنچ پر گرگجو کا بستر لگا دیا۔ وہ لیٹا ہوا سوچنے لگا۔ اُس نے سر پر بھیڑ کی کھال کا کوٹ ڈال لیا تھا تاکہ میتیا کی ماں کے خراٹے نہ سن سکے۔ گھر پر کیا ہو رہا ہو گا — وہ سوچ رہا تھا۔

کیا نتاشا لیلا اپنے والد کے ہاں چلی جائے گی؟ زندگی نے ایک نئی کروٹ بدلی ہے — وہ کہاں جائے؟ اُسے یکلخت جواب ملا۔ وہ کل اکسینیا کو بلا بھیجے گا اور وہ کیوبان چلے جائیں گے — گاؤں سے دُور بہت دُور —

آنے والے واقعات کے تصوّر سے اُس کی نیند اُچاٹ ہو جاتی تھی۔ سونے سے پہلے اُس نے ایک دفعہ پھر سوچا کہ اُس کے اضطراب کی وجہ کیا تھی۔ غنودگی میں اُس کے خیالات ندی میں بہتی ہوئی کشتی کی طرح رواں تھے۔ لیکن یکایک اُس کے خیالات' رواں دواں خیالات' رُک جاتے جیسے کشتی کے سامنے کوئی بند لگ جائے۔ کشتی ریتیلے کنارے سے جیسے ٹکرا جائے۔ اُس کا دماغ رکاوٹوں سے گتھم گتھا ہوتا اور چکراتا رہا۔ آخر وہ رکاوٹ کیا تھی؟ یہ سوال اُسے حیران کر رہا تھا۔

۷

صبح کو وہ جاگا اور فوراً اُسے اپنی فوجی ملازمت کا خیال آیا۔ یہی وہ رکاوٹ تھی۔ وہ اکسینیا کو اپنے ساتھ کیونکر لے جا سکے گا۔ بہار میں تربیتی کیمپ تھا اور خزاں میں فوجی بھرتی!

اُس نے ناشتا کیا اور میشا کو صحن میں بلایا۔

"میشا — میری خاطر سٹیپن کے ہاں جاؤ۔ اکسینیا سے کہنا کہ وہ پن چکی کے پاس مجھے ملے"۔

"لیکن اگر وہاں سٹیپن ہوا تو؟" میشا نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

"کہہ دینا کہ میں کسی کام سے آیا ہوں"۔

"اُسے یاد سے کہہ دینا کہ وہ ضرور آئے"۔

شام ہی سے گریگر پن چکی کی طرف نکل گیا۔ اُس نے سگرٹ سلگایا۔ پن چکی سے پرے ہوا سوکھی ہوئی شاخوں پر لڑکھڑا رہی تھی۔ اکسینیا نہ آئی۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ مشرق سے تازہ ہوا آئی۔ بیلوں پر نمودار ہوتے ہوئے چاند کو اندھیرے نے چھپا لیا۔ پن چکی کے اوپر آسمان گہرا نیلا ہو چکا تھا۔

گاؤں سے دن کی سرگرمیوں کی آخری آواز آ رہی تھی۔

اُس نے یکے بعد دیگرے تین سگرٹ سلگائے اور ختم کر دیے۔ آخری ٹکڑا برف میں پھینک دیا۔ گرد و پیش مضطربانہ انداز میں دیکھنے لگا۔ کوئی متنفس نظر نہ آیا۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ انگڑائی لی۔ اور آہستہ آہستہ میتّا کے جھونپڑے کی طرف بڑھا۔ احاطے کے پاس اُس کی ٹکر الجیتیا سے ہوئی وہ دوڑتی ہوئی آ رہی تھی اس کا سانس پھول رہا تھا۔ اُس کے ٹھنڈے منہ سے جاڑوں کی ہوا یا شاید میدان کی تازہ گھاس کی خوشبو آ رہی تھی۔

"میں انتظار کرتا رہا ۔ کرتا رہا ۔۔۔ مجھے خیال ہوا کہ تم نہ آؤ گی" اُس نے کہا۔

"مجھے سٹیپن سے کبھی تو نجات حاصل کرنی تھی۔"

"میں تو یہاں بیٹھے بیٹھے جم گیا ہوتا۔"

"میں گرم ہوں ۔۔۔ تمھیں گرم کر دوں گی۔" اُس نے اپنا اونی کوٹ کھول دیا اور گرگر سے لپٹ گئی جیسے برگد کی جڑیں برگد کو جکڑ لیتی ہیں۔

"تم نے مجھے کیوں بلایا تھا؟" اُس نے سوال کیا۔

"ذرا دم لو ...... کوئی سُن نہ رہا ہو ۔۔۔ اِدھر آؤ اپنا ہاتھ مجھے دو۔"

"تم گھر والوں سے رڑ تو نہیں پڑے؟"

"میں اُنھیں چھوڑ آیا ہوں۔ رات میں نے میتّا کے ہاں گزاری ہے۔ اب میں دھوبی کا کتّا ہوں نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔"

وہ سڑک سے ایک طرف کو مڑ گئے اور اُنھوں نے بیلوں سے لدی ہوئی باڑ سے کمر ٹیک دی۔

"تمھیں کچھ خبر ہے ۔۔۔ نتالیا اپنے گھر چلی گئی کہ نہیں؟"

"مجھے خبر نہیں ۔۔۔ میرا خیال ہے کہ چلی جائے گی۔"

گرگر نے الجیتیا کا برف کی طرح جما ہوا ہاتھ اپنی بغل میں لے لیا اور اُس کی نازک اُنگلیوں کو مروڑتے ہوئے بولا "اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"پیارے! میں کیا جانوں ـــــ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"سٹیپن کو چھوڑ دوگی؟"

"بلا تامل ـــــ کہو تو آج ہی شام کو۔"

"کہیں نہ کہیں ہمیں کوئی کام مل ہی جائے گا اور جوں توں کر کے گزر کر ہی لیں گے۔"

"میں تمہاری روکھی سوکھی کھا کر سو رہوں گی۔ تمہارے ساتھ رہنے کے لیے ہر قربانی دے سکتی ہوں۔"

وہ ایک دوسرے کے اور قریب ہو گئے۔ وہ ایک دوسرے کو گرمی پہنچانے لگے۔ گریگری ہلنا نہ چاہتا تھا۔ وہ ہوا کی طرف منہ کیے کھڑا تھا۔ اس کے نتھنے کانپ رہے تھے۔ پلکیں بند تھیں۔ اکسینیا کا منہ اُس کی بغل میں تھا۔ وہ اس کا نشیلا پسینہ سونگھ رہی تھی۔ اُس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی مسرت سے بھری ہوئی۔

"کل میں ماخوف کے ہاں کام تلاش کروں گا۔ شاید وہ مجھے کسی کام پر رکھ لے۔" اکسینیا خاموش رہی۔ اُس نے سر بھی نہ اُٹھایا۔ لیکن مسکراہٹ اس کے لبوں سے معدوم ہو چکی تھی۔ ایک خوف زدہ درندے کی طرح اُس کی آنکھوں میں اضطراب اور تشویش کی جھلک آ گئی تھی "کیا میں اسے بتا دوں؟ بتاؤں کہ نہ بتاؤں؟" اُس کے ذہن میں جنگ ہو رہی تھی "مجھے اسے بتا دینا چاہیے۔" اکسینیا نے آخر فیصلہ کر ہی لیا۔ مگر جلد ہی اُس نے اسے تبدیل کر لیا۔ وہ خوف سے لرزہ براندام تھی۔ اُس نے یہ خیال دور کر دیا۔ نسوانی جذبہ اُبھرا تھا لیکن یہ موقع انکشاف کا نہ تھا۔ اُسے خیال ہوا شاید وہ گریگری کو ہمیشہ کے لیے کھو بیٹھے۔ دوسرے اُسے یقین بھی نہ تھا کہ اُس کے دل میں اُچھلتا ہوا بچہ گریگری کا تھا کہ سٹیپن کا اُس نے ارادہ ترک کر دیا۔

"تم کپکپا کیوں رہی ہو؟ کیا سردی لگ رہی ہے؟" گریگری نے کوٹ اُس کے گرد لپیٹتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ـــــ مجھے ہونا چاہیے گریگری ـــــ! کہیں سٹیپن گھر واپس نہ آ گیا ہو۔"

"کہاں گیا ہے سٹیپن؟"

"میں اسے اینکی کے ہاں تاش کھیلنے کے لیے پہنچا آئی تھی۔"

وہ جدا ہوئے ـــ اس کے لبوں کی خوشبو ابھی تک گرگیچ کے ہونٹوں پر موجود تھی۔
الیکسیا دوڑتی جارہی تھی۔ کنوئیں کے پاس جہاں مویشی کیچڑ میں لوٹتے رہتے تھے، وہ پھسلی اور لڑکھڑائی۔ اُس کے پیٹ میں درد کی ٹیس اٹھی۔ وہ باڑ پکڑ کر کھڑی ہوگئی۔ درد بند ہو چکا تھا ـــ لیکن اُس کے اندر کوئی چیز حرکت کر رہی تھی۔

۸

دوسرے دن صبح کو گرگیچ، ماخوف سے ملنے گیا۔ سرجی ماخوف ابھی ابھی دکان سے واپس آیا تھا۔ کھانے کے کمرے میں بیٹھا سیاہ کڑوی اور گاڑھی چائے پی رہا تھا۔ گرگیچ ٹوپی اتار کر اندر گیا۔
"مجھے آپ سے کام ہے" گرگیچ بولا
"آہ ـــ سٹیلیوان کے بیٹے ہو تم تو ـــ کہو کیا چاہیے؟"
"میں یہ پوچھنے آیا ہوں کیا آپ مجھے بطور مزدور اپنے ہاں رکھ سکتے ہیں؟"
اتنے میں ایک نوجوان افسر سبز وردی پہنے دروازے سے داخل ہوا۔ گرگیچ نے اُسے پہچان لیا۔ یہ نوجوان لسنکی تھا جسے مٹکا نے گھوڑ دوڑ میں شکست دی تھی۔ سرجی ماخوف نے افسر کو کرسی پیش کی۔
"کیا تمھارا باپ کنگال ہوگیا ہے کہ اپنے بیٹے کو مزدور بنانے کے لیے بھیج رہا ہے؟"
ماخوف نے سوال کیا۔
"میں اب اُس کے پاس نہیں رہتا۔"
"اُسے چھوڑ چکے ہو؟"
"ہاں۔"
"میں بڑی خوشی سے تمھیں اپنے ہاں رکھ لوں گا۔ میں تمھارے خاندان کو اچھی طرح جانتا ہوں بڑا محنتی کنبہ ہے تمھارا ـــ لیکن مجھے ڈر ہے کہ تمھارے لیے میرے پاس کوئی مناسب جگہ نہیں۔"
"معاملہ کیا ہے؟" لسنکی نے پوچھا۔

"یہ لڑکا کام کی تلاش میں ہے۔"

"کیا تم گھوڑوں کی دیکھ بھال کر سکتے ہو؟ اُن پر سواری بھی کر لیتے ہو؟" افسر نے چائے کی پیالی میں چمچہ ہلاتے ہوئے سوال کیا۔

"جی ہاں ___ میں اپنے چھ گھوڑوں کی دیکھ بھال کرتا رہا ہوں۔"

"مجھے ایک کوچوان کی ضرورت ہے ___ کیا تنخواہ لوگے؟"

"میرا مطالبہ کچھ زیادہ نہیں۔"

"کل میرے والد کے پاس ہماری جاگیر میں آنا ___ گھر تو تم جانتے ہی ہو۔ یہاں سے صرف آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔"

گریگر دروازے کی طرف بڑھا ___ وہاں پہنچ کر وہ رُکا اور ہچکچاتے ہوئے بولا "کیا میں تنہائی میں آپ سے بات کر سکتا ہوں؟"

لسنتسکی اُس کے عقب میں چلتا ہوا غلام گردش میں آ گیا "کہو کیا ہے؟"

"میں تنہا نہیں ہوں؟ میرے ساتھ ایک عورت بھی ہے۔ کیا اُسے بھی کوئی کام مل سکتا ہے؟"

"تمہاری بیوی ہے؟" لسنتسکی نے بھویں چڑھاتے اور مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، کسی اور کی بیوی ہے۔"

"میں سمجھا ___ میں سمجھا۔ کوئی بات نہیں، ہم اُسے باورچن کے طور پر اپنے ہاں رکھ لیں گے۔ اُس کا شوہر کہاں ہے؟"

"اسی گاؤں میں۔"

"تم نے دوسرے کی بیوی چرائی ہے؟"

"وہ اپنی مرضی سے آئی ہے۔"

"یہ تو ایک رومانی داستان ہے ___ کل ضرور آنا۔ اچھا، اب تم جاؤ۔"

۹

دوسرے دن آٹھ بجے صبح گرنیگر یگوڈو پہنچا۔ ایک بہت بڑا مکان وادی میں ایستادہ تھا۔ اس کے گرد چار دیواری کھنچی ہوئی تھی۔ ٹائلوں کی چھت تھی۔ ۱۹۱۵ء کی یادگار۔ غلام گردش، غسل خانہ، اصطبل، مرغی خانہ، مویشی خانہ، ایک بہت بڑا غلّہ گھر اور کوچ رکھنے کا شیڈ، کئی ایکڑ زمین پر پھیلے ہوئے تھے۔ مکان پرانا تھا اور اس پر بیلیں چڑھ رہی تھیں۔ گھر سے دور چڑھتی ہوئی بیلیں اور چراگاہیں نظر آ رہی تھیں۔ بید کے درختوں پر کوّوں کے خالی گھونسلے دکھائی دے رہے تھے۔

گرنیگر احاطے میں داخل ہوا۔ ایک کتیا نے اس کا خیر مقدم کیا اور گردن جھکا کر اس کے عقب میں چلنے لگی۔ غلام گردش میں باورچی ملازمہ سے جھگڑ رہا تھا۔ ملازمہ گرنیگر کو گھر کے اندر لے گئی۔ پچھلے کمرے میں سے کتوں کی بو آ رہی تھی۔ میز پر دونالی بندوق اور شکار کا تھیلا پڑا تھا۔

"چھوٹے مالک تمھیں بلاتے ہیں" ملازمہ نے اشارہ کیا۔

گرنیگر اضطراب کے عالم میں کیچڑ سے لتھڑے ہوئے بوٹ دیکھتا ہوا بڑھا۔ لسنکی بستر پر دراز تھا۔ اس نے سگرٹ سلگایا اور سفید قمیص کا کالر بند کرتے ہوئے بولا "تم ٹھیک وقت پر آئے ہو۔ یہیں انتظار کرو۔ میرا والد آتا ہوگا۔"

گرنیگر دروازے کے پاس کھڑا رہا۔ ایک دو لمحے بعد پچھلے کمرے سے قدموں کی آواز آنے لگی۔ ایک بھاری آواز سنائی دی۔ "ایوجن! جاگتے ہو؟"

"آجاؤ" لسنکی نے جواب دیا۔

ایک بوڑھا آدمی کاکیشیائی چغہ پہنے داخل ہوا۔ گرنیگر نے اسے کنکھیوں سے دیکھا۔ پتلی اور نکیلی ناک نے اسے مرعوب کر دیا۔ اس کی سفید ڈاڑھی اور تمباکو کے دھوئیں سے رچی ہوئی مونچھیں دلآویز انداز میں مڑی ہوئی تھیں۔ بوڑھا لسنکی طویل القامت تھا، چوڑا چکلا سینہ اور بھاری بھرکم۔ چغے کے نیچے اس نے اونٹ کے بالوں کا کوٹ پہن رکھا تھا۔

"ابا جس کوچوان کا میں نے ذکر کیا تھا آ گیا ہے۔"

"کس کا بیٹا ہے یہ؟"

"پینٹیلیمون میلیخوف کا۔"

"میں پراکوفی کو جانتا ہوں۔ وہ فوج میں میرے ساتھ تھا۔ پینٹیلیمون کو میں نہیں بھولا۔ لنگڑا ہے نا؟"

"جی سرکار!" گریگر نے جواب دیا۔ اسے وہ تمام کہانیاں یاد آ گئیں جو اس کا باپ جنرل لسنکی کے متعلق سنایا کرتا تھا۔ روس اور ترکی کی جنگ کا ہیرو!

"تم کام کیوں ڈھونڈتے ہو؟" بوڑھے جرنیل نے پوچھا۔

"میں والد کے ساتھ نہیں رہتا۔ حضور!"

"ملازمت کر کے تم اچھے کاسک نہیں بن سکتے۔ تمھارے والد نے تمھیں کوئی حصہ نہیں دیا؟"

"نہیں سرکار!"

"یہ تو پھر اور بات ہے۔ تمھیں اپنی بیوی کے لیے بھی کام چاہیے۔"

نوجوان لسنکی کا بستر زور سے چرچرایا۔ گریگر نے نوجوان افسر کی طرف دیکھا۔ اس نے آنکھ مار کر اسے ہاں کرنے کے لیے کہا۔

"جی سرکار!" گریگر نے جواب دیا۔

"سرکار ورکار چھوڑو — مجھے ایسے لفظ قطعاً پسند نہیں۔ تمھاری تنخواہ آٹھ روبل ماہوار ہو گی — تم دونوں کی تنخواہ — ! تمھاری بیوی کھانا پکائے گی ... کیا تم مطمئن ہو؟"

"ہاں۔"

"کل صبح آ جانا — جس کمرے میں پہلا کوچوان تھا وہ تمھیں ملے گا۔ اچھا اب جاؤ — کل آٹھ بجے صبح یہاں موجود ہونا۔"

گریگر باہر چلا گیا۔ بوڑھی کتیا اسے دروازے تک چھوڑنے آئی اور واپس چلی گئی۔

۱۰

اُس دن صبح ایجینیا نے کھانا جلد ہی پکا لیا۔ آگ بجھا دی، برتن دھوئیے اور کھڑکی میں سے احاطے کی طرف دیکھنے لگی۔ سیٹپن لکڑیوں کے گٹھے پر جھکا ہوا تھا۔ بائیں ہاتھ کا شیشہ ٹوٹ چکا تھا۔ وہ اس کی مرمت کے لیے مناسب کھمبے منتخب کر رہا تھا۔

آج ایجینیا گالوں پر دو گلابی سرخیاں لیے ہوئے بیدار ہوئی تھی۔ سیٹپن بھی اس تبدیلی سے آگاہ تھا۔ ناشتہ کرتے وقت اُس سے رہا نہ گیا "کیا ہوا ہے آج تمھیں؟"

"کیا ہوا ہے ۔۔۔؟"

"آج تمھارا چہرہ جگمگا رہا ہے۔ جیسے تم نے اس پر مکھن مل دیا ہو۔"

"انگیٹھی کی آنچ سے چہرہ دمک اُٹھا ہے۔" مڑتے ہوئے اُس نے کھڑکی سے باہر جھانکا کہ مینشا کا شوفائی کی بہن تو نہیں آ رہی۔ لیکن وہ کہیں دوپہر کے بعد آئی۔ ایجینیا انتظار کی شدت سے تنگ آ چکی تھی۔ اُسے آتے دیکھ کر بولی "کیوں ماشونکا مجھ سے کوئی کام ہے؟"

"ذرا باہر آئیے۔" لڑکی نے جواب دیا۔

سیٹپن بالوں میں کنگھی کر رہا تھا۔ اُس کا آئینہ سامنے انگیٹھی پر رکھا ہوا تھا۔ ایجینیا نے اُس کی طرف گھبرا کر دیکھا۔

"تمھیں کہیں باہر تو نہیں جانا!" ایجینیا نے پوچھا۔

اُس نے جلد جواب نہ دیا۔ کنگھی کو پتلون کی جیب میں رکھتے، تمباکو اور پائپ اٹھاتے اور ہاتھ میں تاش لیتے ہوئے وہ بولا "مجھے انی کشکا کے ہاں جانا ہے۔"

"ساری رات تاش کھیلتے گزار دیتے ہو؟ جوا تو نہیں کھیلو گے؟"

"رہنے دو ایجینیا! رہنے دو، جاؤ، کوئی تمھارے انتظار میں ہے۔"

ایجینیا باہر آ گئی۔ ماشونکا نے تبسم سے اُس کا خیر مقدم کیا۔

"گرگری واپس آ گیا ہے۔"

"پھر......"

"اُس نے کہا ہے کہ شام ہوتے ہی تم ہماری جھونپڑی میں آ جانا۔"

اُس نے لڑکی کو دروازے کے قریب کھینچتے ہوئے کہا "ذرا آہستہ، ذرا آہستہ اور بھی کچھ کہا تھا اُس نے؟"

"اُس نے کہا تھا کہ اپنی تمام چیزیں ساتھ لیتی آنا۔"

سلگتی اور لرزتی ہوئی اکسینیا باورچی خانے میں داخل ہوئی "میرے خدا! ـــ اس قدر جلد..... اچھا اُس سے کہ دینا کہ جس قدر جلد ہو سکا میں آ جاؤں گی ـــ لیکن وہ مجھے کہاں ملے گا؟"

"تم ہماری جھونپڑی میں آ جانا۔"

"اوہ ـــ نہیں۔"

"اچھا تو میں اُس سے کہ دوں گی کہ وہ باہر آ کر تمہارا انتظار کرے۔"

سٹیپن کوٹ پہن رہا تھا جب اکسینیا اندر آئی۔

"کیا کہتی تھی وہ؟" اُس نے سگرٹ سے دھواں اڑاتے ہوئے پوچھا۔

"اوہ ـــ وہ تو مجھ سے کہنے آئی تھی کہ میں اُسے لہنگے کی کٹائی سکھا دوں" سٹیپن سگرٹ کا ٹکڑا پھینکتے ہوئے بولا "میرا انتظار نہ کرنا، میں شاید دیر سے آؤں" اتنا کہ کر وہ چلا گیا۔

اکسینیا کھڑکی ہوئی کھڑکی کی طرف دوڑی گئی اور بنچ کے سامنے گھٹنوں کے بل کھڑی ہو گئی۔ سٹیپن کے قدموں کی آواز پھاٹک تک جاتی ہوئی سنائی دے رہی تھی۔ پھینکے ہوئے سگرٹ کی روشنی میں وہ ایک لمحے کے لیے نظر آیا پھر غائب ہو گیا۔

اکسینیا کانپتی ہوئی کپڑوں کو اُلٹنے پلٹنے لگی۔ اُس نے اپنا جہیز جمع کر لیا۔ ایک دفعہ کمرے میں آوارہ نگاہ دوڑائی۔ باورچی خانے کا دروازہ اچھی طرح بند کیا۔ اور جلد جلد سیڑھیوں

سے اُترنے لگی۔ میلیوَف کے کھیت سے کوئی برآمد ہوا۔ وہ کچھ دیر کے لیے رُکی۔ آنے والا جا چکا تھا۔ پھر ڈھان کی طرف دوڑی۔ اُس کے بالوں کی لٹیں رُومال سے نکل کر رخساروں پر لہرا رہی تھیں وہ گٹھڑی پکڑے ہوئے کاشو فائی کی جھونپڑی کی طرف چلی۔ ہمت جواب دے رہی تھی۔ پاؤں پگھلے ہوئے موم کی طرح بہ رہے تھے۔ گریگر جھونپڑے کے پھاٹک پر اُس کا منتظر تھا۔ اُس نے گٹھڑی اُس سے لے لی اور میدان کی طرف چل دیا۔

اب اکسینیا نے قدم آہستہ کر لیے اور گریگر کی آستین پکڑ کر بولی "ذرا ٹھہرو"

"اب کیوں ٹھہریں۔ آج رات چاند دیر سے نکلے گا اس لیے ذرا تیز تیز قدم بڑھاؤ"

"گریگر! ذرا دم لو....."

"کیوں کیا ہے؟"

"میرے پیٹ میں.... کچھ.... میں نے بوجھ زیادہ اٹھایا تھا اس لیے" اُس نے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔ ایک لمحے کے لیے کھڑی رہی، جھکی اور بال رومال کے اندر کرتی ہوئی چل پڑی۔

"تم نے تو یہ بھی نہیں پوچھا کہ میں تمہیں کہاں لے جا رہا ہوں..... میں شاید تمہیں ایسی جگہ لے جا رہا ہوں جہاں تمہیں کسی جھاڑی میں دھکا دے کر دور چلا جاؤں گا" گریگر اندھیرے میں مسکرایا۔

"اب کیا ہے چاہے کچھ بھی ہو میں واپس جانے سے رہی" اُس کی آواز ایک اندوہناک تبسم کی وجہ سے کپکپائی۔

۱۱

پنٹیلیمن آدھی رات کو حسبِ معمول گھر واپس آیا۔ سب سے پہلے وہ اصطبل میں پہنچا۔ اُس نے گھوڑے کے آگے سوکھی گھاس ڈالی پھر جھونپڑی میں داخل ہوا۔ "کہیں سیر کرنے گئی ہو گی" اُس نے جھونپڑی کو اکسینیا سے خالی پا کر کہا۔ وہ باورچی خانے کے راستے سے داخل ہوا اور دروازہ

بند کر لیا۔

اُس نے دیا سلائی جلائی۔ آج اُسے جیت ہوئی تھی۔ اس لیے وہ اونگھ رہا تھا۔ اُس نے لیمپ روشن کیا۔ بکھری ہوئی چیزوں پر اُس کی نظر پڑی۔ ابھی تک وہ اس انتشار کی وجہ معلوم نہ کر سکا تھا۔ حیرت زدہ ہو کر وہ مزین کمرے کی طرف بڑھا۔ کھلا ہوا صندوق اُس کا منہ چڑانے لگا۔ صندوق کے اوپر ایک پرانی واسکٹ پڑی تھی جو انجینیا جلدی میں بھول گئی تھی۔ چیتن بھیڑ کی کھال کی واسکٹ اُتار کر باورچی خانے کی طرف بڑھا۔ اُس نے کمرے کا جائزہ لیا۔ حقیقتِ حال اُس پر روشن ہو چکی تھی۔ اُس نے لیمپ زمین پر رکھ دیا۔ دیوار سے لٹکی ہوئی تلوار کا دستہ مضبوطی سے پکڑ کر اُس نے انجینیا کی جاکٹ ہوا میں اچھال دی۔ اس سے قبل کہ وہ فرش پر گرے۔ اُس نے تلوار سے اُس کے دو ٹکڑے کر دیے۔

وہ غصّے سے نیلا پیلا ہو گیا تھا۔ بھیڑیے کا سا غصہ اُس پر سوار تھا۔ وہ بار بار انجینیا کی جاکٹ کے ٹکڑے ہوا میں اچھالتا اور انھیں مزید ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتا۔ تیز تلوار جب کپڑے کے ٹکڑے اڑاتی تو سیٹی بجاتی۔

اُس نے چیتھڑوں کو ایک کونے میں پھینک دیا۔ اور چولہے کے پاس جا کر میز کے کنارے بیٹھ گیا۔ جھکا کر وہ میز کی چمکیلی سطح پر کہنیاں ٹکا کر کچھ سوچتا رہا۔

۱۲

مصیبت کبھی تنہا نہیں آتی۔

اُس صبح کو کرگرگہ چھوڑ کر گیا۔ میروِن کا رشتہ سے ملازم گینکا کی غفلت کے سبب باسیل نسل کے بھینسے نے اُس کی بہترین گھوڑی کا گلا چیر کر رکھ دیا۔ گینکا باورچی خانے میں دوڑتا ہوا آیا۔

"مالک! غضب ہو گیا۔ بھینسے نے..... خدا اُسے غارت کرے.....!"

"کیا ہوا — بھینسے کو کیا ہوا؟" میروِن نے سوال کیا۔

"اُس نے گھوڑی کا گلا چیر دیا ہے.....!"

میراں نیم برہنہ صحن میں دوڑ گیا! کنوئیں کے پاس مٹکا بیل کو لاٹھی سے پیٹ رہا تھا۔ بیل گردن جھٹکنے کھُروں سے برف اُچھال رہا تھا۔ وہ مغلوب نہ ہو رہا تھا اور پچھلی ٹانگوں پر رقص کر رہا تھا جیسے حملے کے لیے تیار ہو رہا ہو۔ مٹکا اُس کی ناک اور پسلیوں پر لاٹھی برسا رہا تھا۔ اور ان مزدوروں کی طرف دھیان ہی نہ دے رہا تھا جو اُسے پیٹی سے پکڑ کر کھینچ رہے تھے۔

میراں دوڑتا ہوا کنوئیں پر پہنچا۔ گھوڑی باڑ کے پاس کھڑی تھی۔ اُس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اور وہ لرزہ براندام تھی۔ اُس کا بند بند کانپ رہا تھا۔ اُس کا اُبھرا ہوا سینہ پسینے سے تر تھا اور گردن کے نیچے خون بہ رہا تھا۔ گردن میں بالشت بھر گہرے زخم میں سے سانس لینے کی نالی دکھائی دے رہی تھی۔ میراں نے اُسے بالوں سے پکڑتے ہوئے دیکھا۔ گھوڑی نے اپنے مالک کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہی تھی "اب اور کیا کرنا چاہتے ہو؟" میراں نے اُس کے جواب میں کہا "کوئی دوڑ کر برگد کی چھال تو لاتے۔"

مٹکا دوڑتا ہوا پیڑ سے چھال اتارنے گیا۔ دوڑتا ہوا واپس آیا۔ اُس کی ایک آنکھ بیل پر تھی۔

"گھوڑی کو بالوں سے پکڑے رہو۔"

"دوڑ دو کوئی دھاگا لائے۔"

اُنھوں نے گھوڑی کی زبان دھاگے سے باندھ دی تاکہ اُسے تکلیف محسوس نہ ہو۔ پھر زخم دھویا گیا۔ سوئی اور دھاگے سے زخم سی دیا گیا۔ وہ ابھی بمشکل اپنے کمرے میں واپس ہونے کے لیے مڑا ہی تھا کہ اُس کی بیوی باورچی خانے سے بھاگتی ہوئی داخل ہوئی۔ اُس کے چہرے پر نفرت کی تحریر تھی۔ وہ اپنے شوہر کو علیحدہ بلا کر لے گئی۔

"تم نے سنا کیا آئی ہے...... اوہ میرے خدا!"

"وہ جاہلہ کیا ہے؟" میراں نے زرد ہوتے ہوئے چہرے سے مطالبہ کیا۔

"گڑیا...... گڑیا گھر چھوڑ کر کہیں چلا گیا ہے۔" اُس کی بیوی نے ہاتھ پھیلا دیے جیسے ابابیل اُڑنے کے لیے پر تول رہی ہو۔ اُس نے لہنگے پر ہاتھ مارے اور رونے لگی۔

سارے گاؤں میں رسوائی ہو گی۔ کیسا قہر ٹوٹا اے خدا !"

میروتن نے دیکھا کہ نتالیا باورچی خانے میں کھڑی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں دو آنسو جھلملا رہے تھے۔ اُس کا چہرہ تمتا اٹھا تھا۔" تم یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو؟ کیا تمھارے شوہر نے تمھیں پیٹا ہے ؟ کیا تم دونوں ساتھ نہیں رہ سکتے ؟" اُس کا باپ کمرے میں داخل ہوتا ہوا بولا۔

"وہ چلا گیا ہے....." نتالیا کراہی۔ پھر باپ کے سامنے گھٹنوں کے بل گر کر بولی" ابا ! میری زندگی تباہ ہو گئی..... مجھے واپس بُلا لو۔ گریگوری اکسینیا کے ساتھ چلا گیا ہے۔ وہ مجھے چھوڑ گیا ہے ابا ! میں خاک میں مل چکی ہوں" اُس نے سرد آہ بھری۔

"دم لو...... دم لو...."

"میں وہاں نہیں رہ سکتی، مجھے واپس بلا لو" وہ گھٹنے کے بل ہی بیٹھ گئی اور اُس نے بازوؤں پر سر رکھ لیا۔ ان موقعوں پر آنسو ساون بھادوں کی جھڑی ہوتے ہیں۔ اُس کی ماں نے اس کا سر اپنے لہنگے پر رکھ لیا۔ ماں شفقت اور ہمدردی کا اظہار کرنے لگی لیکن باپ سے نہ رہا گیا۔ وہ دوڑتا ہوا سیڑھیوں سے اُترنے لگا۔

"جلدی کرو، گاڑی میں دو گھوڑے جوت دو" وہ چلایا۔

ایک مرغا، جو مرغی کے پیچھے بھاگ رہا تھا، اس کی چیخ سُن کر دم بخود رہ گیا۔ مرغی کے پیچھے سے ہٹ کر دُور اُڑ گیا اور کڑ کڑ، کڑ کڑ کرنے لگا۔

"گھوڑے جوتو ـــ جلدی کرو" میروتن سیڑھیوں پہ پاؤں مارتا رہا۔

گیتکا اصطبل سے گاڑی میں گھوڑے جوت کر لے آیا۔

میشکا اور گیتکا گاڑی چلا رہے تھے۔ وہ میلیخوف کے ہاں نتالیا کا جہیز لینے جا رہے تھے۔

دس

۱

ایوجن لسنسکی کو اٹامن کی حفاظتی پلٹن میں کمانڈر دستہ کا عہدہ مل گیا۔ گھوڑ دوڑ میں اس کا بایاں ہاتھ ٹوٹ گیا تھا۔ ہسپتال سے نکل آنے کے بعد اسے چھ ہفتوں کی چھٹی ملی تھی جو وہ باپ کے پاس گزارنے آیا تھا۔

بوڑھا جرنیل تنہا ہی یگوڈنو میں رہتا تھا۔ اس کی بیوی سفر میں ہلاک ہو گئی تھی۔ جب وہ ۱۸۹۸ء میں وارسا سے واپس آ رہا تھا تو انقلاب پسندوں نے کاسک جرنیل کو گولی سے اڑانا چاہا تھا لیکن خوش قسمتی سے وہ بچ گیا اور کوچوان اور اس کی بیوی ہلاک ہو گئے۔ لسنسکی اپنے دو سالہ بچے ایوجن کے ساتھ تنہا رہ گیا تھا۔ اس واقعے کے فوراً بعد جرنیل کو پنشن مل گئی۔ وہ اپنی جاگیر یگوڈنو میں اٹھ آیا اور وہیں تنہا و خشک زندگی بسر کرنے لگا۔

ایوجن بڑا ہوا تو اس نے اسے فوجی سکول میں بھیج دیا اور خود کاشتکاری کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ گھوڑے خریدتا اور انھیں برطانیہ کی بہترین گھوڑیوں سے ملا کر گھوڑوں کا نیا ذخیرہ پیدا کرتا۔ وہ اپنی ہی زمین پر ڈھور ڈنگروں اور گھوڑوں کی پرورش کرتا۔ مزدوروں سے غلے کی کاشت کراتا۔ شکاری کتوں سے شکار کھیلتا۔ گاہے گاہے بڑے ہال میں بند ہو کر شراب پیتا۔ اسے نزلی معدہ کی شکایت تھی۔ اس کے ڈاکٹر نے اسے کوئی چیز نگلنے کی ممانعت کر دی تھی۔ وہ غذا چبا سکتا تھا، کھا نہ سکتا تھا۔ چبا کر گوشت یا پھل وہ ایک طشتری میں اگل دیتا جسے اس کا ذاتی ملازم بنیامین دونوں ہاتھوں میں تھامے ہوتا۔

بنیامین ایک نا پختہ شعور سیاہ فام کسان تھا جس کے سر پر سیاہ بالوں کا گچھا تھا۔ وہ

چھ سال سے سنکی کی ملازمت میں تھا۔ ابتدا میں جب وہ جرنیل کو غذا چباتے ہوئے دیکھتا تو برداشت نہ کر سکتا تھا لیکن رفتہ رفتہ اس بدعت کا خوگر ہو گیا۔ ایک دن جرنیل کو غذا چباتے اور تھوکتے ہوئے دیکھا تو اس نے خیال کیا "کس قدر اچھی خوراک ضائع جاتی ہے۔ وہ خود تو کھاتا نہیں اور میرا پیٹ بھوک کی شدت سے درد کرتا ہے، میں بھوکا رہتا ہوں"۔ اس دن کے بعد سے اس کا معمول ہو گیا کہ وہ نقرئی طشتری میں چبایا ہوا گوشت پچھلے کمرے میں لے جاتا اور اسے ہڑپ کر جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ موٹا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اب اس کی ٹھوڑی دہری ہو گئی تھی۔

فارم کے دوسرے رہنے والوں میں لیوکیریا، ادرین، چیچک کے داغوں والی، پرانا ملازم، اصطبل کا داروغہ ساشکا اور گڈریا تخون تھے۔ پہلے ہی دن سے لیوکیریا، الجینیا کو کھانا پکانے نہ دیتی تھی۔ وہ سارا کام خود کرتی۔ الجینیا کو ہفتے میں تین دفعہ فرش دھونا، مرغی خانہ صاف کرنا اور مرغیوں کو دانہ دینا ہوتا ۔۔ گریگیہ کا بیشتر وقت اصطبل میں گزرتا۔ ساشکا اس کے ساتھ ہوتا۔ بوڑھے ساشکا کے بال بالکل سفید ہو چکے تھے۔ وہ پچھلے بیس سال سے جرنیل کا نوکر تھا۔ جوانی میں ساشکا کوچوان تھا لیکن جب وہ بوڑھا اور ضعیف ہو گیا تو اصطبل کا نگران بنا دیا گیا۔ گھٹے ہوئے جسم اور بیٹھی ہوئی ناک والا بوڑھا (اس کی ناک پر لاٹھی کی ضرب پڑی تھی) ہمیشہ مسکراتا رہتا۔ اس کے چہرے کا تقدس ٹوٹی ہوئی ناک کی بدولت تباہ ہو چکا تھا۔ ساشکا واڈکا کا عاشق تھا۔ جب وہ نشے میں ہوتا تو احاطے میں چہل قدمی اس طرح کرتا جیسے اس جاگیر کا مالک وہ خود ہو۔ زمین پہ پاؤں مارتا ہوا وہ سنکی کی خوابگاہ کے نیچے آ کر چلانا شروع کر دیتا "نکولائی الیگزی وچ! نکولائی الیگزی وچ!!"

اگر بوڑھا جرنیل خواب گاہ میں ہوتا تو وہ کھڑکی میں آ جاتا۔

"نشے میں ہو ۔۔۔ بدمعاش ۔۔۔!" بوڑھا جرنیل غراتا۔

ساشکا کولہوں پر تیوریاں چڑھاتا، آنکھ مارتا اور مسکراتا۔

"نکولائی الیگزی وچ! سرکار عالی! میں آپ کو جانتا ہوں"۔ وہ میلی انگلی ہلاتا۔

"جا اور جا کر سوجا" اُس کا مالک اطمینان سے مسکراتے ہوئے اُسے حکم دیتا۔

"تم ساشکا کو خواب گاہ میں نہیں آنے دیتے" بوڑھا ساشکا باڑے سے کمر لگا کر کہتا ہوا "آتی الیگزی وچ! تم مجھ ایسے ہو۔ میں اور تم ایک ہی تالاب کی دو مچھلیاں ہیں — میں اور تم — ہم دونوں امیر ہیں!" یہاں پہنچ کر بوڑھا بانہیں پھیلا دیتا۔ یہ دکھانے کے لیے کہ وہ کس قدر امیر ہیں۔ "ہیں ہر کوئی جانتا ہے۔ ڈان کا سارا ضلع ہم سے واقف ہے — میں اور آپ سرکار عالی! (پھر وہ مہذب ہو جاتا) ہم ہر ایک سے بھلائی کرتے ہیں۔ نقص یہی ہے کہ ہم دونوں کی ناک چپٹی ہے۔ ذنکولائی الیگزی وچ! زیادہ نہ پینی چاہیے۔ ورنہ ہم تباہ ہو جائیں گے۔ تم اور میں دونوں سب کچھ پینے میں اُڑا دیں گے۔"

بوڑھا جرنیل اس کی طرف ایک سکہ پھینکتا اور کہتا "جا اور اسے بھی پی جا۔" ساشکا اُسے دبوچ کر ٹوپی میں رکھ لیتا۔

"اچھا خدا حافظ جرنیل!"

"گھوڑوں کو پانی پلا دیا؟" مالک مسکراتے ہوئے سوال کرتا۔

"بدمعاش ...! سؤر کے بچے!" ساشکا مڑتے ہوئے جواب کرتا "ساشکا سے پوچھتا ہے کہ گھوڑوں کو پانی پلا دیا۔ میں مر رہا ہوں گا جب بھی بالٹی لے کر اٹھوں گا کہ گھوڑوں کو پانی پلا دوں۔ اور تم ہو کہ ......" بوڑھا ساشکا گالیاں دیتا ہوا اصطبل کو آجاتا۔ داروغۂ اصطبل کے طور پر وہ بے حد کارآمد تھا۔ سردی ہو کہ گرمی وہ اصطبل میں سوتا تھا۔ وہ نعل بند بھی تھا۔ بہار میں وہ گھوڑوں کے لیے گھاس کاٹتا۔ اصطبل کی دیوار پہ گھوڑوں کی بیماریوں کی بہ دوا ٹنگی ہوتی تھی۔

گرمی میں ایک عجیب قسم کی بُو اصطبل میں پھیلی رہتی۔ جہاں ساشکا سوتا وہاں ایک کونے میں گھاس بھری رہتی جس پہ گھوڑے کی اوڑھنی پڑی ہوتی۔ ساشکا کا کوٹ جس سے گھوڑے کے پسینے کی بو آتی اُس کا بچھونا تھا۔ کوٹ اور بھیڑ کی کھال بوڑھے کا مختصر سا دنیوی ساز و سامان تھا۔

تخون ایک صحت مند اور کند ذہن کاسک تھا۔ لیوکیریا کے ساتھ رہتا۔ وہ ساشکا اور لیوکیریا سے خواہ مخواہ حسد کرتا تھا۔ مہینے میں ایک دفعہ باقاعدگی سے وہ بوڑھے کو قمیص سے پکڑ کر ایک طرف لے جاتا اور کہتا "خبردار جو تونے میری عورت کی طرف آنکھ بھی اٹھائی....."

"مگر اس کا انحصار....." ساشکا رازدارانہ طریق پر آنکھ مارتا۔

"بڑھاپے میں تجھے شرم آنی چاہیے بوڑھے.... تم تو ڈاکٹر بھی ہو۔ گھوڑوں کی رکھوالی کرتے ہو۔ انجیل بھی تمھیں ازبر ہے....."

"مجھے چیچک کے داغوں والی عورتیں پسند ہیں۔ لیوکیریا سے خداحافظ کہ دینا۔ میں اسے ایک دن تجھ سے چھین لوں گا — وہ میٹھی ہے۔ شہد جیسی میٹھی!"

"میں تجھے جان سے مار دوں گا بوڑھے!" تخون دانت پیستا ہوا کہتا اور جیب سے تانبے کا سکہ نکال کر بوڑھے کی ہتھیلی پر رکھ دیتا۔

یگوڈ نہیں زندگی خوابیدہ بے حسی میں گزرتی رہی۔ جاگیر وادی میں ہر سڑک سے دور بالکل الگ تھلگ واقع تھی۔ خزاں کے بعد آس پاس کے گاؤں سے اس کا رشتہ بالکل ٹوٹ جاتا تھا — سردیوں کی راتوں کو اس کے پاس بھیڑیے آکر غراتے۔ گھوڑے بری طرح ڈرتے۔ تخون مالک کی دونالی بندوق لیے چراگاہ تک لے جاتا۔ گولی کی آواز سکوت کو چیرتی ہوئی گونجتی اور بھیڑیے خوفزدہ ہو جاتے۔ لیوکیریا بندوق کی آواز پر کان لگائے رکھتی۔ ایسے موقع پر اس کا تخیل گنجے تخون کو ایک خوبصورت اور بہادر نوجوان میں تبدیل کر کے رکھ دیتا۔ غلام گردش کا ایک دروازہ جب بند ہوتا اور تخون داخل ہوتا تو وہ گرمجوشی سے اس کی پرانی ہڈیوں سے چمٹ جاتی۔

گرمیوں میں یگوڈ نوپر شام تک مزدوروں کی آوازوں سے رونق برستی رہتی۔ مالک کئی سو ایکڑ زمین میں مختلف قسم کا غلہ بوتا۔ کبھی کبھی ایوجن بھی گھر آتا۔ چراگاہ میں اداس اداس چہل قدمی کرتا۔ ایوجن کا قد درمیانہ تھا مگر شانے چوڑے تھے۔ وہ کاسکوں کی طرح بال سنوارتا تھا۔ اس کا حاکمانہ چہرہ اس پر خوب پھبتا۔

۲

گرگیگر کے اس جاگیر کے دس دن اکثر نوجوان مالک کی مصاحبت میں گزرے۔ ایک دن بنیامن مسکراتا ہوا غلام گردش میں داخل ہوا "چھوٹے مالک تمہیں بلا رہے ہیں گرگیگر!"

گرگیگر، ایوجن کے کمرے میں گیا اور فرش پر کھڑا رہا۔ مالک نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ گرگیگر اس کے کنارے پر بیٹھ گیا۔

"تمہیں ہمارے گھوڑے پسند ہیں؟"

"بڑے اچھے گھوڑے ہیں — بھورا گھوڑا بیحد نفیس ہے۔"

"اُسے خوب ورزش کراؤ لیکن تیز نہ بھگانا!"

"دادا ساشکا بھی یہی کہتا ہے۔"

آنکھیں پھراتا ہوا مالک بولا "تمہیں مئی میں کیمپ کی تربیت پر جانا ہے؟"

"ہاں۔"

"میں اتامن سے اس کے متعلق گفتگو کروں گا۔ میرے خیال میں تمہارے جانے کی ضرورت نہیں۔"

"شکریہ جناب!"

ایک لمحے تک سکوت رہا۔ وردی کا کالر کھولتے ہوئے ایوجن نے نسوانی چھاتی پھیلائی۔

"اکسینیا کے شوہر سے تو خوفزدہ نہیں ہو تم؟" اُس نے پوچھا۔

"اُس نے اُسے بالکل چھوڑ دیا ہے۔"

"تمہیں کیونکر پتا چلا؟"

"مجھے گاؤں کے آدمی ملے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سٹیپن اسے بالکل یاد بھی نہیں کرتا۔"

"اکسینیا بیحد حسین ہے۔" لسنٹسکی نے اظہارِ خیال کیا اور مسکرایا۔

"بُری نہیں،" گرگیگر کا چہرہ مرجھا گیا۔

۳

چھٹی کے آخری دنوں میں ایوجن زیادہ وقت گریگر کے کمرے میں صرف کرتا۔ اکسینیا چھوٹا سا کمرہ جید صاف رکھتی۔ جب گریگر گھوڑوں کی دیکھ بھال میں لگا ہوتا تو اسی وقت نوجوان افسر کمرے میں آتا۔ وہ سب سے پہلے باورچی خانے میں جاتا۔ لیوکیریا سے چھیڑ چھاڑ کرتا۔ پھر دوسرے کمرے پر چلا جاتا۔

ایک دن وہ شانے جھکا کر سٹول پر بیٹھ گیا اور مسکراتے ہوئے اکسینیا کی طرف بیباکی سے دیکھنے لگا۔ اس کی موجودگی میں وہ پریشان تھی۔ اس کی انگلیوں پر بننے والی سلائیاں لرز رہی تھیں۔

"اکسینیا! کیا حال ہے تمہارا؟" اس نے سگرٹ پیتے ہوئے کہا۔

"اچھا ہے — شکریہ" اکسینیا نے آنکھیں اٹھائیں۔ ایوجن کی نگاہ میں اس کی تمنا جھلکتی تھی۔ وہ کمرے سے باہر نکلنے کا بہانہ تلاش کر رہی تھی۔

"چلتی ہوں۔ مجھے بطخوں کو دانہ دینا ہے۔"

"بطخوں کو انتظار کرنے دو — تھوڑی دیر اور بیٹھو۔" وہ مسکرایا پھر اس کی گزشتہ زندگی سے متعلق سوالوں کے ذریعے سے معلومات حاصل کرنے لگا۔ اور اکسینیا کی آنکھیں خاموشی سے احتجاج کرتی رہیں۔ جب گریگر داخل ہوا تو ایوجن نے اسے سگرٹ پیش کیا پھر اٹھ کر چل دیا۔

"کیا لینے آیا تھا یہ یہاں؟" گریگر نے اکسینیا سے پوچھا۔

"مجھے کیا خبر" اکسینیا کے لبوں پر زبردستی کی ہنسی رقص کرنے لگی۔ "وہ آیا اور سٹول پر یوں بیٹھ گیا — (اکسینیا نے لسنتکی کی نقل اتاری) اور بیٹھا رہا۔ میں تنگ آ گئی۔"

"تم اس کے سامنے بن ٹھن کے بیٹھی ہوا سی لیے! — خیال رکھو ورنہ میں اسے سیڑھیوں پر سے پھینک دوں گا۔"

اکسینیا کے ہونٹوں پر تبسم آ گیا۔ وہ گریگر کی طرف گھورنے لگی۔ اسے یقین نہ آتا تھا کہ وہ مذاق کر رہا ہے یا فی الواقع سنجیدہ ہے۔

گیارہ

۱

سردی آ گئی۔ بہتا ہوا پانی دریا کے کناروں کی برف کاٹنے لگا۔ برف کے ڈھیلے کے ڈھیلے پگھل پگھل کر بہنے لگے۔ شام کو چٹانوں سے چیخوں کی آواز آتی۔ روایت تھی کہ یہ دھند پڑنے کی علامت تھی۔ صبح کو ہوا ہلکی ہلکی دھند سے لبریز ہوتی۔ دوپہر کو زمین صاف ہو جاتی۔ نتھنوں میں ماچ کی نکہت ہوتی۔ شاہ دانوں کے درختوں کی خوشبو!

میروژن ہل چلانے کے موسم کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ سراون کے دندانے تیز کیے جا رہے تھے۔ چوتھے تیسرے ہی بوڑھے گریشا کا نے روزہ رکھا۔ وہ کلیسا سے سردی کے باعث بیمار ہو کر واپس آیا اور اپنی بہو لیو کیچنز سے شکوہ سرا ہوا "پادری نے مجھے بھوکا مار دیا۔۔۔۔ فضول ہے وہ پادری۔ وہ تو چھپکڑے کی طرح سست ہے۔"

"تمہیں چاہیے تھا کہ گرمیوں میں روزہ رکھتے۔"

"نتالیا کو تو بلواؤ۔۔۔ مجھے گرم جرابیں بُن دے۔"

نتالیا ابھی تک اسی انتظار میں تھی کہ گریگر لوٹ آئے گا۔ اُس کا دل اُس کا منتظر تھا۔ وہ دلائل کے سامنے بھی نہ جھکتی۔ وہ سردی کی راتیں بستر پر کروٹیں لیتے ہوئے بسر کر رہی تھی۔ وہ آج کل دہری مصیبت کا سامنا کر رہی تھی۔ جس دن سے وہ گھر آئی تھی۔ اس کا بڑا ای مٹکا اسے پُراسرار نگاہوں سے دیکھتا رہتا تھا۔ ایک دن صحن میں مٹکا نے اسے پکڑ لیا اور وہ خوف زدہ ہو کر پوچھنے لگا۔

"کیا گریگر کے لیے اب بھی تڑپ رہی ہو؟"

"لیکن تمھیں کیا؟"

"میں تمھیں مصیبت سے نجات دلوانا چاہتا ہوں۔"

نتالیا نے اُس کی آنکھوں کی طرف دیکھا اور ڈر گئی۔ متکا کی آنکھیں چیتے کی طرح چمک رہی تھیں۔ اُس نے وہ عبارت پڑھ لی تھی جو اس کی آنکھوں میں صاف لکھی ہوئی تھی۔ نتالیا نے دروازہ بند کر دیا اور دادا کے کمرے میں بھاگ گئی۔ اُس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ دو دن کے بعد متکا اس کی طرف احاطے میں آیا۔ وہ ڈھور ڈنگروں کے آگے گھاس ڈال رہا تھا۔

"اپنے آپ کو زیادہ اذیت نہ دو نتالیا......!"

"میں ابا سے کہہ دوں گی" اُس نے اپنی حفاظت میں ہاتھ اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"تم تو بیوقوف ہو—— چلاتی کیوں ہو؟"

"چلے جاؤ متکا! میں ابھی ابا سے جا کے کہہ دوں گی۔ میری طرف ان آنکھوں سے نہ دیکھا کرو۔ حیرت ہے کہ زمین پھٹتی کیوں نہیں اور تمھیں نگل کیوں نہیں جاتی۔ میرے پاس نہ آؤ متکا!"

"میں ابھی تو نہیں رات کو آؤں گا۔ بخدا ضرور آؤں گا۔"

نتالیا کانپتی ہوئی احاطے سے اندر آگئی۔ اُس رات اُس نے صندوق پر بستر کیا اور چھوٹی بہن کو ساتھ سلانے کی غرض سے لے گئی۔ رات بھر وہ کروٹیں بدلتی رہی۔ اس کی جبلتی ہوئی آنکھیں اندھیرے کو چیرنے کی کوشش کرتی رہیں۔ اُس کے کان ذرا ذرا سی آواز پہ کھڑے ہو جاتے۔ وہ چیخوں سے سارا گھر سر پہ اُٹھا لینے کے لیے تیار بیٹھی تھی۔ مگر سکوت میں صرف بوڑھے گریشکا کے خراٹوں کا شور پیدا تھا جو ساتھ کے کمرے میں سو رہا تھا۔

متکا ابھی اپنی شادی کی پہلی کوشش کی ذلت فراموش نہ کر سکا تھا۔ وہ شام کو جاتا اور سحر سے پہلے کبھی گھر نہ لوٹتا۔ گاؤں کی آبرو باختہ عورتوں سے اس کا تعلق تھا۔ یتیمان کے ہاں تاش کھیلنے جایا کرتا تھا۔ اُس کا باپ اُس کے اس رویے کی کڑی نگرانی کر رہا تھا مگر کہتا کچھ نہ تھا۔

۲

ایسٹر سے کچھ دن پہلے نتالیا کی ملاقات پینٹیلیمون سے ہوئی جو ماخوف کی دکان سے باہر آ رہا تھا۔ پینٹیلیمون نے اُسے آواز دی "ذرا ٹھہرو......"

وہ رُکی۔ اُس نے جب اپنے خسر کا چہرہ دیکھا تو اُسے گریگری یاد آ گیا۔ وہ تڑپ اٹھی۔

"تم کبھی کبھی ہم سے ملنے کیوں نہیں آتیں؟" پینٹیلیمون آنکھیں نہ اٹھا سکا جیسے وہی اُس کا گناہگار ہو۔ "میری بیوی تم سے ملنے کے لیے بیتاب ہے۔ میرے خیال میں تم کبھی ضرور آؤ گی۔"

نتالیا پریشانی سے بیدار ہوئی۔ "شکریہ...." ایک لمحے کے لیے رُکی۔ خدا جانے وہ کیوں ابا کہنے کے لیے تڑپ رہی تھی مگر نہ کہہ سکی۔ "پینٹیلیمون پراکوفی وچ! میں گھر پر بےحد مصروف رہتی ہوں......"

"گریگری ... اُس نے ہمیں دھوکا دیا۔ ہم اکٹھے رہ کر کتنا خوش رہتے!"

"مگر قدرت کو یہ منظور نہ تھا" آخر اُس سے نہ رہا گیا۔

پینٹیلیمون بغلیں جھانکنے لگا۔ جب اُس نے نتالیا کی آنکھوں کو آنسوؤں سے لبریز دیکھا

"خدا حافظ میری بچی!" اُس نے کہا "اس سؤر کے بچے کے لیے غم نہ کرو۔ وہ تو تمہارے پاؤں کی خاک بھی نہیں۔ شاید وہ واپس آ جائے۔ میں اسے ملنے کے لیے جانا تو چاہتا ہوں لیکن بہت مشکل ہے۔"

نتالیا سر کو سینے پر جھکاتے ہوئے چل دی۔ پینٹیلیمون کھڑا کھڑا لنگڑاتا رہا۔ نتالیا نے مڑ کر دیکھا۔ بوڑھا لنگڑاتا ہوا چوراہے سے دور نکل چکا تھا۔

۳

بہار کے آتے ہی سٹاک مین کے ورکشاپ میں اجلاسوں کی رفتار کم ہو گئی۔ دیہاتی کھیت کے کام میں مصروف نظر آتے تھے۔ صرف ایوان انجنیئر اور ڈیلیٹ اپنے ساتھ ڈیوڈ کو لاتے رہے۔ باقاعدہ جمعرات کو وہ شام سے پہلے ہی جمع ہو جاتے۔ ایک روز سٹاک مین بنچ پر بیٹھا نقرئی انگوٹھی

صاف کرنے میں مشغول تھا۔ کھڑکی میں سے غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی کرنیں پھیلتی ہوئی آ رہی تھیں۔
انجینیر بولا "آج میں مالک کے پاس گیا تھا۔ انجن کا پسٹن ٹوٹ چکا ہے۔ مرمت کے لیے اسے ملافو لے
جانا پڑے گا۔ یہاں اس کی مرمت مشکل ہے۔ پسٹن تڑخ گیا ہے...."

ایوان نے تڑاخ کو لمبی انگلی پر ناپ کر دکھایا۔

"ملافو میں بھی مزدور ہوں گے؟" شاک مین نے پوچھا۔

"لوہے کا کارخانہ ہے۔ پچھلے سال میں نے چند روز وہاں بسر کیے تھے۔"

"مزدوروں کی تعداد کافی ہو گی؟"

"کوئی پانسو ہیں!"

"خوشحال ہیں کہ بدحال؟" شاک مین نے پھر سوال کیا۔

"خوش حال! وہاں تمہارا پرولتاری کوئی نہیں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ وہ بے حد خوش حال ہیں۔ ہر ایک کا اپنا گھر ہے، بیوی ہے اور دوسری آسائشیں بھی میسر ہیں۔ آن ایرینیش کا کارخانے میں حصہ ہے۔ ان کا مالک ان کا رہنما ہے۔"

"اچھا! تو..... میں سرچی مانحوف کے پاس گیا....." ایوان نے دوبارہ داستان کا آغاز کیا۔ "اس کے گرد خاصے لوگ بیٹھے تھے۔ اس نے مجھے باہر انتظار کرنے کا حکم دیا۔ میں بیٹھ گیا اور دروازے سے ان کی باتیں سنتا رہا۔ مانحوف کہہ رہا تھا کہ جرمنوں سے جلد ہی جنگ چھڑنے والی ہے۔ اس نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کوئی کہہ رہا تھا کہ روس اور جرمنی میں جنگ نہیں چھڑ سکتی کیونکہ جرمنی کو ہمارے گیہوں کی ضرورت ہے۔ ایک اور آواز میں نے یہ کہتے سنی۔ میرے خیال میں وہ افسر لسنسکی کی تھی "جنگ ضرور ہو گی،" وہ بولا "اگر جرمنی اور فرانس کے درمیان ہو گی تو ہمیں اس سے کیا" تمہارا کیا خیال ہے ڈیوڈ؟" ایوان نے شاک مین کی طرف مڑتے ہوئے پوچھا۔

"میں پیش گوئی نہیں کر سکتا" شاک مین نے ادھ ٹوٹی ہوئی انگوٹھی کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"اگر جنگ چھڑ گئی تو ہمیں جانا ہوگا۔ وہ ہمیں بازوں سے نچڑ کر لے جائیں گے" وڈیٹ نے اطلاع دی۔

"یونہی ہوگا۔۔۔ وہ ستو یونہی ہوگا" شاک تین نے نہایت اطمینان سے اپنے مطالب کی وضاحت کی۔ وڈیٹ ہونٹ بھینچے ہوئے خاموشی سے سنتا رہا۔

شاک تین نے نہایت سادہ اور آسان لفظوں میں سرمایہ داروں کی جاگیروں، منڈیوں اور مقبوضات کی خاطر جنگ پر تبصرہ کیا۔ جب وہ ختم کر چکا تو ایوان نے مضطرب ہو کر پوچھا:

"ٹھیک ہے ۔۔۔ مگر ہمارا کیا ہوگا؟"

"تم دوسروں کی ہوس کا شکار ہو جاؤ گے" شاک تین مسکرایا۔

"ایوان! بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔ تم نے وہ کہاوت نہیں سنی۔ زبردست کا ٹھینگا سر پر۔"

ڈیوڈ بولا "خدا جانے کیوں لسنکی ماخوف کے ہاں آتا ہے؟"

"وہ سٹیشن پر جاتے ہوئے وہاں رک گیا تھا۔ ہاں ایک اور خبر بھی سن لو جب میں گھر سے باہر نکلا تو میں نے دیکھا۔۔۔ بھلا کسے؟ گریگری میلیخوف کو ۔۔۔ وہ ہاتھ میں چابک لیے کھڑا تھا" ایوان نے اطلاع دی۔

"وہ لسنکی کا کوچوان ہے" ڈیوڈ نے وضاحت کی۔

انھیں دیر ہو چکی تھی۔ ایوان نے رخصت کا اشارہ کیا۔ شاک تین اپنے مہمانوں کو دروازے تک چھوڑنے آیا۔ پھر اس نے ورکشاپ کو تالا لگا دیا اور جھونپڑی میں چلا گیا۔

۴

گریگری اتوار کو سٹیشن سے واپس ہوا تھا۔ واپسی پر اس نے دیکھا کہ برف بالکل بہ گئی ہے۔ ندی کے کناروں میں کچھ ٹوٹ گئی تھی۔

سٹیشن سے کوئی بیس میل کے فاصلے پر ایک یوکرینی گاؤں میں وہ گھوڑوں سے ہاتھ دھو بیٹھا ہوتا کیونکہ اسے ایک ندی پار کرنی تھی جو چڑھ چکی تھی۔ وہ گاؤں میں شام سے ذرا پہلے ہی

آگیا تھا۔ پچھلی رات برف پگھل گئی تھی۔ اس لیے ندی میں مٹیالا پانی کناروں تک بھر گیا تھا۔ اس نے جس شراب خانے میں گھوڑوں کا پیٹ بھرا تھا وہ ندی کے اس پار واقع تھا۔ وہ رات ٹھہر جاتا لیکن اُسے خدشہ تھا کہ مبادا رات کو پانی چڑھ جائے۔ اسی لیے اس نے ندی پار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

جہاں اُس نے آتے ہوئے ندی پار کی تھی وہاں آ کر رُک گیا۔ باڑ کا ٹکڑا اور ایک گاڑی کا پہیا ندی کے وسط میں پڑا تھا۔ دوسرے کنارے پر گاڑیوں کے پہیوں کے نشان تھے۔ تھوڑی دور ندی میں جا کر پہیوں کے نشان غائب ہو جاتے تھے۔ اُس نے آنکھوں سے دونوں کناروں کے درمیان کا فاصلہ ناپا۔ وہ یہ دیکھنے کو گھوڑوں کے قریب گیا کہ لگامیں ڈھیلی تو نہیں۔ اسی لمحے ایک بوڑھا یوکرینی اُس کے پاس سے گزرا۔

"ندی پار کرنے کا یہی راستہ ہے نا؟" اُس نے بوڑھے سے پوچھا۔

"صبح تو لوگ یہیں سے گزرتے رہے ہیں" بوڑھے نے جواب دیا۔

"ندی گہری ہے؟"

"نہیں، گاڑی کے پہیوں تک گہری ہے۔"

گریگر نے لگامیں سمیٹ لیں۔ چابک ہاتھ میں لے کر اُس نے گاڑی پانی میں دھکیل دی۔ گھوڑے اپنی مرضی کے خلاف پانی میں چلنے لگے۔ گریگر نے چابک برسایا اور اُچک کر نشست پر بیٹھ گیا۔

گھوڑوں نے کان کھڑے کیے اور راستے پر رواں ہو گئے۔ گریگر نے قدموں کی طرف دیکھا۔ پانی گاڑی کے پہیوں تک آ چکا تھا۔ پہلے تو پانی گھوڑوں کے گھٹنوں تک رہا تھا اور اب اُن کی چھاتیاں چھو رہا تھا۔ گریگر نے انھیں لوٹانا چاہا لیکن لگامیں جواب دے رہی تھیں۔ گھوڑوں نے تیرنا شروع کر دیا۔ گاڑی الٹنے سے بچ گئی۔ گھوڑوں کے سر اوپر کو کھنچ گئے تھے۔ پانی اُن کی کمر سے گزر رہا تھا۔ "ہے — ہے — دائیں کو — دائیں کو!" کنارے سے ایک یوکرینی چلایا۔

غصّے میں تمتاتا ہوا گریگو کراہ رہا تھا مگر ہاتھوں سے لگامیں نہ چھوڑتا تھا۔ بھیڑ کی کھال کا کوٹ اُسے آگے ہی آگے لیے جا رہا تھا۔ اُس نے لگامیں پھینک کر گاڑی کو اُس کے بم سے پکڑتے ہوئے درختوں کی طرف دھکیلنا شروع کیا۔ وہ ایک درخت کی شاخ پکڑنے ہی والا تھا کہ گھوڑوں نے دولتی چلائی اور ایک سُم کھٹ سے اُس کے گھٹنے پر آکر لگا۔ گریگو نے دفعتاً گاڑی کے بم چھوڑ دیے۔ گھوڑے قابو سے باہر ہو گئے۔ وہ کنارے کے ساتھ ساتھ بھاگنے لگا۔ حسنِ اتفاق سے ایک گھوڑے کا سر اُس کے ہاتھ میں آگیا۔ چوپائے نے اُسے سُرخ سُرخ آنکھوں سے دیکھا۔ وہ لگامیں پکڑنے کی کوشش میں تھا کہ لڑکھڑا کر پانی میں گر پڑا۔ گھوڑوں نے اُسے روندتے ہوئے گاڑی پانی سے باہر نکالی اور چند قدم آگے جا کر رُک گئے۔ وہ بری طرح ہانپ رہے تھے۔ حد سے زیادہ تھک چکے تھے۔ سردی کے مارے وہ گھوڑوں سے بھی زیادہ لرز رہا تھا۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ شیرخوار بچے سے بھی زیادہ کمزور ہو۔ اُس نے ہوش سنبھالا اور گھوڑوں کو گرم کرنے کے لیے سرپٹ دوڑایا۔ وہ اُنھیں گاؤں کی گلی میں سے ایسے اُڑاتے لیے جا رہا تھا جیسے دشمن پر حملہ کر رہا ہو۔ جو پہلا پھاٹک اُسے نظر آیا اُس نے گاڑی اُسی میں داخل کر دی۔

خوش قسمتی سے ایک مہمان نواز یوکرینی سے اُس کا واسطہ پڑا جس نے اپنے بیٹے کو گھوڑوں کی دیکھ بھال کے لیے روانہ کیا اور خود گریگو کا لباس اتارنے میں مدد دینے لگا۔ اُس نے بیوی کو چولھا گرم کرنے کی ہدایت کی اور جب تک گریگو کے کپڑے سوکھ نہ گئے وہ میزبان ہی کی پتلون پہنے چولھے سے لگا بیٹھا رہا اور گوبھی کا شوربا پینے کے بعد سونے کے لیے چلا گیا۔

۵

وہ پو پھٹنے سے بھی پہلے پھر روانہ ہوا۔ پچاسی میل کی طویل مسافت اُس کے سامنے تھی۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ میدانوں میں پانی بہ رہا تھا۔

کالی چٹیل سڑک نے گھوڑوں کو تھکا دیا۔ صبح کی دھند میں وہ ایک گاؤں میں داخل

ہؤا۔ گھوڑوں کے بدن پر آتے ہوئے پسینے سے دھواں اُٹھ رہا تھا۔ وہ چند لمحے رُک کر دوبارہ چل پڑا۔ ایک گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ گیا اور دُوسرے کی لگامیں کھینچتا ہؤا وہ اتوار کو گُرگڈ تو جا پہنچا۔

بوڑھے لسنتسکی نے اُس کی کہانی غور سے سنی اور گھوڑوں کو دیکھنے کے لیے گیا سائشکا انھیں ٹہلا رہا اور اُن کے سکڑے ہوئے پٹھوں کو غصے سے دیکھ رہا تھا۔

"زیادہ تو نہیں تھک گئے؟" بوڑھے جرنیل نے پوچھا۔

"نہیں، گھوڑی کی چھاتی میں لگام کی رگڑ ہے مگر معمولی۔"

"جاؤ — اور جا کر آرام کرو۔" بوڑھے نے گریگری کو اشارہ کیا۔ گریگری کمرے میں پہنچا لیکن اُسے صرف ایک رات کا آرام مل سکا۔ دُوسرے دن صبح بنیا مین آیا اور بولا گریگری تمھیں مالک بلاتا ہے اور ابھی!"

جرنیل سلیپر پہنے بڑے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ گریگری کو اُسے متوجہ کرنے کے لیے دو دفعہ کھانسنا پڑا۔

"اوہ — ہاں، جاؤ گھوڑوں پر زین ڈال دو۔ لیوکیریا سے کہہ دینا کہ کتوں کو ناشتہ نہ دے، وہ شکار کے لیے جائیں گے۔"

گریگری کمرے سے جانے کے لیے مُڑا۔ اُس کے مالک نے اُسے روکا۔ "سنتے ہو کہ نہیں؟ تم بھی میرے ساتھ چل رہے ہو۔"

گریگری گھوڑوں پر زین ڈال کر سیٹی بجاتا ہؤا کتوں کو بلانے لگا۔ بوڑھا لسنتسکی نیلے رنگ کی صدری پہنے ہوئے اور چمڑے کی سجی ہوئی پٹی باندھے ہوئے نکلا۔ نکل کی بانی کی کُپی اُس کی کمر پر لٹک رہی تھی۔ اس کی بغل میں دبا ہؤا چابک پیچھے کی طرف سانپ کی طرح بل کھا رہا تھا۔

گریگری گھوڑے کی لگامیں تھامے ہوئے تھا — بوڑھا گھوڑے پر چابک دستی سے اُچک کر بیٹھا کہ گریگری حیرت زدہ رہ گیا۔ اُس کی شہسواری کا۔ جب اُس پر بیٹھ گیا "میرے ساتھ

ساتھ رہنا بوڑھے نے حکم دیا۔

گرنگیہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ اُس کی پچھلی ٹانگوں کو نعل بند نہیں کیا گیا تھا۔ اسی لیے وہ برف پر سے پھسل جاتا۔ ایسے گھوڑے پر چڑھنے کے لیے لگام کو کڑا رکھنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ چٹان پر چڑھنے کے بعد بوڑھے لسنگی نے گھوڑے کو دلکی چال چلایا۔ شکاری کتے گرنگیہ کے پیچھے آ رہے تھے۔

وہ منزلِ مقصود پر پہنچ گئے۔ لسنگی نالے کی ڈھلان میں چل رہا تھا۔ گرنگیہ وادی میں آ گیا تھا اُس نے دیکھا کہ لسنگی گھوڑے کی باگیں کھینچے، آہٹ پر کان لگائے کھڑا تھا اور گرنگیہ کے پیچھے شکاری کتے راستہ ڈھونڈتے ہوئے آ رہے تھے۔ گرنگیہ نے دستانے اتار دیئے تاکہ سگریٹ سلگا سکے۔

"اُس کا پیچھا کرو" ایک چیخ پستول کی آواز کی طرح آئی۔

گرنگیہ نے سر اٹھایا اور دیکھا کہ لسنگی سرپٹ دوڑا جا رہا تھا۔

"اُس کا پیچھا کرو......"

نالے میں سمٹا ہوا بھورا بھیڑیا جسم بالکل زمین سے لگائے بھاگا جا رہا تھا۔ نالا پار کر کے اُس نے کتوں کی طرف دیکھا۔ کتے لپکتے ہوئے نصف دائرے کی صورت میں بھیڑیے کا پیچھا کر رہے تھے۔

بھیڑیا جنگل کی طرف بڑھا۔ بوڑھی کتیا اُس کے قریب پہنچ چکی تھی۔ بھیڑیا ایک ملبے کے لیے رکا پھر ہوا ہو گیا۔ وہ گرنگیہ کی آنکھوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ اُس نے چٹان پر چڑھ کر دیکھا تو بھیڑیا دور نکل چکا اور ساتھ کے نالے میں سر چھپانے جا رہا تھا۔ گرنگیہ کتوں کو اس کے تعاقب میں دیکھ رہا تھا۔ بوڑھا لسنگی تیزی سے اطمینان کا اظہار کر رہا تھا۔ نالے تک پہنچتے ہوئے کتوں نے اُسے جا لیا تھا۔ ایک تو اُس کے سر پر پہنچ گیا تھا۔

گرنگیہ نے بھی گھوڑا سرپٹ ڈال دیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آگے کیا ہو رہا ہے۔ ہوا کی تیزی سے اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے چیختی ہوئی ہوا کے سبب اُس کے کان بہرے

ہو چکے تھے۔ گھوڑے کی گردن میں منہ چھپا کر وہ ہوا کے رُخ دوڑنے لگا۔ جب وہ نالے کے قریب پہنچا تو اسے کتوں اور بھیڑیے میں ایک بھی نظر نہ آیا۔ ایک دو لمحے کے بعد بسنتی بھی آ پہنچا۔ گھوڑوں کی لگامیں کھینچتے ہوئے وہ بولا "کس طرف نکل گئے؟"

"شاید نالے میں۔"

"بائیں طرف سے ان کا پیچھا کرو۔۔۔۔"

بوڑھا بسنتی دائیں طرف کو روانہ ہوا۔ گر یگر ایک میل تک برق رفتاری سے دوڑتا چلا گیا۔ گھوڑے کے قدموں میں بچھی ہوئی کیچڑ اس کے منہ پر لگتی تھی۔ گر یگر نے دیکھا کہ اب کتے بھیڑیے کا تعاقب کرتے ہوئے میدان میں آ گئے تھے۔

رکاب میں کھڑے ہو کر اور آنسو پونچھتے ہوئے اُس نے گرد و پیش نظر دوڑائی۔ وہ وہاں کھڑا تھا جہاں زمین نالیا اور وہ دونوں ہل چلانے کی غرض سے آئے تھے۔ اب اُس کے دل میں شکار کا شوق فنا ہو چکا تھا اور وہ بڑے اطمینان سے گھوڑے کو ڈلکی چلاتا ہوا گرد و پیش کا نظارہ کر رہا تھا۔

وہ اپنے سے تھوڑی دُور ہل چلانے والوں کے کیمپ دیکھ رہا تھا۔ چند قدموں کے فاصلے پر بیلوں کی تین جوڑیاں ہل کھینچتی ہوئی لے جا رہی تھیں۔

"میرا گاؤں کس قدر نزدیک ہے۔ یہ بیلوں کی جوڑیاں بھی میرے گاؤں کی ہیں۔ یہ زمین کس کی ہے؟ آنی کشکا کی تو نہیں؟" گر یگر کے ذہن میں یہی خیالات و سوالات چکر لگا رہے تھے۔

اُس نے دو کاسکوں کو ہل پھینک کر بھیڑیے کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔ اُن میں سے ایک ہاتھ میں لوہے کی سلاخ لیے اور ٹوپی کو آنکھوں تک گرائے جا رہا تھا۔ یکایک بھیڑیا ایک جھاڑی میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ ایک شکاری کتا پنجوں کے بل اُس پر ٹوٹ پڑا۔ بوڑھی کتیا بھی آگے بڑھی لیکن لڑکھڑا گئی۔ اتنے میں باقی شکاری کتے بھی آ گئے اور انھوں نے بھیڑیے کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ گر یگر جھپٹتا ہوا گھوڑے سے نیچے اُترا۔ اُس کے ہاتھ میں شکاری چاقو تھا۔

"گلے پر۔۔ گلے پہ۔۔۔۔" لوہے کی سلاخ والا کاسک چلایا۔ گرگیر اُس کی آواز اچھی طرح پہچانتا تھا۔ اُس نے بھیڑیے سے لپٹے ہوئے کتوں کو علیحدہ کیا۔ بھیڑیے کی شہ رگ پر چاقو پھیر دیا۔

"کتوں۔۔ کتوں کو علیحدہ کر دو۔۔ انھیں بھگا دو۔" بوڑھا لسنکی بھی گھوڑے سے کودتا ہوا بولا۔

گرگیر سے کچھ دور ہٹ کر سیٹپن کھڑا تھا۔ وہ لوہے کی سلاخ ہاتھوں میں گھما رہا تھا۔

"کہاں کے رہنے والے ہو تم؟" بوڑھے نے سیٹپن سے سوال کیا۔

"تاتارسک کا۔" سیٹپن نے گرگیر کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔

"تمھارا نام کیا ہے؟"

"استاخوف سیٹپن!"

"کب گھر جاؤ گے؟"

"آج رات کو۔"

"اس لاش کو میرے ہاں پہنچا دو، جو مانگو گے دوں گا۔" لسنکی نے پاؤں سے بھیڑیے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اُس نے مفلر سے قرمزی چہرے کا پسینا پونچھا۔ پھر مڑا اور کمر پر لٹکی ہوئی بوتل اتار لی۔

گرگیر اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا۔ اُس نے رکاب میں پاؤں رکھتے ہوئے مڑ کر دیکھا۔۔ بے اختیارانہ لرزتا ہوا سیٹپن اُس کی طرف آرہا تھا۔ اُس کے وزنی ہاتھ اُس کے سینے پر تھے۔ اُس نے گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔

"گرگیر اب تو تم صحت مند دکھائی دیتے ہو۔" سیٹپن نے کہا

"خدا کرم کرے۔"

"اس کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟"

"کس کے متعلق؟"

"تم دوسرے کی بیوی اغوا کر کے لے گئے ہو.................اب اُس سے من مانی کرا رہے ہو۔"

"چھوڑ دو لگام۔"

"گھبراؤ نہیں، میں تمہیں کچھ نہ کہوں گا، ڈرو نہیں۔"

"میں ڈرتا نہیں ـــ مگر تم یہ گفتگو بند کردو۔"

"میں آج تو تم سے لڑنا نہیں چاہتا.... لیکن میری یہ بات یاد رکھو ایک نہ ایک دن میں تمہیں قتل کر دوں گا۔"

"دیکھا جائے گا۔"

"میری بات یاد رکھنا، بھولنا نہیں۔ تم نے مجھے بے حد ذلیل کیا ہے۔ تم نے میری زندگی بیکار اور بے مصرف کر دی ہے۔ جانتے ہو میں ہل چلا رہا ہوں مگر کس لیے۔ کیا میں یہ سب کچھ اپنے لیے کر رہا ہوں؟ میں اپنا گزارا کر سکتا تھا۔ اب مجھے تنہائی کاٹنے کو دوڑتی ہے۔ تم نے مجھے بے حد ذلیل کیا ہے۔"

"مجھ سے کیوں شکوہ کرتے ہو۔ مجھے ان باتوں کی کیا سمجھ۔ ایک شکم سیر کو بھوکے کی حالت کا کیا اندازہ....."

"ٹھیک کہتے ہو" سیتپن نے ہاں میں ہاں ملائی پھر وہ مسکرایا "مجھے ایک بات کا افسوس ہے۔ جانتے ہو جب دو سال ہوئے آپس میں فساد ہوا تھا؟"

"نہیں ـــ مجھے تو یاد نہیں۔"

"بھول گئے ـــ جب بیاہے ہوؤں سے کنواروں کی دھینگا مشتی ہوئی تھی۔ میں نے تمہارا تعاقب کیا تھا۔ ان دنوں تم دُبلے پتلے تھے۔ میں نے تمہارا لحاظ کیا تھا۔ اگر اس وقت میں نے تم پر وار کیا ہوتا تو تمہیں ٹکڑے کر کے رکھ دیا ہوتا۔ تم بہت تیز دوڑ رہے تھے۔ اگر اس وقت میں تمہاری پسلی میں مُکا مار دیتا تو آج تم زندہ نہ ہوتے۔"

"افسوس نہ کرو۔ شاید ہم پھر کبھی ایک دوسرے کے مقابل ہو جائیں۔"
سٹیپن نے ہتھیلی سے اپنا ماتھا رگڑا۔ وہ گھوڑے کے گرد گھومنے لگا۔ گریگری اُس کی نقل و حرکت کی نگرانی کر رہا تھا۔ سٹیپن کے بائیں ہاتھ میں لگام ابھی تک موجود تھی۔ اُس کی مونچھیں نیچے کی طرف مڑی ہوئی تھیں ٹھوڑی موٹی تھی۔ اُس نے بہت دنوں سے حجامت نہ بنوائی تھی۔ اُس کا میلا چہرہ ناقابلِ اعتبار حد تک رنجیدہ اور افسردہ تھا۔ اُداسی اور بیزاری اُس کے خط و خال سے نمایاں تھی۔ دفعتہً وہ لگام چھوڑ کر پرے ہٹ گیا۔ گریگری نے گھوڑے کے ایڑ لگائی۔
"ٹھہرو ــــ ذرا ٹھہرو ــــ اکسینیا کا کیا حال ہے؟"
گریگری نے چابک سے بوٹ کی گرد جھاڑتے ہوئے جواب دیا "اچھا ہے مزے میں ہے اکسینیا!"
گھوڑا دوڑتے ہوئے اُس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ سٹیپن ٹانگیں پھیلائے کھڑا تھا۔ اور مونچھ کا بایاں سرا ہونٹوں سے چبا رہا تھا۔ ایک لمحے کو گریگری کے دل میں اُس کے لیے ہمدردی کا طوفان امنڈ آیا لیکن رقابت اس ہمدردی پر غالب آ گئی۔ زین پر مڑتے ہوئے بولا "گھبراؤ نہیں، تمھیں تو وہ یاد بھی نہیں کرتی۔"
"واقعی؟"
گریگری نے گھوڑے کے چابک رسید کی اور جواب دیئے بغیر چل پڑا۔

۲

ایسٹر کے اتوار سے پہلی رات آسمان سیاہ بادلوں سے گھرا ہوا تھا۔ بارش ہونے لگی۔ تاتارسک اندھیرے میں ملفوف تھا۔ ڈان سے برف پگھلنے کی آواز آ رہی تھی۔ برف چٹختی ہوئی بہنے لگی تھی اور تین میل کی دوری تک بہہ چکی تھی۔ برفاب کا دھارا دونوں کناروں سے ٹکرا رہا تھا۔ کلیسا کے گھنٹے لوگوں کو پکار رہے تھے۔ ڈان کے پہلے خم کے قریب برف جمی اور رکی پڑی تھی۔ بہتی ہوئی برف کا شور گاؤں تک پہنچ رہا تھا۔ لڑکے کلیسا میں جمع ہو چکے تھے۔ کھلے دروازوں سے

حمد و ثنا کی مدھم آوازیں آ رہی تھیں۔ کلیسا سے باہر اندھیرے میں لڑکے لڑکیوں کا منہ چوم رہے اور ایک دوسرے کو شرمناک کہانیاں سنا رہے تھے۔

ڈان سے پہاڑ کی سرگوشی اور سرسراہٹ کلیسا تک پہنچ رہی تھی۔ جیسے ایک لمبے قد اور بھاری جسم کی عورت ڈھیلا ڈھالا لباس پہنے گزر رہی ہو اور اس کا ان دیکھا لباس سرسرا رہا ہو۔

آدھی رات کو مشکا کارشنف گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار اندھیرے کو چیرتا ہوا کلیسا پہنچا۔ اس نے لگامیں گھوڑے کی ایال سے باندھ دیں اور اس کے چوتڑوں پر تھپڑ رسید کرتے ہوئے اسے گھر کی طرف بھگا دیا۔ چند لمحوں کے لیے وہ اس کی ٹاپوں کی گونج سنتا رہا پھر پیٹی درست کرتے ہوئے کلیسا میں داخل ہوا۔ صحن میں پہنچ کر اس نے سر سے ٹوپی اتار لی، سر جھکا لیا اور عورتوں کو ہٹاتا ہوا منبر کی طرف بڑھا۔ کاسک بائیں طرف اندھیرے میں کھڑے تھے اور دائیں طرف عورتوں کا جھرمٹ تھا۔ مشکا نے باپ کو پہلی قطار میں کھڑے پایا۔ اس نے اسے کہنی سے پکڑ لیا اور آہستہ سے بولا "ابا! ایک لمحے کے لیے باہر آؤ۔"

جب مشکا مجمع میں سے راستہ بناتا ہوا باہر نکلا تو اس کے نتھنے گوناگوں بوؤں سے بھر گئے۔ جلتی ہوئی موم بتی، پسینے سے بھیگے ہوئے زنانہ جسموں کی بو۔ دیر سے بند پڑے ہوئے کپڑوں کی بو جو صرف کرسمس کے موقع پر یا ایسٹر کے دن پہنے جاتے تھے اور دوسرے عطر جن سے وہ خوب شناسا تھا۔ اس نے خوشبوؤں کا گھونٹ بھرا۔

صحن میں مشکا باپ کے کان کے پاس منہ لے گیا اور بولا "نٹالیا مر رہی ہے۔"

۷

ایسٹر کے جمعے کو عورتیں میرون کارشنف کی پڑوسن پیلاگی مینڈانیکف کے گھر جمع ہوئیں۔ یونہی خوش گپیاں ہانکنے کے لیے۔ اس کے شوہر گاوریلا نے لکھا تھا کہ وہ ایسٹر کے دنوں میں چھٹیوں پر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پیلاگی نے دیواروں پر سفیدی کی تھی اور ایسٹر کے پیر سے پہلے ہی گھر کی درستی کر لی تھی۔ جمعرات کے بعد سے وہ اس کا شدید انتظار کرنے لگی۔ وہ بار بار باڑ تک

جاتی۔ طویل القامت اور سیدھے بالوں والی پیلاگی اپنا پھولا ہوا پیٹ لیے اضطراب کا اظہار کر رہی تھی۔ آنکھوں پر ہتھیلی کا سایہ کیے سڑک کی جانب بیقراری سے دیکھتی۔ شاید وہ آ رہا تھا! اُس کا پاؤں بھاری تھا مگر جائز طور پر ــــــ گاوریلا پچھلے سال چار راتیں بیوی کے پاس رہ سکا تھا۔ پانچویں رات اُس نے شراب بدمستی کی حد تک پی لی۔ صبح اُٹھ کر وہ اپنے آپ کو گالیاں دیتا ہوا پولینڈ روانہ ہو گیا تھا۔ اُسی دن سے پیلاگی لہنگے کا پھیر تنگ ہوتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

آج اُس نے نتاتیا کو بتایا کہ وہ کیونکر حاملہ ہوئی " گاوریلا کے آنے سے پہلے میں نے ایک خواب دیکھا تھا ..... میں چراگاہ میں سے گزر رہی تھی۔ میں نے اپنی بوڑھی گائے دیکھی جو ہم نے گزشتہ اگست میں بیچ دی تھی۔ وہ چراگاہ میں ٹہل رہی تھی اور دُودھ اُس کے تھنوں سے بہہ رہا تھا۔ میں نے دل میں اپنے آپ کو بُرا بھلا کہا۔ آج میں نے شاید بری طرح دوہا ہے۔ صبح بوڑھی دراز دکھا اینڈ صبح پینے آئی تو میں نے اُسے خواب سُنایا۔ اُس نے مجھے بتایا کہ موم بتی کا ٹکڑا لے کر اُسے کہیں گوبر میں دبا دو۔ کیونکہ مصیبت ہمارے گھر میں داخل ہونے کا راستہ ڈھونڈ رہی تھی میں اُس کے حکم کی تعمیل کے لیے دوڑی۔ لیکن موم بتی کا ٹکڑا نہ ملا۔ میرے پاس موم بتی تو تھی لیکن میرے خیال میں اُسے لڑکے باکتے اُٹھا لے گئے تھے۔ اتنے میں گاوریلا آیا اور ساتھ ہی مصیبت بھی۔ اب میری طرف دیکھو کہ میں کیا بن گئی ہوں "۔ اُس نے اپنا پیٹ سجایا۔

پیلاگی انتظار سے گھبرا گئی تھی اسی لیے اُس نے عورتوں کو اپنے ہاں دعوت دی تھی ــ عورتیں بھی شام گزارنے کے لیے چلی آئی تھیں۔ نتاتیا موزہ بُنتی ہوئی چلی آئی تھی۔ وہ دادا کے لیے جرابیں بُن رہی تھی۔ کیونکہ دادا کو سردی زیادہ لگتی تھی۔ وُہ آج خوش تھی۔ جب عورتیں کوئی مذاق کرتیں تو زور سے قہقہہ لگاتی۔ پیلاگی بدمزاج فروسیا کے قریب بیٹھی تھی۔

" تم نے اپنے شوہر کو کس طرح پیٹا تھا فروسیا ؟ " اُس نے سوال کیا۔

" تمہیں نہیں معلوم ؟ سر پر بیٹھ پر جہاں میرا ہاتھ چلا "

" میرا مطلب یہ نہیں ــــ کیوں پیٹا تھا اُسے تم نے ؟ "

"میں مجبور ہو گئی تھی۔"

"اگر تم اپنے شوہر کو کسی دوسری عورت کے ساتھ دیکھ لو تو تم — خاموش رہ سکتی ہو؟"
ایک طویل القامت عورت نے پوچھا۔

"سارا قصہ سناؤ فروسیا!"

"کوئی بات بھی ہو۔"

"ڈرو — نہیں ، ہم سب آپس میں سہیلیاں ہیں۔"

سورج مکھی کا بیج تھوکتے ہوئے فروسیا مسکراتے ہوئے بولی "ایک مدت سے میری
نظر اُن کے تعلقات پر تھی۔ ایک دن مجھے کسی نے بتایا کہ ڈان کے کنارے کی ایک فاحشہ عورت
مل کے پاس اُس کے ساتھ ہے۔ میں گئی تو ان دونوں کو ......"

"تمہارے شوہر کی کوئی خبر آئی نتالیا؟" ایک عورت نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔

"وہ گوڈ نو میں ہے۔"

"اُس کے ساتھ رہنا چاہتی ہو کہ نہیں!"

"یہ تو چاہتی ہے وہی نہیں چاہتا" بیلا گی بیچ میں کود دی۔

نتالیا کا چہرہ تمتما اُٹھا — وہ اپنے موزے پر جھک گئی اور اُس نے کنکھیوں سے
عورتوں کی طرف دیکھا۔

یہ جانتے ہوئے کہ وہ ندامت کو نہیں چھپا سکتی۔ اُس نے جان بوجھ کر اُون کا گولہ
لڑھکا دیا۔ پھر جھک کر فرش پر اُسے انگلیوں سے ٹٹولنے لگی۔

"بھول جا اُسے نتالیا! وہ تو تیرے گلے کا طوق ثابت ہوگا" ایک عورت نے ہمدردی کا
اظہار کیا۔ نتالیا کا مصنوعی استقلال ہوا میں اُڑتی ہوئی چنگاری کی طرح معدوم ہو گیا۔ عورتوں کی
گفتگو طعن و تشنیع کے کچوکوں اور فقروں میں تبدیل ہو گئی۔ نتالیا خاموشی سے جراب بنتی رہی۔ عورتوں
کی جماعت کے منتشر ہونے تک وہ بندھی بیٹھی رہی۔ اُس کی ندامت نے اُسے مجبور کر دیا کہ وہ

خفیہ طور پر اپنے شوہر کو ایک خط لکھے۔ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ آیا وہ ہمیشہ کو اُسے چھوڑ چکا ہے کہ ارادہ بدل رہا ہے۔ جب وہ گھر پہنچی تو اُس نے بوڑھے دادا کو اپنے چھوٹے سے کمرے میں پایا۔ انجیل پڑھ رہا تھا جس کی جلد پر چکناہٹ لگ چکی تھی۔ چکناہٹ کی تہ روز بروز موٹی ہوتی جا رہی تھی۔ اُس کا باپ باورچی خانے میں جال کی مرمت کر رہا تھا۔ نتالیا جاکٹ اُتار کر کمرے میں اِدھر اُدھر چکر لگانے لگی۔

"دادا۔ تمھارے پاس کاغذ ہوگا؟"

"کیسا کاغذ؟"

"یہی لکھنے کا کاغذ۔"

بوڑھے نے چٹائی کے نیچے سے ایک میلا کچیلا کاغذ کا ٹکڑا نکالا۔

"پنسل بھی ہے؟"

"اپنے آبا سے جا کر لے لے۔ جا اب مجھے زیادہ تنگ نہ کر۔"

اُس نے آبا سے پنسل مانگی اور میز کے گرد بیٹھ کر لکھنے لگی۔ وہ خیالات کو جمع کرنے لگی۔ اُس کا دل ایک نامعلوم تکلیف سے ٹکڑے ٹکڑے ہوا جا رہا تھا۔

"پیارے گریگر ــــــ!

مجھے بتاؤ کہ اب میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ کیونکر زندہ رہوں؟ میری زندگی تباہ ہو چکی ہے کہ نہیں؟ تم گھر سے چلے گئے اور مجھ سے بات تک نہ کی۔ میں نے تمھارا کیا بگاڑا ہے؟ میں اس انتظار میں تھی کہ تم میرے بندھن توڑ دو گے لیکن تم جا چکے ہو اور ایک قبر کی طرح خاموش ہو۔ میرا خیال تھا کہ تم غضب آلود ہو کر اور جذبات کی رَو میں چلے گئے ہو۔ میں تمھاری واپسی کی منتظر رہی۔ میں تمھیں ایک دُوسرے سے جدا نہیں کرنا چاہتی۔ بہتر یہی ہے کہ ہم دونوں میں سے ایک راستے سے ہٹ جائے۔ مجھ پر رحم کھاتے ہوئے خط کا جواب دو۔ تمھارے جواب سے میں اپنے اقدام کا فیصلہ کر سکوں گی لیکن اس وقت تو میں دوراہے پر کھڑی ہوں۔

مجھ سے ناراض نہ ہونا گریگر ــــ مسیح کا واسطہ!

بدنصیب نتالیا"

دوسرے دن اُس نے گیتکا کو واڈکا پلانے کا وعدہ کر کے رضامند کر لیا کہ وہ اس خط کو لے کر گریگوڈور روانہ ہو جائے۔ نشے پانی کے وعدے سے مست ہو کر گیتکا یگوڈور پہنچا۔ وہ دوپہر کو واپس آیا۔ اُس نے جیب سے کھانڈ لپیٹنے کا نیلا کاغذ برآمد کرتے ہوئے نتالیا کو اشارہ کیا۔

"سڑک بیحد خراب تھی۔ وہ ہچکولے لگے ہیں کہ پسلیوں میں درد ہو رہا ہے۔"

نتالیا نے خط پڑھا اور اُس کا رنگ زرد پڑ گیا۔ صرف چار حرف لکھے ہوئے تھے۔ وہ لفظ اُس کے دل پر چھری کی طرح لگے۔

"تمہارا ہو ــــ گریگر میلیخوف"

نتالیا بے سُدھ ہو کر بستر پر گر پڑی۔ اُس کی طاقت اُسے جواب دے رہی تھی۔ اُس کی ماں انگیٹھی سلگا رہی تھی تاکہ ایسٹر کا کیک تیار کر سکے۔

"نتالیا! آؤ میری مدد کرو۔"

"میرے سر میں درد ہے ماں۔ میں کچھ دیر کے لیے سونا چاہتی ہوں۔"

"اچھے وقت درد چھڑا ہے تمہارے۔" اُس کی ماں بڑبڑائی۔

نتالیا نے خشک زبان ہونٹوں پر پھیری مگر کوئی جواب نہ دے سکی۔

۸

وہ شام تک لیٹی رہی۔ اُس نے سر پر گرم شال لپیٹ رکھی تھی۔ اُس کے بدن میں ہلکا سا لرزہ پیدا تھا۔ میرون اور بوڑھا گریشا کا کلیسا جانے کی تیاریوں میں تھے۔ وہ اُٹھی اور باورچی خانے میں داخل ہوئی۔ اُس کی پیشانی کے بالوں میں پسینے کے موتی جھلک رہے تھے۔ آنکھیں دھندلائی تھیں۔

میرون نے پتلون کے بٹن لگاتے ہوئے بیٹی کی طرف دیکھا "نتالیا! تم علیل دکھائی دیتی ہو۔ آؤ، ہمارے ساتھ نماز کو گرجے چلو۔"

"تم جاؤ، میں بعد میں آؤں گی۔" اُس نے جواب دیا۔

مرد چلے گئے۔ ماں اور بیٹی باورچی خانے میں رہ گئیں۔ نتالیا بار بار بستر تک جاتی اور کپڑوں کے صندوق کی جانب حسرت سے تکتی۔ خدا جانے وہ کس سوچ میں تھی۔ ماں نے خیال کیا کہ وہ لباس کے انتخاب میں سرگرداں ہے۔ اُس نے مادرانہ شفقت کا اظہار کرتے ہوئے کہا

"میرا نیلا لہنگا پہن لو، تمہارے بالکل ٹھیک آئے گا۔۔۔ کیا میں لا دوں؟"

"نہیں، میں یہی پہن کر جاؤں گی" نتالیا نے اپنا سبز لہنگا اُٹھاتے ہوئے کہا۔ پھر اُسے دفعتاً یاد آیا کہ جب گریگو پہلی مرتبہ دولھا بن کر اُن کے ہاں آیا تھا تو وہ یہی لہنگا پہنے ہوئے تھی۔ نتالیا صندوق پر جھک گئی۔ اس نے سینہ ڈھکنے سے لگا دیا۔ اُس کی ماں نے کہا:

"کیا بات ہے نتالیا؟"

"میری طبیعت اچھی نہیں۔"

"نتالیا! میں دیکھ رہی ہوں۔۔۔۔۔"

"کیا دیکھ رہی ہو۔۔۔؟" وہ سبز لہنگا انگلیوں میں لپیٹتی ہوئی بے تابی سے چلائی۔

"دیکھ رہی ہوں کہ تم بہت بیمار ہو۔ تمھیں شوہر کی ضرورت ہے۔"

"رہنے دو۔۔۔ میں یہ باتیں بہت سن چکی ہوں۔"

وہ کمرے میں کپڑے تبدیل کرنے گئی اور جلد ہی تیار ہو کر باہر آ گئی۔ اُس کے چہرے پر نیلی زردی اور رخساروں پر اُداس سی چمک تھی۔

"تم جاؤ، میں ابھی تیار نہیں" ماں نے کہا۔

نتالیا آستین میں رومال رکھ کر باہر نکل گئی۔ اُس کے نتھنوں میں پگھلتی ہوئی برف کی خوشبو بھری ہوئی تھی۔ وہ لہنگا ہاتھ سے سنبھالے گرجے میں داخل ہوئی۔ راستے میں اُس نے پاس سے عمدہ برتاؤ ہونے کی کوشش کی لیکن اُس کے خیالات کھانڈ لپیٹنے کے کاغذ پر مرقوم الفاظ کی طرف جاتے تھے۔ گریگو کا اور اس کے ساتھ رہنے والی عورت کا مبتسم چہرہ اُس کا مذاق اُڑاتا

دکھائی دیتا تھا۔

جیسے ہی اُس نے گرجے کے دروازے میں قدم رکھا چند لڑکے اُس کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ "کون ہے؟" ایک بولا۔

"نتالیا کارشلف۔"

"سنتے ہیں کہ بدچلن ہے۔ جبھی تو اُس کا شوہر اُسے چھوڑ کر چلا گیا ہے۔"

"یہ بات نہیں۔ یہ اپنے خسر کے ساتھ رہنے لگی ہے۔ وہی لنگڑا سپنٹیمون۔"

"اچھا — جبھی گریگر گھر سے بھاگ گیا۔"

ناہموار پتھروں پر یہ باتیں سن کر نتالیا لڑکھڑائی۔ وہ دل میں سینکڑوں نشتر لیے ہوئے گرجے کے برآمدے میں پہنچی۔ جب وہ گھر واپس ہونے کے لیے مڑی تو لڑکیوں نے قہقہہ لگایا۔ وہ شرابیوں کی طرح جھومتی جھامتی گھر کی طرف لپکی اور اُس نے صحن کے پھاٹک کے پاس آ کر سانس لیا۔ وہ دانتوں سے ہونٹ کاٹتی رہی تھی، اب اُن سے خون نکل رہا تھا۔ اندھیرے میں سائبان کا کھلا ہوا دروازہ اُس کا منہ چڑا رہا تھا۔ ایک خوفناک عزم کی نیت سے اُس نے کھوئی ہوئی طاقت بحال کی۔ سائبان کے کھلے ہوئے دروازے میں داخل ہو گئی۔ سائبان خشک اور خنک تھا۔ وہ کونے میں پہنچ کر کچھ ٹٹولنے لگی۔ اُس نے درانتی اُٹھائی اور گردن کو پیچھے کی طرف ڈال کر اُس کی نوک پوری طاقت سے حلق میں بھونک لی۔ وہ دھم سے زمین پر گر پڑی۔ اُسے افسوس ہوا کہ وہ اپنے ارادے میں ناکام رہی۔ وہ پھر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ اُس کے سینے پر حلق سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ کانپتی ہوئی انگلیوں سے اُس نے جاکٹ کے بٹن کھولے۔ ایک ہاتھ سے اُس نے پوری تنی ہوئی چھاتی ایک طرف کی اور دوسرے ہاتھ سے فرش پر پڑی ہوئی درانتی ٹٹولی۔ وہ گھٹنوں کے بل کھسک کر مٹی کی دیوار کے پاس آ گئی۔ ا.. درانتی کے دستے کی طرف کا حصہ دیوار میں داخل کر دیا۔ وہ ہاتھ سر سے اونچے

لے گئی اور نوک پر جسم کا دباؤ ڈالنے لگی۔ وہ دباؤ مضبوط کرتی گئی۔ چٹانی کونے آگے آگے اور بھی آگے لے جاتی رہی..... بند گوبھی کی طرح کٹتے ہوئے گوشت کی آواز اُس کے کانوں میں آئی۔ اس کے سینے سے درد کی بے پناہ ٹیسیں حلق تک جاتی ہوئی محسوس ہوئیں پھر....

باورچی خانے کے دروازے تک پہنچ کر لیو کھنیا شاتلیا کی ماں سیڑھیاں ٹٹولنے لگی۔ گرجے کی گھنٹیوں کی آواز آرہی تھی۔ ڈان کی رقص کرتی ہوئی موجوں کا شور اس آواز میں شامل ہو رہا تھا۔ مسرت سے دندناتا ہوا دریا پگھلی ہوئی برف بحیرۂ آزف کے سپرد کرنے جا رہا تھا۔

بارہ

۱

ایکسینیا نے چھٹے مہینے میں گریگر سے اپنے حاملہ ہونے کا اقرار کیا۔ اب اس میں یہ راز چھپانے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ اس نے خاموشی سے محض اس واسطے کام لیا تھا کہ اسے خدشہ تھا گریگر کبھی اعتبار نہ کرے گا کہ بچہ اس کا ہے۔

ایک شام کو گھبراہٹ میں اس نے اقرار کر ہی لیا۔ اس کی نگاہیں اس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ خط وخال کے اتار چڑھاؤ سے اس کے جذبات کا اندازہ کرنا چاہتی تھی مگر اس نے منہ کھڑکی کی طرف کر لیا اور کھانسنے لگا۔

"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟" اس نے مطالبہ کیا۔

"میں ڈرتی تھی گریگر کہ تم مجھے کہیں چھوڑ نہ دو۔۔۔۔"

"کتنے دن باقی ہیں؟"

"شاید اگست کے پہلے ہفتے میں آجائے۔"

"سٹیپن کا ہے؟"

"نہیں ــــ تمھارا۔"

"یہ تو تم کہہ رہی ہو۔"

"یقین نہیں تو دن گن لو۔۔۔۔ لکڑیاں کاٹنے کے دنوں سے ہے۔"

"جھوٹ نہ بولو ایکسینیا! اگر یہ سٹیپن کا بھی ہو تو اب تم کہیں جانے سے رہیں۔"

ایکسینیا غصّے سے روتی ہوئی بولی "میں برسوں سے اس کے ساتھ رہ رہی ہوں اور

کوئی بچہ نہ ہوا۔ تم خود ہی خیال کرو، میں کوئی بانجھ عورت تھوڑی ہوں ــــ پچھلے برسوں میں مجھے کچھ کیوں نہ ہوا؟"

اس دلیل نے گرنگجہ کو خاموش کر دیا مگر اس کے رویے میں ایک نئی قسم کی مضحکہ خیز ہمدردی آگئی۔ اکسینیا سے اس کے برتاؤ میں نمایاں فرق آگیا مگر وہ اپنے آپ میں مست رہی۔ اسے کسی کی نوازش کی ضرورت نہ تھی۔ حمل نے اس کی خوبصورتی زائل کر دی تھی لیکن اس کے متناسب جسم میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ اس کا چہرہ دبلا ہو گیا تھا مگر اس میں ایک نیا حسن پیدا ہو گیا تھا۔ وہ باورچن کے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتی رہی۔ خصوصاً ان دنوں جب کھیت پر بہت کم مزدور کرایے پر بلوائے گئے تھے۔

۲

الوتین نے گرنگجہ کو حسبِ وعدہ کیمپ کی تربیت سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔ گرنگجہ فصل بیچنے کا کام کرتا اور کبھی کبھی بوڑھے لسنتکی کو مرکزی ضلع میں لیجاتا رہا۔ اس کا باقی وقت شکار میں صرف ہوتا۔ آرام دہ زندگی اسے تباہ کرنے لگی۔ وہ سست اور فربہ اندام ہو گیا اور اصلی عمر سے زیادہ بوڑھا معلوم ہونے لگا۔ اسے اگر کوئی فکر تھی تو وہ مستقبل کی فوجی خدمت تھی۔ نہ اس کے پاس ساز و سامان تھا نہ گھوڑا۔ اسے باپ سے کوئی توقع نہ تھی۔ وہ تنخواہ بچا رہا تھا اور تمباکو پر بھی ایک آدھی خرچ نہ کرتا تھا۔ وہ باپ سے گھوڑا مانگنے کے بجائے خود خریدنا چاہتا تھا۔ بوڑھے لسنتکی نے بھی امداد کا وعدہ کیا تھا۔ گرنگجہ کا یہ یقین کہ اس کا باپ اسے کچھ نہ دے گا جلد ہی پختہ ہو گیا۔ جون کے آخر میں اس کا بھائی پیوترا اس سے ملنے آیا۔ گفتگو کے دوران میں اس نے اسے بتایا کہ اس کا باپ اس پر سخت ناراض ہے۔ وہ کہتا تھا کہ اسے گھوڑا ہرگز نہ دے گا۔ "اسے چاہیے کہ مقامی حکام سے گھوڑا طلب کرے۔ اس کے لیے میرے پاس کوئی گھوڑا نہیں" اس نے کہلا بھیجا تھا۔

"اسے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ میں فوجی خدمت کے لیے اپنے گھوڑے پر جاؤں گا ــــ

اپنے گھوڑے پر" گریگر پیوٹرا سے مخاطب ہوا۔

"مگر گھوڑا لاؤ گے کہاں سے ؟" پیوٹرا نے پوچھا

"کہیں سے لاؤں ۔۔۔ بھیک مانگ کر یا چرا کر مگر ہو گا میرا ذاتی گھوڑا"۔

"شاباش بہادر!"

"میں گھوڑا تنخواہ سے خرید وں گا۔" گریگر سنجیدہ ہو گیا۔

پیوٹرا، گریگر سے اس کی ملازمت کی تفصیلات پوچھ رہا تھا۔ جب اسے تمام معلومات حاصل ہو چکیں تو وہ لوٹنے کے لیے اٹھا اور بھائی سے کہا "تمھیں چاہیے کہ واپس آجاؤ، پتھر کی دیوار سے سر ٹکرانے میں کوئی فائدہ نہیں۔"

"میرا ایسا ارادہ نہیں۔"

"کیا ابھی تک اس سے چمٹے رہنے کا جنوں ہے ؟"

"کس سے ؟"

"اکسینیا سے۔"

"ہاں ۔۔۔ مگر تم پوچھتے کیوں ہو ؟"

"یونہی ۔۔۔ مجھے اس میں دلچسپی جو ہوئی۔"

جب گریگر گھوڑی دو زنک بھائی کو چھوڑنے آیا تو اس نے پوچھا "گھر میں سب خیریت ہے نا ؟"

پیوٹرا نے گھوڑی عنان سے کھولتے ہوئے کہا "تمھیں گھر کی کیا فکر ۔۔۔ تمھارے گھر تو خرگوش کے بلوں سے بھی زیادہ ہیں" پیوٹرا ہنسا "تمھاری ماں تم سے ملنے کے لیے تڑپ رہی ہے۔ ہم گھاس لے آئے ہیں۔ تین چھکڑے بوجھ۔"

گریگر نے پیوٹرا کی گھوڑی کا معائنہ کرتے ہوئے پوچھا "اس سال بچھڑا نہیں دیا اس نے ؟"

"اس سال تو بانجھ رہی ہے کمبخت ! لیکن وہ گھوڑی، جسے ہم نے کرسٹونیا سے دیا تھا، بچھڑا دے چکی ہے۔ وہ بڑا ہو کر بہت اچھا گھوڑا بنے گا۔"

گریگر نے سرد آہ کھینچی "میں گاؤں کے لیے تڑپ رہا ہوں پیوترا!" وہ بولا "ڈان مجھے یاد آتا ہے۔ یہاں تو پانی بہتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ خشکی اور ویرانی ہے یہاں۔"

"ایک دن ہم سے ملنے کے لیے آجاؤ۔"

"شاید کسی دن آؤں۔"

"بہت اچھا، خدا حافظ!"

"سفر بخیر" گریگر بولا۔

پیوترا احاطے سے باہر جا چکا تھا۔ جب اُسے کچھ یاد آیا تو اُس نے گریگر کو، جو ابھی سیڑھیوں پر کھڑا تھا، پاس بلایا۔

"نتالیا — میں بھول گیا تھا۔ بدقسمتی ......"

ہوا کی تیزی میں اُس کے الفاظ پوری طرح سنائی نہ دیے۔ ہوا وہ جملہ اڑا کر لے گئی۔ پیوترا اور اُس کی گھوڑی گردوغبار میں گم ہو گئے۔ گریگر کندھے جھٹکاتا ہوا اصطبل سے باہر آ گیا۔

۳

گرمی خشک تھی۔ بارش ہوتی مگر کبھی کبھی۔ غلہ وقت سے پہلے پک گیا۔ رائی پکی اور جو بھی تیار ہو گئے۔ گریگر اور دوسرے مزدور مسلسل چار دن تک مصروف کار رہے۔

الکسینیا اُس دن کام جلد ختم کر چکی تھی۔ اُس نے گریگر سے کہا کہ اُسے لے چلے۔ گریگر کے منع کرنے پر بھی اُس نے رومال باندھ لیا اور گاڑی میں سوار ہو گئی جس میں مرد چڑھ رہے تھے۔

وہ خوشی کی تقریب جس کے الکسینیا اور گریگر منتظر تھے، فصل کی کٹائی کے دوران میں آ گئی۔ آثار بھانپتے ہوئے الکسینیا نے جلی ایک طرف پھینک دی اور وحشت زدہ لیٹ گئی۔ وہ زمین پر چت لیٹی رہی۔ دردِ زہ چھڑ چکا تھا۔ مزدور کٹائی کی مشین پر سوار اُس کے گرد چکر لگانے لگے جب وہ اُس کے پاس سے گزرے تو اُن میں سے ایک بولا "کہاں سینکنے کے لیے پڑی ہو۔ اُٹھ کر کھڑی ہو جاؤ ورنہ پگھل جاؤ گی۔"

گرنگیر نے اپنی جگہ ایک اور آدمی کو لگاتے ہوئے ایکسینیا کے قریب آکر سوال کیا "کیوں کیا ہوا؟"

"وقت آگیا....."

"میں نے تم سے کہا تھا کہ گھر رہو۔ بتاؤ اب کیا کریں؟"

"ناراض نہ ہو گرنگیر۔۔۔۔۔! پیارے گرنگیر! گاڑی میں گھوڑے جوت کر مجھے گھر لے چلو میں یہاں کیونکر۔۔۔۔ ان کاسکوں کے درمیان....." وہ درد کے مارے کراہ رہی تھی۔

گرنگیر گھوڑے کی طرف دوڑا۔ وہ کچھ فاصلے پر گھاس چر رہا تھا۔ اتنے میں کہ وہ گھوڑا لے کر آیا، ایکسینیا نے درد ناقابل برداشت پاکر سر ہمک کے گرد آلود گٹھے میں دے دیا اور درد کے باعث جو بالیں چبا رہی تھی انہیں تھوک دیا۔ اُس نے گرنگیر کو دھندلی آنکھوں سے دیکھا۔ اُس نے دانتوں میں رومال لے لیا تاکہ مزدور اُس کی تکلیف کا راز نہ پا سکیں۔

گرنگیر نے اُسے گاڑی میں ڈال دیا اور بجلی کی سی تیزی سے جاگیر کی طرف روانہ ہوا۔

"جلدی نہ کرو.....اوہ موت!.....تم ہلائے ڈالتے ہو.....مجھے"..... ایکسینیا چیخ رہی تھی۔

گرنگیر نے لگامیں ڈھیلی چھوڑ رکھی تھیں اور گھوڑوں پر لگاتار چابک برسا رہا تھا۔ ایکسینیا گال ہتھیلیوں میں دبائے اور آنکھیں گھماتے ہوئے گاڑی میں ادھر اُدھر اُچھل رہی تھی۔ سڑک ناہموار تھی۔ بُری طرح ہچکولے لگ رہے تھے۔ گرنگیر گھوڑے کو سرپٹ دوڑائے لیے جا رہا تھا۔ ایکسینیا ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئی تھی۔ پہیے کھڑکھڑا رہے تھے۔ اُس کا سر گاڑی کے تختے سے ٹکرا رہا تھا۔ پہلے پہل تو گرنگیر اُس کی خاموشی سے مرعوب نہ ہوا۔ پھر اُس نے خطرہ محسوس کیا۔ اُس نے مڑ کر دیکھا۔ ایکسینیا ہاتھ پاؤں چھوڑ کر لیٹی ہوئی تھی۔ اُس کے چہرے پر شدید تکلیف اُبھر آئی تھی۔ گال گاڑی کے پہلو میں گھسے ہوئے تھے۔ جبڑے پانی سے باہر پھینکی ہوئی مچھلی کی طرح لرز رہے تھے۔ پیشانی سے پسینا ٹپک رہا تھا۔ ایکسینیا بولی "میں

مرجاؤں گی گریگر ۔۔۔ ! کیسے دیتی ہوں کہ مرجاؤں گی ؟"

گریگر کپکپا اٹھا۔ اُس کی رگوں میں برف پگھلتی ہوئی دکھائی دی۔ خوفزدہ ہو کر اُس نے حوصلہ افزائی کے الفاظ ڈھونڈنے چاہے مگر اُسے الفاظ نہ ملتے تھے۔ اُس کے کانپتے ہونٹوں سے صرف یہی جملہ نکل سکا۔

"جھوٹ بول رہی ہے جھوٹ ...... اکسینیا ! میری پیاری کیوتری !" اُس نے اُس کا پاؤں ہلا دیا۔

اکسینیا کا درد دوگنا دلدوز ہو کر لوٹ آیا۔ اُس کے پیٹ کے نیچے کوئی عمل جراحی کر رہا تھا۔ اکسینیا نے ایک دلدوز چیخ ماری۔ گریگر نے گھوڑے پہ چابک برسایا۔

"اوہ ..... آہ !" اکسینیا درد سے چلائی۔

چند لمحوں کے بعد اکسینیا مدہم آواز میں پکار اٹھی ۔۔۔ "گریگر !"

اُس نے گھوڑے روک لیے اور پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اکسینیا خون میں نہائی ہوئی تھی۔ اُس کے ہاتھ لٹک گئے تھے اور لہنگے میں ایک ننھی سی جان متحرک تھی۔ گریگر نے گاڑی سے چھلانگ لگا دی اور اُس کے پیچھے آ گیا۔ اکسینیا کہہ رہی تھی "جلدی کرو آنت کاٹ کر سوتی کپڑے سے باندھ دو۔ قمیص پھاڑ لو" اس نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے آنکھیں بند کرتے اور آستین سے چیتھڑا پھاڑتے ہوئے آنت کاٹ دی اور خون میں لتھڑے ہوئے سرے کو سوتی چیتھڑے سے کس کر باندھ دیا۔

۴

یگوڈنوکی جاگیر ایک کھلی وادی میں واقع تھی۔ جنوب اور شمال سے ہوا بلا روک ٹوک چلتی تھی۔ گرمیاں آگ برساتیں۔ خزاں میں درختوں سے پتے جھڑ کر گھاس پر گرتے۔ سردی اس پہ جھولیاں بھر کر برف پھینکتی۔ لیکن جاگیر استحکام کا ثبوت دیتی ہوئی یہ تمام مصائب سہہ لیتی۔ ان اونچی ویلاؤں پر سے جنھوں نے اس جاگیر کو باقی دنیا سے علیحدہ کر رکھا تھا، روز بروز دھوپیں ڈھلتی

چلی گئیں۔

کھیت کے احاطے میں بطخیں، مرغیاں بکھری رہتیں اور اصطبل کی چھت پر مور ناچتے۔ بوڑھا جوزیل ہر قسم کے جانور کا شائق تھا۔ یہ قلینچ کونجیں بھی پالتا۔ نومبر میں جب کونجیں جنوب کی طرف اُڑتی ہوئی جاتیں اور جب وہ کونجیں ان کی پکار سنتیں تو اُن کے بازو پھڑپھڑا کر رہ جاتے۔ بوڑھا جوزیل اُنھیں کھڑکی میں سے اُڑنے کی کوشش کرتے دیکھتا اور ان کی بے بسی پر ہنستا مگر اُس کی ہنسی دیواروں سے ٹکرا کر رہ جاتی۔

یگوڈنو کے قیام میں گریگری کی نیند صرف دو واقعے اُڑا دیتے تھے۔ ایک تو اکسینیا کی زچگی اور دوسرے انعامی سارس کی گم شدگی۔ یگوڈنو کے ملازم بچے کے رونے دھونے کے خوگر ہو چکے تھے۔ اُنھوں نے سارس کے پر چراگاہ میں پائے تھے اور خیال کر لیا تھا کہ کوئی لومڑی اُسے اُٹھا کر لے گئی۔

دسمبر میں ایک دن گریگری کو وشینسکا کی ضلع کچہری میں بلایا گیا۔ وہاں اُسے سَو روبل گھوڑا خریدنے کے لیے دیئے گئے۔ اُسے حکم ملا کہ کرسمس کے دو دن بعد وہ منکافو کی نئی فوجی بھرتی میں جا کر حاضر ہو جائے۔

وہ بڑی پریشانی کی حالت میں یگوڈنو واپس آیا۔ کرسمس کا دن قریب تھا۔ اُس کے پاس کچھ بھی تیار نہ تھا۔ اپنی بچائی ہوئی رقم اور سرکار کی طرف سے ملے ہوئے سو روبل سے اُس نے ایک بہت عمدہ گھوڑا خریدا۔ وہ ساشکا کو ہمراہ لے گیا تھا۔ بوڑھے ساشکا نے اُس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا "اس سے اچھا اور سستا گھوڑا ملنا محال ہے۔ اس میں جو ذرا سا نقص ہے کیسے حکام پہچان نہ سکیں گے۔ وہ اتنے ماہرِ فن نہیں ہوتے"

گریگری اس گھوڑے پر چڑھ کر یگوڈنو آیا۔ راستے میں وہ اس کے قدموں کی آزمائش کرتا آیا تھا۔

کرسمس سے ایک ہفتہ پہلے پنٹیلیمون، گریگری سے ملنے آیا۔ وہ احاطے میں داخل نہ ہوا۔ اُس نے پھاٹک ہی پر گھوڑا باندھ دیا۔ وہ لنگڑاتا ہوا غلام گردش میں داخل ہوا۔ کھڑکی میں سے گریگری نے باپ کو آتے دیکھا اور گھبراہٹ کے عالم میں بولا: "میں یہاں ہوں...... آبا ہیں!...."

ناجانے دل میں کیا کیا خیال لیے ہوئے الیکسینیا پنگوڑے کی طرف لپکی اور بچے کو کپڑوں میں لپیٹنے لگی۔ پنٹیلیمون داخل ہوا۔ اُس نے کمرے میں نگاہ دوڑائی اور تکونی ٹوپی سر سے اتار لی۔

"خدا صحت دے۔"

"صبح بخیر ابا" گریگر نے جواب دیا اور بنچ سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

پنٹیلیمون نے سرد ہاتھ پیش کیا وہ بنچ کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ بھیڑ کی کھال بخوبی اپنے اوپر لپیٹ لی۔ اُس نے الیکسینیا کی طرف بالکل نہ دیکھا "فوجی خدمت کے لیے تیار ہو رہے ہو؟"

"ہاں۔"

پنٹیلیمون خاصی دیر تک خاموش رہا۔ اُس کی خاموشی سوال بنی ہوئی تھی۔

"کوٹ اُتار لو ابا اور ہم سماوار گرم کرتے ہیں۔"

"شکریہ" پنٹیلیمون نے کوٹ سے کیچڑ کا داغ جھاڑتے ہوئے کہا "میں تمھارا سامان لایا ہوں۔ دو کوٹ، ایک زین اور پتلون۔ گاڑی میں پڑے ہیں۔"

گریگر باہر سے دو تھیلے اُٹھا لایا جب وہ واپس آیا تو اُس کا باپ بنچ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"کب جاؤ گے؟"

"کرسمس کے دُوسرے دن۔ تم واپس تو نہیں جا رہے ہے؟"

"مجھے جلد واپس جانا ہے۔"

اُس نے گریگر سے اجازت چاہی۔ وہ ابھی تک الیکسینیا سے آنکھ نہیں ملا رہا تھا۔ اُس نے چٹکنی کھولتے ہوئے پنگوڑے کی طرف دیکھا اور بولا "تمھاری ماں نے تمھیں دعا دی ہے۔ اُس کی ٹانگوں میں درد ہے۔ وہ بستر پر پڑی ہے اُس دن میں تمھارے ساتھ منکا فو تک چلوں گا۔ میرے آنے سے پہلے تیار رہنا" وہ موٹے ہاتھ دستانوں میں ڈالتا ہوا باہر نکل آیا۔ الیکسینیا ندامت کے مارے زرد پڑ چکی تھی۔ اُس کی تذلیل کی گئی تھی، اس لیے وہ خاموش رہی۔ گریگر نے باپ کا تعاقب کیا، جو الیکسینیا کو کنکھیوں سے دیکھتا ہوا چل رہا تھا۔

۵

کرسمس کے دن گریگر اپنے مالک کو گاڑی میں ویشنیسکا لے گیا۔ بوڑھے لسنتکی نے اپنے چچیرے بھائی کے ہاں ناشتا کیا پھر گریگر کو حکم دیا کہ واپس چلنے کے لیے گاڑی تیار رکھے۔ گریگر نے ابھی شوربا ختم نہ کیا تھا لیکن ڈلیک کر اٹھا اور پھرتی سے گھوڑے جوتنے لگا۔

ہوا برف کے گالے اڑاتی ہوئی چل رہی تھی۔ احاطے میں نقرئی جھاگ سرسرا رہا تھا۔ درختوں پر دھند جمی ہوئی تھی۔ ہوا اسے اڑا رہی تھی۔ سورج کی کرن اڑتی ہوئی دھند میں رنگ پیدا کر رہی تھی۔ دھواں چھوڑتی ہوئی چمنی کے اوپر کوے کائیں کائیں کر رہے تھے۔ قدموں کی آواز سن کر وہ اڑ گئے۔ اور گھر کے اوپر دائرہ باندھ کر اڑنے لگے۔ پھر مشرق کی جانب چل دیئے۔

"مالک سے کہہ دو کہ ہم تیار ہیں" اس نے سیڑھیوں پر جاتی ہوئی ملازمہ سے چلا کر کہا۔ لسنتکی برف گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔ گریگر نے بھیڑیے کی کھال اپنے گرد لپیٹ کر نشست سنبھال لی۔

وہ دو گھنٹے میں یگوڈنو پہنچ گئے۔ سفر میں لسنتکی نے گریگر سے کوئی بات نہ کی۔ جب کبھی وہ سگرٹ بناتا گریگر کو گاڑی روکنے کا حکم دے دیتا۔ اس کے سوا کوئی بات نہ ہوئی تھی۔ جب وہ پہاڑی سے نیچے اتر رہے تھے اور گھر کے نزدیک پہنچ گئے تھے تو بوڑھا جرنیل بولا "صبح سویرے!" گریگر بڑی مشکل سے نشست میں گھوم سکا۔ اور بصد دقت منجمد لب کھول سکا۔ اس کی سرد زبان دانتوں سے چمٹ گئی تھی۔ "جی ہاں....." اس نے جواب دینے کی کوشش کی۔

"تمہیں تمہارا سارا روپیہ مل گیا ہے؟"

"جی ہاں۔"

"تمہیں بیوی کی فکر نہ ہونی چاہیے۔ وہ اچھی ہو جائے گی۔ ایک اچھے فوجی بن کر دکھانا۔ تمہارا دادا نہایت اچھا کاسک تھا۔ تم بھی باپ کی عزت رکھنا۔ ان کے وقار میں کمی نہ آنے دینا۔ تمہارے باپ کو ۱۸۸۳ء کے شاہی معاینے پر سواری کے کمالات کا انعام ملا تھا نا؟"

"جی ہاں۔"

"تو بس — تو بس۔" بوڑھا آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ اُس نے کوٹ کے کالروں میں منہ چھپا لیا اور خاموش ہو گیا۔

احاطے میں داخل ہو کر گریگو نے گھوڑا ساشکا کے حوالے کر دیا۔ اور غلام گردش کی طرف قدم اٹھایا "تمھارا باپ پہنچ چکا ہے" ساشکا نے اُسے مطلع کیا۔

گریگو نے پینٹیلیمون کو لکڑی کے کمرے میں کھانا کھاتے ہوئے دیکھا "بوڑھا پیے ہوئے ہے!" گریگو نے اندازہ کیا۔

"آ گئے تو جی؟" پینٹیلیمون بولا۔

"میں سر سے پاؤں تک منجمد ہوں ....." گریگو نے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے جواب دیا۔ ایکسینیا کی طرف مڑتے ہوئے بولا "میری ٹوپی تو کھونا۔ میرے ہاتھ کام نہیں کرتے۔"

پہلی مرتبہ پینٹیلیمون، ایکسینیا سے اخلاقاً پیش آیا۔ اس نے حکم دیا جیسے وہ گھر کا مالک ہو "مجھے روٹی کاٹ کر دینا ....."

وہ کھانا ختم کر کے میز پر سے اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھا تاکہ صحن میں جا کر سگرٹ پی سکے۔ گزرتے ہوئے وہ پنگوڑے کے پاس آیا۔ اس نے ایک دو دفعہ اُسے ہلایا اور پوچھا۔

"کاسک ہے؟"

"نہیں، لڑکی ہے" ایکسینیا نے جواب دیا لیکن بوڑھے کے منہ سے تسلی بخش جواب سن کر وہ بولی "بیحد دبلی پتلی ہے — گریگو کی طرح!"

پینٹیلیمون نے لڑکی کا سیاہ سر بڑے غور سے دیکھا اور بے جھجک بول اٹھا "اس میں ہمارا خون ہے۔"

"کیونکر آتے ہو آبا؟"

"گھوڑی پہ اور بیوٹرا کے گھوڑے پر۔"

"ان دونوں میں سے ایک کو لے آتے ـــــ منگا فونک میں اپنا گھوڑا جوت لیتا۔"

"اُسے تازہ دم وہاں پہنچنے دو۔ گھوڑا بُرا نہیں۔"

باپ بیٹے کے ذہن میں ایک ہی سے خیالات چکّر لگا رہے تھے۔ وہ ایک ہی موضوع پر باتیں کر رہے تھے۔ اکسینیا خاموش تھی اور بستر پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔ بچّے کی پیدائش کے بعد سے وہ اور بھی صحت مند ہو چلی تھی۔ ایک نئے حسن کا نکھار اُس کے چہرے پر تھا۔

رات کو تاخیر سے وہ بستر پر دراز ہوتے۔ اکسینیا، گرنگیر کے سینے سے لگی ہوتی تھی۔ اُس کے قمیص سے آنسو پونچھ کر بولی "میں تمہارے فراق میں مر جاؤں گی۔ میں تمہارے بغیر زندہ کیونکر رہونگی۔ طویل راتیں...... رونا اور جاگتا ہوا بچہ...... گرنگیر! کچھ تو خیال کرو ـــ چار سال!"

"جانتی ہو! پرانے دنوں میں فوجی خدمت کی مدّت پچیس سال ہُوا کرتی تھی۔"

"پرانے دن جائیں جہنم میں ـــ اور ساتھ ہی تمہاری فوجی خدمت بھی۔"

"میں چھٹیوں پہ آیا کروں گا۔"

"اب تو تم خزاں میں کبھی کبھی برسنے والی بوندیں بن جاؤ گے۔"

"لیکن میرے جسم کا رُواں رُواں تمہاری یاد کا وظیفہ پڑھے گا۔"

۶

پَو پھٹنے سے پہلے گرنگیر کو نیند آگئی۔ اکسینیا اُٹھی۔ اُس نے بچّی کو دودھ پلایا۔ کہنیوں کے بل لیٹ کر اُس نے گرنگیر کے چہرے کی طرف گھورنا شروع کیا۔ اُس نے نگاہوں سے اُسے طویل الوداع کہی۔ اُسے وہ رات یاد آگئی جس میں اُس نے اُسے کیوبان بھاگ چلنے کی ترغیب دی تھی۔ آج بھی کھڑکی سے باہر وہی چاندنی کا طوفان احاطے میں برپا تھا۔ آج بھی وہ اسی طرح لیٹے ہوتے تھے۔ گرنگیر بالکل نہ بدلا تھا، اسی طرح تھا۔ ان کے پیچھے دنوں اور راتوں کی طویل رہگزر تھی جنھیں وہ قدموں سے روند آئے تھے۔

گرنگیر نے کروٹ لی۔ کچھ دیر بڑبڑایا پھر خاموش ہو گیا۔ اکسینیا نے سونا چاہا لیکن اُس کے

خیالات اُس کی نیند اُڑا دیتے تھے جیسے ہوا کے سامنے کوئی تنکا۔ صبح کے نمودار ہونے تک وہ سوچتی رہی۔ پنٹلیمون سورج کی پہلی کرن کھڑکی میں سے آتے ہوئے دیکھ کر بیدار ہو گیا۔

"اُٹھو گریگری!" وہ چلایا۔

ناشتا کرنے اور سامان باندھنے کے بعد پنٹلیمون گھوڑے جوتنے کے لیے چلا گیا۔ گریگری اکسینیا کے جلتے ہوئے بوسوں کی تاب نہ لاتے ہوئے اُس سے علیحدہ ہو کر ساشکا اور دوسرے ملازموں کو خدا حافظ کہنے کے لیے روانہ ہوا۔

بچی کو گرم کپڑوں میں لپیٹ کر اکسینیا اُس کے ساتھ آخری الوداع کہنے کے لیے باہر آئی۔ گریگری نے بیٹی کے ننھے ہونٹ آہستہ سے چھوئے پھر گھوڑے کی طرف لپکا۔

"گاڑی میں آجاؤ" باپ نے اُسے آواز دی۔

"نہیں، مَیں اپنے گھوڑے پر سوار چلوں گا۔"

اُس نے مقررّہ طریقے سے گھوڑے پر زین ڈالا۔ اُس پر سوار ہو گیا اور لگامیں کھینچ لیں۔ اکسینیا بار بار دہراتی رہی "ذرا دم لو۔ گریگری۔۔۔ ذرا ٹھہرو، مجھے کچھ کہنا ہے۔" اُس نے ابرو سکیڑے۔ وہ بھول چکی تھی کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔

"اچھا تو اکسینیا! رخصت۔۔۔ بچی کا خیال رکھنا۔ میں چلتا ہوں، ابا تیار ہے اور چلا رہا ہے۔"

"ٹھہرو پیارے!" اکسینیا نے بائیں ہاتھ سے لگام پکڑ لی۔ دائیں ہاتھ سے اُس نے بچی کو سینے سے چمٹا لیا تھا۔ آنسوؤں سے بھیگی ہوئی آنکھیں پونچھنے کے لیے اُس کا کوئی ہاتھ خالی نہ تھا۔

بنیامین گھر کی سیڑھیوں پر نمودار ہوا۔

"گریگری! تمہیں مالک نے بلایا ہے۔"

گریگری بڑبڑاتا، چابک ہلاتا ہوا احاطے سے باہر نکل گیا۔ اکسینیا اُس کے پیچھے دوڑی۔ اُس نے باپ کو چٹان کی چوٹی پر جا لیا۔ پھر اُس نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔ اکسینیا پھاٹک پر کھڑی تھی۔ بچی ابھی تک اُس کے سینے سے چمٹی ہوئی تھی۔ اُس کی شال کے کنارے لہرا رہے تھے۔

باپ کی گاڑی کے ساتھ ساتھ وہ گھوڑا دوڑا رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد بوڑھے نے مڑ کر کہا:

"بیوی کے ساتھ رہنے کا تمہیں کوئی خیال نہیں؟"

"پھر وہی پرانی کہانی، میں کہہ چکا ہوں ....."

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تمہارا خیال ابھی تک نہیں بدلا؟"

"نہیں بدلا۔"

"تم نے سنا نہیں کہ اس نے خودکشی کی کوشش کی تھی؟"

"سن چکا ہوں۔ مجھے گاؤں کا ایک آدمی ملا تھا۔"

"خدا کی قسم! ....."

"کیوں — ابا کیوں ...... گاڑی سے جو چیز گر پڑتی ہے گم ہو جاتی ہے۔"

"شیطان کی سی گفتگو نہ کرو۔ میں جو کہہ رہا ہوں وہ پتھر پر لکیر ہے" سٹیپن غصے سے تھا اُٹھا۔

"اب تو میری ایک بچی بھی ہے۔ کیا اب اس معاملے پر مزید گفتگو کی گنجائش رہ جاتی ہے؟ اب تم دوسری کو مجھ پر کیونکر سوار کر سکتے ہو؟"

"خیال رہے کہیں تم دوسرے کے بچے کی پرورش تو نہیں کر رہے ....؟"

گریگری زرد پڑ گیا۔ اس کے باپ نے دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ بچی کی پیدائش کے دن سے یہی خیال اس کے دل و دماغ پر نشتر زنی کرتا رہا تھا۔ اس نے اس ذہنی انتشار کو اکسینیا سے چھپانے کی کوشش کی تھی۔ ایک رات کو جب اکسینیا سوئی پڑی تھی، وہ پنگوڑے کے قریب گیا تھا۔ بچی کو بڑے غور سے گھورتا رہا۔ اسے بچی کے خط و خال میں اپنے خط و خال کی تلاش تھی مگر وہ نہایت غیر مطمئن ہو کر بستر پر دوبارہ لیٹ چکا تھا۔ سٹیپن کا رنگ بھی اسی طرح سیاہی مائل تھا۔ اسے کس طرح یقین ہو سکتا تھا کہ بچی کی رگوں میں اس کا اپنا خون دوڑ رہا ہے۔ ایک لمحے وہ خیال کرتا کہ بچہ اس کا ہے۔ دوسرے لمحے وہ اسے سٹیپن کا سمجھنے لگتا۔ گریگری کو اس سے محبت نہ تھی۔ اس کی نظر ایک ایک دن پر تھی۔ اکسینیا کو ایک دن بہت کام تھا۔ بس اسی دن اس نے بچی کا گیلا پوتڑا

بدلا تھا لیکن ایسا کرتے ہوئے اُسے بےحد تکلیف ہوئی تھی۔

اُس کا باپ نہایت بےرحمی سے اُس کا زخم کرید رہا تھا۔ گریگری نے زین کے اگلے حصے پر ہتھیلی رکھتے ہوئے کہا "تجھ کسی کا بھی ہو۔ میں اب اُسے چھوڑنے سے رہا۔"

پنتیلیمون نے گھوڑوں پر چابک لہرایا "نتالیا نے صورت بگاڑ لی ہے۔ اُس کی گردن ایک طرف کو ہے۔ لقوے کے مریض کی طرح ہو گئی ہے۔ اُس کا زخم گہرا تھا۔" وہ خاموش ہو گیا۔

"اب کیسی ہے وہ ——؟"

"اچھی ہے۔ سات مہینے بستر پر پڑی رہی۔ تثلیث اتوار کو تو اُس کی زندگی کی کوئی امید نہ تھی۔ پادری پنکراتی آخری دعا بھی پڑھ چکا تھا۔ لیکن وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی اور چلنے لگی۔ اُس نے درانتی کی نوک سینے میں بھونکنی چاہی تھی لیکن نشانہ خطا ہو گیا۔"

"چٹان پر تیزی سے چڑھ جائیں" گریگری نے تجویز پیش کی۔ وہ گھوڑا دوڑا کر باپ سے دُور نکل گیا۔ اُس کے پیچھے اُس کے گھو ڑ ے کے کھُروں سے برف کی چنگاریاں اُڑنے لگیں۔ اُس کا باپ اُس سے آ ملا "ہم نتالیا کو اپنے گھر ... وہ اپنے والدین کے گھر نہیں رہنا چاہتی ہیں نے اُسے آنے کے لیے کہہ دیا ہے۔"

گریگری نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ پہلے گاؤں تک آپس میں کوئی بات کیے بغیر پہنچ گئے۔ اُس کے باپ نے دوبارہ وہ موضوع نہ چھیڑا۔

۷

اُس دن اُنھوں نے پینتالیس میل کی مسافت طے کی۔ دُوسرے دن جب دھند پڑ رہی تھی، وہ منکافو میں داخل ہوئے۔ ویشینسکا کے رنگروٹوں کو جو بارک رہنے کو دی گئی تھی رات اُنھوں نے وہاں بسر کی۔ دُوسری صبح کو ضلع کے اٹامن نے اُن کا طبی معاینہ کرایا۔ گریگری گاؤں کے لڑکوں کے ساتھ قطار باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ صبح کے وقت منکا کا رشتہ چمکتے ہوئے زین پر بیٹھا گریگری کے پاس سے گزر گیا تھا اور اُس نے اُس کی طرف نگاہ بھی نہ کی تھی۔

مقامی ہسپتال کے ایک سرد کمرے میں رنگروٹوں کے کپڑے اُتروائے گئے۔ فوجی کلرک کمرے میں اِدھر اُدھر ٹہل رہے تھے۔ اندر کے کمرے سے ڈاکٹر کی آواز آرہی تھی اور ساتھ ہی اس کا اظہارِ خیال بھی سنائی دے جاتا تھا۔

ایک کلرک آیا۔ اس نے گریگری اور اس کے ساتھیوں کو معاینے کے کمرے میں بلایا۔ گریگری اندر داخل ہوا۔ وہ سرد کمرے میں بطخ کی طرح لنگڑاتا ہوا پہنچا۔ اس کا سیاہ فام جسم پوگر کے تنے کی طرح تھا۔ وہ بالوں سے بھری ہوئی ٹانگ کے باعث پریشان تھا۔ ڈاکٹروں کا شرمناک طریقِ معاینہ اُسے برانگیختہ کر رہا تھا۔ سفید بالوں والے ایک ڈاکٹر نے آلۂ صدر بیں اس کے سینے پر رکھ دیا ۔۔۔ دوسرے دو ڈاکٹر عقب میں کھڑے تھے جنھوں نے عینکیں لگا رکھی تھیں اور ہاتھ مل رہے تھے۔

"ترازو پکڑے ہو جاؤ۔"

گریگری وزن کرنے والے آلے پر چڑھ گیا۔

"تیرہ اور نصف ....."

"کیا کہا ۔۔۔ اس کا قد بھی لمبا نہیں۔ حیرت ہے۔" نوجوان ڈاکٹر کھانستے ہوئے بولا۔

میز کے گرد بیٹھا ہوا افسر بولا "کتنا وزن ہے؟"

"تیرہ اور نصف سٹون" بوڑھا ڈاکٹر بولا۔

"کیوں نہ اسے حفاظتی دستے میں لے لیا جائے؟" فوجی افسر نے سادگی سے مشورہ کیا۔

"چہرہ تو اس کا واقعی وحشتناک ہے۔"

"ذرا پیٹھ گھماؤ ۔۔۔ تمھاری پیٹھ پر یہ داغ کیسے ہیں؟" افسر نے گریگری سے سوال کیا اور کرنل کی طرف دیکھ کر اظہارِ تعجب کرنے لگا۔

"میں بہار میں سردی کی وجہ سے منجمد ہو گیا۔ یہ داغ اسی حادثے کے ہیں۔"

معاینے کے اختتام پر فوجی افسر نے فیصلہ کیا کہ گریگری معمولی پلٹن میں شامل کیا جائے گا۔

"بارھویں پلٹن میلیخوف! سنتے ہو؟" اسے بتایا گیا جب وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

"ناممکن، اگر شہنشاہ نے اُسے دیکھ لیا تو وہ بگڑے گا۔ ذرا خیال تو کرو۔ اُس کا چہرہ دیکھیں۔ پھر آنکھیں....."

"وہ دوغلا ہے مشرق کا خون ہے اُس کی رگوں میں"

"اُس کا جسم بھی تو صاف نہیں۔ وہ داغ دیکھے تم نے ؟"

گرگچہ کوٹ کے بٹن لگا کر سیڑھیاں اُتر گیا۔ چوراہے میں گھوڑے کھڑے تھے۔ گرم ہوا میں سوکھی گھاس کی بُو تھی۔ سڑک سنسان تھی۔ مرغیاں کڑکڑ کرتی ہوئی گلیوں میں پر پھڑپھڑا رہی تھیں۔ بطخیں کیچڑ میں لت پت تھیں۔

۸

دوسرے دن گھوڑوں کا معاینہ ہوا۔ گرجے کی دیوار کے ساتھ اُن کی ایک طویل قطار باندھی گئی۔ سلوتزی اور اُس کا ایک نائب گھوڑوں کے معاینے کی خدمت پر مامور کیے گئے تھے۔ ویشنسکا کا اٹامن اس معاینے کے نتائج درج کر رہا تھا۔ فوجی افسر گھوم پھر رہے تھے اور ایک نوجوان کپتان سے محوِ گفتگو تھے۔

جب اُس کی باری آئی تو گرگچہ اپنا گھوڑا لے کر نکلا۔ سلوتزی اور اُس کے نائب نے اُس کے جسم کا بند بند ناپا اور اُس کا وزن کیا۔ قبل اس کے کہ اُسے رخصت کیا جاتا، سلوتزی نے اُسے اُوپر کے ہونٹ سے پکڑ لیا۔ اُس کا حلق بغور دیکھا۔ چھاتی کے پٹھے چھو کر دیکھے۔ بدن پر ہاتھ پھیرا اور گھٹنے کا جوڑ دیکھا۔ کان کھینچے۔ نتھنوں کی ہڈی مروڑی پھر دوسرے گھوڑے کی طرف متوجہ ہوا۔ گرگچہ کا گھوڑا مسترد کر دیا گیا۔ سا تشکا کی توقع ناامیدی میں بدل چکی تھی۔ بوڑھے ڈاکٹر نے گھوڑے کا نقص ڈھونڈ لیا تھا۔ گرگچہ پر مایوسی کا عالم طاری تھا اُس نے باپ سے مشورہ کیا اور آدھ گھنٹے کے بعد وہ پیوترا کا گھوڑا لے کر دوبارہ ڈاکٹر کے سامنے آیا۔ ڈاکٹر نے اُس کی طرف نگاہ کیے بغیر اُسے منظور کر لیا۔

گرگچہ گھوڑا دُور لے گیا اور زین کا کپڑا دُھوپ میں پھیلا دیا۔ اُن کے پاس سے ایک

طویل القامت جرنیل پریڈ کی ٹوپی پہنے ہوئے گزرا۔ اس کے پیچھے پیچھے افسروں کی جماعت تھی۔
"صوبائی اٹامن جا رہا ہے۔" بنٹیلیمون نے گریگر کو متوجہ کیا۔

گریگر نے افسروں کی غیر مانوس شکلوں کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ایک افسر نے اُسے گھورا لیکن جب گریگر نے بھی آنکھیں نہ جھکائیں تو اُس نے منہ پھیر لیا۔ ایک بوڑھا کپتان دوڑتا ہوا اُن سے ملنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ترپال پر گریگر نے زین جما رکھا تھا جس کے کناروں پر سبز فیتا سلا ہوا تھا اور جس پر آگے کی طرف اور پیچھے خرجیاں لگی ہوئی تھیں۔ دو فوجی کوٹ، دو پتلونیں، دو گھٹنوں تک لمبے بوٹ، ڈیڑھ پونڈ بسکٹ، گائے کا خشک گوشت اور دوسری غذائیں بھی اُس پر رکھ دی تھیں۔ زین کے تھیلے میں چار نعل، چربی میں ڈوبے ہوئے کیل، سوئیاں، دھاگا اور تولیے بھی ڈال دیے تھے۔

اُس نے ساز و سامان کی طرف آخری بار نگاہ کی اور ایک دو چیزوں سے کیچڑ صاف کرنے بیٹھ گیا۔ چوراہے سے افسروں کی جماعت نکلی اور اپنے اپنے ساز و سامان کا معاینہ بڑی توجہ سے کیا وہ جھک کر بڑے کوٹوں کے کپڑے کا ملاحظہ کرتے رہے۔ زین کے تھیلے اُلٹ پلٹ کر دیکھتے رہے۔ اور بسکٹوں کی تھیلیوں کا وزن ہاتھوں سے کرتے رہے۔

گریگر افسروں کے نزدیک آجانے سے تن کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کے پیچھے کھڑا ہوا اس کا باپ کھانسنے لگا۔ گھوڑوں کے پیشاب کی بو ہوا میں سرایت کر چکی تھی اور سورج اداس دکھائی دے رہا تھا۔

افسروں کی جماعت گریگر کے پڑوسی کے قریب آکر رک گئی۔ پھر اس تک پہنچ گئی۔
"مسیحی نام کیا ہے تمہارا؟"
"گریگر میلخوف!"

اُس کے بڑے کوٹوں کے کنارے اُٹھا کر دیکھے گئے۔ اندر لگی ہوئی ململ سونگھی گئی۔ دوسرا افسر پتلون کا کپڑا انگلیوں میں دبا کر دیکھنے لگا۔ تیسرا زین کے تھیلے میں انگلیاں دوڑاتا رہا۔ بڑے افسر نے ہاتھوں میں کیلیں لے کر گنیں اور بولا "تیئس کیلیں کیوں ہیں؟"

"چوبیس ہیں حضور۔"

"کیا میں اندھا ہوں؟"

گریگر نے ایک کونے سے چوبیسویں کیل بھی نکال کر دکھائی۔ ایسا کرتے وقت اس کا بالوں بھرا ہاتھ افسر کے گورے گورے ہاتھوں سے ٹکرا گیا۔ تب افسر نے فوراً اپنا ہاتھ کھینچ لیا جیسے اسے سانپ نے ڈس لیا ہو۔ پھر اس نے اپنے لمبے کوٹ پر ہاتھ پونچھا اور دستانے چڑھا لیے۔

گریگر افسر کا یہ فعل تاڑ کر مسکرانے لگا۔ ان کی نگاہیں ملیں۔ افسر کا چہرہ تمتما اٹھا۔

"کیا ہے یہ سب کچھ کیا ہے کازک؟ تمہارا کوئی بھی سامان صاف نہیں۔ باقاعدہ نہیں۔ کازک ہو کہ کسان؟ کہاں ہے تمہارا باپ؟"

پنٹیلیمون لنگڑاتا ہوا آگے بڑھا۔

"کیا تمہیں کازکوں کے قواعد وضوابط کا علم نہیں؟" افسر نے غصہ اگلتے ہوئے کہا۔

اتنے میں صوبائی ہامن بھی نزدیک آگیا۔ افسر گریگر کے ساتھی کی طرف بڑھا۔ ہامن بوٹ کی نوک سے زمین ٹھکراتے ہوئے گزر گیا۔ سب سے آخر میں وہ افسر گزرا جس نے گریگر کو بھرتی کیا تھا۔

ایک دن کے بعد ریل گاڑی کے سرخ ڈبوں میں گھوڑے اور کازک سوار کیے گئے۔ اور وہ سب درانیز کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان میں گریگر بھی کھڑا تھا۔ ریل گاڑی کے دروازے کے سامنے ایک ناآشنا سرزمین پھیلی ہوئی تھی۔ دور فاصلے پر نیلاہٹ میں لپٹا ہوا جنگل کا گھنا سلسلہ تھا۔ ان کے پیچھے گھوڑے سوکھی گھاس چبا رہے تھے اور گاڑی کے تختوں پر کھٹ کھٹ کر رہے تھے کیونکہ اس قسم کے فرش سے وہ مانوس نہ تھے۔ گاڑی سے لکڑیوں اور گھوڑوں کے پسینے کی بو آ رہی تھی۔

تیرہ

۱

مارچ ۱۹۱۴ء میں موسم بہار کے خوشگوار اور گرم دن کو نتالیا سسرال واپس آئی۔ پنتیلیمون تنلی سے ٹوٹی ہوئی بانس کی باڑ کی مرمت کر رہا تھا۔ چھت سے لٹکے ہوئے برف دان ٹپک رہے تھے۔ گرم سورج پہاڑیوں کی چٹانوں کو تھپکیاں دے رہا تھا۔ زمین پھول چکی تھی جس پر نرم نرم گھاس اُگ آئی تھی۔

نتالیا خسر کے قریب اُس کی پشت کی طرف سے آئی۔

"صبح بخیر — ابا!"

"خوش آمدید — خوش آمدید میری پیاری بیٹی!" پنتیلیمون کے ہاتھ سے تنلی گر پڑی۔ "تم ہم سے ملنے کیوں نہیں آئیں؟ اندر آجاؤ تمھاری ماں تمھیں دیکھ کر بےحد خوش ہو گی۔"

"ابا میں ہمیشہ کے لیے آگئی ہوں اگر تم نے مجھے دھتکار نہ دیا۔"

"کیوں، کیوں؟ میری پیاری بیٹی! تم اجنبی تو نہیں۔ گریگر نے خط میں تمھارا ذکر بھی کیا ہے اُس نے ہمیں کہا ہے کہ تمھاری خیریت اُسے لکھیں۔"

وہ باورچی خانے میں داخل ہوئے۔ ایلنچنا نتالیا سے لپٹ کر خوب روئی۔ وہ رومال سے ناک پونچھتے ہوئے بولی "تمھیں بچے کی ضرورت ہے۔ بچہ اسے مطیع کر لے گا۔ بیٹھ جاؤ۔ میں تمھارے لیے کیک لاتی ہوں — کیا لاؤں؟" ڈونیا خوشی سے شگفتہ ہو گئی تھی، مسکرا رہی تھی۔ اُس نے نتالیا کے گھٹنوں کے گرد بازو حمائل کر دیئے۔ "تم نے ہمیں بھلا دیا تھا!" ڈونیا نے ملامت کی۔

وہ آپس میں بیٹھے گفتگو کرتے رہے۔ ایلنچنا گال ہتھیلی پر رکھے ہوئے نتالیا کی خاطر افسوس کر رہی تھی۔ وہ پہلے سے کتنی بدل چکی تھی!

"اب تو تم ہمیشہ کے لیے یہیں رہو گی نا؟" ڈونیا نے پوچھا۔

"کون جانتا ہے..... ؟"

"وہ اور کہاں جائے گی؟ تم ہمارے ساتھ رہو گی نتالیا!" الپتیا نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

نتالیا شوہر کے گھر اچھے خاصے تذبذب کے بعد گئی تھی۔ اس کا والد تو اس اقدام کے خلاف تھا مگر اب اس کے لیے اپنے گھر میں رہنا محال ہو گیا تھا۔ وہ ان میں اجنبی سی دکھائی دیتی تھی۔ پینتلیمون گریگر کے چلے جانے کے بعد اصرار کر رہا تھا کہ نتالیا سسرال آ جائے۔ وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ گریگر اور نتالیا کا ملاپ کرا دے گا۔

مارچ سے نتالیا سسرال رہنے لگی۔ پیوترا کا رویہ دوستانہ اور برادرانہ تھا۔ ڈاریا مطمئن نہ تھی کیونکہ سارا گھر اس کے گرد جمع رہتا۔ ڈونیا تو اس کی متوالی تھی۔ الپتیا، نتالیا پر حد سے زیادہ شفقت روا رکھتی تھی۔

جس دن نتالیا ان کے ہاں آئی پینتلیمون نے ڈونیا کو حکم دیا کہ وہ گریگر کو اس مضمون کا خط لکھے:

گریگر، ہمارے بیٹے! ہماری طرف سے تمہیں دعا!

میں اور تمہاری والدہ الپتیا تمہیں دعا دیتے ہیں۔ تمہارا بھائی پیوترا اور اس کی بیوی ڈاریا تمہاری صحت کے لیے دست بدعا ہیں۔ تمہاری چھوٹی بہن ڈونیا بھی تمہاری خیریت کی خواستگار ہے۔ فروری میں جو خط تم نے لکھا تھا وہ ہمیں مل چکا ہے۔ اس کے لیے ہم تمہارے شکر گزار ہیں۔ تم نے جو لکھا ہے کہ گھوڑے کی ٹانگیں خراب ہیں تو اس پر سوئر کے گوشت کا پھاہا باندھ دو۔ اگر برف نہ پڑ رہی ہو تو گھوڑوں کے پاؤں پر نعل لگانے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری بیوی نتالیا اب ہمارے ساتھ رہ رہی ہے اور اچھی طرح ہے۔ تمہاری ماں تمہیں خشک شاہ دانہ بھیج رہی ہے ایک جوڑا گرم جراب اور تھوڑی سی چربی بھی۔ ہم سب صحیح سلامت اور خوش ہیں۔ فقط ڈاریا کا بچہ فوت ہو چکا ہے۔ کل میں نے اور پیوترا نے چھپر چھایا ہے۔ گائیں بچھڑے دے

چکی ہیں۔ بوڑھی گھوڑی بھی بچھیرا دے گی۔ ہم تمہاری فوجی خدمت کا حال پڑھ کر بیحد مسرور ہوتے ہیں۔ ہمیں مسرت ہوتی ہے کہ تمہارے افسر تم پر مہربان ہیں۔ اچھی طرح نوکری کرو۔ زار کی خدمت رائیگاں نہ جائے گی۔ اب نتالیا ہمارے ساتھ ہی رہے گی۔ اس کے متعلق تم سوچ لینا۔ ہاں تھوڑے دن ہوئے ایک چوپائے نے تین بھیڑیں ہلاک کر دی ہیں۔ خدا تمہیں خوش رکھے۔ اپنی بیوی کو فراموش نہ کرنا۔ میرا یہی حکم ہے۔ وہ بہت اچھی عورت اور تمہاری بیاہتا ہے جائز بیوی۔ مذاق نہ اڑانا اور اپنے باپ کی باتوں پر دھیان دینا۔

تمہارا باپ پنتیلیمون میلخوف (حوالدار)

۲

گریگر کی پلٹن کا قیام ایک چھوٹے سے قصبے رازی فیلافو میں تھا جو روس اور آسٹریا کی سرحد سے چند میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ وہ بہت کم گھر خط لکھتا تھا۔ جب اُسے خط ملا کہ نتالیا اُن کے ہاں اٹھ آئی ہے تو اس نے گھر ایک خط لکھا۔ اُس کے خط مبہم اور غیر ذمہ دارانہ ہوا کرتے تھے ابھی تک اُس کے ارادے میں تزلزل نہ آیا تھا۔ وہ اب بھی چٹان کی طرح محکم اور سرکش تھا۔

پنتیلیمون ڈونیا سے خط بار بار پڑھواتا تھا۔ وہ ان الفاظ کے معانی ڈھونڈتا تھا جو اس کی سمجھ میں نہ آتے تھے۔ ایسٹر سے کچھ دن پہلے اُس نے گریگر کو خط میں صاف طور پر پوچھا کہ فوجی مدت انجام دینے کے بعد وہ گھر پر آ کر نتالیا کو ساتھ رکھے گا کہ نہیں۔

گریگر نے خط کا جواب تاخیر سے دیا۔ تبلیغی اقرار کے بعد انہیں نہایت مختصر سا جواب آیا۔ ڈونیا نے جلد جلد پڑھا۔ پنتیلیمون جملوں کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ آخر میں گریگر نے نتالیا کے معاملے پر بھی بحث کی تھی:

"تم نے مجھے لکھا ہے کہ میں نتالیا کے ساتھ رہ سکوں گا کہ نہیں۔ میں کہہ چکا ہوں ابا! کہ جو چیز ایک دفعہ ٹوٹ جائے اُسے جوڑنا بیحد مشکل ہوا کرتا ہے۔ میں نتالیا سے کیوں کر رشتہ جوڑ سکتا ہوں جب تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میری ایک بچی بھی ہے؟ میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔ مجھے یہ معاملہ

چھیڑنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ کچھ دن ہوئے ایک یہودی سرحد پار کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔ ہم نے اُسے دیکھ لیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ آسٹریا سے روس کی جنگ ضرور ہوگی۔ اُس نے بتایا، نوار سرحد پر اس لیے آیا ہے کہ دیکھے جنگ کی ابتدا کہاں سے کی جائے اور کون سا علاقہ پہلے چھینے۔ اگر لڑائی شروع ہوتی تو ممکن ہے میں کام آجاؤں۔ اس لیے قبل از وقت کوئی وعدہ کیونکر کیا جاسکتا ہے؟"

نٹالیا اپنے سسر اور ساس کی خدمت اسی امید پر کر رہی تھی کہ اُس کا خاوند ضرور گھر آئے گا۔ اُس نے گریجکو کو کوئی خط نہیں لکھا تھا۔ مگر وہ گریجکو کے خط کے لیے تڑپ رہی تھی۔

۳

گاؤں میں زندگی بغیر کسی ردّوبدل کے بدستور تھی۔ کام کے دنوں میں وقت مزدوروں محنت میں گزر جاتا تھا۔ اتوار کو لوگ کلیسا جاتے اور گاؤں کی گلیوں میں چہل پہل نظر آتی۔ کاسک پتلونیں پہنے، عورتیں رنگین لنگیوں میں گرد جھاڑتی ہوئی چل رہی تھیں۔ چوراہے میں ایک خالی گاڑی کے بم آسمان کی طرف اُٹھے ہوئے تھے اور کھلے ہوئے گھوڑے ہنہنا رہے تھے۔ خوانچے والے اپنے اپنے خوانچے میں پھل لیے بیٹھے تھے۔ ان کے گرد بچے گروہوں میں ناچ رہے تھے۔ ہر سمت مردوں کا ہجوم تھا جنھوں نے سُرخ ٹوپیاں پہن رکھی تھیں اور عورتیں سفید اور چمکیلے رومالوں سے سر ڈھانپے ہوئے تھیں۔

شام کو گلیاں قدموں کی دھمدھماہٹ، گانے اور مل کر ناچنے کی آوازوں سے گونج اُٹھتیں اور کہیں بہت رات گئے یہ آوازیں گاؤں کے باہر کے کناروں میں آہستہ آہستہ جا کر ختم ہوتیں۔

نٹالیا اتوار کو کسی پڑوسی کے ہاں نہ جاتی اور ڈُونیا کی بے معنی کہانیاں سنتی رہتی۔ ڈونیا ایک خوبصورت دوشیزہ بن چکی تھی۔ وہ ایک سیب کی طرح وقت سے پہلے ہی پک گئی۔ وہ لڑکیاں جو اُس سے ذرا پہلے جوان ہوئی تھیں، پیچھے رہ گئیں۔ اب وہ پندرہ سال کی تھی۔ اُس کے جسم پر ابھی تک لڑکپن کے آثار پائے جاتے تھے۔ اس میں اُٹھتی جوانی اور بچپن کی سادگی گھلی ملی ہوئی تھی اُس کی چھاتیاں اُبھر چکی تھیں اور اُس کی جاکٹ پر اُن کا ننھا اُبھار واضح طور پر نمایاں رہتا تھا۔

اُس کی لمبی لمبی پلکوں کے نیچے اُس کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک رہتی تھی۔ وہ شام کی سیر کے بعد اپنے معصوم راز نتالیا کو بتایا کرتی تھی۔

"نتالیا! میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں......"

"کہو کیا ہے!"

"کل میشا کا شوفانی گاؤں کے غلہ گھر کے پاس شام تک میرے ساتھ بیٹھا رہا۔"

"مگر تم شرما کیوں رہی ہو؟"

"میں تو نہیں شرما رہی۔"

"آئینہ دیکھ لو، سرتاپا ایک شعلہ بن چکی ہو۔"

ڈونیا نے اپنے جلتے ہوئے رخساروں کو ہاتھوں سے ملتے ہوئے ایک جوان قہقہہ لگایا۔

"اُس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں ایک نیلے پھول کی مانند ہوں...."

"ہاں ہاں، کہے جاؤ" نتالیا نے اُس کی حوصلہ افزائی کی۔ وہ اس کی مسرت میں شریک ہو رہی تھی اور اپنا ماضی بھول چکی تھی۔ اپنی کچلی ہوئی مسرت فراموش کر چکی تھی۔

"میں نے کہا جھوٹ نہ بولو میشا ـــــ مگر اُس نے قسم کھائی...."

نتالیا نے سر ہلاتے ہوئے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ تمام کمرے اُس کی ہنسی سے گونج اُٹھے۔ اُس کے سیاہ گیسو اُس کے کندھوں پر سے ہٹتے ہوئے کمر تک کھل گئے۔

"اور اس نے کیا کہا؟"

"اُس نے مجھ سے نشانی کے طور پر میرا رومال مانگا۔"

"کیا تم نے دے دیا؟"

"نہیں۔ میں نے کہا میں نہیں دیتی، جا اور اپنی آشنا سے مانگ ـــــ میں نے اُسے یوریٹی فان کی بہو کے ساتھ دیکھا تھا۔ وہ ایک بری عورت ہے، مردوں کی شائق!"

"تمہیں اس سے میل جول نہ بڑھانا چاہیے۔ اُس سے الگ رہی رہو۔"

"میں اب اُس سے نہیں ملوں گی" ڈونیا نے اپنی داستان جاری رکھی "پھر جب ہم تینوں واپس آرہی تھیں، میں اور دوسری دو لڑکیاں تو پیچھے سے پادری میکھی بولا "میری پیاریو مجھے بوسہ دو۔" مگر نورا نے اُس کے منہ پر تڑاخ سے ایک تھپڑ رسید کیا اور ہم دوڑ پڑیں۔

۴

گرمی بالکل خشک تھی۔ ڈان پایاب ہو چکا تھا۔ بیل کمر بھگوئے بغیر دوسرے کناروں پر پہنچ جاتے تھے۔ رات کو پہاڑیوں کی جانب سے گاؤں کی طرف بھاپ بہتی ہوئی آتی۔ ہوائیں جلتی ہوئی گھاس کی خوشبو ہوتی۔ میدان کی پیداوار سے آگ نکلتی۔ ڈان کی ڈھلانوں پر حبس طاری رہتا۔ رات کو ڈان پر ابر گھر آتے۔ بجلی کی مسلسل کڑک سنائی دیتی لیکن بارش نہ ہوتی۔ بجلی کی لہریں آسمان کے سینے پر تلواریں چلاتیں مگر زمین کا سینہ ٹھنڈا نہ ہوتا۔

ہر رات قبرستان سے الو کی چیخیں گاؤں کے سکوت پر حملہ آور ہوتیں۔

"کوئی مصیبت نازل ہونے والی ہے" گاؤں کے بوڑھے پیش گوئی کرتے اور قبرستان سے آتی ہوئی الو کی چیخیں خوفزدہ ہو کر سنتے رہتے۔

"جنگ سر پر ہے۔ جنگ ترکی سے پہلے اسی قسم کا ایک اُلو بولا کرتا تھا۔"

"اس سے بھلائی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔" پینٹلیمون بھی اُن بوڑھوں کا ہم خیال تھا۔

"گرنگو نے لکھا ہے کہ زار سرحد پر موجود ہے۔ اُس نے فوجوں کو حکم دے دیا ہے کہ وہ ماسکو اور پیٹرز برگ میں آکر جمع ہو جائیں۔"

بوڑھوں کو پچھلی جنگوں کے واقعات یاد تھے۔ وہ ایک دوسرے کی ہاں میں ہاں ملاتے۔

"جنگ نہیں ہوگی" ایک نے اعتراض کیا "ذرا فصل کی طرف تو دیکھو۔"

"فصل کا اس سے کیا تعلق؟ یہ تو طالب علم ہیں جو مصیبت پیدا کر رہے ہیں۔"

"کچھ بھی ہو۔ کون جانتا ہے کہ جنگ ہو۔ پھر بھی اگر ہوئی تو کس سے ہوگی؟"

"ترکوں کے ساتھ۔ میں سچ کہتا ہوں کہ سمندر ان کی راہ میں حائل نہ ہوگا۔"

پھر گفتگو تجارت کی طرف منتقل ہوگئی اور بوڑھے کاروبار میں مشغول ہو گئے۔

دو راتوں سے مارٹن شامیل جو قبرستان کے نزدیک رہتا تھا، اُلّو کی تاک میں تھا، لیکن نظر نہ آنے والا پرندہ اُس کے سر پر اُڑتا اور خوابیدہ گاؤں پر چیخیں برساتا رہتا۔ مارٹن اُسے گالیاں دیتا۔ اور باڑوں کے ایک ٹکڑے پر پتھر پھینکتا ہوا گھر آتا۔ واپسی پر جھونپڑی کے باہر اُس کی دُبلی پتلی مریض بیوی خرگوش سے بھی زیادہ ڈری ہوئی۔ اور زنجیر اُس کا خیر مقدم چڑچڑے پن سے کرتی "تم تو پاگل ہو بالکل، بھلا اُلّو تمھیں کیا کہتا ہے۔ خواہ مخواہ ایک پرندے سے برہم رہتے ہو۔ وہ تمھارے کسی کام میں دخل نہیں دیتا۔ کیا ہوگا اگر اُس پرندے کے ستانے پر خدا تمھیں سزا دے۔ میں نے ابھی ابھی تو پچھلی زچگی سے چارپائی چھوڑی ہے۔ اچھا، کہیں دوبارہ تم سے حاملہ ہوگئی تو؟"

"خاموش بھی رہو گی کہ نہیں" مارٹن حکم دیتا "تم تو ہاتھ لگانے سے حاملہ ہو جاتی ہو لیکن یہ پرندہ یہاں کیا کر رہا ہے۔ یہ ہم پر مصیبت کا پہاڑ توڑ رہا ہے۔ اگر جنگ چھڑ گئی تو وہ مجھے بھی لے جائیں گے۔ اس ڈھیر کی طرف تو دیکھو۔۔۔۔۔" اُس نے اس کونے کی طرف اشارہ کیا جہاں بہت سے بچے سوئے پڑے تھے۔

۵

بہت سے بڈارُوں کو چراگاہوں میں گھاس کی رکھوالی کے لیے بھیج دیا گیا۔ میدان کی گھاس سے دریا کے کنارے کی گھاس نکمی تھی۔ اُس میں خوشبو نہ تھی۔ زمین وہی تھی لیکن تاثیر میں فرق تھا۔ میدان کی زمین سخت تھی۔ ڈھور ڈنگروں کے قدموں کا نشان اُس پر نہ پڑتا تھا۔ بلند اور سرکش خوشبودار گھاس اُگتی تھی۔ دریا کے کنارے کی زمین نم آلود اور بے مصرف تھی جس پر گھاس تو ہوتی تھی مگر بے کار جس کی طرف مویشی آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے۔

گھاس کی کٹائی پورے زور شور سے جاری تھی کہ ایک ایسا واقعہ رُونما ہوا جس نے گاؤں بھر کو ہلا دیا۔ حاکمِ ضلع ایک تحقیقات کرنے والے افسر کے ہمراہ گاؤں میں آیا۔ اتامن کو بھی بُلوایا گیا۔

اور گواہیاں بھی فراہم کرلی گئیں۔ وہ سیدھے بیو کشا کے گھر کی طرف بڑھے۔ وہ گلی کے دھوپ والے کنارے پر چل رہے تھے۔ گاؤں کا اٹامن ان کے آگے آگے نٹ کی طرح کودتا ہوا چل رہا تھا۔ محقق افسر نے سوال کیا "شاک ین گھر ہی پر ہے؟"

"جی سرکار!"

"اس کی روزی کا ذریعہ کیا ہے؟"

"وہ بڑا ہوشیار لوہار ہے۔"

"تم نے اسے کوئی مشتبہ کارروائی کرتے تو نہیں دیکھا؟"

"نہیں سرکار!"

"اس کے ہاں لوگ بھی آتے ہیں؟"

"جی ہاں ـــ تاش کھیلنے کے لیے۔"

"کون کون آتے ہیں؟"

"ہل کے مزدور۔"

"مگر کون کون؟"

"انجینیئر، تولا، ڈیوڈ اور کبھی کبھی بعض کا سک!"

محقق افسر کھڑا ہوگیا اور دوسرے افسر کا انتظار کرنے لگا جو پیچھے رہ گیا تھا۔ ان دونوں نے آپس میں کوئی مشورہ کیا پھر پہلے افسر نے اٹامن کو اپنے قریب بلا کر حکم دیا "دو مسلح فوجی ساتھ لے جاؤ اور ان اشخاص کو، جن کا نام تم نے لیا ہے گرفتار کرلو۔ انھیں پکڑ کر عدالت میں لے آؤ۔ ہم ایک دو لمحے میں آئے جاتے ہیں۔ سمجھ گئے؟"

اٹامن پیچھے کو سرکا اور اس کا حکم بجا لانے کے لیے واپس ہوگیا۔

شاک ین کھلی صدری پہنے دروازے کی طرف پیٹھ کیے رسی کا ٹکڑا رگڑ رہا تھا۔

افسروں کے داخلے پر اس نے مڑ کر دیکھا اور دانتوں میں ہونٹ دبا لیا۔

"تم زیر حراست ہو۔"

"کس لیے؟"

"تمہارے دو کمرے ہیں؟"

"ہاں۔"

"ہم ان کی تلاشی لیں گے۔"

افسر نے میز پر سے کتاب اٹھائی اور ناک بھوں چڑھائی۔

"اس ٹرنک کی چابیاں کہاں ہیں؟" اس نے مطالبہ کیا۔

"مجھ پر اس تشریف آوری کا کرم کیوں کیا گیا ہے؟"

"تم سے باتیں کرنے کے لیے ابھی خاصا وقت ہے۔"

دوسرے کمرے سے شاک مین کی بیوی انوکھے مہمان دیکھ کر پیچھے ہٹ گئی۔ محقق افسر کا سکرٹری اس کے تعاقب میں دروازے کے اندر داخل ہو گیا۔

"یہ کیا ہے؟" افسر نے کتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"ایک کتاب ہے" شاک مین نے کندھے جھٹکا کر جواب دیا۔

"یہ مذاق کسی اور موقع کے لیے اٹھا رکھو۔ سوال کا جواب اچھی طرح دو۔"

"تم اس کا مطالعہ کر رہے ہو؟"

شاک مین نے مسکرا کر کہا "مجھے اس کے مضمون سے دلچسپی ہے۔"

افسر نے اس کتاب کے ورق الٹے پھر اسے میز پر پھینک دیا۔ دوسری کتاب اٹھائی۔ تیسری کا سر ورق پڑھنے لگا۔

"اس قسم کا ادب تم نے کہاں رکھ چھوڑا ہے؟"

شاک مین نے آنکھ اس طرح گھمائی جیسے اس پر وار کر رہا ہو "بس یہی کچھ ہے۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو" افسر نے درشتی کا اظہار کیا۔ "میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔"

"کمروں کی تلاشی لے لو۔"

تلوار ہاتھ میں لیے افسر ٹرنک کے پاس آیا۔ ایک کاسک رضاکار سپاہی اپنے آپ کو عجیب مخمصے میں پا کر صندوق کے کپڑے ایک ایک کر کے باہر نکال رہا تھا۔ اُس نے صندوق خالی کر دیا تھا۔ ورکشاپ اور دُوسرے کمرے میں تلاشی کا کام جاری تھا۔ پُر جوش افسر دیواروں کو بھی ٹھونک ٹھونک کر دیکھ رہا تھا۔

جب تلاشی لی جا چکی تو شٹاک مین کو عدالت میں لے گئے۔ وہ رضاکار سپاہیوں کے آگے آگے چل رہا تھا۔ اُس کا ایک بازو تو اُس کے کوٹ کے پیچھے تھا اور دوسرا ہل رہا تھا جیسے وُہ کیچڑ جھاڑ رہا ہو۔ دُوسرے دیواروں کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

شٹاک مین پر سب سے بعد میں جرح ہوئی۔ ایوان، ڈیوڈ، ویلٹ اور میشا کاشوفائی دوسرے کمرے میں رضاکار سپاہیوں کے پہرے میں کھڑے تھے۔

شٹاک مین کے کاغذات ٹٹولتے ہوئے افسر نے سوال کیا "جب میں نے مل کے قتل کے سلسلے میں تمھارا ملاحظہ کیا تھا تو تم نے اُس وقت یہ راز مجھ سے کیوں چھپایا تھا کہ تم روس کی اشتراکی اور جمہوری مزدور پارٹی کے رُکن ہو؟"

شٹاک مین خاموش رہا۔

"خیر یہ بات تو اب پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ تمھیں اپنے کارہائے نمایاں کے لیے معقول انعام ملے گا۔" اُس نے ملزم کی خاموشی پر بگڑتے ہوئے کہا۔

"براہِ کرم آپ اپنی تفتیش جاری رکھیں" شٹاک مین نے کہا اور سٹول پر بیٹھنے کی اجازت طلب کی لیکن افسر نے کوئی جواب نہ دیا اور اُس کی طرف غُصّے سے گھورا جو بغیر اجازت بیٹھ چکا تھا۔

"تم اس گاؤں میں کب آئے ؟"

"پچھلے سال۔"

"اپنی جماعت کی ہدایت پر؟"

"بغیر کسی ہدایت کے۔"

"تم کتنے عرصے سے اپنی پارٹی کے ممبر ہو؟"

"آپ کس چیز کے متعلق کہہ رہے ہیں؟"

"میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم کتنے عرصے سے اپنی پارٹی کے ممبر ہو؟"

"میرا خیال ہے کہ ......"

"مجھے اس کی پروا نہیں کہ تمھارا کیا خیال ہے۔ سوال کا جواب دو۔ انکار بے فائدہ ہے اور خطرناک ثابت ہوگا۔" افسر نے ایک دستاویز نکالی اور اسے اس کے کاغذات سے نتھی کرتے ہوئے بولا "راستوف سے جو اطلاع موصول ہوئی ہے اُس سے مذکورہ پارٹی سے تمھارا الحاق ثابت ہو جاتا ہے۔"

شاک مین نے اُس دستاویز کو غور سے دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے اُس کی نگاہ دستاویز پر جمی رہی پھر اُس نے جواب دیا "۱۹۰۷ء سے ......"

"اس سے بھی انکار کرتے ہو کہ تمھاری پارٹی نے تمھیں یہاں بھیجا ہے ......"

"جی۔"

"اچھا تو بتاؤ کہ تم یہاں کیوں آئے؟"

"اس لیے کہ یہاں ایک قفل ساز کی ضرورت تھی۔"

"مگر تم نے بالخصوص اسی گاؤں کا انتخاب کیوں کیا؟"

"اسی وجہ سے۔"

"جب سے تم یہاں آئے یا اب، تمھاری پارٹی سے تمھارا کوئی سلسلہ قائم ہے؟"

"نہیں۔"

"کیا انھیں معلوم ہے کہ تم یہاں ہو؟"

"میرا خیال ہے کہ انھیں علم ہے۔"

یہاں پہنچ کر محقق نے چاقو سے پنسل بنائی۔

"کیا اپنی پارٹی کے کسی رکن سے تمہاری خط وکتابت ہے؟"

"نہیں۔"

"تو اس خط کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے جو تلاشی کے دوران میں برآمد ہوا ہے؟"

"وہ میرے ایک دوست کا خط ہے جس کا تعلق کسی بھی انقلابی جماعت سے نہیں۔"

"کیا راستوف سے تمہیں ہدایات بھی موصول ہوئی ہیں؟"

"نہیں۔"

"تمہارے ہاں مل کے مزدور کیوں جمع ہوتے ہیں؟"

شاک مین سوال کی بیہودگی پر حیرت زدہ رہ گیا۔

"وہ جاڑے کی شاموں کو وقت گزارنے کے لیے آجایا کرتے ہیں، ہم تاش کھیلتے ہیں۔"

"اور ایسی کتابیں پڑھتے ہیں جو قانوناً ممنوع ہیں۔" افسر نے لقمہ دیا۔

"نہیں۔۔۔ کیونکہ اُن میں ہر ایک ان پڑھ ہے۔"

"کم از کم مل کا انجینئر اور دوسرے لوگ اس امر سے انکار نہیں کرتے۔"

"یہ سچ نہیں۔"

"مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم اچھے۔۔۔۔۔" اس ادھورے جملے پر شاک مین مسکرایا۔

اور محقق افسر نے جملہ بدلتے ہوئے کہا "تم پختہ کار فراست کے مالک نہیں۔ تم انکار سے اپنے آپ کو گزند پہنچا رہے ہو۔ یہ تو صاف ظاہر ہے کہ تمہاری پارٹی نے تمہیں یہاں بھیجا ہے کہ کاسکو کو ورغلاؤ اور انہیں حکومت کے خلاف بھڑکاؤ۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم حیلہ بازی سے کام کیوں لے رہے ہو۔ تمہارے جرم کی سنگینی اس سے کم تو نہیں ہو جائے گی۔۔۔۔"

"آپ قیاس آرائی سے کام لے رہے ہیں۔ کیا میں سگرٹ پی سکتا ہوں؟"

"ہاں۔"

"شکریہ، اور یہ قیاس آرائی بالکل بے بنیاد ہے۔"

"کیا تم نے مل کے مزدوروں کو یہ کتاب پڑھ کر سنائی تھی؟" محقق نے ایک چھوٹی سی کتاب اٹھائی جس کے سرورق پر صرف پلاخوف کا نام لکھا جاتا تھا۔

"ہم شعر پڑھا کرتے تھے۔" شٹاک مین نے جواب دیا اور سگرٹ کا کش لگایا۔

دوسرے دن صبح کو ڈاک کی گاڑی گاؤں سے روانہ ہوئی۔ پچھلی نشست پر شٹاک مین اونگھ رہا تھا۔ اس کے دائیں بائیں رضاکار سپاہی ننگی تلواریں لیے ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک چیچک کے داغوں والا رضاکار سپاہی، جس نے شٹاک مین کے صندوق کی تلاشی لی تھی، اسے کہنی سے پکڑے ہوئے تھا اور اسے کنکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔ گاڑی سڑک پر بری طرح کھڑکھڑا رہی تھی۔ میلیخوف کے کھیت کے قریب ایک ٹھگنے قد کی عورت اس گاڑی کے انتظار میں کھڑی تھی۔ اس نے شال لپیٹ رکھی تھی۔ جب گاڑی اس کے پاس سے گزری تو اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کا تعاقب کیا۔ "شٹاک مین —— شٹاک مین...." شٹاک مین بھی ہاتھ ہلا کر کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن چیچک کے داغوں والا رضاکار سپاہی اسے جھنجھوڑ کر بٹھاتے ہوئے وحشتناک آواز میں بولا "بیٹھے جاؤ ورنہ ایک کے دو کر دوں گا۔"

اس سپاہی نے زندگی میں پہلی دفعہ وہ شخص دیکھا جو زار کا مخالف تھا۔

۲

تاتارسک سے رازی نیلاؤ کے قصبے کو جاتی ہوئی لمبی سڑک گہری دھند میں بہت دور پیچھے رہ گئی تھی۔ گریگر اس سڑک کو یاد کر رہا تھا مگر اسے سٹیشن کی عمارت کے سوا کچھ یاد نہ آتا تھا۔ گاڑی کے پہیوں کی کھڑکھڑاہٹ، گھوڑوں اور گھاس کی خوشبو، گاڑیوں کے پہیوں کے نیچے بچھی ہوئی ریل کی لائن اور کیف یا وارنیز کے سٹیشن پر روسی پولیس کے سپاہی کا بارلیش دبدبت چہرہ اسے یاد تھا۔ اور کوئی بات یاد نہ تھی۔

جس جگہ وہ ریل گاڑی سے اُترے گئے وہاں بے ریش و بدوت افسروں کا اجتماع تھا۔

وہ ایسی زبان بول رہے تھے جو گرگجہ کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ گھوڑوں کو اتارنے میں بڑی دیر لگی۔ جب گھوڑوں کو اتارنے کا کام ختم ہو چکا تو دستے کا کمانڈر بتن سو کاسکوں کو گھوڑا ہسپتال لے گیا۔ یہاں گھوڑوں کے معاینے کا لمبا سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد فوج میں ضروری اشیا تقسیم کی گئیں۔ پہلی فوج ہلکے بھورے گھوڑوں کی بنائی گئی، دوسری سرنگ اور سمند رنگ کے گھوڑوں کی اور تیسری گہرے سرنگ رنگ کی۔ گرگجہ کو چوتھی فوج میں لیا گیا جو کھلے سنہری مائل رنگ گھوڑوں پر مشتمل تھی۔ پانچویں سرخی مائل بادامی رنگ کے گھوڑوں کی فوج تھی اور چھٹی سیاہ رنگ کے گھوڑوں کی۔

اُن کی سڑک پھر چڑھائی کی طرف جاتی تھی۔ ڈان کے گھوڑوں نے پتھریلی سڑک پر کبھی قدم نہ رکھا تھا۔ وہ بڑی احتیاط سے قدم اُٹھا رہے تھے۔ کان کھڑے کرتے اور نتھنے پھلاتے ہوئے پیچھے ہٹ رہے تھے۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد وہ اس سڑک کے عادی ہو گئے۔ پولینڈ کی ناآشنا سرزمین جنگلوں سے پر تھی۔ دن گرم تھا اور مطلع ابر آلود۔ سورج گاڑھے بادلوں کے پردے میں جھلک رہا تھا۔

رازی فیلافو کی جاگیر سٹیشن سے تین میل کے فاصلے پر تھی۔ وہ آدھ گھنٹے میں وہاں پہنچ گئے۔ گھوڑے کی گردن پر تھپکیاں دیتے ہوئے گرگجہ نے دو منزلہ مکان کی طرف دیکھا جو خوبصورت تھا اور جس کے گرد لکڑی کی باڑ تھی۔ جب وہ ننگے درختوں کے پاس سے گزرے تو ان پر وہی سکوت نغمہ ریز تھا جو انھوں نے ڈان کے کنارے سنا تھا۔

اب کاسکوں کو زندگی کا تلخ اور مشکل ترین پہلو نظر آیا۔ کھیت کی محنت سے جدا کر دیے جانے کے بعد ابتدا میں وہ بڑی حد تک تھک جاتے اور بیشتر وقت گفتگو میں صرف کرتے۔ گرگجہ کی پلٹن ٹائلوں کی چھت کے نیچے پڑی تھی۔ گرگجہ کا بستر سب سے آخری کھڑکی میں تھا۔ کھڑکی پر لگایا ہوا کاغذ رات کی ہوا میں گڈریے کے بگل کی طرح بولتا۔ اُسے سن کر اُس کا جی اُٹھنے کو چاہتا۔ اُس کا دل چاہتا کہ اصطبل میں جائے اور گھوڑے پر زین ڈال کر گھر چل دے۔

جاگ کا بگل پانچ بجے صبح بجا۔ دن کا سب سے پہلا کام گھوڑوں کے بدن صاف کرنا اور جھاڑنا تھا۔ گھوڑے گھاس اور دانہ کھانے تو انھیں بات چیت اور خوش گپیوں کے لیے آدھ گھنٹے کا وقفہ مل جاتا۔

"یہ زندگی تو جہنم کی زندگی ہے سا تھیو!"

"مجھ سے تو نباہ نہ ہوگا۔"

"اور وہ سارجنٹ میجر! کیا سؤر کا بچہ ہے۔ وہ تو ہمیں گھوڑوں کے کھر دھونے کو بھی کہتا ہے۔"

"آج منگل ہے اور گھر پر کیک بن رہے ہونگے۔"

"مجھے یقین ہے میری بیوی گذر رہی ہو گی خدا جانے میرا مائیکل کیا کر رہا ہو گا!"

ورزش کے وقت یہ آمدے میں افسر سگرٹ پیا کرتے۔ گرگیجہ ورزش کرتے ہوئے جب اُن کی دُھلی اور جسم سے چمٹی ہوئی وردیاں دیکھتا تو اُسے ایسا معلوم ہوتا کہ اُس کے اور اُن کے درمیان ایک ناقابلِ عبور دیوار حائل ہے۔ وہ ان سے بالکل مختلف تھے۔ انھیں کیچڑ کا خوف نہ تھا، مکھیوں کا ڈر نہ تھا اور سارجنٹ میجر کے مکّوں کا اندیشہ نہ تھا۔

رازی فیلا فو میں پہنچنے کے تیسرے دن ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے گرگیجہ کو اور بھی بیزار کر دیا اور اس پر ایک اذیت ناک نقش چھوڑا۔ وہ رسالے کی مشق میں مصروف تھا کہ پراخرنکیف کے گھوڑے نے سارجنٹ میجر کے ٹھوکر مار دی۔ ضرب نہایت ہلکی پڑی تھی مگر سارجنٹ میجر مشتعل ہوگیا۔ اُس نے پراخر کے چہرے پر چابک سے حملہ کیا اور بولا "گھوڑا باندھ کر کیوں نہیں رکھتا سؤر کے بچے— میں مزہ چکھا دوں گا.... تمھیں تین سال میرے ساتھ رہنا ہو گا۔"

دستے کا کمانڈر یہ نظارہ دیکھ رہا تھا مگر اُس نے پنجہ کُھجاتے ہوئے منہ موڑ لیا۔ پراخر کے لب کانپ رہے تھے۔ اُس کے سوجے ہوئے رخسار سے خون بہ رہا تھا۔ جب گرگیجہ افسروں کے پاس سے گزرا تو اُس نے دیکھا کہ وہ نہایت غیر ضروری گفتگو کر رہے تھے۔ وہ کچھ ایسی بے پروائی

کا اظہار کر رہے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔

۷

بے کیف فوجی زندگی نے کاسکوں کی شگفتگی اور زندہ دلی کچل کر رکھ دی تھی۔ شام تک انھیں گھوڑے پر یا کھڑے ہو کر ورزش کرنی پڑتی۔ شام کو گھوڑوں کی مالش کرنی پڑتی اور انھیں دانہ کھلانا پڑتا۔ رات کو دس بجے حاضری لگتی اور سارجنٹ میجر اپنے سامنے لگی ہوئی قطاروں پر نظر دوڑاتا۔

صبح سے پھر وہی سلسلہ شروع ہو جاتا اور دن ویسے کے ویسے ہی گزرتے۔ ساری جاگیر میں صرف دو عورتیں تھیں۔ ایک وارڈنے کی بوڑھی بیوی اور دوسری اس کی نوجوان حسین باورچن فرینیا۔ فرینیا اکثر اسی باورچی خانے میں نظر آتی تھی جس کا اہتمام فوج کے لیے ایرد بڑے باورچی کے ہاتھ میں تھا۔ فوج کے نوجوان گھنٹوں اس کے ونگے کا رقص دیکھتے رہتے۔ جتنی دیر وہ باورچی خانے رہتی بہت سی آنکھیں اس کی ایک ایک حرکت کی نگرانی کرتیں۔ نوجوان افسروں اور سپاہیوں کو اپنی طرف متوجہ پاکر اس کی شوخی میں اضافہ ہو جاتا۔ وہ کولہے ہلاتی ہوئی ادھر سے ادھر پھدکتی رہتی۔ چھلاوا بن جاتی۔ نوجوانوں کے جذبات بھڑکاتی۔ خصوصاً افسروں کی طرف دیکھ کر مسکراتی۔ ہر ایک اس کی توجہ کا طالب تھا۔ لیکن افواہ اڑ چکی تھی کہ دستے کے کمانداروں نے اسے جیت لیا ہے۔

ایک دن آغازِ بہار میں گریگر اصطبل کا پہرا دے رہا تھا۔ وہ زیادہ دیر اس کونے پر کھڑا رہتا جہاں افسروں کے گھوڑے ایک گھوڑی کی موجودگی پر مشتعل ہو رہے تھے۔ وہ کماندار دستہ کے گھوڑے کے قریب سے گزرا تو اسے اصطبل کے تیرہ و تار کونے سے کھینچا تانی اور مدھم چیخوں کی آواز سنائی دی۔ خلافِ معمول شورش کر کے تعجب ہوا۔ اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ جب دفعتہً کسی نے اصطبل کا دروازہ بند کر دیا اور اسے ایک آواز سنائی دی۔

"سامنے آجاؤ۔"

گریگر نے قدم تیز کیے "کون ہے؟"

"دُوسرے لمبے دستے کے حوالدار سے اُس کی ٹکر ہوتی" اور تم ہو میلیخوف!" سارجنٹ نے آہستہ سے کہا اور گریگر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا "خاموش رہو۔"

گریگر نے مطالبہ کیا "کھڑے رہو، کیا بات ہے؟"

سارجنٹ مسکرایا اور اس نے ہنستے ہوئے گریگر کی آستین پکڑ لی۔ آستین چھڑا کر گریگر نے دروازہ کھول دیا اور اندر کی طرف بھاگا۔ پہلے پہل تو وہ کچھ نہ دیکھ سکا۔ لیکن جلد وہ کمرے کے اندھیرے سے مانوس ہو گیا۔ دُور کونے میں اُسے ذاکف پتلون کے بٹن لگاتا ہوا نظر آیا۔

"کیا ہے.... کیا کر رہے ہو یہاں؟"

"جلدی کرو۔ دوڑو۔" اُنھوں نے لڑکی کو باورچی خانے سے گھسیٹ لیا۔ فرینیا کو ننگا کر دیا ہے۔" گریگر نے اُسے مکا مار کر اصطبل کی دیوار تک پھینک دیا اور کونے میں لپکا۔ اُس نے پہلی فوج کے سپاہیوں کو درمیانی جگہ حاصل کرنے کے لیے باہم دھکے دیتے دیکھا۔ اُس نے خاموشی سے دھکا دے کر راستہ نکالا اور آگے بڑھا۔ فرینیا بے حس و حرکت فرش پر پڑی تھی۔ اُس کے سر پر گھوڑے کی اوڑھنی لپٹی ہوئی تھی۔ ایک کازاک اُس پر سے ابھی ابھی اُٹھا تھا۔ پتلون کو اوپر تک کھسکا رہا تھا اور ساتھیوں سے نگاہ نہ ملا رہا تھا۔ وہ پیچھے ہٹا تا کہ دوسرا اُس کی جگہ لے سکے۔ گریگر دوبارہ دروازے تک دوڑتا ہوا آیا۔ اُس نے سارجنٹ میجر کو آواز دی۔ دُوسرے کازاکوں نے دوڑ کر اُسے پکڑ لیا۔ اُس نے ایک کو تو دھکا دیا اور دُوسرے کی پسلی میں ٹھوکر لگائی۔ دُوسروں نے گھوڑے کی اوڑھنی میں اُسے لپیٹ دیا اور اُس کے ہاتھ سر سے اونچے باندھ دیئے۔ اُس نے چیخنا چاہا لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔ کونے سے سرگوشیوں کی آواز آ رہی تھی۔ بیس منٹ کے بعد اُسے آزاد کیا گیا۔ سارجنٹ میجر دُوسرے دو کازاکوں کے ساتھ دروازے میں کھڑا تھا۔

"خبردار جو تم بولے" سارجنٹ میجر نے گریگر کو ہدایت کی۔

دو کازاک اندر آ گئے اور بے حس و حرکت فرینیا کو اُٹھا کر اصطبل کی کھڑکی سے باہر رکھ دیا۔ کھڑکیوں سے سر نکال کر کازاک دیکھنے لگے۔ بے حس و حرکت فرینیا اُٹھ کر کیا کرے گی۔ گریگر

کے دل میں بھی اسی تجسس نے انگڑائی لی۔ اُس نے بھی کھڑکی سے سر نکال کر دیکھا۔ ایک درجن سے زیادہ آنکھیں فرینیا پہ مرکوز تھیں۔ فرینیا دیوار کے پاس بڑی قینچی کی طرح اپنی ٹانگیں چلا رہی تھی اور اُس کی انگلیاں دیوار کے سہارے کی برف ٹٹول رہی تھیں۔

وہ دیر تک یونہی پڑی رہی۔ پھر وہ اُٹھی۔ ایک ہاتھ سے وہ باڑ کا بانس پکڑے اور دُوسرے سے دیوار کا سہارا لیے ہوئے تھی۔ گریگر دیکھ رہا تھا کہ اُس کے پاؤں لرز رہے تھے۔ یکایک اُس نے مڑ کر کھڑکیوں میں سے نکلے ہوئے چہروں پہ ایک ناآشنا نگاہ ڈالی۔ اس کی نگاہوں میں دشمنی جھلک رہی تھی۔ پھر وہ خاموشی سے گزر گئی۔

گریگر نے کھڑکی میں سے چھلانگ لگا دی۔ اُس کا دم گھٹ رہا تھا۔ دروازے پر کسی نے اُسے روک کر کہا۔ بعد میں تو اُسے یاد بھی نہ رہا کہ وہ کون تھا جس نے اُس سے یہ الفاظ کہے تھے "اگر کسی سے ایک لفظ بھی کہا تو خدا کی قسم جان سے مار دوں گا۔"

پریڈ کے میدان میں دستے کے کمانڈر نے یہ بھانپ کر کہ گریگر کے بڑے کوٹ کا ایک بٹن ٹوٹا ہوا ہے کہا:

"کس سے کشتی لڑے ہو؟ تمہارا یہ کیا ڈھنگ ہے؟"

گریگر نے لمبے کوٹ کے سوراخ پہ نظر دوڑائی جہاں سے ایک بٹن غائب تھا... اُسے یکایک کچھ یاد آ گیا۔ کئی دن تک یہ تلخ یاد اُسے رُلاتی رہی۔

چودہ

۱

جولائی کا دن تھا گرم اور روشن فضا میں حبس کا عالم تھا۔ پکے ہوئے گیہوں کے ڈھیروں سے زرد بھاپ اڑتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ فصل کاٹنے والوں کی درانتیاں اتنی گرم ہو چکی تھیں کہ ہاتھ لگانا دشوار تھا۔ زرد اور آگ اگلتا ہوا آسمان دیکھنے سے تکلیف ہوتی تھی۔ جہاں گیہوں کے ڈھیر ختم ہوتے وہاں سے مہین زعفرانی گھاس کی لہریں شروع ہو جاتیں۔

تاتارسک کے گاؤں کا ہر باشندہ میدان میں موجود تھا۔ گھوڑے تمازتِ آفتاب میں تلملا رہے تھے۔ دریا سے آتی ہوئی ہوا گرد و غبار کے بادل بنا رہی تھی۔ سورج گرد کے دھندلکے میں چھپا ہوا تھا۔

پیوترا کٹی ہوئی فصل سمیٹ رہا تھا اور صبح سے اب تک پانی کی آدھی بالٹی پی چکا تھا۔ جب پانی پی چکتا تو اس کا حلق پھر سے خشک ہو جاتا۔ پسینے سے اُس کا قمیص گیلا ہو چکا تھا۔ چہرے سے پسینہ بہ رہا تھا۔ کان کے پاس تو پسینے کی رو مسلسل جاری تھی۔ ڈاریا چہرہ رومال میں چھپائے اور قمیص کے بٹن کھولے گیہوں کے گٹھے بنا رہی تھی۔ اُس کی چھاتیوں میں پسینے کی لکیر بہ رہی تھی۔ نتالیا گھوڑے ہانک رہی تھی۔ اُس کے گال شعلہ گوں تھے۔ چمکتے ہوئے سورج کی چھنتی ہوئی شعاعوں کے سبب آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ پنٹلیمون اناج کے گٹھوں پر ادھر اُدھر پھُدک رہا تھا۔ اُس کا بھیگا ہوا قمیص جسم سے چمٹا ہوا تھا۔ ڈاڑھی سیاہ اور پگھلتی ہوئی موم تھی جو پسینے پر بہتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

ڈاریا تمازت کی تاب نہ لاتے ہوئے بولی "پیوترا ۔۔۔ میرے خیال میں ہمیں کام بند کر دینا

چاہیے۔"

"کچھ دیر ٹھہرو، یہ قطار ختم کرلیں۔"

"دن ذرا ٹھنڈا ہو جائے۔ اس وقت تک کام اٹھا رکھو۔ میں تھک چکی ہوں۔"

نتالیا نے گھوڑے روک لیے۔ اس کے سینے میں زیروبم پیدا تھا جیسے وہ اناج کاٹنے کی مشین خود کھینچتی رہی ہو۔ ڈاریا ان کے نزدیک آ کر گویا ہوئی "پیوترا بحہ جنگل سے دور تو نہیں!"

"کوئی دور نہیں۔ صرف دو میل کے فاصلے پر ہیں۔"

"تو چلو نہا آئیں۔"

"آنے جانے میں....." نتالیا نے آہ سرد بھری۔

"آنے جانے میں کیا — پیدل تو نہیں جائیں گے، گھوڑوں پر چلیں گے۔"

پیوترا نے باپ کی طرف دیکھا اور حکم دیا "اچھا، تو گھوڑے کھول دو۔"

ڈاریا نے گھوڑے کے بندھن کھول دیے اور کود کر گھوڑی پر سوار ہو گئی۔ نتالیا مسکراتی ہوئی فصل کاٹنے کی مشین تک گئی اور اس پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔ پیوترا نے اسے چڑھنے میں امداد دی۔ وہ چل پڑی۔

ڈاریا تو ایک کاساک کی طرح گھوڑے پر سوار تھی اور ان کے آگے آگے دلکی چال جا رہی تھی اس کا لہنگا گھٹنوں سے بھی اوپر اٹھ چکا تھا۔ رومال پیٹھ پر آ گرا تھا۔

کھیتوں میں سے نکالے ہوئے راستوں سے گزرتے ہوئے پیوترا نے بائیں جانب دیکھا۔ گاؤں کی طرف آتی ہوئی سڑک سے گرد اڑتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

"کوئی گھوڑے پر سوار آ رہا ہے" اس نے نتالیا سے کہا۔

"اور تیز بھی ہے — ذرا گرد و غبار تو دیکھو" نتالیا نے حیرت کے عالم میں جواب دیا۔

"ڈاریا — یہ کون ہو سکتا ہے" پیوترا نے بیوی کو پکار کر پوچھا "ایک لمحے کے لیے نگاہیں کھینچ لو اور دیکھو کہ گھڑسوار کون ہے۔"

غبار کا بادل خلا میں گم ہو گیا مگر جلد ہی دوبارہ نمودار ہوا۔ غبار میں سے گھڑسوار کا جسم دیکھا جا سکتا تھا۔ اُس نے ہتھیلی سے تنکوں کی ٹوپی پر سایہ کیا اور گھورنے لگا۔ اُسے کچھ نظر نہ آیا اور اضطراب کے عالم میں دُوسری طرف دیکھنے لگا۔ اُس کے چہرے پہ ملاہٹ نمایاں ہو چکی تھی۔

اب گھڑسوار صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ گھوڑے پہ اس طرح سوار تھا جیسے تیز ہوا کے کندھوں پر بگولا۔ اس کا بایاں ہاتھ ٹوپی پر تھا اور دائیں ہاتھ میں سُرخ رنگ کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اب تو پیوتڑا کو اُس کے گھوڑے کی سانس بھی سُنائی دینے لگی تھی۔ وہ جب اُن کے پاس سے گزرا تو چلایا "خطرہ......" اُس کے گھوڑے کے مُنہ سے زرد گاڑھا جھاگ گرا اور اُس کے سُموں کے نشان پر جا پڑا۔

پیوتڑا نے آنکھوں سے گھڑسوار کا تعاقب کیا۔ لیکن اُسے گھوڑے کا پُٹھا جو بھیگا ہوا تھا ہمیشہ کے لیے یاد رہا۔ پیوتڑا یہ نہ سمجھتے ہوئے کہ کس قسم کی بلا ان پر نازل ہونے والی ہے خاک پہ پڑا ہوا جھاگ دیکھنے لگا۔ ہر طرف سے کاسک زرد زرد گھاس روندتے ہوئے گاؤں کی طرف لپکے جا رہے تھے۔ میدان میں چاروں طرف گھڑسواروں کی اُڑتی ہوئی گرد چھائی جا رہی تھی۔

"یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے...؟" نتالیا نے پیوتڑا کی طرف ایسی خوف زدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا جس طرح پنجرے میں بند خرگوش دیکھا کرتا ہے۔ وہ چونک پڑا اور دوڑ کر اناج کاٹنے کی مشین تک گیا۔ وہ گھوڑے سے کوٹ پڑا اور پتلون پہن لی جو اس نے کام کرتے وقت اتار دی تھی۔ اُس نے ہاتھ ہلا کر باپ کی طرف اشارہ کیا اور وہ گھوڑے کو تیزی سے دوڑاتا ہوا میدان کے گرد و غبار میں اضافہ کرنے لگا۔

۲

چوک میں خاصا ہجوم تھا۔ بیشتر لوگ فوجی وردیاں پہن رہے تھے۔ آٹامن کی فوج کی لمبی نیلی

ٹوپیاں دوسروں کی ٹوپیوں سے زیادہ بلند تھیں۔

گاؤں کا شراب خانہ بند کر دیا گیا تھا۔ فوجی افسروں کی نگاہوں میں تشویش و اضطراب کی جھلک تھی۔ عورتیں تفریح کا لباس پہنے باڑ کے قریب قطار باندھے کھڑی تھیں۔ لہر دوڑ چکی تھی سو وہ غضب آلود ہو کر زمین پر زور زور سے پاؤں مار رہے تھے۔ چوک میں خالی بوتلیں بکھری ہوئی تھیں سستی مٹھائیوں کے خالی کاغذ ہر طرف منتشر تھے۔ فضا پر غبار کا بادل چھایا ہوا تھا۔

پوترا گھوڑے کی لگام پکڑ کر آگے بڑھا۔ گرجے کی باڑ کے قریب ایک بھاری بھر کم سیاہ فام کاسک، جو اتامن کی فوج کا سپاہی تھا، نیلی پتلون کے بٹن لگا رہا تھا۔ اُس کے لبوں پر تبسم تھا۔ اُس کے ارد گرد ایک پتلی عورت، جو شاید اُس کی بیوی تھی یا معشوقہ، چکر کاٹ رہی تھی۔ اُس کے نزدیک ہی سرخ ڈاڑھی والا سارجنٹ میجر ایک توپچی سے سرگرم گفتگو میں مشغول تھا۔

"کچھ بھی نہ ہوگا — گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ چند دن کے بعد ہم گھر لوٹ آئیں گے۔ یہ جنگی تیاریاں عارضی ہیں۔"

"فرض کرو اگر جنگ چھڑ گئی تو؟"

"کیا کہتے ہو میرے دوست — دنیا کی کونسی طاقت ہے جو ہمارے مقابل آسکتی ہے۔"

ساتھ کے گروہ میں ایک خوبصورت کاسک جھنجلا رہا تھا "ہمیں اس جنگ سے کیا غرض؟ انھیں لڑنے دو۔ ابھی تو ہمارے گیہوں کھیتوں میں پڑے ہیں۔"

"کس قدر شرم کی بات ہے۔ ہم یہاں کھڑے ہیں۔ آج کے دن تو ہم سال بھر کا کام ختم کر لیتے۔"

"مویشی اناج کی پولیوں کو روند ڈالیں گے۔"

"ہم نے ابھی جو کاٹنے ہی شروع کیے تھے۔"......

"اتامن نے تو ہمیں بتایا تھا کہ سخت ضرورت کے وقت بلائے جائیں گے۔"

"ایک سال کے بعد مجھے پنشن مل جاتی" ایک کاسک کفِ افسوس ملتا ہوا بولا۔

"گھبراؤ نہیں — جوں جوں آدمی ختم ہوتے جائیں گے بوڑھوں کو بھی بُلا لیا جائے گا"

تین کاسک ایک بدمست کاسک کو ہاتھوں سے پکڑے ہوئے لائے۔ اُس کے لباس پر خون کے دھبے تھے۔ اُسے گاؤں کی عدالت میں لے جانے لگے۔ اُس نے دفعتہً اپنے آپ کو اُن کی قید سے رہا کر لیا۔ قمیص پھاڑ ڈالا اور بولا "میں ان کسانوں کو بتا دوں گا — ہلاک کر دوں گا انھیں — میں ان کا خون پی جاؤں گا۔ بتا دوں گا کہ ڈان کا کاسک کیا بلا ہوتا ہے — !!"

اس کے گرد جو لوگ دائرے میں کھڑے تھے اُنھوں نے قہقہہ لگایا۔

"ٹھیک کہتے ہو — ان کا یہی علاج ہے"

"لیکن اسے باندھ کیوں رکھا ہے؟" ایک نے سوال کیا۔

"یہ ایک کسان سے لڑ کر آیا ہے"

"کسان مار پیٹ کے سزاوار بھی ہیں ......"

"۱۹۰۵ء میں کسانوں کو سرنگوں کرنے کے لیے میں نے ہاتھ بٹایا تھا!"

"میٹنگ پھر ہوگی — کسانوں کو کچلنے کے لیے ہمیں پھر بلایا جائے گا" — بوڑھے کہہ رہے تھے — ماخوف کی دکان کے باہر بھی اژدحام تھا — درمیان میں ایوان ٹوملن، سرجی ماخوف سے جھگڑ رہا تھا —

"یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟"

"مجھ پر اعتبار کرو — ابھی ابھی کوئی فساد ہوگا۔ میرے دوست، دوڑ کر آٹامن کو بلا لاؤ" ٹوملن نے پسینے سے بھیگے ہوئے ہاتھ پتلون سے پونچھے اور چلیں برجبیں تاجر کو دباتے ہوئے یوں مذاق اڑایا:

"تو سود سے ہمارا خون چوستا ہے۔ تو نے ہمیں لوٹ لیا ہے — سؤر کے بچے!

اب تمہارا دماغ آسمان سے باتیں کرنے لگا ہے ــــ اژدہے ! میں تجھے کچل کر رکھ دوں گا۔ سانپ کے بچے !"

گاؤں کا اتامن لوگوں کو تسلی دے رہا تھا ــــ "جنگ ــــ نہیں، جنگ نہیں ہوگی۔ یہ تیاریاں تربیتی بندی کے طور پر کی جا رہی ہیں ــــ تمھیں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔"

"خوب ــــ !! اور گھر آتے ہی دوبارہ کھیتوں پہ مصروف ہو جائیں گے۔" ہر کسی کی زبان پر یہی جملہ تھا ــــ

خاصی رات گزرے تک چوراہا ہجوم کے شور و غل سے گونجتا رہا۔

۳

ٹاٹارسک سے اور پڑوس کے دوسرے دیہات سے پہلا فوجی دستہ روانگی کی دوسری رات کو ایک چھوٹے سے گاؤں میں اقامت گزیں ہوا۔ ٹاٹارسک کے نچلے کنارے کے کاسک اوپر کے کنارے کے کاسکوں سے الگ ٹھہرے ہوئے تھے۔ پیوترا، انی کشکا، کرسٹونیا، سٹیپن اور دلیان ٹوملن ایک ہی جھونپڑی میں تھے ــــ گھوڑوں کے کمبل بچھا کر کاسک بیٹھ چکے تھے۔ باورچی خانہ اور سامنے کا کمرہ ان سے بھر چکا تھا۔ وہ آخری سگرٹ پی رہے تھے۔ گھر کا مالک ایک بلند قامت اور نحیف بوڑھا اُن سے بیٹھا باتیں کر رہا تھا ــــ اس بوڑھے نے ترکی کی جنگ میں حصہ لیا تھا ــــ

"سپاہیو ! جنگ کے میدان میں جا رہے ہو ؟"

"ہاں دادا" ــــ

"میرا خیال ہے کہ ترکی کی جنگ جیسی تو یہ جنگ شدید نہ ہوگی ــــ اب ان کے پاس ہتھیار دوسرے ہیں ۔"

"اتنی ہی شدید ہوگی یہ جنگ بڑے ابا ــــ جس طرح ترکوں کو تم نے ہلاک کیا تھا اسی طرح کسانوں کو اب ہم ہلاک کریں گے" ــــ ٹوملن غصّے سے غرّا کر بولا۔

"میرے بیٹو ــــ میں تم سے ایک بات کہوں گا ــــ اور اس پر توجہ کرنا۔ اُسے ہمیشہ دھیان میں رکھنا" بوڑھا بولا "اگر تم چاہتے ہو کہ اس جنگِ خونیں سے دوبارہ زندہ لوٹ آؤ تو انسانیت کو ہاتھ سے نہ جانے دینا ــــ اور وہ قانونِ انسانیت یہی ہے کہ ....."

"کیا ہے؟" سیٹیپن نے مسکراتے ہوئے سوال کیا ــــ آغازِ جنگ کی خبر سُن کر وہ بے حد مسرور ہوا تھا ــــ جنگ نے اُسے دعوت دی ــــ دعوتِ پیکار ــــ!! وہ مسرور تھا اور دُکھ بھول چکا تھا ــــ

"یہی کہ دُوسرے کی چیز نہ اُٹھانا ــــ یہ تو پہلا قانون ہے۔ دُوسرا ہے، خدا سے خوف کھانا کسی عورت کو گزند نہ پہنچانا، ہمیشہ نماز ادا کرنا"

کاسک متوجہ ہو گئے اور یک زبان ہو کر بول اُٹھے "ہم تو شکر کریں گے اگر ہماری چیزیں محفوظ رہیں۔ دُوسروں کی چیزیں اُٹھانے کا سوال تو بعد میں پیدا ہوتا ہے..."

"عورت کو کیوں نہ چھیڑیں ــــ اتنے دن برداشت کیونکر کر سکیں گے ــــ صبر و تحمل کہاں سے لائیں گے؟"

بوڑھا ان کے چہروں پر نگاہیں گاڑتا ہوا بولا "عورتوں کو نہ چھیڑنا۔ اگر صبر و تحمل سے کام نہ لو گے تو دیوانے ہو جاؤ گے ــــ پچھتاؤ گے ــــ لیکن بعد میں پچھتانے سے کچھ نہ بنے گا ــــ نماز ضرور ادا کرنا ــــ میں پچھلی ترکی کی جنگ میں انھیں نمازوں کی بدولت سلامت رہا تھا" ...... وہ دوسرے کمرے میں گیا اور وہاں سے ایک کاغذ لے کر آیا ــــ "یہ دعائیں اور نمازیں لکھ لو ...... کیونکہ سحر سے پہلے تمھیں روانہ ہونا ہے" اُس نے کاغذ میز پر پھیلا دیا اور وہیں رکھا رہنے دیا۔ انی کشکا نے وہ کاغذ اُٹھایا ــــ روشنی اُس کے نسوانی چہرے پر پڑ رہی تھی۔ سٹیپن کے سوا سب نے ان دعاؤں کو نقل کیا۔ انی کشکا نے کاغذ گول کر کے گلے میں پڑی ہوئی صلیب کے دھاگے سے باندھ لیا۔ سٹیپن نے تمسخر کے انداز میں کہا:

"جوتوں کے لیے تم نے خوب ٹھکانا بنایا"

"نوجوان ۔۔۔ !! اگر کسی چیز پر تمہارا اعتقاد نہیں تو خاموش رہو" ۔۔۔ بوڑھا چلّایا۔ "دوسرے کی راہ کا روڑا نہ بنو۔۔۔ ایسا کرنا گناہ ہے ۔۔۔" سٹیپن مسکرایا لیکن خاموش رہا۔

کاسکوں نے تین دعائیں نقل کی تھیں جن کا انتخاب اُن پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ حملے کے وقت کی دُعا یوں تھی :

"اے خداوند ۔۔۔ ہمارے خدا کی مقدس ماں اور اے ہمارے مسیح ۔۔۔۔۔ تیرا غلام، تیرے خدا کا غلام میدانِ جنگ میں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اُتر رہا ہے ۔۔۔ ان سب کو اپنے سائے میں لے لے۔ ان کی حفاظت کر۔۔۔ اے مقدس آسمانی باپ ! میرا بچاؤ کر۔ مجھ بندۂ خدا کی حفاظت کر، میرے ساتھیوں کو محفوظ رکھ۔ گناہگار انسانوں کو مجھ پر گولیاں چلانے کی اجازت نہ دے۔ اُن کے نیزے مجھ سے دُور رکھ ۔۔۔ ان کی کلہاڑیوں اور تلواریں مجھے ہلاک یا مجروح نہ کر سکیں۔ نہ اُن کے چاقو میرا جسم چھلنی کر سکیں۔ بوڑھا یا جوان، کالا یا گورا ۔۔۔ دہریہ یا جادوگر کوئی بھی مجھ پر حملہ آور نہ ہو سکے ۔۔۔ سب کچھ میرے سامنے ہے۔ سمندروں میں بویان کا جزیرہ ہے۔ اُس میں ایک لوہے کا کھمبا ہے۔ لوہے کے کھمبے پر ایک لوہے کا آدمی ہے ۔۔۔ وُہ لوہے پر ہر قسم کی دھات پر جادو پھونک دیتا ہے ۔۔۔ اے لوہے ۔۔۔ اپنی ماں زمین کے پیٹ میں چلا جا۔ مجھ سے دُور رہ ۔۔۔ میرے نزدیک نہ آ۔ میرے گھوڑے اور میرے ساتھیوں سے دُور رہ کر گزر جا ۔۔۔ تیر جنگلوں میں چلے جائیں۔ تیروں کے پر ہوا میں اُڑ جائیں اور اس پر چپکی ہوئی سریش مچھلی کے پیٹ میں چلی جائے ۔۔۔ مجھ بندۂ خدا کو لوہے سے، گولی سے، توپ کے گولے سے، چاقو اور نیزے سے محفوظ رکھ۔ میرا جسم زرہ بکتر سے بھی مضبوط ہو جائے ۔۔۔ آمین ۔۔۔ !!"

دُوسری دُعائیں بھی اس دُعا سے ملتی جلتی تھیں۔ کاسکوں نے دُعائیں لکھ کر قمیصوں میں رکھ لی تھیں۔ ان تحائف اور تعویذ گنڈوں کے ساتھ جو ان کی ماؤں نے دیئے تھے، ایسی دعائیں بوڑھے کے ہمراہیوں کے پاس بھی تھیں۔ مگر موت کسی کو نہیں چھوڑتی۔ ان کی

لاشیں گلیشیا اور مشرقی پرشیا کے میدانوں میں سڑتی رہی تھیں۔ کارپیتھیا اور رومانیہ میں بھی اُن کا یہی حشر ہوا تھا۔ جنگ کی آگ جہاں جہاں روشن تھی اور جہاں جہاں کاسکوں کے گھوڑوں کے نشان زمین پر موجود تھے، یہی نظارہ پیش نظر رہا تھا۔

۴

کوئی چار دن بعد بھری ہوئی سُرخ فوجی ریل گاڑیاں کاسکوں کو اپنی اپنی پلٹنوں میں لے جا رہی تھیں۔ رُوسی آسٹروی سرحد کے قریب —

"جنگ ......"

گاڑیاں گیتوں اور باتوں کے شور سے گونج رہی تھیں۔ سٹیشنوں پر کاسکوں کو نگاہ تحسین سے دیکھا جا رہا تھا۔ لوگ کاسکوں کی پتلونوں کی دھاریوں کو ہاتھ لگا لگا کر دیکھ رہے تھے۔

"جنگ ......"

سٹیشنوں پہ عورتیں رُومال ہلاتیں، مسکراتیں اور ان کی طرف سگرٹ اور مٹھائیاں پھینکتیں مگر ایک بار، صرف ایک بار وارانیز کے سٹیشن پر ایک بُوڑھے نے ڈبے میں جھانکا تھا، اُس ڈبے میں جس میں پیوٹرا اور اُس کے ساتھی تھے۔

"جا رہے ہو — ؟"

"ہاں، دادا تم بھی آجاؤ" — ایک کاسک بولا۔

"میرے بچو — کاٹے جانے والے بیلو — !" بُوڑھے نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

پندرہ

۱

جولائی ۱۹۱۴ء کے دوسرے ہفتے ڈویژنل حکام نے گریگری کی پلٹن کو رافنو کے قصبے میں تبدیل کر دیا۔ پندرہ دن کی شبانہ روز نقل و حرکت کے بعد گریگری اور چوتھی پلٹن کے دوسرے کاسک خیموں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کمپنی کے کمانڈر لفٹننٹ پولکو فنکف تیزی سے گھوڑا دوڑاتا ہوا ڈویژنل حکام کی طرف سے آیا۔

"شاید کوئی نیا حملہ ہوا ہے" پراخر زیکف نے اظہارِ خیال کیا اور اس انتظار میں رہا کہ کوئی اُس کی ہاں میں ہاں ملائے۔

دستے کے سارجنٹ نے سوئی ٹوپی سے ٹانک لی جس سے وہ پتلون کی مرمت کر رہا تھا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے وہ ہمیں آرام سے نہ بیٹھنے دیں گے۔"

ایک دو منٹ کے بعد خطرے کا بگل بجا۔ کاسک فوراً اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے بجلی کی سی تیزی سے گھوڑوں کے زین کس لیے۔ گریگری خیموں کی میخیں اُکھاڑ رہا تھا کہ سارجنٹ نے کہا "میرے دوست! اس دفعہ جنگ کا بگل ہوا ہے۔"

"جھوٹ بول رہے ہو" گریگری نے بداعتمادی کا اظہار کیا۔

"بخدا، سارجنٹ میجر نے مجھ سے کہا ہے۔"

سڑک پر اُنھیں منصب وار کھڑا کر دیا گیا۔ پلٹن کے سالار نے حکم دیا "قطاروں میں — آگے بڑھو!!"

گھوڑوں کی ٹاپیں سڑک کے سینے پر بجنے لگیں۔ ساتھ کے گاؤں سے پلٹن کو سٹیشن کی

طرف جاتے ہوئے دیکھا جا سکتا تھا۔

۲

آسٹروی سرحد سے بیس میل کے فاصلے پر بلٹن کو ریل گاڑی سے اتار لیا گیا۔ برچ کے درختوں کے پیچھے سپیدۂ سحر نمودار ہو رہا تھا۔ صبح ایک خوشگوار صبح تھی۔ انجن چمکتی ہوئی پٹڑی پہ ٹہل رہا تھا۔ چوتھی بلٹن کے کاسک اپنے اپنے گھوڑوں کی لگامیں پکڑے ہوئے ڈبوں سے برآمد ہو رہے تھے۔ انھوں نے قطاریں بنالی تھیں۔ اندھیرے میں گھوڑوں کے چہرے اور خط و خال دھندلے دھندلے نظر آ رہے تھے۔

"یہ کون سی کمپنی ہے؟" آواز آئی۔

"اور تم کون ہو — کیا راستہ بھول گئے ہو؟" ایک کاسک نے جواب دیا۔

"میں ابھی بتا دوں گا کہ میں کون ہوں — ایک افسر سے بات کرنے کی تمیز بھی نہیں سیکھی"

"معاف کر دیجیے سرکار — میں پہچان نہ سکا۔"

"اچھا — بڑھے جاؤ — بڑھے جاؤ۔"

چوتھی کمپنی سے کچھ آگے پہلی کمپنی کھڑی تھی۔ جسے اس سے پہلے ریل گاڑی میں سے اتارا گیا تھا — بیٹھے ہوئے کاسک گا رہے تھے۔ آسمان کی نیلاہٹ کے سامنے کاسک اس طرح کھڑے تھے جیسے کالی سیاہی سے خاکے بنائے ہوئے ہوں — تلواریں شاخوں کی طرح معلوم ہوتی تھیں۔ کبھی کبھار گھوڑے کا زین یا لگام بج اٹھتی تھی۔

پراخور زیکیف گرنگیر کے ساتھ ساتھ گھوڑے پر سوار تھا۔ وہ اس کے نزدیک آ کر بولا

"گرنگیر! تم تو خوفزدہ نہیں ہو؟"

"خوف کس بات کا؟"

"شاید ہمیں آج ہی جنگ میں حصہ لینا پڑے۔"

"تو پھر کیا ہوگا؟"

"میں ڈر رہا ہوں ـــ میں ساری رات نہیں سویا" پراخر نے بزدلی کا اعتراف کیا۔ اُس کی کپکپاتی ہوئی انگلیاں گھوڑے کی لگام سے کھیل رہی تھیں۔

ایک دفعہ پھر کمپنی آگے بڑھی۔ گھوڑے ایک ساتھ قدم اُٹھا رہے تھے ـــ نیچے تلے قدم ـــ تلواریں لہرا رہی تھیں ـــ لگامیں ڈھیلی چھوڑ کر گریگر اونگھ رہا تھا ـــ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ اُس کا گھوڑا نہ تھا جو آگے قدم اُٹھا رہا تھا بلکہ وہ خود گہری سیاہ سڑک پر بڑھا جا رہا تھا ـــ ایک نامعلوم مسرت سے ـــ پراخر اُس سے باتیں کرتا جا رہا تھا۔ لیکن اُس کی آواز ٹاپوں کی آواز سے مل جاتی اور اُس کی غنودگی میں کوئی خلل واقع نہ ہوتا تھا ـــ

اب وہ ایک چھوٹی سی رہگزر پر رواں تھے۔ سڑک کے کنارے پکی ہوئی جئی کھڑی تھی۔ اس پر پڑی ہوئی شبنم سے دھواں اُٹھ رہا تھا۔ گھوڑے اُن تک پہنچنے کے لیے منہ بڑھا رہے تھے۔ سواروں کے ہاتھوں سے لگامیں کھینچ رہے تھے۔ اُن کے ہاتھوں سے لگامیں پھسلتی جا رہی تھیں ـــ سورج کی کرنیں گریگر کی پلکوں میں داخل ہونے لگی تھیں۔ اُس نے سر اُٹھایا اور پراخر کی بے کیف آواز اُس کے کانوں میں چھکڑے کے پہیوں کی چیخ کی طرح آ کر پڑی۔

جئی کے کھیتوں میں ایک مہیب گونج پیدا ہوئی ـــ "توپ کا گولہ !!" ـــ پراخر چلّایا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ گریگر نے سر اُٹھا کر دیکھا۔ اُس کے سامنے سارجنٹ میجر کی کمر اُبھر اور ڈوب رہی تھی ـــ وہ گھوڑے پر سوار جا رہا تھا ـــ اُس کے دونوں طرف کھیت واقع تھے۔ جن کی فصل ابھی کاٹی نہ گئی تھی ـــ ساری کمپنی بیدار ہو چکی تھی۔ گولہ باری کی آواز نے برقی رو کا کام کر دیا تھا۔ لفٹننٹ پولکوفنکف میں سرگرمی کی لہر دوڑ رہی تھی۔ اُس نے گھوڑا تیز کر دیا تھا۔ سڑک کے موڑ پر، جہاں ایک غیر آباد شراب خانہ واقع تھا، وہ پناہ گزینوں کے چھکڑے سے آ ملے۔ رسالے کے ایک دستے کے سوار اُن کے پاس سے گزرے۔ ان کے کپتان نے کاسکوں کی طرف طنز آمیز نگاہ ڈالی اور گھوڑے کو

سرپٹ ڈال دیا۔ اس کے بعد چیچک کے داغوں والا ایک توپچی گزرا۔ گھوڑے پر لکڑی کے تختے لدے ہوئے تھے جو اس نے شاید شراب خانے کی باڑیں سے اُکھاڑ لیے تھے۔ سوار گھوڑوں پر چابک برسا رہے تھے ـــ اور توپچی ـــ توپوں سے لدی ہوئی گاڑیوں کے پہیوں پر زور آزما تھے ـــ

تھوڑی دور جا کر انھیں ایک توپ خانہ ملا۔ سپاہی تیز قدمی سے جا رہے تھے۔ ان کے لمبے کوٹ کمروں پر لٹک رہے اور خود سورج کی تیز دھوپ میں جھلملا رہے تھے۔ سورج کی کرنیں ان کی سنگینوں پر فوارے کی شکل میں نکل رہی تھیں۔ آخری کمپنی کے ایک نائک نے کیچڑ کی مٹھی بھر کر گرگچیہ کی طرف پھینکی اور بولا ـــ "یہ لو ـــ آسٹرولیوں پر میری طرف سے پھینک دینا"

"او جھینگر ـــ یہ مذاق کا وقت نہیں" ـــ گرگچیہ نے کیچڑ کی مٹھی چابک سے روکتے ہوئے جواب دیا۔

پلٹنوں پر پلٹنیں اُن کے قریب سے گزر رہی تھیں۔ رسالے، توپ خانے اور پیدل فوجیں ـــ ہوا میں جنگ سانس لیتی نظر آ رہی تھی۔

جب چوتھی پلٹن ایک چھوٹے سے گاؤں میں سے گزر رہی تھی ـــ تو کرنل کلیڈن اور اس کا ساتھی اُن سے آملا "جنگی نقشے پر اس گاؤں کا نشان نہیں۔ کہیں مصیبت نازل نہ ہو" کرنل کا ساتھی اُس سے کہہ رہا تھا۔ گرگچیہ کرنل کا جواب نہ سن سکا۔

اس کی پلٹن لگاتار رفتار بدل رہی تھی۔ گھوڑوں کو پسینہ آگیا تھا۔ دور ـــ میدان میں ایک چھوٹے سے گاؤں کی جھونپڑیاں دکھائی دے رہی تھیں ـــ جنگل سے توپوں کی گولہ باری کی آواز آ رہی تھی۔ اس آواز میں بندوقوں کی آوازیں بھی شامل تھیں ـــ

گھوڑے کان کھڑے کر رہے تھے۔ بندوقوں کی آواز کمپنی کی دائیں طرف سے آ رہی تھی گرگچیہ ہر آواز غور سے سن رہا تھا۔ اُس کی رگوں میں کبھی کبھی سنسناہٹ سی پیدا ہو کر رہ

جاتی تھی۔ پر آخر زکیف زین پر بیٹھا باتیں بنا رہا تھا ــــــ

"گریگو ــــ یہ گولیوں کے تڑاخے ایسے ہیں جیسے لڑکے باڑوں پہ لاٹھیاں برسا رہے ہوں۔"

"خاموش رہ ــــ بیہودہ گو!"

کمپنی گاؤں میں داخل ہوگئی۔ روسی سپاہی احاطوں میں دوڑتے پھر رہے تھے۔ گاؤں کے باشندے فرار ہونے کے لیے ساز و سامان سمیٹ رہے تھے۔ اُن کے چہروں پہ خوف اور پریشانی نقش تھی ــــ جب گریگو ایک جھونپڑی کے پاس سے گزرا تو اُس نے دیکھا کہ سپاہی ایک مکان کی چھت جلا رہے ہیں اور مالک مکان خاموش پاس کھڑا اطمینان سے اپنا گھر جلتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ اُس کا کنبہ چھکڑے پہ برتن' میز' کرسیاں لاد رہا تھا ــــ مالک مکان لوہے کا ایک بیکار پہیا ہاتھ میں لیے ہوئے تھا جو شاید اُس کے گھر کے صحن میں برسوں سے یونہی پڑا تھا۔ گریگو حیران ہو رہا تھا کہ عورتیں اچھا اور کارآمد سامان تو جھونپڑی میں چھوڑے جا رہی تھیں اور چھکڑے کو رطب و یابس سے بھر رہی تھیں۔ گلیوں کی ڈھلان پہ پروں کے بستروں میں سے نکلے ہوئے پَر برف کے طوفان کی فلمی تصویر بنا رہے تھے۔

۳

کمپنی نے دوپہر کو آسٹروی سرحد پار کی۔ سرحد کی باڑ کے گرے ہوئے کھمبوں پر سے کودتے ہوئے گھوڑے پسینے میں شرابور تھے ــــ دائیں طرف سے بندوق چلنے کی آواز آ رہی تھی۔ کچھ فاصلے پہ کھیت کی دیوار نظر آ رہی تھی۔ سورج کی شعاعیں زمین پہ متوازی پڑ رہی تھیں۔ چھتی ہوئی خاک کا بادل ہر شے پہ برس رہا تھا۔ پلٹن کے سالار نے حملے کا حکم دے دیا۔ چوتھی کمپنی میں سے ایک دستہ اپنے افسر سیمیونف کے زیر سرکردگی آگے بڑھا۔ پلٹن کمپنیوں میں

تقسیم کر دی گئی اور وُہ اولیں دستوں سے پیچھے رہ گئیں ـــــ بس کا سکول کا دستہ کھیت سے ملحق سڑک پہ فارم کی طرف بڑھا۔

افسر نے فراولی دستے کی رہنمائی دو میل تک کی۔ پھر وُہ نقشہ دیکھنے کے لیے رُکا۔ کاسک گھیرا بنا کر سگرٹ پینے لگے۔ گرگیجز زین درست کرنے کے لیے اُترا لیکن سارجنٹ چلّایا "کیا کر رہے ہو؟ سوار ہو جاؤ گھوڑے پر۔"

افسر نے سگرٹ سُلگایا اور دُوربین لے کر گرد و نواح کا جائزہ لینے لگا۔ دائیں طرف جنگل تھا۔ ایک میل کے فاصلے پہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ اس سے بھی پرے ایک ندی تھی اور پانی کی چمکتی ہوئی سطح ـــــ افسر دُوربین میں سے یہ نظارہ دیکھ رہا تھا۔ وہ گاؤں کی خاموش اور سنسان گلیوں پر نظر دوڑا رہا تھا۔ وہ گاؤں قبرستان کی طرح غیر آباد تھا۔ پانی کی نیلی لکیر کی آواز ہی اس خاموشی کو توڑتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

"وُہ شاید کورولیف کا گاؤں ہے ـــــ!"

حوالدار افسر کے قریب گھوڑا لے گیا "آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں، میں تو صرف معمولی سوالات کا جواب دے سکتا ہوں۔"

"ہمیں گھوڑوں پہ سوار اس گاؤں تک جانا ہو گا۔"

"کہیں وہ اس گاؤں میں چھپے ہُوئے نہ ہوں سرکار!"

"ہم بڑی احتیاط سے داخل ہوں گے۔"

وہ گھوڑے سرپٹ دوڑاتے ہوئے گاؤں کی سُنسان گلیوں میں داخل ہوئے۔ ہر کھڑکی ایک معمّا تھی۔ ایک پھندا نظر آتی تھی۔ ہر کھلا دروازہ تنہائی کا غمّاز تھا۔ ان میں خطرہ رینگتا ہُوا معلوم ہوتا تھا۔ جسم میں جھرجھری سی دوڑ جاتی تھی ـــــ ہر خندق اور ہر باڑ پہ نظریں جمی ہُوئی تھیں۔ وہ چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح گاؤں میں داخل ہُوئے تھے۔ یا سردیوں کی راتوں کو انسانی آبادی میں داخل ہونے والے بھیڑیوں کی طرح لیکن گلیاں خالی پڑی تھیں۔ خاموشی چھائی

بھائیں کر رہی تھی۔ ایک مکان کی کھڑکی سے کلاک کی ٹک ٹک کی صدا آرہی تھی۔ گرنگیر نے دیکھا کہ افسر کانپا اور اُس کا ہاتھ گھبراہٹ سے پستول پر جا پڑا تھا۔

گاؤں میں کوئی متنفس موجود نہ تھا۔ ہراول دستہ ندی میں داخل ہوا۔ پانی گھوڑوں کے پیٹ تک آ گیا۔ گھوڑے پانی پیتے ہوئے بڑھتے رہے۔ گرنگیر کو ننگوں اور شفاف پانی اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ پانی کس قدر نزدیک اور کس قدر دور تھا۔ اگر ممکن ہوتا تو گھوڑے کی پیٹھ پر سے چھلانگ لگا دیتا اور ندی میں دیر تک یونہی لیٹا رہتا۔ تاکہ ندی کی ٹھنڈک اُس کے سینے اور پشت کو سہلا سکتی۔

اب اُنھیں ایک قصبے کے مکان نظر آ رہے تھے۔ قطار اندر قطار اینٹوں کے مکان، باغات اور گرجوں کے مینار — افسر اونچائی پر کھڑا ہو کر دوربین سے دیکھنے لگا "وہ ہیں — آسٹردی — !" اُس نے بائیں ہاتھ کی انگلی سے پریشانی کے عالم میں کہا۔

سارجنٹ دھوپ سے جھلسی ہوئی چوٹی تک پہنچا اور اُس نے بھی نظر ڈالی۔ دوسرے کاسکوں نے اُس کا ساتھ دیا۔ اُنھوں نے دیکھا کہ گلیوں میں آدمی جمع ہو رہے ہیں۔ گاڑیاں گلیوں میں کھڑی ہیں۔ گھڑسوار سرپٹ دوڑ رہے ہیں۔ گرنگیر آنکھوں پر ہتھیلی کی چھاؤں کر کے وردیوں کا امتیاز بھی دیکھ سکتا تھا۔ قصبے کے گرد خندقیں تھیں۔ ان میں بھی مردوں کے سر ملتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔

سارجنٹ کاسکوں کو لے کر نیچے اُتر آیا۔ افسر نے پنسل سے کاپی میں کچھ یادداشتیں لکھیں اور گرنگیر کو اشارے سے پاس بلایا "میلیخوف!"

"جی حضور"

گرنگیر گھوڑے سے بمشکل اُتر کر افسر کے پاس گیا۔ اُس کے پاؤں سو گئے تھے۔ افسر نے اُسے کاغذ کا ٹکڑا دیا "تمھارا گھوڑا سب سے اچھا ہے — یہ پرزہ پلٹن کے کماندار کو فوراً پہنچا دو" اُس نے حکم دیا۔

گرنگر نے کاغذ کو سینے کے پاس جیب میں رکھ لیا۔ افسر اسے اُس وقت تک دیکھتا رہا جب تک وہ گھوڑے پر سوار نہ ہو گیا۔

۴

گرنگر رپورٹ لے کر پہنچا تو پلٹن کارفلافکا گاؤں کے قریب آپہنچی تھی۔ کرنل نے رپورٹ پڑھنے کے بعد نائب کو حکم دیا جو گھوڑا دوڑاتا ہوا قریب آیا۔

چوتھی کمپنی کارفلافکا میں سے گزری اور اس تیزی سے گزری جیسے ان کی منزل بہت دور ہو۔ گھوڑے مکھیاں اُڑانے کے لیے سر مار رہے تھے۔ لگاموں کی جھنکار میں تسلسل تھا۔ دوپہر کی خاموشی میں پہلی کمپنی کے گزرنے کی آواز بھی خاصی شور آفریں تھی۔

لفٹننٹ پولگوفکت سب سے آگے تھا۔ اُس نے لگامیں سمیٹتے ہوئے گھوڑا روکا۔ گرنگر حکم کے الفاظ کا منتظر تھا۔ افسر نے تلوار بے نیام کی اور اس کا پھل بجلی کی طرح چمکا۔

"کمپنی — !" تلوار لہرا چکی تھی۔ پہلے دائیں کو پھر بائیں کو — پھر اُن کے سامنے آگئی۔ یکایک اُس کے سر پر بلند ہوئی "قطار میں — آگے بڑھو" — گرنگر نے ذہنی طور پر حکم کی تعمیل کی۔ "تلواریں نیام سے باہر آجائیں — حملہ کرو — سرپٹ دوڑو۔" حکم دے کر افسر کا گھوڑا ہوا ہو گیا۔

ایک ہزار ٹاپوں کے نیچے زمین کراہ رہی تھی۔ گرنگر پہلی قطار میں تھا۔ وہ ابھی اچھی طرح تلوار نیام سے کھینچ بھی نہ سکا تھا کہ اُس کا گھوڑا بدکا اور ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ بگٹٹ بھاگ کھڑا ہوا۔ اُن کے سامنے ہل سے جتی ہوئی زمین کی وسعت پھیلی ہوئی تھی۔ پہلی کمپنی نے ایک نعرہ لگایا۔ چوتھی کمپنی نے اس کا ساتھ دیا۔ گرنگر کو دور سے آتی ہوئی بندوق کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ توپ کا پہلا گولہ اُن کے سروں پر سے گزر گیا۔ اب باقاعدہ گولہ باری شروع ہو چکی تھی۔ گرنگر نے سر گھوڑے کی گردن سے لگا دیا تھا۔ نیام اس کی پسلی میں گھس گئی۔ اس کی

ہتھیلی، جس میں تلوار کا دستہ تھا، پسینے سے بھیگ چکی تھی۔ گھوڑے کا پسینا اُس کے نتھنوں میں داخل ہو رہا تھا۔ اُسے خندقوں میں مردوں کی ٹوپیاں نظر آئیں۔ مشین گن سے برستی ہوئی گولیاں کاسکوں کو خون میں نہلا رہی تھیں۔ وہ گھوڑوں کے قدموں میں آکر گرتیں اور گرد کی لہریں اٹھتیں۔

حملے سے پہلے گریگری کی رگوں میں لہو تیز ہو گیا تھا لیکن اب وہی لہو شدتِ خوف سے جمتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اسے کانوں میں پڑتی ہوئی سنسناہٹ اور بائیں پاؤں کی ایڑی میں اٹھتی ہوئی ٹیس کے سوا کچھ محسوس نہ ہو رہا تھا۔ اُس کے خیالات دماغ میں ایک بھاری بوجھ کی طرح جمع ہو چکے تھے۔

سب سے پہلے افسر گھوڑے پر سے گرا۔ پراخر اُس پر سے گزر گیا۔ گریگری نے مڑ کر دیکھا۔ جو کچھ اُس نے دیکھا اُس کے ذہن پر اسی طرح مرتسم ہو گیا جیسے شیشے پر ہیرے کی ڈالی ہوئی لکیر۔ پراخر نے گرے ہوئے افسر پر سے چھلانگ لگائی تو وہ گھوڑے کے زین پر سے اس طرح گرا جیسے اُسے کسی نے زبردستی کھینچ لیا ہو۔ گرتے ہی گھوڑوں کی ٹاپوں نے اُسے کچل کر رکھ دیا۔ گریگری نے کوئی چیخ نہ سنی مگر اس نے پراخر کے چہرے سے اندازہ کیا کہ وہ بری طرح چیخ رہا تھا۔ دو کاسک اپنے گھوڑوں کے ساتھ گرے۔ آنکھوں میں آئے ہوئے آنسوؤں کے پردے سے جو ہوا بھر جانے سے آئے تھے گریگری نے دیکھا کہ آسٹروی خندقوں میں سے نکل نکل کر بھاگ رہے ہیں۔

گاؤں سے بڑھتے ہی کمپنی منتشر ہو چکی تھی۔ اس کی قطار ٹوٹ گئی تھی۔ جو آگے تھے وہ خندقوں میں پہنچ چکے تھے ـــ گریگری ان سب سے آگے تھا۔

ایک طویل القامت آسٹروی نے، جس کی ٹوپی اُس کی آنکھوں تک پڑی ہوئی تھی۔ گریگری کو نشانہ بنایا۔ گولی نے اُس کا کلہ جلا ڈالا۔ گریگری نے لگامیں کھینچ کر پوری طاقت سے اُس پر نیزے کی ضرب لگائی۔ وار کچھ اتنا بھرپور پڑا تھا کہ نوک اُس کی کمر میں سے ایک ہاتھ تک گزر چکی تھی۔ گریگری نیزہ جلد باہر نہ کھینچ سکا۔ اُس کا ہاتھ کپکپا اٹھا تھا۔ آسٹروی دائیں طرف

جھک گیا تھا۔ اب اُس کی ٹھوڑی نظر آ رہی تھی۔ گرنگر نے نیزہ اُس کے سینے ہی میں گھبا رہنے دیا۔ وہ بھالے کی چھڑ بیچ میں پکڑے انگلیوں سے کھرچ رہا تھا۔ آسٹروی قصبے کی گلیوں میں پناہ کے لیے دوڑ رہے تھے۔

گرنگر نے تلوار کے چپٹے حصے سے گھوڑے کی پیٹھ پر ضرب لگائی۔ گھوڑا اُسے گلی تک لے گیا۔ لوہے کی باڑ کے پاس ایک آسٹروی بھاگا چلا جا رہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں بندوق نہ تھی بلکہ توپی تھی۔ گرنگر کو اُس کی گدّی اور بھیگا ہوا کالر نظر آ رہا تھا۔ اُس نے اُسے جا لیا۔ غصے میں اُس نے تلوار لہرائی۔ وہ آگ بگولا ہو رہا تھا۔ آسٹروی لوہے کی باڑ کے ساتھ ساتھ بائیں جانب بھاگ رہا تھا۔ گرنگر کے لیے اُسے کاٹ کر رکھ دینا ذرا دشوار تھا۔ اس نے گھوڑے پر جھکتے ہوئے تلوار ترچھی پکڑ کر اُس کی کنپٹی پر دے ماری۔ آسٹروی نے بغیر چیخے زخم پر ہاتھ رکھ دیا اور مڑا۔ گھوڑے کی لگام کھینچے بغیر گرنگر اُس پر چڑھ گیا۔ وہ نیچے اُترا۔ اُس کا خوفزدہ چہرہ نیلا پڑ گیا تھا۔ لب تھرتھرا رہے تھے۔ تلوار اُس کے چھچلتی ہوئی لگی تھی۔ لیکن کنپٹی پر سے گوشت کا ٹکڑا الگ ہو کر ایک چیتھڑے کی طرح لٹک رہا تھا۔ خون اُس کی وردی پر بہ رہا تھا۔ گرنگر کی آنکھیں موت سے ڈرے ہوئے آسٹروی کی آنکھوں سے چار ہوئیں۔ وہ گھٹنوں پر جھکا ہوا تھا۔ کراہنے کی آواز آ رہی تھی۔ ایک ضرب اور پڑی۔ اُس نے ہاتھ پھیلائے اور باڑ پر بیہوش وحرکت گر پڑا۔ اُس کے دھم سے زمین پر گرنے کی آواز سے گھوڑا بدک گیا اور سرپٹ دوڑتا ہوا گرنگر کو سڑک کے بیچوں بیچ لے آیا۔

گلی سے بندوق چلنے کی آواز آ رہی تھی۔ گرنگر کے پاس سے جھاگ اُگلتا ہوا گھوڑا ایک مردہ کاسک کو اُٹھائے لیے جا رہا تھا۔ اُس کا ایک پاؤں رکاب سے نکل چکا تھا اور جھول رہا تھا۔ اُس کی پتلون کی سُرخ دھاری اور پھٹا ہوا قمیص گرنگر کو نظر آ رہا تھا۔

گرنگر کا سر سیسے کی طرح بھاری تھا۔ تیسری کمپنی کے چند کاسک اُس کے پاس سے گزرے۔ وہ اپنے زخمی ساتھی کو اُٹھائے لیے جا رہے تھے۔ اُن کے آگے آگے آسٹروی قیدیوں کی ایک جماعت تھی۔ اُن کے جوتوں کی

کیلیں پتھروں پہ بج رہی تھیں۔ اُن سے ایک عجیب و غریب نغمہ پیدا تھا۔ اُن کے چہروں پہ مُردنی چھائی ہوئی تھی۔ گریگری نے گھوڑے کی لگامیں چھوڑ دیں اور اُس آسٹروی ہی کے پاس گیا جسے اُس نے تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ آسٹروی وہیں پڑا تھا جہاں وہ ڈھیر ہوا تھا۔

اُس کی میلی ہتھیلی ایسے پھیلی ہوئی تھی جیسے وہ بھیک مانگ رہا ہو۔ گریگری نے اُس کے چہرے پہ نگاہ ڈالی۔ اُس کا چہرہ بے حد معصوم تھا۔ مونچھوں کے باوجود وہ نوجوان دکھائی دیتا تھا۔

"کون ہو تم؟" ایک اجنبی کاسک افسر نے اُسے آواز دی جب وہ سڑک کی طرف دوڑتا ہوا بڑھا۔ گریگری لڑکھڑایا اور گھوڑے کی طرف لپکا۔ اُس کے قدم وزنی ہو چکے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُس کی پشت پہ لکڑیوں کا بھاری گٹھا لدا ہوا ہے۔ اُس نے لگامیں ہاتھ میں لے لیں مگر خاصی دیر تک رکاب میں پاؤں نہ رکھ سکا۔

سولہ

ا

ڈان کے شمالی علاقوں کے کاسک گیارھویں اور بارھویں پلٹنوں میں بھرتی کیے جاتے یا اتامن کے حفاظتی دستوں میں لے لیے جاتے تھے۔ مگر خاص وجوہ کی بنا پر ۱۹۱۴ء میں انھیں تیسری پلٹن میں لیا گیا جو بالخصوص ضلع میڈفاڈیز کے کاسکوں پر مشتمل تھی۔ اسی پلٹن میں متکا کا رشتہ تھا۔

ڈان کی تیسری پلٹن ولنو کے مقام پر خیمہ زن تھی۔ تیسرے رسالے کے کچھ دستے بھی اس پلٹن کے ہمراہ تھے۔ جون میں ایک دن کچھ کمپنیاں دیہاتی پڑاؤ میں ٹھہرنے کے لیے شہر سے روانہ ہوئیں۔ دن بے کیف اور گرم تھا۔ ابر کے ٹکڑے شاہراہ آسمان پر رواں دواں تھے۔ انھوں نے سورج کو دامن میں چھپا لیا تھا۔ پلٹن کا باجا تانیں اڑاتا ہوا دستے کے آگے آگے تھا۔ افسروں نے موسم گرما کی ہلکی ٹوپیاں پہن رکھی تھیں۔ وہ دستے کے پیچھے گروہ بنا کر چل رہے تھے۔ سگرٹوں کا دھواں ان کے سروں پر رقص کر رہا تھا۔

سڑک کے دونوں کناروں پر کسان اور ان کی عورتیں سوکھی گھاس کی کٹائی کر رہی تھیں۔ وہ کبھی کبھی کاسکوں کے گزرتے ہوئے دستے دیکھنے کے لیے رک جاتی تھیں۔ تمازت کی وجہ سے گھوڑے پسینے میں نہاتے ہوئے تھے اور ان کی ٹانگوں کے درمیان زرد پانی سا نظر آنے لگا تھا۔ جنوب مشرق کی نرم ہوا کے جھونکے ٹھنڈک پہنچانے کے بجائے گرمی کو اور تیز کر رہے تھے۔

منزلِ مقصود پر پہنچ کر پلٹن کمپنیوں میں تقسیم ہو گئی۔ دوپہر کو کاسکوں نے زمینداروں

کی چارے کی گھاس چھیلی۔ رات کو انھوں نے گھوڑوں کے آگے گھاس ڈالی۔ وہ تاش کھیلتے رہے یا خیموں کی انگیٹھیوں کے گرد بیٹھ کر گپیں ہانکتے رہے۔ پول زمینداروں کی جاگیروں میں چھٹی کمپنی ٹھہری ہوئی تھی۔ افسر گھروں میں مقیم تھے۔ وہ بھی تاش کھیل رہے تھے، شراب پی رہے تھے اور داروغے کی بیٹی کو تاک جھانک رہے تھے۔ اس مکان سے ایک میل کے فاصلے پر کاسکوں کے خیمے تھے۔ داروغہ ہر صبح کاسکوں کے خیمے کے قریب آکر کہا کرتا "آئیے گھاس کاٹنے میں ہماری مدد کیجئے۔ ایسا کرنے سے آپ کی چربی ذرا ڈھل جائے گی" کاسک گھاس کاٹنے لگتے۔ داروغہ انھیں کٹائی کے متعلق ہدایات دیتا جاتا۔

۲

جون کی گرم شام تھی۔ خیموں کی انگیٹھی کے گرد کاسک گا رہے تھے:

"اک کاسک ــــ پردیس سدھارا

گھوڑا میداں میں سے بھگاتا ــــ اک کاسک پردیس سدھارا

چھوڑ گیا وہ اپنے پیچھے اپنا گاؤں بچارا

"اب نہ کبھی آئے گا واپس" ــــ کوئی پکارا"

آواز کے اُتار چڑھاؤ میں سوز بھرا ہوا تھا ــــ گیت بھی بیحد پُر درد تھا ــــ اب آواز ذرا اور بلند ہوئی:

"اُس کی دلھن، نوخیز دلھن بیٹھی رہی یونہی آس لگائے

بیٹھی رہی وہ شام و سحر مشرق، مغرب پہ نظریں جمائے۔

بیٹھی رہی یہ آس لگائے ــــ آئیگا اُس کا کاسک دولھا

آکے نہ جائے گا پھر گھر سے ــــ بیٹھی رہی دل کو سمجھائے ــــ"

اب دوسری آوازوں نے بھی سوز بھری آواز کا ساتھ دینا شروع کر دیا تھا:

"آہ مگر پربت سے پرے ــــ آکاش سے گرتی برف تلے

رقص جہاں کرتے ہیں ہر دم تیز ہواؤں کے جھونکے
لمبے اونچے پیڑ جہاں غصّے میں سیٹیں نواتے ہیں
برف کی چادر اوڑھ کے اُس کا سک کا ڈھانچا سوتا ہے"

کاسکوں کی زندگی کا افسانہ کس قدر دردناک تھا۔ بلند آواز اب دھیمی پڑ چکی تھی۔ دُوسرے خیمے کی انگیٹھی کے گرد ایک داستان گو کہانی پر کہانی کہہ رہا تھا۔ کاسک پُورے انہماک سے سُن رہے تھے۔ کہانی کا ہیرو جب نہایت صفائی کے ساتھ مصیبت سے نکل آتا تو کاسک مسرت کا اظہار کرتے ہوئے گھٹنے پر ہاتھ مارتے یا مُنہ سے تحسین و تعجب کا کوئی جملہ ادا کرتے ــــ اور داستان گو پھر روانی سے الفاظ کا ڈھیر لگا دیتا۔

۳

قیام کے ایک ہفتہ بعد کمپنی کے کماندار نے نعل بند اور سارجنٹ میجر کو بُلا کر پُوچھا:
"گھوڑے اچھی حالت میں ہیں نا ـــ؟"

"بالکل اچھی حالت میں ہیں جناب"۔ سارجنٹ میجر نے جواب دیا۔

کپتان نے سیاہ مونچھیں مروڑتے ہوئے کہا "پلٹن کے حاکمِ اعلیٰ نے ہدایات بھیجی ہیں کہ لگامیں دُرست کر دی جائیں۔ پلٹن کا شاہی معاینہ ہوگا۔ ہر چیز پر پالش اس طرح کی جائے کہ وُہ چمک اُٹھے ـــ جگمگا اُٹھے ـ تم کب تک تیار ہو سکتے ہو؟"

سارجنٹ میجر نے نعل بند کی طرف دیکھا اور نعل بند نے سارجنٹ میجر کی طرف۔ پھر دونوں نے ایک ساتھ کپتان کی طرف دیکھا۔ سارجنٹ میجر نے مشورہ دیا "حضور اتوار تک کیسا رہے گا؟"

کپتان نے اثبات میں سر ہلایا۔

تیاریاں اُسی دن سے شروع ہو گئیں۔ کاسکوں نے گھوڑے صاف کیے۔ لگامیں چمکائیں۔ کاٹھیوں کو جگمگایا۔ ایک ہفتے کے بعد ساری پلٹن نئی چونی کی طرح دمکنے لگی۔ ہر چیز پر چمک تھی

آ چکی تھی۔ کاسکوں کے چہروں سے گھوڑوں کے سموں تک ہر چیز دمک رہی تھی۔ ہفتے کے دن پلٹن کے حاکم نے ہر چیز کا معاینہ کیا اور کاسکوں کو اُن کی گرم جوشی اور تن دہی پر خراج تحسین ادا کیا۔

۴

جولائی کے دن گزر گئے۔ کاسکوں کے گھوڑے نہایت اچھی حالت میں تھے مگر کاسک بیقرار اور مضطرب تھے کیونکہ اُن پر عجیب قسم کے سوالات کیے گئے تھے۔ شاہی معاینے کا ذکر تک سننے میں نہ آتا تھا۔ ہفتے کبھی ختم نہ ہونے والی گفتگو میں ختم ہو رہے تھے۔ مسلسل تیاریوں میں دن بیت رہے تھے۔ پھر آسمانی گولے کی طرح حکم موصول ہوا کہ پلٹن واپس دلنو میں پہنچ جائے۔
اُسی شام کو وہ شہر میں دوبارہ داخل ہوئے۔ دوسرا حکم فوراً ہی تمام کمپنیوں میں سنایا گیا کہ کاسکوں کے ساز و سامان کے ٹرنک سٹور میں جمع کر لیے جائیں گے اور انھیں دوبارہ روانگی کا حکم دیا جائے گا۔

"آخر یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے" ؟ کاسکوں نے افسروں سے حقیقت حال اگلوانی چاہی لیکن افسر کندھے جھٹکا کر رہ گئے۔ وہ خود بھی یہ راز معلوم کر کے بیحد خوش ہوتے۔
یکم اگست کو پلٹن کے کماندار کے اردلی نے اپنے دوست سے سرگوشی کی :
"یہ تو جنگ ہے میرے دوست جنگ !"
"جھوٹ بول رہے ہو ـــــ"
"خدا کی قسم ـــــ لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو"

دوسرے دن بارک کے آگے کمپنی قطار میں کھڑی کر دی گئی۔ کماندار کا انتظار تھا۔ وہ بارک کے کونے سے نمودار ہوا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا۔ اس کے نائب نے رومال نکال کر ناک پونچھنے کی کوشش کی لیکن کماندار نزدیک آ چکا تھا۔ بالکل سناٹے میں اس کی آواز گرجی :

"کاسکو !"

ہر ایک نے خیال کیا۔ اب اُن پر حقیقتِ حال روشن ہو گی۔ ایک گھوڑا ہنہنایا۔ سب کے منہ اس ہنہناتے ہوئے گھوڑے کی طرف مڑ گئے جو پہلی کمپنی میں کھڑا تھا۔

کرنل نے بہت کچھ کہا۔۔۔ اُس نے لفظوں کا انتخاب نہایت احتیاط سے کیا۔ وہ قومی افتخار کے جذبات مشتعل کرنے کی سعی کر رہا تھا لیکن ہزاروں کاسکوں کے سامنے دوسرے ممالک کے ریشمی جھنڈے سرنگوں نہ تھے۔ اُن کی نگاہوں کے سامنے ان کی اپنی زندگی پھڑپھڑا رہی تھی۔ ان کی اپنی زندگی کا لہراتا ہوا پھریرا تھا۔۔۔ ان کی بیویاں، ان کے بچے، اُن کے عاشق بکھرے ہوئے گیہوں۔۔۔ اور اُن کے یتیم تھے۔۔۔ !!

"دو گھنٹے کے اندر ہمیں گاڑی میں سوار کر دیا جائے گا"۔۔۔۔۔۔ ہر شخص کے دل پر یہی خیال نشتر زنی کر رہا تھا۔

پلٹن گاتی ہوئی سٹیشن کو روانہ ہوئی۔ کاسکوں کی آواز باجے سے بھی بلند تر تھی۔ باجا بند ہو چکا تھا۔ افسروں کی بیویاں کوچ اور فٹن میں سوار تھیں۔ پٹڑی پر ہر رنگ کا ہجوم تھا۔ ایک کاسک نے اپنا مشہور ترانہ چھیڑ دیا تھا۔ کاسک ایک دوسرے کی طرف دیکھتے جا رہے اور گیت گا رہے تھے۔ ایک کاسک نے عورتوں کے گروہ کو آنکھ ماری۔ عورتیں انھیں الوداع کہنے آئی تھیں۔

بھاپ چھوڑتے ہوئے انجن نے سیٹی دی۔

دستے۔۔۔۔۔۔ دستے۔۔۔۔۔۔ دستے ہی دستے۔

ملک کی شریانوں جیسی ریل کی لائنوں کے ذریعے سے مغربی سرحد تک بے قرار روس کا خون ابل رہا تھا۔

۵

ایک چھوٹے سے قصبے میں پلٹن کمپنیوں میں تقسیم کر دی گئی۔ ڈویژنل حکام کی ہدایات پر چھٹی

کمپنی کو تیسرے توپ خانے کی جگہ لینے کے لیے متعین کیا گیا۔ وہ پیلی کینیا پیدل پہنچی۔
۹ر اگست کو کمپنی کے کماندار نے سارجنٹ میجر اور کاسک مریخن کو بلوایا۔ مریخن دوپہر کے بعد دستے میں واپس آیا۔ جب مٹکا کارشنف گھوڑوں کو پانی پلا کر واپس لا رہا تھا۔

مریخن ـــــ ایک بھاری بھر کم کاسک تھا۔ وہ جھونپڑی میں داخل ہوا۔ اصطبل میں تیکیگو ٹوٹی ہوئی لگام جوڑ رہا تھا۔ کرچکیف انگیٹھی کے پاس ہاتھ پیچھے کیے کھڑا تھا اور ایوان کف سے محو گفتگو تھا۔

"کل دوستو ـــــ پو پھٹتے ہی ہمیں لیوباف کی چوکی پہ جانا ہوگا" مریخن نے اطلاع دی۔

"کون جا رہا ہے؟" مٹکا نے پوچھا۔ اُس نے بالٹی زمین پر رکھ دی۔

"تسکیگو لف، کرچکیف، رواچف، پالیف اور الیوان کف ـــــ !!"

"اور میں؟"

"تم یہیں رہو گے ـــــ مٹری!"

"تو جاؤ جہنم میں ......!"

یہ دستہ سویرے سویرے روانہ ہوا۔ کچھ دور گھوڑے آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے رہے۔ اُنھوں نے ایک چٹان پر چڑھ کر دیکھا کہ لیوباف کا گاؤں دریا کی وادی میں پھیلا ہوا تھا۔ مریخن نے گاؤں کا آخری کھیت اپنی دیکھ بھال کی چوکی قرار دیا کیونکہ وہ سرحد کے بیحد نزدیک تھا۔ کھیت کا مالک ایک بے ریش دبر دنت پول تھا۔ اُس نے کاسکوں کو ایک سائبان بنا دیا جس میں اُنھوں نے گھوڑے باندھ دیے۔ سائبان کے پیچھے نہایت نرم گھاس کا کھیت تھا۔ ڈھلان پڑدس کے جنگل تک جاتی تھی۔ گیہوں کے کھیتوں میں سے ہوتی ہوئی سڑک گزرتی تھی۔ سائبان کے پاس کھدی ہوئی خندق سے اُنھوں نے دوربین کے ذریعے سے دیکھنا شروع کیا۔ دوسرے کاسک سائبان میں آرام سے بیٹھے رہے۔ وہاں جیہوں کی بینگنیوں اور بھرے ہوئے غلّے کی بُو پھیلی ہوئی تھی۔

شام کو ایوان کف نے تسکیگولگف سے پہرا بدلا۔ وہ ساری دوپہر پہرا دیتا رہا تھا۔ ایوان کف نے دوربین سے جنگل کی طرف دیکھا۔ اسے برف کی طرف پھیلے ہوئے اناج کے پکے کھیت لہراتے ہوئے سورج کی شعاعیں جنگل کی سبزی کو نور میں نہلا رہی تھیں۔ وہ گاؤں سے پرے ندی میں نہاتے ہوئے لڑکوں کے مرمریں جسم کا نظارہ کر رہا تھا۔ ایک عورت کی آواز آئی :

"واپس آجاؤ — ساسیا۔ ساسیا" وہ اپنے بیٹے کو پکار رہی تھی۔

تسکیگولگف نے سگریٹ سلگاتے اور سائبان کی طرف جاتے ہوئے کہا "غروبِ آفتاب ہے کہ شعلہ جوالہ — !!"

۲

رات بھر گھوڑے زینوں کے بغیر کھڑے رہے۔ گاؤں کی روشنیاں گل کر دی گئی تھیں اور کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ شور و غل غائب ہو چکا تھا۔

دوسرا دن بھی بیکار گزر گیا۔ دوپہر کو پالیف رپورٹ لے کر کمپنی کی طرف روانہ کیا گیا۔

شام آئی پھر رات — !! سارے گاؤں پر زرد چاند کی لکیر ہلکی روشنی پھینک رہی تھی۔ کبھی کبھی پکا ہوا سیب باغ میں ڈالی سے ٹوٹ کر گرتا اور نہایت لطیف دھما کا پیدا ہوتا تھا۔

آدھی رات کو جب ایوان کف پہرے پر تھا تو اس نے گاؤں کی سڑک پر گھوڑوں کی ٹاپوں کا شور سنا۔ وہ اسے دیکھنے کے لیے خندق سے باہر نکلا۔ چاند ابر کی اوٹ میں آچکا تھا اس لیے اندھیرے میں وہ کچھ نہ دیکھ سکا۔ اس نے آکر کر چکف کو جگایا۔

"کازما — گھڑسوار آ رہے ہیں — اٹھو"

"کہاں سے آ رہے ہیں ؟"

"وہ تو گاؤں میں داخل بھی ہو چکے ہیں۔"

گھوڑوں کی ٹاپیں اب سو گز کے فاصلے پر سنائی دے رہی تھیں۔

"چلو باغ میں چلو — یہاں سے سنائی کچھ نہیں دیتا — وہاں سے صاف طور پر سن سکیں گے۔"

کرچکیف نے مشورہ دیا۔

جھونپڑے سے ہٹتے ہوئے وُہ چھوٹے سے باغ میں داخل ہوئے اور باڑھ کے قریب لیٹ گئے ۔۔۔ لگاموں کی جھنکار اب بالکل قریب آچکی تھی۔ اب وُہ گھڑسواروں کے دھندلے سائے دیکھ سکتے تھے۔

"کون جا رہا ہے ؟" کرچکیف پکارا۔

"کیوں، کیا چاہیئے ؟" کسی نے رُوسی زبان میں کہا۔

"کون جا رہا ہے ؟ ۔۔ بتاؤ ورنہ گولی چلا دوں گا" کرچکیف نے رائفل تان لی۔

ایک گھڑسوار نے گھوڑے کی باگ روکی اور باڑ کی طرف مُنہ کر کے کہنے لگا "ہم سرحدی پہریدار ہیں اور تم کون ہو۔ چوکی کے محافظ ؟"

"ہاں"

"کس پلٹن کے ؟"

"تیسری کاسک ......"

"کس سے باتیں کر رہے ہو ٹرِیشن ؟" اندھیرے میں سے ایک آواز نے پوچھا۔

باڑ کے پاس والے آدمی نے جواب دیا "یہ کاسکوں کی چوکی ہے سرکار !"

دوسرا گھڑسوار بھی باڑ کے قریب آگیا۔

"خدا مدد کرے ۔۔ کاسکو۔ کتنے دنوں سے یہاں ہو ؟" اُس نے سگرٹ سلگا کر پُوچھا۔

عارضی روشنی میں کرچکیف نے دیکھا کہ وُہ سرحدی پہریداروں کا افسر تھا۔

"کل سے حضور !"

"ہم تو واپس جا رہے ہیں۔ ہمارا پہرہ ہٹا دیا گیا ہے" افسر بولا "مگر تم خیال رکھنا سب سے آخری چوکی تمہاری ہی ہے ۔۔۔ دُشمن کہیں کل بڑھنا شروع نہ کر دے" ۔۔۔ وہ مُڑا اور اُس نے اپنے آدمیوں کو بڑھتے رہنے کا حکم دیا۔

اُس لمحے ہوا نے چاند کے چہرے سے ابر کا ٹکڑا کھینچ کر پرے کر دیا۔ چاند کی زرد مدھم سی روشنی کی بوچھاڑ گاؤں، باغ، جھونپڑی کی ترچھی چھت اور سرحدی محافظ دستے کے پہاڑی پر چڑھتے ہوئے سواروں پر پڑنے لگی۔

—

دُوسری صبح رواچف رپورٹ لے کر کمپنی میں شامل ہُوا۔ رات بھر گھوڑے تیار کھڑے رہے تھے۔ کاسک اس خیال سے خوفزدہ تھے کہ اب اُنھیں دُشمن کی مزاحمت کے لیے تنہا چھوڑ دیا جائیگا۔ جب تک سرحدی پہریدار اُن کے آگے موجود تھے۔ اُنھوں نے تنہائی کو محسوس نہ کیا تھا لیکن جب اُنھیں پتا چلا کہ سرحد خالی چھوڑ دی گئی ہے تو ان پر بہت اثر ہُوا۔

مریخن نے پول کسان سے بات چیت کی۔ تھوڑی سی رقم لے کر اُس نے اُنھیں چارہ کاٹنے کی اجازت دے دی۔ پول کی چراگاہ سائبان سے زیادہ دُور نہ تھی۔ مریخن نے ایوان کف اور تیکیگولکف کو اس مقصد کی تکمیل کے لیے چراگاہ میں روانہ کیا۔ وہ دونوں گھاس کے گٹھے بناتے رہے۔

مریخن دُوربین سے سرحد کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُسے جنوب مغربی گوشے سے ایک لڑکا بھاگتا ہُوا آتا دکھائی دیا۔ لڑکا بھورے خرگوش کی طرح چٹان سے بھاگتا آرہا تھا۔ ابھی وہ دُور ہی تھا کہ لمبے کوٹ کی آستین اٹھا کر چلایا۔ مریخن کے قریب آکر زور زور سے سانس لینے لگا:

"کاسک — کاسک! جرمن — جرمن آرہے ہیں۔ جرمنوں کا دستہ آرہا ہے۔"

"کر چکف دوڑ، جرمنوں کا دستہ آرہا ہے۔ دوڑ، ہمراہیوں کو بلا لاؤ۔" دُوربین میں سے مریخن نے دیکھا کہ دُور گھڑ سواروں کا ایک دستہ چلا آرہا تھا۔

کر چکف چراگاہ میں بھاگتا ہُوا گیا۔ اب مریخن کو گھڑ سواروں کی جماعت صاف طور پر دکھائی دے رہی تھی۔ وہ گھوڑوں کے رنگوں کی تمیز بھی کرسکتا تھا۔ اُسے اُن کی نیلی وردیاں بھی نظر آرہی تھیں۔ اُن کی تعداد بیس سے زیادہ تھی۔ وہ کندھے سے کندھا ملا کر آرہے تھے۔ اُس کا خیال

تھا کہ وہ شمال مغربی کونے سے وارد ہوں گے۔ لیکن وہ خلافِ توقع جنوب مشرقی کونے سے نمودار ہوئے تھے۔ اُنھوں نے سڑک پار کی اور گاؤں کی طرف جو وادی تھی اس کی طرف بڑھے۔ اس اثنا میں کرحکیف چراگاہ میں پہنچ چکا تھا۔ جہاں ایوان کف اور تسیکگو لکف گھاس کے گٹھے بنا رہے تھے۔

"بس کرو۔۔۔ انھیں پھینک دو" وہ چلایا۔

"کیوں کیا ہوا؟" تسیکگو لکف نے درانتی کی نوک زمین میں بھونک کر پوچھا۔

"جرمن آ رہے ہیں۔"

ایوان کف نے گھاس کا گٹھا زمین پر پٹک دیا۔ پول تو کمر کے بل زمین تک جھک گیا۔ جھونپڑی کی طرف دوڑا۔ کاسکوں نے اس کا پیچھا کیا۔ چھوٹی سی جماعت گھوڑوں پر سوار ہو گئی۔ گھوڑوں کو ٹپ ٹپ بھگاتی ہوئی گاؤں کی چٹان کی طرف لپکی۔ جب وہ چٹان پر چڑھ گئے تو جرمن پیلی کیلیا گاؤں اور اُن کے درمیان پہنچ چکے تھے۔ وہ ڈلکی چال چل رہے تھے اور ان کے آگے اُن کا افسر تھا۔

"ان کے پیچھے! ہم اُنھیں اپنی دوسری چوکی تک جالیں گے۔" مریخن نے حکم دیا۔ جرمنوں کی نیلی وردیاں صاف دکھائی دینے لگی تھیں۔ اُنھوں نے کاسکوں کو پیچھا کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ دوسری روسی چوکی کی طرف بڑھ رہے تھے جو ان سے دو میل کے فاصلے پر واقع تھی۔ دونوں جماعتوں میں فاصلہ بتدریج کم ہو رہا تھا۔

"اب ہم ان پر گولیاں برسائیں گے" مریخن نے زمین پر اچکتے ہوئے کہا۔ لگامیں ہاتھوں میں لے کر کاسکوں نے بندوقیں چلائیں۔ ایوان کف کا گھوڑا اید کا اور وہ سر کے بل گر پڑا۔ جیسے ہی وہ گرا اُس نے دیکھا کہ ایک جرمن ایک طرف جھکا۔ اُس نے اپنی بندوق گرائی اور دفعتاً زین سے نیچے لڑھک گیا۔ دوسرے جرمن اپنے ساتھی کے گرنے پر چھکے نہیں بلکہ بڑھتے رہے پھر سرپٹ دوڑنے لگے۔ مریخن سب سے پہلے گھوڑے پر سوار ہوا۔ کاسکوں

نے چابک سنبھالے۔ جرمن بائیں جانب مڑ چکے تھے۔ کاسک اُن کے تعاقب میں گرے ہوئے جرمن کے قریب سے گزرے۔ جب جرمن جھاڑیوں سے دُور نکل گئے تو کاسکوں نے دوبارہ گولی چلائی۔ تھوڑی دُور جا کر ایک اَور جرمن گر پڑا۔

"ہمارے کاسک ساتھی دُوسری چوکی سے بھی ایک منٹ میں ٹوٹ پڑیں گے۔ وُہ رہی دُوسری چوکی۔!" مریخن بڑبڑایا۔ اُس نے تمباکو سے لتھڑی ہوئی اُنگلیوں سے دوبارہ بندوق بھری۔ کاسک کھیت کے قریب سے گزرے تو اُسے اُجڑا پایا۔ وہاں پہنچ کر اُنھیں معلوم ہوا کہ چوکی ایک رات پہلے خالی کر دی گئی تھی۔ کھمبوں کے تار کٹے ہوئے تھے۔

مریخن نے جرمنوں پر ایک دفعہ اَور گولی چلائی۔ اُس کا ایک ساتھی اُس کے پاس آ گیا۔
"ہم اُنھیں تیسری چوکی تک لے چلیں گے" مریخن چلّایا۔ ایوآن کف نے دیکھا کہ مریخن کی ناک سے خون بہہ رہا ہے اَور وُہ چھل گئی ہے۔

"مڑ کر مقابلہ کیوں نہیں کرتے؟" اُس نے تشویش ناک لہجے میں سوال کیا۔

جرمن جنگل میں داخل ہوئے اور گم ہو گئے۔ جنگل کے پار جُتی ہوئی زمین تھی۔ مریخن نے گھوڑے کی لگام کھینچ لی اَور رُک کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے اُلٹے ہاتھ سے پسینا پونچھا۔ جرمن جھاڑی کے پرے نمودار نہ ہوئے۔ مریخن نے دُوسری جھاڑی کی طرف دیکھا اَور تھوکتے ہوئے بولا "ایوآن کف! دوڑ کر دیکھو تو وہ کس جانب روانہ ہوئے ہیں۔"

ایوآن کف نے ہونٹوں پر زبان پھیری اَور چل پڑا۔ وہ خراماں خراماں جھاڑی کی طرف بڑھا اَور بار بار رکاب میں کھڑا ہو ہو کر دیکھتا۔ دفعۃً اُس نے بھالوں کی چمکیلی نوکیں دیکھیں اَور جرمن نمودار ہوئے۔ ان کے گھوڑوں کے مُنہ چٹان کی طرف تھے۔ وُہ حملے کے لیے تیار تھے۔ اُن کا افسر اُن کے آگے تھا۔ مڑتے ہوئے جرمنوں کے خط و خال اُس کی یادداشت پہ نقش ہو کر رہ گئے۔ اُسے پشت پر موت کی چبھن محسوس ہوتی رہی۔ وہ گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا ساتھیوں کی طرف بڑھا۔

مرتیخن کو نمباکو کا بٹوا لپیٹنے کا موقع نہ ملا۔ ایوآن کف کے پیچھے جرمنوں کو دیکھ کر کہ کیا پ اُن کے مقابلے کے لیے سب سے پہلے بڑھا۔ ایوآن کف کو گھیرنے کے لیے جرمن اُس کے دونوں طرف بڑھتے آرہے تھے۔ اُن کے تعاقب کی رفتار بہت تیز تھی۔ ایوآن کف گھوڑے پر تابڑ توڑ چابک برسا رہا تھا۔ اُس کے چہرے اور جسم پر کپکپی طاری تھی۔

"کسی طرح ساتھیوں سے جا ملے" اُس وقت ایوآن کف کے پیش نظر یہی خیال تھا۔ وہ اپنی حفاظت کے خیال سے بے نیاز ہو چکا تھا۔ اُس نے بدن سکیڑ لیا تھا۔ اُس کا سر گھوڑے کی ایال کو چھو رہا تھا۔

ایک بڑے سُرخ چہرے والے جرمن نے اُسے جا لیا اور بھالا اُس کی پیٹھ میں گھونپ دیا۔ مگر نوک اُس کی پیٹی پر پڑی اور بھالا اُس کے جسم میں کوئی ایک انچ تک داخل ہو سکا۔ وہ دیوانہ وار چلایا "دوستو! مڑ کر حملہ کر دو۔" اُس نے نیام سے تلوار کھینچ لی اور بائیں جانب وار کیا۔ ایک جرمن کٹ کر گر پڑا لیکن دُوسرے جرمنوں نے اُسے گھیر لیا۔ ایک جرمن کا گھوڑا اُچھلا اور وہ گرتے گرتے بمشکل بچا۔ اتنے میں مرتیخن بھی پہنچ چکا تھا۔ لیکن اسے پیچھے ہٹا دیا گیا۔ اُس نے تلوار لہرائی اور بجلی کے پنکھے کی طرح اپنی نشست میں گھوم گیا۔ کسی نے تلوار کی نوک ایوآن کف کی گردن میں چبھو دی۔ اُس نے بھی تلوار سے وار روکنے کی کوشش کی۔ لوہے سے لوہا ٹکرانے لگا۔ پیچھے سے کسی کے بھالے نے اُس کی پیٹی کاٹ کر رکھ دی۔ اُس کی پُشت پر ایک بوڑھے جرمن کا چہرہ پسینے میں نہایا ہوا دکھائی دیا۔ وہ تلوار سے ایوآن کف کے سینے تک پہنچنے کی کوشش میں تھا لیکن ہر دفعہ ناکام رہتا تھا۔ اُس نے ایوآن کف کی طرف مُنہ کیے بغیر گھوڑے کے زین سے قرابین کھولنے کی کوشش کی۔ وہ قرابین کو زین سے آزاد نہ کر سکا کیونکہ کریُچکف اُس تک پہنچ چکا تھا۔ جرمن گھبراہٹ کے عالم میں پیچھے ہٹا اور حیرت سے بول اٹھا "میرے خُدا — !!"

آٹھ جرمنوں نے کریُچکف کو گھیر لیا۔ اُسے زندہ پکڑنے کی کوشش کرتے رہے لیکن

وہ اُس وقت تک اُن کے قابو میں نہ آیا جب تک اُنھوں نے اُس پر وار نہ کیا۔ وہ چھینا ہُوا بھالا لیے لہرا رہا تھا جیسے قواعد میں آزادی سے مشق کر رہا ہو۔ جرمن تلواریں لے کر اُس پر ٹوٹ پڑے۔ جُتی ہوئی زمین ان کے قدموں میں بیٹھتی جا رہی تھی۔ جرمن اور کاسک اندھا دھند تلواریں چلا رہے تھے۔ اُن کی راہ میں جو کوئی آتا تھا اُسی کو تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ گھوڑے بھی ایک دُوسرے سے ٹکریں لے رہے تھے۔ ایوان کف حواس اور قوت جمع کر کے جرمن کو زیر کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس کی تلوار ہر بار اُس کے خود پر سے پھسل جاتی تھی۔

مریخن گھیرے سے آزاد ہو کر اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا۔ اُس کے جسم سے خون کی ندی بہ رہی تھی۔ جرمن افسر نے اُس کا تعاقب کیا اُس نے کندھے سے بندوق اُتار کر افسر کو وہیں ڈھیر کر دیا۔ گولی کی اس آواز نے جنگ کا نقشہ اُلٹ دیا۔ تمام مجروح جرمن اپنے کماندار سے محروم ہوتے ہی منتشر ہو کر پسپا ہو گئے۔ کاسکوں نے اُن کا تعاقب نہ کیا۔ اُن پر گولی بھی نہ چلائی۔ وہ اپنی کمپنی کی طرف روانہ ہوئے جرمنوں نے اپنے زخمی ساتھی کو اُٹھایا اور سرحد کی طرف چل پڑے۔

ابھی اُنھوں نے نصف میل بھی طے نہ کیا تھا کہ ایوان کف زین پر گھوم کر گویا ہُوا "میں گر پڑوں گا۔" اُس نے گھوڑا روک لیا۔ مریخن نے اُس کی باگیں کھینچتے ہوئے کہا "بڑھے چلو"...... کریچکف نے چہرے سے بہتا ہُوا خون پونچھا۔ اُس کے قمیص پر سُرخ دھبے نمایاں تھے۔ کھیت کے پرے جہاں دُوسری چوکی واقع تھی، راستے کے متعلق اختلاف پیدا ہُوا۔ "دائیں کو......" مریخن نے کہا۔ اُس نے جھاڑی کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں بائیں کو" کریچکف بضد ہُوا۔

وہ ایک دُوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ مریخن اور ایوان کف ـــ کریچکف اور شیکوف کے بعد پہنچے۔ اُن کی کمپنی کے کاسک اُن کے منتظر تھے۔ ایوان کف نے باگیں چھوڑ دیں

تھیں۔ وہ زین پر سے کودا اور گر پڑا۔

بمشکل تلوار کا قبضہ اُس کے مضبوط پنجے کی گرفت سے نکالا۔

ایک گھنٹے کے بعد ساری کمپنی وہاں پہنچ گئی جہاں جرمن افسر مرا پڑا تھا۔ کاسکوں نے اُس کے بوٹ اور ہتھیار اُتار لیے اور اُس کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے۔ اُن میں سے ایک نے افسر کی گھڑی اُٹھا لی اور کھڑے کھڑے دستے کے حوالدار کے ہاتھ فروخت کر دی۔ پاکٹ بُک میں چند سکے تھے۔ ایک نوجوان لڑکی کے بالوں کا گچھا تھا اور ایک لڑکی کی تصویر تھی جس کے مغرور ہونٹوں پر تبسم کھیل رہا تھا۔

۸

بعد میں یہ واقعہ بہادری کا ایک کارنامہ شمار کیا گیا۔ کریچکوف کمپنی کے کمانڈر کا پسندیدہ سوار تھا۔ اُس نے اپنی داستان سُنائی اور اُسے سینٹ جارج کا تمغہ ملا۔ اُس کے ساتھی گنتی میں آئے تک نہیں۔ اُس جنگ کے ہیرو کو ڈویژنل حکام کے دفتر میں بھیج دیا گیا۔ وہ جنگ کے اختتام تک وہیں رہا۔ اُسے تین صلیب نما تمغے اور ملے کیونکہ بارسوخ افسر اور عورتیں ہیڈکوارٹر آیا کرتی تھیں۔ وہ اُس بہادر کو متعجب نگاہوں سے دیکھتیں۔ ڈان کے بہادر کاسک کو قیمتی سگرٹوں اور چاکلیٹوں کا ہدیہ پیش کرتیں۔ پہلے پہل تو وہ ان سے گھبرایا لیکن بعد میں اُس نے اُسے اپنی تجارت بنا لیا۔ وہ اپنی داستان سُناتا اور ملامتِ ضمیر کی پروا کیے بغیر جھوٹ بولتا۔ عورتیں اُس کے ایک ایک لفظ پر تعجب کا اظہار کرتیں اور کاسک ہیرو کا چیچک بھرا چہرہ نگاہِ تحسین سے دیکھتیں۔

زار بھی ایک دن ہیڈکوارٹر میں آیا۔ کریچکوف کو اُس کے حضور میں پیش کیا گیا۔ اُونگھتے شہنشاہ نے اُسے اس طرح دیکھا جیسے وہ کسی گھوڑے کو پرکھ رہا ہو۔ پھر اُس نے اپنی بوجھل پلکوں کو جھپکایا اور کریچکوف کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے بولا "شاباش کاسک بہادر!"

کریچکوف کی تصویریں اخباروں میں چھپیں۔ اس کے نام کے سگرٹ بنائے گئے اور

انھیں کر پچنف مار کا سگرٹ کھینے لگے۔ نووگراڈ کے تاجروں نے سونے سے منڈھی ہوئی بندوق اس کی نذر کی۔

اصل میں ہوا کیا تھا؟۔۔۔ لوہے سے لوہے نے ٹکر لی تھی۔ انسانوں کی آویزش تھی۔ وہ ایک ناقابلِ بیان خوف کی شدت سے مرعوب ہو کر اندھا دھند لڑ رہے تھے۔ کسی کو ہوش نہ تھا کہ وار اوچھا پڑ رہا ہے کہ بھرپور۔۔۔ وحشت میں انھوں نے گھوڑے زخمی کر دیئے تھے۔ گولی چلنے کی آواز سے خوفزدہ ہو کر انھوں نے راہِ فرار اختیار کر لی تھی...... اور اُسے کارنامۂ شجاعت قرار دیا گیا تھا۔

سترہ

۱

پہلی جنگ کے بعد گریگر کے دل میں جنگ چھڑ چکی تھی۔ اُسے کوئی غم اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا۔ وہ بیحد لاغر ہو گیا تھا۔ کھاتے ہوئے، حملہ کرتے اور آرام کرتے وقت اُس کے سامنے اس آسٹروی کی صورت آجاتی جسے اُس نے تہ تیغ کیا تھا۔ اُس کی صورت اُسے خواب میں بھی نظر آتی تھی۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ جاتا۔ خواب کو بھلانے کی سعی کرتا مگر اُسے اس وحشتناک خواب سے نجات نہ ملتی۔

رسالے نے پکے ہوئے اناج کے کھیت روند ڈالے۔ جیسے ژالہ باری ابھی ابھی ختم ہوئی ہو۔ گلیشیا کی سرزمین کا یہی حال تھا۔ سپاہیوں کے بھاری بوٹ سڑک کو کچلتے اور چاروں طرف بکھری ہوئی کیچڑ گوندھتے تھے۔ زمین کا اُداس چہرہ چیچک سے بھر چکا تھا۔ توپ کے گولوں نے اُسے داغ دار کر دیا تھا۔ انسانی خون کے پیاسے ہتھیاروں کے ٹوٹے پھوٹے فولادی ٹکڑے اُس پہ بکھرے پڑے تھے۔ رات کے وقت شعلے آسمان کو روشن کر دیتے تھے۔ درخت، گاؤں اور قصبے گرمیوں میں ٹوٹتی ہوئی بجلیوں کی طرح جگمگا اُٹھتے تھے ـــ

اگست میں ـــ پھل پک گئے اور اناج بھی پک گیا۔ آسمان اور بھی نیلا پڑ گیا۔ دن گرم ہو گئے۔ حبس عام ہو گیا ـــ

اگست خاتمے کے قریب آ گیا۔ پتے زرد ہو گئے اور چراگاہوں میں درختوں پر سُرخی دوڑنے لگی۔ دُور سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ درختوں کے زخم اُبھر آئے ہیں اور اُن سے خون رس رہا ہے۔ گریگر اپنے ساتھیوں کی وہ تبدیلی جو اُن میں واقع ہوتی تھیں دیکھ رہا تھا۔

پراآخر زنکیف ہسپتال سے اپنے گال پر گھوڑے کے سُم کا نشان لے کر واپس آچکا تھا۔ اُس کے ہونٹوں کے کونوں پر ابھی تک ایک چھپا ہوا درد اور بے قراری محسوس ہو رہی تھی۔ اُس کی آنکھیں اب پہلے سے زیادہ چمکتی تھیں۔ بگو رزآر کف کو سنے اور گالیوں کے مواقع ڈھونڈتا رہتا تھا۔ اُس کی زبان پہلے سے زیادہ مغلظ ہو چکی تھی۔ میتلین گراشف ایک لائق ومنین کا سک، جو گریگیر کے گاؤں ہی کا تھا، سیاہ فام ہوتا جا رہا تھا۔ اُس کی ہنسی بھونڈی اور مضحکہ خیز ہو چکی تھی ہر چہرے سے کوئی نہ کوئی تبدیلی مترشح تھی۔ اندر ہی اندر ہر شخص جنگ کے بوئے ہوئے خیالات کی پرورش کر رہا تھا۔

۲

پلٹن تین دن آرام کرنے کے لیے میدانِ جنگ سے ہٹا لی گئی۔ کمک پہنچ چکی تھی۔ گریگر کی کمپنی کے کاسک ندی میں جا کر نہانے کی تیاریاں ہی کر رہے تھے کہ رسالے کے سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد گاؤں میں داخل ہوتی دکھائی دی۔ گریگیر اور اُس کے ساتھی ابھی جھیل ہی پر پہنچے تھے کہ کمک نے چٹان پر سے اُترنا شروع کر دیا تھا۔ پراآخر زنکیف قمیص اتار رہا تھا۔ دفعتہً اُس نے سر اُٹھا کر دیکھا اور بولا "کاسک، ڈان کے کاسک آ رہے ہیں۔"

گریگیر نے فوجی دستے کی طرف دیکھا جو سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا آ رہا تھا اور چوتھی کمپنی کی قیام گاہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"کمک ہے شاید!" گریگیر نے اظہارِ خیال کیا۔

"دوستو، کیا وہ سٹیپن استاخوف نہیں؟ پہلی قطار میں تیسرا گھڑسوار؟" گراشف بولا۔

"اور وہ رہا انی کشکا!!"

"گریگر۔۔۔ وہ دیکھو تمہارا بھائی، کیا دیکھ رہے ہو؟"

گریگیر نے آنکھ دبا کر پہلی قطار کی طرف نگاہ کی۔ اُس نے پیوترا اور اُس کے گھوڑے کی طرف دیکھا۔

"نیا گھوڑا خریدا ہو گا۔" اُس نے دل میں سوچا۔ اُس کے بھائی کا چہرہ تبدیل ہو چکا تھا۔ گرگیجہ اُسے ملنے کے لیے دوڑا۔ اُس کے پیچھے نیم برہنہ کاسک بھی دوڑ پڑے۔ ایک بوڑھا کپتان اُن کی رہنمائی کر رہا تھا "پیوتڑا۔۔۔!!" گرگیجہ نے آواز دی۔

"خدا رحم کرے۔۔ اب ہم تم اکٹھے رہیں گے۔ گرگیجہ! کیسے ہو؟"

"اچھا ہوں۔"

"تو تم ابھی تک زندہ ہو؟"

"ہاں، ہوں تو۔ خاندان کا سلام قبول کرو۔"

"وہ سب کیسے ہیں؟"

"اچھی طرح ہیں۔"

پیوتڑا اپنی نشست میں گھوم کر بیٹھ گیا۔ اُس نے گرگیجہ کے قامت کا جائزہ لیا اور آگے بڑھ گیا۔ آشنا اور ناآشنا کاسکوں کے درمیان وُہ جلد ہی غائب ہو گیا۔ یگور زارکف صرف قمیص پہنے جھیل سے چلا آیا تھا۔ اُس کی پتلون کی ایک ٹانگ اُس کے کندھوں پر تھی اور دُوسری میں اپنی ٹانگ ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"وُہ رہا زارکف!!" قطار میں سے آواز آئی "کہو کیسے ہو عربی گھوڑے؟"

"میری ماں تو اچھی ہے؟" زارکف نے پوچھا۔

"اچھی ہے۔ اس نے تمہیں پیار دیا ہے لیکن کوئی تحفہ نہیں بھیجا۔ آج کل وہاں حالات اچھے نہیں۔"

یگور نے یہ الفاظ نہایت سنجیدگی سے سُنے اور زمین پر بیٹھ کر پتلون پہننے لگا۔ اصل میں وُہ اپنا اداس اور غمگین چہرہ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

۳

کمک کا دستہ احاطے میں قطار باندھ کر کھڑا کر دیا گیا۔ دُوسرے کاسک نہانے کے لیے جھیل پر

آ گئے۔ لیکن جلد ہی نو وارد بھی اُن سے آ ملے۔ گر نگیہ بھائی کی بغل میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ جھیل کی گیلی اور چکنی ہوئی مٹی سے موت کی بُو آ رہی تھی۔ وُہ ملبچھا جو نکیں مار رہا تھا۔ اُن میں خون کا قطرہ تک نہ تھا۔ اُس نے پیوترا سے کہا "پیوترا ___ میری گرم جوشی مر چکی ہے۔ اب میں ایک مردہ انسان کی طرح بے رُوح ہو چکا ہوں۔ جیسے چکی کے پاٹوں میں آ گیا ہوں۔ انھوں نے مجھے کچل کر چکی سے باہر پھینک دیا ہے "۔ اُس کی آواز میں اُداسی اور غمگینی کی جھلک تھی۔

"کیوں ___ آخر کوئی بات بھی ہو؟" پیوترا نے قمیص اتارتے ہوئے پُوچھا۔ اُس کا جسم سفید تھا لیکن گردن پر سُورج کی جُھلسی ہوئی کھال کی سیاہی چمک رہی تھی۔

گر نگیہ کی آواز کی تلخی اور بھی بڑھ گئی "بات اصل میں یہ ہے کہ جنگ نے ہمیں ایک دُوسرے کے خون کا پیاسا بنا دیا ہے ___ وُہ خود تو میدان میں آتے نہیں۔ مگر ہمیں گاجر مُولی کی طرح کٹوا رہے ہیں۔ لوگ بھیڑیوں سے بھی بدتر ہو چکے ہیں۔ ہر طرف تباہی اور سیاہ کاری پھیل چکی ہے۔ مجھے ایسا خیال ہوتا ہے کہ جس شخص کو میں کاٹ کھاؤں گا وُہی پاگل ہو جائے گا ...."

"تم نے کسی کو قتل یا ہلاک تو نہیں کیا؟"

"ہاں ___" گر نگیہ بلند آواز سے چلایا۔ پھر اُس نے قمیص پہن لیا۔ اُس نے حلق انگلیوں سے دبایا جیسے وُہ گھٹا جا رہا ہو جیسے کوئی لفظ اُس کے حلق میں اٹک گیا ہو۔

"ہاں ہاں بتاؤ، سارا واقعہ سُناؤ۔"

"میرا ضمیر مجھے ہلاک کر رہا ہے ___ میں نے بھالا ایک آدمی کے جسم .... ہوش میں آ کر ...... نہیں میں ایسا نہیں کہہ سکتا تھا ورنہ .... لیکن میں نے دُوسرے کو کیوں قتل کیا؟"

"اچھا! ...."

"اچھا کیا ___ میں نے ایک آدمی کو ہلاک کیا ہے اُسی دن سے بیمار رہتا ہوں۔ وُہ میرے

خواب میں بھی آتا ہے ۔ کیا قصور میرا ہی ہے؟"

"تم اصل میں اس کے عادی نہیں ہوتے ہو۔ غلطی تو یہی ہے۔"

"کیا تم ہماری کمپنی کے ساتھ رہو گے؟" گریگر نے نہایت بھونڈا سوال کیا۔

"نہیں، ہم ستائیسویں پلٹن میں بھرتی کیے گئے ہیں۔"

"چلو نہائیں۔"

گریگر نے دوبارہ پتلون اتاری اور جھیل میں چھلانگ لگا دی۔ "پہلے سے بڑا ہو چکا ہے" پیوترا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے خیال کیا۔ گریگر نے ہاتھ اٹھا کر تیرنا شروع کر دیا۔ سبز موج اس کے جسم پر سے گزر گئی۔ وہ بڑے باوقار و پرمتانت طریق پر بازوؤں سے پانی کی لہریں ہٹانے لگا اور وسط میں نہاتے ہوئے کاسکوں کی طرف بڑھا۔

پیوترا گردن میں پڑی ہوئی صلیب اور اس سے بندھی ہوئی دعا کو ہٹانے میں سست ثابت ہوا۔ اس نے صلیب اور دعا کا کپڑوں کے ڈھیر میں چھپا دیے۔ وہ بڑی احتیاط سے پانی میں اترا۔ سینہ اور کندھے پانی سے بھگوئے۔ پھر تیرتا ہوا گریگر سے جا ملنے کے لیے تیز تیز ہاتھ مارنے لگا۔ دونوں دوسرے کنارے کی طرف رخ کر چکے تھے۔ گریگر اچک کر کنارے پر بیٹھ گیا۔ "جونکوں نے تو میرا جسم چھلنی کر دیا ہے۔ اگر میرے پر لگ جاتے تو ابھی اڑ کر گھر ہو آتا۔ کاش اپنے گھر میں ایک دفعہ صرف ایک دفعہ جھانک سکتا! وہ سب کیسے ہیں؟"

"نتالیا ان دنوں ہمارے ساتھ رہتی ہے۔"

"ابا اور اماں کیسے ہیں؟"

"اچھے ہیں۔ نتالیا کو ابھی تک تمہارا انتظار ہے۔ اسے یقین ہے کہ تم اس کے پاس ضرور آؤ گے۔"

گریگر نے پانی تھوکا اور بھائی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

"خط میں اُس کے نام کی بھی ایک دو سطریں لکھ دیا کرو۔"

"وہ کیوں ابھی تک ٹوٹتے ہوئے دھاگوں کے سرے جوڑنا چاہتی ہے؟"

"دُنیا اُمید پر قائم ہے۔ وہ بہت اچھی اور وفادار عورت ہے۔ کسی غیر مرد کو پاس پھٹکنے نہیں دیتی۔"

"لیکن اُسے کوئی شوہر تلاش کر لینا چاہیئے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو؟"

"سچ تو کہتا ہوں، اُسے ایسا ہی کرنا چاہیئے۔"

"یہ تمھارا آپس کا معاملہ ہے ___ میں دخل دینے والا کون؟"

"دُنیا کا کیا حال ہے؟"

"وہ تو اب بالکل ایک عورت ہو گئی ہے۔ اتنے دنوں میں اتنی بڑھ چکی ہے کہ تمھیں اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آئیگا۔"

"نہیں!" گریگو نے تعجب کا اظہار کیا۔

"بخدا ___ اُسے جلد ہی بیاہ دیا جائیگا" واڈکا جام پی کر مونچھیں صاف کرنے سے پہلے ہی پہلے۔ ہم مارے جائیں گے۔ لعنت ہو اُن پر۔"

وہ دونوں برابر ریت پر دھوپ کا غسل لیتے ہوئے بیٹھے رہے۔ گریگو نے پوچھا "اکسینیا کے متعلق کچھ سُنا؟"

"جنگ کے اعلان سے پہلے میں نے اُسے گاؤں میں دیکھا تھا۔"

"وہ گاؤں میں کیا کرنے آئی تھی؟"

"شوہر سے چیزیں لینے۔"

"اُس سے تمھاری بات چیت ہوئی تھی؟"

"کوئی خاص نہیں ___ وہ بیحد خوش تھی میرے خیال میں ___ جاگیر میں اُس کا اچھا وقت

گزر رہا ہے۔"

"دستیپن کا اُس کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"اُس نے اُس کا سب کچھ دے دیا اور نہایت اچھا برتاؤ کیا ہے۔ لیکن تم ذرا محتاط رہنا۔ میں نے سُنا ہے نشے میں اُس نے قسم کھائی ہے کہ پہلی ہی جنگ میں وہ گولی تمہارے سینے میں اُتار دے گا۔ وہ تمھیں فراموش نہیں کر سکتا۔"

"میں جانتا ہوں۔"

"میں نے اپنے لیے نیا گھوڑا خریدا ہے" پیوتر نے گفتگو کا رُخ بدلا۔

"کیا بیل بیچ دیے؟"

"ہاں --- ایک سو اسّی روبل کو --- گھوڑے پہ ڈیڑھ سو روبل لاگت آئی۔ سودا بُرا تو نہیں۔"

"اِس دفعہ گیہوں کیسے ہوئے ہیں؟"

"خاصے، ہم گیہوں گھر لانے بھی نہ پائے تھے کہ بلا لیے گئے"۔ دونوں گھریلو باتوں میں مشغول رہے احساسات کی تیزی ختم ہو چکی تھی۔ گریگر گھر کی خبریں نہایت بیتابی سے سُن رہا تھا ایک لمحے کے لیے اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ واپس گھر چلا گیا ہے اور ایک کھلنڈرے لڑکے کی طرح اُچھل کود رہا ہے۔

کاسکوں کے جمِ غفیر کے ہمراہ دونوں احاطے میں واپس آ گئے۔ باڑ کے قریب ستیپن سے اُن کی مڈ بھیڑ ہوئی۔ وہ گریگر کے قریب آ کر بولا" دوستو --- اچھے تو ہو۔"

"اچھے ہیں اپنی کہو" گریگر نے قدم روک لیے اور ایک مجرم کی طرح اُس کی طرف دیکھا۔

"مجھے بُھلا تو نہیں دیا تم نے؟"

"بالکل بُھلا چکا ہوں" گریگر نے جواب دیا۔

"مگر مجھے تو تم ابھی تک یاد ہو" ستیپن مسکرایا اور چلا گیا نہیں۔

غروب آفتاب کے وقت ڈویژنل حکام کی طرف سے ٹیلیفون پر پیغام آیا کہ گرنگیچ کی پلٹن فوراً اگلے مورچوں پر پہنچ جائے۔ پندرہ منٹ میں کمپنیاں اکٹھی کر لی گئیں اور وہ گاتی ہوئی دشمن کے سامنے کے ہاتھوں بنایا ہوا شگاف پُر کرنے کے لیے روانہ ہو گئیں۔

جب وہ ایک دوسرے سے الوداع کہہ رہے تھے تو پیوٹرا نے کاغذ کا ایک ٹکڑا گرنگیچ کے ہاتھوں میں دے دیا۔

"یہ کیا ہے؟"

"میں نے تمہارے لیے ایک دُعا لکھی ہے۔ اُسے ساتھ لے جاؤ۔"

"یہ دُعا اچھی بھی ہے؟"

"گرنگیچ! مذاق نہ کرو۔"

"میں مذاق نہیں کر رہا۔"

"اچھا، خدا حافظ، میرے بھیا! دُوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش نہ کرنا۔ وہ لوگ جو بھڑک اٹھیں، انھیں جلد موت آ جاتی ہے۔ خیال رکھنا" پیوٹرا چلایا۔

"مگر دُعا جو میرے ساتھ ہے۔ کیا وہ کچھ اثر نہ کرے گی؟" پیوٹرا نے بھائی کا یہ جملہ سُن کر ہاتھ ہلایا۔

کچھ دیر تک تو کمپنیاں کوئی احتیاط کیے بغیر چلتی رہیں پھر سارجنٹ نے انھیں خاموش رہنے کا حکم دیا۔ سگریٹ بجھا دیے گئے۔

۴

اگست کے دوران میں گرنگیچ کا رسالہ قصبے کے بعد قصبہ فتح کرتا رہا۔ مہینے کے آخر میں کمینکا کے قصبے تک آ کر اُن کا سیلاب رُک گیا۔ جاسوسی دستوں نے اطلاع دی کہ دشمن کا رسالہ بھاری تعداد میں منزل پر منزل مارتا ہوا مقابلے کے لیے آ رہا ہے۔ جنگلوں میں جنگ چھڑ گئی۔ کیونکہ وہاں کاسکوں کی چوکیاں تھیں۔

گرگیجر نے بھائی سے ملنے کے بعد تکلیف دہ سلسلۂ خیال ختم کر دینے کا عزم کر لیا تھا۔ وہ اپنی شگفتگی واپس لانا چاہتا تھا مگر مجبور تھا۔ آخری کمک ' جو انھیں ملی ' اس ضلع قازان کا ایک کاسک الیگزی آری اُپن گرگیجر کی پلٹن میں آیا۔ وہ طویل القامت اور گول شانوں کا مرد تھا۔ اس کا جبڑا مضبوط تھا اور مونچھیں نیچے کو مڑی ہوئی تھیں۔ اُس کی بے خوف آنکھیں ہمیشہ ہنستی رہتی تھیں۔ وہ گنجا تھا۔ سر کی پچھلی طرف کچھ بال تھے۔ اُس کی آمد کے پہلے ہی دن سپاہیوں نے اُس کا نام ٹھنٹھ (گنجا) رکھ دیا۔ بروڈا کی لڑائی کے بعد پلٹن کو چند دنوں کے لیے آرام کرنے کی چھٹی دی گئی۔ گرگیجر اور آری اُپن ایک ہی جھونپڑی میں رہنے لگے۔ ایک شام گھوڑوں کو دانہ کھلا چکنے کے بعد وہ سگرٹ پی رہے تھے۔ اُن کی پیٹھ باڑ سے لگی ہوئی تھی۔ گھڑ سوار پہریدار گلیوں میں گھوم رہے تھے۔ احاطے میں مُردے جلائے جا رہے تھے کیونکہ گاؤں کے نواح میں جنگ ہوئی تھی۔ گاؤں مکمل تباہی کا نمونہ تھا۔

یکایک آری اُپن نے اظہارِ خیال کیا " تم کسی گہرے سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو گرگیجر ؟"

" کیا کہا ؟"

" میں کہتا ہوں کہ تم مجھے بیمار دکھائی دیتے ہو ۔"

" میں بالکل تندرست ہوں " گرگیجر نے کہا۔

" جھوٹ نہ بولو۔ میں اندھا نہیں، دیکھ سکتا ہوں ۔"

" کیا دیکھ رہے ہو ؟"

" تم خوفزدہ ہو۔ شاید تم موت سے ڈرتے ہو ۔"

" تم نرے بدھو ہو" گرگیجر نے انگلیوں کے ناخنوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

" بتاؤ ۔ تم نے کسی کو ہلاک تو نہیں کیا ؟"

" ہاں، مگر کیا کہتے ہو ؟"

" کہیں وہ قتل ہی تو تمھارے ذہن کا بوجھ نہیں بنا ہوا ؟"

"میرے ذہن کا بوجھ ۔۔۔؟" گرہگیر ہنسا۔
اُدری اُپن نے تلوار نیام سے نکالتے ہوئے کہا "کیا تم پسند کرو گے کہ تمہارا سر قلم کر دیا جائے؟"
"کس لیے؟"
"میں آہ کیے بغیر دشمن کا سر اُڑا سکتا ہوں کیونکہ میں رحم کرنا نہیں جانتا۔" اُدری اُپن کی آنکھیں ہنس رہی تھیں۔ گرہگیر کو ایسا معلوم ہوا جیسے جو کچھ وہ کہہ رہا ہے۔ اس میں صداقت بھی تھی۔
"تمہارا دل نرم ہے" اُس نے اضافہ کیا "کیا اس ضرب کو جانتے ہو؟ ذرا دھیان دو۔"
اُس نے ایک درخت کا انتخاب کیا۔ وہ اُس کے قریب گیا۔ اُس نے آنکھوں سے فاصلہ ناپا۔ اُس کی چوڑی کلائیوں والے بازو اوپر اُٹھے ۔۔۔ وہ بولا "دھیان سے دیکھنا۔"
اُس نے آہستہ آہستہ تلوار سر سے بلند کی اور یکلخت اُسے ترچھا کر کے وار کیا۔ چار فٹ موٹا پیڑ جڑ سے کٹ کر گر پڑا۔ اُس کی شاخیں کھڑکی پر جا کر لگیں۔ جھونپڑی کی دیواریں ہل گئیں۔
"دیکھا ۔۔۔ تمہیں بھی یہ ضرب سکھا دوں گا۔ تم اس وار سے گھوڑے کے بھی دو ٹکڑے کر سکتے ہو۔"
گرہگیر کو اس وار کی تکنیک پر دسترس حاصل کرنے کے لیے خاصا وقت لگا۔
"تم طاقت ور ہو لیکن تلوار چلانے میں بالکل گدھے۔ یہ طریقہ ہے" اُدری اُپن نے اُسے سمجھایا: "حوصلے سے دشمن کو کاٹ کر رکھ دو۔ انسان کا کیا ہے۔ انسان تو مکھن سے بھی نرم ہوتا ہے۔ کیوں اور ایسے کیسے کی طرف غور نہ کرو۔ تم کاسک ہو۔ تمہارا فرض یہی ہے کہ سوال کیے بغیر دشمن کے ٹکڑے اُڑا دو۔ میدان جنگ میں دشمن کو ہلاک کرنا مقدس فریضہ ہے۔ جس قدر دشمن تم تلوار کے گھاٹ اتارو گے۔ اُسی قدر خدا تمہارے گناہ بخش دے گا۔ کسی چوپایے کو قتل نہ کرو۔ اُس وقت تک اُس کی ہلاکت سے گریز کرو۔ جب تک مجبور نہ کر دیے جاؤ۔ لیکن انسان کو معاف نہ کرو۔ وہ تو دہریہ ہے، ناپاک ہے، زمین کو زہر آلود کر رہا ہے۔"

گریگجیہ نے جب اعتراضات کی بوچھاڑ کی تو وہ ابروؤں پر بل ڈال کر رہ گیا اور خاموش ہو گیا۔

۵

گریگجیہ نے دیکھا کہ اُری آپن سے سب گھوڑے ڈرتے تھے۔ جب وہ اُن کے پاس جاتا تو وہ کان کھڑے کر لیتے اور ایک دوسرے کے پاس سمٹنا شروع کر دیتے جیسے کوئی درندہ ان کے قریب آ رہا ہو، انسان نہیں۔ ایک مرتبہ کمپنی کو جنگلاتی ضلع پر تہ بولنا تھا۔ گھوڑوں کو ایک محفوظ مقام پر پہنچانا تھا۔ گھوڑوں کی رہنمائی کرنے والوں میں اُری آپن بھی تھا لیکن اُس نے اس سے صاف انکار کر دیا۔

حوالدار نے بگڑ کر پوچھا "تم اپنے حصے کے گھوڑوں کی لگامیں کیوں نہیں پکڑتے ؟"

"گھوڑے مجھ سے ڈرتے ہیں، بخدا وہ مجھ سے ڈرتے ہیں" اُری آپن نے جواب دیا۔

اُس نے کبھی گھوڑوں کی لگامیں نہ تھامی تھیں۔ وہ اپنے گھوڑے پر بے حد مہربان تھا لیکن گریگجیہ کو معلوم تھا۔ جب کبھی وہ گھوڑے کے نزدیک جاتا۔ اس پر کپکپی طاری ہو جاتی۔ اور وہ اضطراب سے پاؤں مارنے لگتا۔

"گھوڑے تم سے ڈرتے کیوں ہیں ؟" گریگجیہ نے سوال کیا۔

"مجھے خود اس کا علم نہیں ...... حالانکہ میں اُن پر بے حد مہربان ہوں"

"میں نے انھیں بدمست انسانوں سے تو ڈرتے دیکھا ہے لیکن تم تو شراب بھی نہیں پیتے، تم سے کیوں ڈرتے ہیں ؟"

"شاید اس لیے کہ میں سنگدل ہوں"

"بھیڑیے کا دل ہے تمھارا۔ ہو سکتا ہے کہ دل کے بجائے تمھارے سینے میں پتھر کا ٹکڑا ہو"

"ہو سکتا ہے" اُری آپن نے اقرار کر لیا۔

۶

فوج کو سرحد کی دیکھ بھال کے لیے مقرر کیا گیا۔ ایک زیکو سلواکی مفرور نے روسی حکام کو

بتایا کہ دشمن کی فوج اصلی جگہ سے ہٹ کر جوابی حملے کی تیاری میں ہے۔ اس لیے اگلے مورچوں کی دیکھ بھال اشد ضروری ہے۔ فوج کے افسر نے چار کاسک توجھاڑی کے قریب چھوڑ دیے اور دوسروں کے ہمراہ چٹان پر آباد ایک قصبے کی طرف لپکا۔ حوالدار کے ہمراہ گرنجر، اری آپن اور میشا کاشیوفائی رہ گئے۔ وہ نارڑ کے درخت سے سہارا لے کر سگرٹ پیتے رہے۔ حوالدار دوربین سے سامنے پھیلے ہوئے دیہات کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ آدھے گھنٹے تک وہیں لیٹے رہے یکایک دائیں طرف سے توپ کے گولوں کی بھیانک آواز بلند ہوئی۔ چند قدموں کے فاصلے پر رائی کا کھیت تھا۔ جس کی رائی ابھی سمیٹی نہیں گئی تھی۔ گرنجر کھیت میں گھس گیا اور پھلیوں سے دانے نکال کر چبانے لگا۔ اس نے ساتھیوں کو بھی چھپ جانے کا اشارہ کیا۔

گھڑسواروں کی ایک جماعت آکر رکی اور دیہات کا جائزہ لینے لگی، پھر وہ کاسکوں کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔

"آسٹروی ہیں، مجھے یقین ہے کہ آسٹروی ہیں" حوالدار نے سرگوشی کی "انھیں قریب سے گزرنے دو۔ ہم ان کا استقبال کریں گے۔ بندوقیں تیار کر لو۔" اس نے اضافہ کیا۔

گھڑسوار آہستہ آہستہ نزدیک آتے رہے۔ وہ ہنگری کے رسالے کے چھ سپاہی تھے۔ ان کی وردی شاندار تھی۔ ان کا قائد، جو ایک مضبوط گھوڑے پر سوار تھا، اپنے ہاتھ میں قرابین لیے ہوئے ہنس رہا تھا۔

"گولی چلاؤ" حوالدار نے حکم دیا۔ گولی کی آواز درختوں میں سے سیٹی بجاتی گونج اٹھی۔ گھڑسوار جنگل کی طرف لپکے۔ ان میں سے ایک نے ہوا میں گولی چلائی۔ اری آپن سب سے پہلے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ رائی پر سے لڑکھڑاتا ہوا دوڑ پڑا۔ چند سو گز کے فاصلے پر ریت میں گھوڑا تڑپ رہا تھا۔ اور ایک ہنگری گھڑسوار اپنا گھٹنا مل رہا تھا جیسے گرتے ہوئے چوٹ آگئی تھی۔ اس نے اری آپن سے خدا جانے کیا کہا اور ہاتھ سر سے بلند کر لیے۔ وہ ہتھیار ڈالنے کو تیار ہو گیا تھا اور اپنے پسپا ہوتے ہوئے ساتھیوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

یہ سب کچھ اس قدر تیزی سے ہوا کہ گریگری ابھی سوچ رہا تھا اور اُرتی اُمپن اپنا قیدی لیے ہوئے واپس آگیا۔

"تلوار اُتار دو۔" اُرتی اُمپن نے قیدی کو حکم دیا۔

قیدی مُسکرایا اور پیٹی پر اُنگلیاں دوڑانے لگا لیکن اُس کی اُنگلیاں کانپ رہی تھیں۔ تلوار کھول نہ سکتا تھا۔ گریگری نے بڑی احتیاط سے اُس کی تلوار کھولی۔ نوجوان قیدی نے مسکرا کر اس کا شکریہ ادا کیا۔ وُہ تلوار سے بے نیاز ہو کر خوش تھا۔ اُس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور تمباکو کا بٹوا نکال لیا۔ اُس نے کاسکوں کو تمباکو پیش کیا۔

"یہ تو ہماری تواضع کر رہا ہے" حوالدار مسکرایا۔ اُس نے سگرٹ کا کاغذ نکالا۔ کاسکوں نے قیدی کے تمباکو سے سگرٹ بنائے۔ سیاہ تیز تمباکو اُن کے سر میں گھس گیا۔

اسے کپتان تک لے جاؤ۔ بتاؤ اسے کون چھوڑنے جائیگا" حوالدار نے اپنا دُھواں پر نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔

"میں جاؤں گا" اُرتی اُمپن بول اُٹھا۔

قیدی کو اپنے انجام کا علم ہو چکا تھا کیونکہ وُہ بے کیف ہنسی ہنس رہا تھا۔ اُس نے جیبیں اُلٹ دیں اور کاسکوں کو چاکلیٹوں کے ٹکڑے کھانے کو دیے۔

"کوئی ہتھیار تو تمہارے پاس نہیں؟ یونہی نہ کھسک جاؤ۔ ہم تمہاری زبان نہیں سمجھتے تمہارے پاس ریوالور تو نہیں۔۔۔۔ ٹھاٹھا۔ ٹھا!!" حوالدار نے ہاتھ سے ریوالور کی شکل بناتے ہوئے سوال کیا۔ قیدی نے نفی میں سر ہلایا۔ اُس نے خوشی سے اپنی جامہ تلاشی کرا لی۔ اُس کے پھٹے ہوئے گھٹنے سے خون بہہ رہا تھا۔ اُس نے رومال نکال کر گھٹنا باندھ لیا۔ وُہ ٹوپی کھنڈر کے پاس بھول آیا تھا۔ کمل اور نوٹ بُک بھی جس میں اُس کے خاندان کی تصویریں تھیں۔

حوالدار نے اُس کی باتیں سمجھنے کے لیے بہتیری کوشش کی لیکن اُس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اُس نے مایوسی کے عالم میں حکم دیا "لے جاؤ اسے"۔ اُرتی اُمپن گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

اُس نے بندوق پیٹھ پر جما کر قیدی کو اشارہ کیا۔ اُرسی آپن کی مسکراہٹ سے حوصلہ پاکر جواب میں وہ بھی ہنسا۔ اُس نے شکریے کے طور پر کاسک کے گھٹنے پر تھپکی دی لیکن کاسک نے نگاہیں کھینچ لیں۔
قیدی مجرمانہ اپنے گھوڑے سے جُدا ہوا اور سنجیدگی سے مُنہ لٹکا کر آگے آگے چلنے لگا۔
گرنگیر کے ذہن پر قیدی کی تصویر بن گئی۔ اُس کا کھُلا ہوا کوٹ، سنہرے بال اور اُس کا بہادرانہ برتاؤ ــــــ!!
"گرنگیر جاؤ اور گھوڑے سے زین اُتار دو" حوالدار نے حکم دیا۔
گرنگیر نے حکم کی تعمیل کی اور خدا جانے کیوں گھوڑے کے قریب پڑی ہوئی ٹوپی اُٹھالی۔
اُس ٹوپی میں سے سستے صابن اور پسینے کی خوشبو آرہی تھی۔ وہ گھوڑے کا ساز و سامان درخت تک لے آیا۔ کاسک زین کا تھیلا ٹٹولتے رہے۔
"اُس کا تمباکو اچھا تھا۔ کاش اُس سے تھوڑا سا اور مانگ لیتے!!" سارجنٹ نے سرد آہ بھری۔
کچھ زیادہ منٹ نہ گزرنے پائے تھے کہ اُنھیں تاڑ کے درختوں میں سے ایک گھوڑے کا سر دکھائی دیا۔ یہ اُرسی آپن تھا۔
"آسٹریوی کو کہاں چھوڑ آئے؟ تم نے اُسے آزاد تو نہیں کر دیا؟" حوالدار نے سوال کیا۔
"اُس نے دوڑنا چاہا تھا" اُرسی آپن غرّایا۔
"اس لیے تم نے اُسے جانے دیا۔"
"ہم میدان میں پہنچے تھے کہ وہ .... مگر میں نے اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔"
"جھوٹ بولتے ہو! تم نے اُسے یونہی ہلاک کر دیا ہے" گرنگیر چلایا۔
"چلّاتے کیوں ہو ــــ تمھیں اس سے کیا غرض؟" اُرسی آپن نے گرنگیر کے چہرے پر سرد نگاہیں گاڑ دیں۔
"کیا کہا؟" گرنگیر کی آواز بتدریج بلند ہو رہی تھی۔ وہ اُرسی آپن سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے تیار تھا۔

ٹیپے ضرورت دوسرے کے معاملے میں ٹانگ کیوں اڑاتے ہو؟" اَری اَپن نے رُوکھا جواب دیا۔ گریگی نے بجلی کی سی تیزی سے بندوق کندھے پر رکھ لی۔ ایک لمحے کے لیے اُس کا ہاتھ ہچکچایا۔ جب اُس نے بندوق کی لبلبی پہ اُنگلی رکھ لی تو اُس کا چہرہ غصّے سے تمتما اُٹھا۔ حوالدار نے گولی چلنے سے پہلے ہی مداخلت کی۔ گولی درخت کی ٹہنی پر لگی اور وہ کٹ کر گر پڑی۔ حوالدار نے بندوق گریگی کے ہاتھ سے چھین لی۔ اَری اَپن جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ اُس کی ٹانگیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ہاتھ پیٹی پر تھے۔

"ایک دفعہ پھر گولی چلاؤ" اُس نے مشورہ دیا۔

"میں تمھیں جان سے مار دوں گا" گریگی اُس کی طرف لپکا۔

"کیوں لڑتے ہو۔ بندوقیں زمین پر رکھ دو" حوالدار نے پُر تحکم لہجے میں کہا۔ اُس نے گریگی کو دھکیل کر پیچھے ہٹا دیا اور خود دونوں کے درمیان آ گیا۔

"تم جھوٹ بولتے ہو، تم مجھے ہلاک نہیں کر سکتے۔" اَری اَپن مسکرایا۔

اندھیرے میں جب وہ واپس ہوئے تو گریگی نے ایک نوجوان گھڑ سوار کو زمین پر مُردہ پایا۔ وہ سب سے آگے تھا۔ اُس نے گھوڑا روک کر مُردہ سپاہی کی طرف دیکھا۔ سپاہی چت لیٹا ہوا تھا۔ اُس کے ہاتھ پھیلے ہوئے تھے۔ چہرہ زمین کی طرف تھا۔ ہتھیلیاں کھلی اور خزاں کے پتوں کی طرح زرد تھیں۔ ضرب کاری نے اُسے کندھے سے پیٹی تک کاٹ کر رکھ دیا تھا۔

کاسک لاش کے قریب سے گزر کر کمپنی کے صدر مقام تک خاموش ہی پہنچے۔ شام کا دھندلکا اور بھی گہرا ہو چکا تھا۔ ہوا مشرق سے ایک ننھا سا بادل آسمان پر اُڑاتے لیے آ رہی تھی۔ پڑوس کی دلدل سے نمی اور گھاس کی بُو آ رہی تھی۔ اُونگھتی ہوئی خاموشی میں لگاموں کی جھنکار نغمہ ریز تھی۔ یا کبھی چابک کا پٹا خابم کی طرح پھٹتا تھا۔ رخصت ہوتے ہوئے سورج کی بے جان کرنیں

درختوں کے تنوں پر چاندی کا پانی پھیرتی معلوم ہوتی تھیں۔ اُدی اُپن سگرٹ پر سگرٹ سلگا رہا تھا۔ سگرٹ کا شعلہ اس کی موٹی انگلیاں نمایاں کر دیتا تھا۔

جنگل پر بادل منڈلا رہے تھے جو دھندلکے کو تاریکی میں تبدیل کر دیتے تھے۔ زمین پر اُداس اندھیرا برس رہا تھا۔

۷

دُوسرے دن اگلے قصبے پر حملے کا آغاز ہُوا۔ رسالے کی معیت میں توپ خانے کو سحر کے وقت آگے بڑھنا تھا۔ کسی نے کہا توپ خانہ ابھی تک نہیں پہنچا۔ دوسو گیارھویں پلٹن کو حکم ملا کہ بائیں بازو کی طرف رُخ کرے۔ جارحانہ نقل وحرکت میں جب دُوسری پلٹن اُس سے آکر ملی تو اُنھیں اپنے ہی توپ خانے نے بھُون کر رکھ دیا۔ تمام منصوبوں پر پانی پھر گیا اور حملہ ناکام ثابت ہوتا دکھائی دیا۔ اس نازک وقت میں گیارھویں رسالے کو آگے بڑھنے کا حکم دیا گیا۔ جنگلاتی اور ریتلی زمین پہ گھوڑے آگے بڑھتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ بعض اوقات کاسکوں کو پلٹن میں شامل ہو کر بڑھنا پڑتا تھا۔ بارھویں پلٹن کی چھٹی اور پانچویں کمپنی کو جنگل میں روک دیا گیا۔ ان سے محفوظ فوج کا کام لیا جانے والا تھا۔ عام پیش قدمی کے وقت توپوں کی گرج سُنائی دینے لگی اور جنگ چھڑ گئی۔

دونوں کمپنیاں کھُلے میدان میں لائی گئیں۔ ان کے چاروں طرف ناڑ کے درخت تھے۔

چند لمحوں کے شوروغل کے بعد سکوت طاری ہو گیا۔ ہر شخص گوش بر آواز تھا۔ کبھی کبھی شاباش کے نعرے سُنائی دے رہے تھے۔ دائیں بازو پر آسٹروی توپ خانہ گولے برسا رہا تھا اور مشین گنوں کی تڑتڑاہٹ پھیلا رہی تھی۔

گرنگیر نے ساتھیوں کی طرف نگاہ دوڑائی۔ کاسک اضطراب میں لرزہ براندام تھے۔ اُدی اُپن نے ٹوپی زین سے لٹکا دی تھی اور اپنے گنجے سر پر آیا ہُوا پسینا پُونچھ رہا تھا۔ گرنگیر کے پہلو میں میشا کا شیوفائی گھسیلو تمباکو کا دھواں اُڑا رہا تھا۔ ہر شے اپنے اصلی رنگ میں موجود تھی۔

دونوں کمپنیاں محفوظ فوج کے طور پر تین گھنٹے تک رکی رہیں۔ تمباکو کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا۔ اب ہر شخص ہاتھ پر ہاتھ رکھے کسی واقعے کے رونما ہونے کا منتظر تھا۔ آخر دوپہر سے پہلے ایک گھڑسوار ہدایات لے کر پہنچا۔ کمپنی کا کماندار اپنے آدمی لے کر ایک طرف روانہ ہوا۔

گریگری کو ایسا معلوم ہوا کہ وہ پیش قدمی کے بجائے پسپا ہو رہے ہیں۔ بیس منٹ تک اُس کی اپنی کمپنی جنگل میں سے گزرتی رہی اور جنگ کا شور و غل کہیں بھی سنائی نہ دیا۔ بہت دور ایک توپ خانہ آگ برسا رہا تھا۔ جنگل کے تنگ راستوں نے کمپنی کی قطار توڑ دی۔ وہ منتشر ہو کر میدان میں داخل ہوئے۔ نصف میل کے فاصلے پر ہنگری کا رسالہ روسی توپ خانے کو تلوار کے گھاٹ اُتار رہا تھا۔

"کمپنی قطار میں ہو جائے" کماندار نے حکم دیا۔

کاسک ابھی قطار باندھنے بھی نہ پائے تھے کہ دوسرا حکم جاری ہوا "تلواریں نکال لو اور حملہ بول دو۔" تلواروں سے نیلگوں چمک پیدا ہوئی اور کاسک سرپٹ دوڑنے لگے۔

چھ ہنگری سپاہی توپ خانے کی دائیں طرف گھوڑوں پر قابو پانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ ایک انھیں کھینچتا اور دوسرا تلوار کی نیام سے زدوکوب کر رہا تھا۔ دوسرے چار توپ گاڑی کے پہیوں پر زور آزمائی کر رہے تھے۔ ایک افسر اُن کی اس کوشش کی نگرانی کر رہا تھا۔ کاسکوں کو دیکھتے ہی اُس نے حکم صادر کیا اور ہنگری کے سپاہی کود کر گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔

گریگری گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا اُن کی طرف بڑھا۔ ایک لمحے کے لیے اُس کا پاؤں رکاب میں سے نکل گیا۔ وہ زین میں اپنے آپ کو غیر محفوظ پا کر پاؤں سے رکاب ٹٹولنے لگا۔ جب وہ اُسے ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا تو اُس نے دیکھا کہ دشمن بھی اُس کی طرف لپکتا ہوا آ رہا ہے۔ اُس کی گردن گھوڑے کی ایال سے لگی ہوئی تھی۔ گریگری کے گھوڑے کی ٹاپیں ایک مردہ توپچی پر پڑیں اور دوسرے دو مردہ توپچی اوندھے منہ توپ کی نالی

پر تڑپ رہے تھے۔ گرینجیر کا ایک ساتھی اُس سے آملا تھا۔ افسر نے اُس کے ساتھی کا بے کر اطمینان سے گولی کا نشانہ بنایا۔ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ گرینجیر افسر کی دائیں طرف بڑھا۔ وہ تلوار استعمال کرنا چاہتا تھا۔ افسر نے اُسے دیکھ لیا۔ اُس نے گولی چلائی اور اپنے ریوالور کی تمام گولیاں خالی کر دیں مگر چوتھی گولی چلنے پہ گرینجیر اُس کے قریب پہنچ گیا۔ ان دونوں کے گھوڑے اب ایک دوسرے کے برابر آ چکے تھے۔ اُس نے ہنگری سپاہی کا بے ریش و بے رونق چہرہ دیکھا۔ اُس کے کالر پہ اُس کی پلٹن کا نام لکھا ہوا تھا۔ گرینجیر نے اُس کی توجہ اپنی طرف منعطف کراتے ہوئے تلوار کی نوک اُس کے کندھوں میں گھونپ دی اور دوسرا وار گردن کے پاس ریڑھ کی ہڈی پر کیا۔ افسر کے ہاتھ سے اُس کی تلوار چھوٹ گئی۔ اُس نے لگام کھینچی اور سینہ تان لیا۔ گرینجیر نے اُسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا اور اطمینان سے اس دفعہ چوتھا وار کیا۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کی تلوار افسر کے سر پر پڑی اور کان کے پاس کی ہڈی دو ٹکڑے ہو گئی۔ پیچھے سے کسی نے گرینجیر کے سر پہ کاری ضرب لگائی۔ اس کے حواس گم ہو گئے۔ اُس نے مُنہ میں خون کی نمکینی چکھی اور اُسے محسوس ہوا کہ وہ گر رہا ہے۔ وہ بیزار کہ زمین پہ گر پڑا۔ زمین پہ اُس کے بھاری بھرکم جسم کے دھماکے نے اُسے خواب سے بیدار کیا۔ اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ اور ایک لمحے کے لیے اپنے گھوڑے کے نتھنے قریب پائے۔ آخری بار اُس نے دیکھا کہ کوئی اُس کا زین کھول رہا ہے۔ اُس کے کانوں میں ایک نہایت تسکین دہ آواز آئی۔ ختم ہو گیا ..... " پھر اُسے شور و غل سنائی دیا جو سانپ کی طرح اُس کے ذہن میں رینگتا ہوا داخل ہوا۔ اُس کے بعد اُس کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔

اٹھارہ

ا

اگست کے وسط میں ایوجین لسنکی نے اٹامن کی حفاظتی فوج سے تبادلے کی درخواست دے دی۔ وہ کاسکوں کی باقاعدہ فوج میں داخل ہونے کا متمنی تھا۔ اُس نے پہلی درخواست بھیج دی۔ تین ہفتوں کے بعد اُسے اُس کے حسب منشا جگہ مل گئی۔ پیٹرزبرگ سے روانہ ہونے سے پہلے اُس نے باپ کو خط میں اپنے ارادے کی اطلاع دی اور بوڑھے کی دُعا طلب کر لی۔

پیٹرزبرگ سے وارسا جانے والی گاڑی آٹھ بجے رات کو روانہ ہوئی۔ لسنکی کوچ میں بیٹھ کر سٹیشن تک آیا تھا۔ اُس کے پیچھے پیٹرزبرگ روشنی میں جھلملا رہا تھا۔ سٹیشن پر سپاہیوں کا جمگھٹ تھا۔ وہ اپنے ڈبے میں آکر بیٹھ گیا۔ اُس نے کوٹ اُتارا، تلوار بھی ایک طرف رکھ دی اور کاسکی کمبل نشست پر بچھا دیا۔ کھڑکی کے پاس ایک پادری بیٹھا تھا۔ اُس کا چہرہ ایک تارک الدنیا کے چہرے کی طرح دُبلا پتلا تھا۔ اُس نے ڈاڑھی کھجاتے ہوئے پاس بیٹھی ہوئی ایک سانولی لڑکی کو کیک کا ٹکڑا پیش کیا۔ ایوجین اونگھنے لگا۔ پادری کی آواز اُس کے کان میں اس طرح پڑ رہی جیسے کوئی آواز دُور سے آرہی ہو۔

"میرے کُنبے کی آمدنی بہت کم ہے۔ اس لیے میں بڑا پادری ہو کر فوج میں جا رہا ہوں۔ روسی عوام اعتقاد و مذہب کے بغیر نہیں لڑ سکتے اور تم دیکھ رہی ہو کہ ہر سال مذہب میں اعتقاد بڑھتا جا رہا ہے۔ ہاں مانتا ہوں کہ بہت سے لوگ مذہب سے گریز کرتے ہیں لیکن وہ پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ کسان تو خدا کے وفادار بندے ہیں۔"

ایوجین اس سے زیادہ سننے کی تاب نہ لا سکا۔ دو راتیں مسلسل جاگنے کے بعد اُسے نیند

آئی تھی۔ جب وہ جاگا تو گاڑی پیٹرز برگ سے پچیس میل کے فاصلے پر آ گئی تھی۔ پہیوں میں ایک ہموار نغمہ پیدا ہوا تھا۔ گاڑی کا ڈبا ہچکولے کھا رہا تھا۔ ساتھ کے ڈبے میں کوئی گا رہا تھا۔ ڈبے کی چھت میں لگا ہوا لیمپ آڑے ترچھے سائے ڈال رہا تھا۔

۴

جس پلٹن میں لسنکی کا تقرر ہوا وہ بے پناہ نقصانات اُٹھا چکی تھی۔ اُسے محاذ سے ہٹا لیا گیا تھا۔ وہ کمی پوری کر رہی تھی۔ پلٹن کا صدر مقام ایک بڑے سے گاؤں بریزنیاگی میں تھا۔ ایوجن ایک بے نام کے پڑاؤ پر اُترا۔ اسٹیشن پر فوجی ہسپتال گاڑی کھڑی تھی۔ ایوجن نے ڈاکٹر سے پوچھا کہ وہ گاڑی کہاں سے آ رہی ہے اور کہاں جائے گی۔ اُسے بتایا گیا کہ زخمیوں سے بھری ہوئی گاڑی جنوب مشرقی محاذ سے آ رہی ہے اور وہیں قیام کرے گی جہاں اُس کی پلٹن بھی مقیم ہے۔ ڈاکٹر حکامِ اعلیٰ کی بُرائی کر رہا تھا۔ آنکھوں پر عینک لگائے اور ڈاڑھی کھجاتے ہوئے ڈاکٹر ہر آنے جانے والے کے سامنے شکایات کا انبار لگا دیتا۔

"کیا مجھے بریزنیاگی لے چلو گے؟"

"ہاں سوار ہو جاؤ۔"

دھند لکا چھانے لگا تھا۔ جب ہسپتالی گاڑی بریزنیاگی پہنچی۔ ہوا پودون کے ٹھنٹھنوں کو جھولا جھلا رہی تھی۔ مغرب میں بادل جمع ہو رہے تھے۔ اُن کے اوپر کے کنارے سیاہ اور نیچے دھوئیں کا رنگ لیے ہوئے تھے۔ درمیان میں ابر کے بے ڈھنگے ٹکڑے اس طرح جمع تھے جیسے دریا کے بند کے سہارے برف ایک طرف جمع ہو۔ بیچ کے خالی حصے میں شفق کی نارنجی کرنیں بکھری ہوئی تھیں جو روشنی کے تیز پنکھے کی طرح پھیل پھیل کر خلا میں گوناگوں ہلکے رنگوں کے عکس کی بُنائی کر رہی تھیں۔

سڑک کے کنارے ایک گڑھے کے قریب ایک مردہ گھوڑا پڑا تھا۔ اُس کی ایک ٹانگ اُٹھی

ہوئی تھی جس کا نسل چیک رہا تھا۔ لسنکی گاڑی سے اتر کر لاش کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس کا اردلی قریب آ کر بولا "یہ دانہ زیادہ کھا گیا تھا، اپنی موت آپ مرا ہے۔ یہ یونہی پڑا ہے خدا جانے کب سے کوئی اسے دفنانے کی فکر نہیں کرتا۔ روسی یونہی سلوک کرتے ہیں۔ جرمن روسیوں سے مختلف ہیں۔" لسنکی نے عینک کے عالم میں کہا "اور تمہیں یہ کیونکر معلوم ہوا کہ جرمن روسیوں سے مختلف ہیں۔" اردلی کے لیے لسنکی کے دل میں نفرت پیدا ہو چکی تھی۔ اُسے اردلی کا چہرہ کھیت کے ڈنٹھلوں کی طرح خاکستری اور افسردہ دکھائی دینے لگا۔ لسنکی نے اردلی کے احساس برتری کو اسی تصوّر سے کم کرنے کی کوشش کی۔ ابوتن نے دیکھا کہ وہ دوسرے کسان سپاہیوں سے مختلف نہ تھا۔ وہ سب کے سب خمیدہ کمر اور پژمردہ نظر آتے تھے۔ اُن کی آنکھوں میں ہر وقت بےکیفی کی جھلک موجود رہتی تھی۔ اُن کی صورتیں اُسے ہمیشہ پرانے سکوں کی یاد دلاتی تھیں۔

"میں جنگ سے قبل جرمنی میں تین سال گزار چکا ہوں۔" اُس کی آواز میں وہی قابلِ نفرت برتری تھی۔ جو اُس کے چہرے پر بھی جھلک رہی تھی۔

"خاموش رہو"۔۔۔۔۔۔۔ لسنکی نے پرتحکم لہجے میں کہا۔

وہ گھوڑے دوڑاتے ہوئے یونہی چلتے رہے۔ مغرب میں جو رنگ نمایاں ہو رہے تھے پھیکے پڑ چکے تھے۔ بادلوں نے انہیں چوس لیا تھا۔ اُن کے پیچھے گھوڑے کی ٹانگ ایک بار دکھتی ہوئی عیلیب بن چکی تھی۔ ابوتن نے مڑ کر گھوڑے کی لاش کی طرف دیکھا تو یک بیک روشنی کا طوفان اُس کی ٹانگ پر امڈ آیا اور گھوڑے کی ٹانگ ایک بے پتوں کی شاخ کی طرح شگفتہ ہوتی نظر آئی۔

۴

فوجی ہسپتال بریزنیاگی میں داخل ہوا تو زخمی سپاہیوں سے بھری ہوئی گاڑی اُس کے قریب سے گزری۔ ایک بوڑھا سفید روسی جو پہلے ڈبے کا نگران تھا گھوڑے کے آگے چہل قدمی

کر رہا تھا۔ تیجی گاڑی میں ایک کاسک سر باندھے پڑا تھا۔ وُہ کہنیوں پر لیٹا ہُوا تھا۔ آنکھیں بند تھیں اَور اناج چبا رہا تھا۔ اُس کے ساتھ ہی ایک سپاہی جسم سکیڑے ہوئے چت لیٹا تھا۔ کپڑے پھٹے ہوئے تھے اَور خون آلود۔ وُہ سر اُٹھائے بغیر گالیاں دے رہا تھا۔ بُری طرح جنگ کو کوس رہا تھا۔ لسنتکی مجروح سپاہی کے کوسنے سُن کر خوفزدہ ہو رہا تھا۔ اُسے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وُہ کوسنے نہ تھے بلکہ ایک پادری کی دعائیں تھیں۔

پانچویں گاڑی میں تین کاسک بڑے آرام سے بیٹھے تھے۔ لسنتکی جب اُن کے پاس سے گزرا تو اُنھوں نے خاموشی سے اُسے دیکھا لیکن ان کے چہروں پر افسر کے لیے ادب کے نشانات نظر نہ آئے۔

لسنتکی کی پلٹن کے کمانڈر کا صدر مقام ایک پادری کے گھر میں تھا۔ وُہ مقام نہایت خاموش اَور اُداس اُداس سا اور دُوسرے صدر مقامات کی طرح محاذ سے ذرا ہٹ کر واقع تھا۔ کلرک میزوں پر جھکے ہوئے تھے۔ ایک بوڑھا کپتان ٹیلیفون سے مُنہ لگائے ہنس رہا تھا۔ کھڑکیوں میں مکھیاں آنکھ مچولی کھیلتی ہوئی گزر رہی تھیں۔ ٹیلیفون سے آتی ہوئی آواز مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے کم نہ تھی۔ ایک اردلی ایوجن کو کمانڈر کے ذاتی کمرے میں لے گیا۔ دہلیز پر اُسے ایک طویل القامت کرنل ملا۔ اُس نے سرد مہری سے اُس کا خیر مقدم کرتے ہوئے اُسے اپنے کمرے میں آنے کا اشارہ کیا۔ جب وُہ کمرے میں داخل ہُوا تو کرنل نے تھکن کے انداز میں اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرا اَور نہایت خشک آواز میں گویا ہُوا "کل مجھے بریگیڈ سٹاف نے خبر کر دی تھی کہ تم آ رہے ہو۔ بیٹھ جاؤ۔"

اُس نے لسنتکی سے اُس کے گزشتہ تجربات کے متعلق سوالات کیے۔ دارالسلطنت کی تازہ خبریں سنیں۔ سفر کا حال پوچھا اَور نہایت مختصر گفتگو کے بعد اُس نے لسنتکی کے چہرے کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

"بچارا تھکا ہُوا ہے۔ کوئی بُرا وقت دیکھا ہے بچارے نے" لسنتکی نے ہمدردی کے عالم میں سوچتے ہوئے خیال کیا۔

کرنل نے اُسے مزید دھوکے میں نہ رکھتے ہوئے کہا "اچھا تو میاں لفٹننٹ تم اپنے ساتھی افسروں سے تعارف کر لو۔ میں معذرت چاہتا ہوں کیونکہ تین راتوں سے مسلسل نہیں سویا ہوں۔ یہاں تو شراب پینے اور تاش کھیلنے کے سوا کوئی شغل نہیں۔"

لسنسکی نے سلام کیا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ اپنے کمانڈر سے پہلی ملاقات کے بارے میں سوچتا رہا اور اُس شائستگی کا مذاق اڑاتا رہا جو کرنل نے پہلی ملاقات میں اُس کی نذر کی تھی۔

۴

ایوجنی کے ڈویژن کو ہدایت دی گئی کہ وہ دریائے ستائر کے دشمن کو پیچھے سے پسپا ہونے پر مجبور کر دے۔ دریائے ستائر کی مہم نہایت خوش اسلوبی سے پایۂ تکمیل تک پہنچائی گئی۔ ڈویژن نے دشمن کی خاصی تعداد کے پرنچے اُڑا کر رکھ دیے۔ آسٹرویوں نے رسالوں سے جوابی حملے کی کوشش کی لیکن کاسکوں نے اُنکی کوئی پیش نہ جانے دی۔ دشمن کی فوج افراتفری کے عالم میں پسپا ہو گئی۔ مشین گنوں کی گولیوں کی بوچھاڑ میں اور اپنے عقب میں کاسک رسالہ پا کر وہ دُم دبا کے بھاگ کھڑی ہوئی۔

ایوجنی لسنسکی اپنی پلٹن کے ساتھ جوابی حملے کی پیش قدمی کر رہا تھا۔ اُس کی پلٹن کا صرف ایک کاسک جان سے مارا گیا اور چار زخمی ہوئے۔ ایک نوجوان کاسک اپنے ہی گھوڑے کے نیچے آ کر زخمی ہو گیا۔ وہ کراہنے اور قریب سے جاتے ہوئے کاسکوں کو پکار پکار کر کہنے لگا "مجھے نہ چھوڑ کر جاؤ بھائیو! مجھے نہ چھوڑ کر جاؤ۔ مجھے میرے گھوڑے سے آزاد کر دو۔ اُس کے بوجھ تلے میں مرا جا رہا ہوں۔ ... بھائیو! بھائیو!" اُس کی آواز مدھم ہوتی گئی لیکن اُس کے ساتھیوں میں رحم کا ایک خفیف سا جذبہ بھی پیدا نہ ہوا۔ اس سے بھی کوئی بڑی طاقت اُنہیں کشاں کشاں لیے جا رہی تھی۔ وہ گھوڑے سے نیچے اُترنا چاہتے تھے۔ وہی عظیم طاقت اُنہیں ایسا کرنے سے روک رہی تھی۔ وہ گھوڑے سرپٹ دوڑاتے رہے۔ نصف میل کے فاصلے پر آسٹروی ڈویژن پیٹھ دکھا کر بھاگا جا رہا تھا۔ ایک آسٹروی بار برداری چٹان پر چڑھتی دکھائی دے رہی تھی۔ بائیں طرف سے روسی توپ خانہ اُن پر آگ اُگل رہا تھا۔ گولہ باری کی گرج جنگل اور میدان میں پھیل رہی تھی۔

۵

فوج رات بسر کرنے کے لیے ایک گاؤں میں اقامت پذیر ہوئی۔ بارہ افسروں نے ایک جھونپڑی سنبھال لی۔ تھکن سے چُور ہو کر وہ بھوکے ہی سو رہے۔ فوجی باورچی خانہ آدھی رات کو پہنچا۔ کارنٹ چوباف شوربے کا پیالہ لے کر آیا۔ چند لمحوں کے بعد افسر بُری طرح کھا رہے تھے۔ لمبے لمبے ہاتھ مار رہے تھے۔ آپس میں بات چیت بھی نہیں کر رہے تھے۔ وہ دن کا خسارہ پورا کر رہے تھے۔ ان کی نیند اُڑ چکی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ سگرٹ پینے اور گپیں ہانکنے لگے۔

پہلا لفٹنٹ کالمیکف، جو منگول نسل سے تھا کہہ رہا تھا "یہ جنگ میرے لیے نہیں —— میں جنگ کا انجام دیکھنے کے لیے زندہ نہ رہوں گا۔"

"رہنے بھی دو اس پیش گوئی کو۔"

یہ پیش گوئی نہیں۔ یہی تو میرا انجام ہے۔ میں یہاں غیر ضروری معلوم ہوتا ہوں۔ آج، جب ہم پر گولہ باری ہو رہی تھی، ہیں لرزہ براندام تھا۔ دشمن کہیں نظر نہ آتا تھا اور گولے برس رہے تھے۔ چھ سات میل دور بیٹھے وہ تم پر گولوں کی بارش کرتے ہیں اور تم گھوڑوں پر بیٹھے پناہ ڈھونڈتے پھرتے ہو۔ ایک ہرن کی طرح جس کے پیچھے شکاری لگے ہوں، مجھے پرانے لوگوں پر رشک آتا ہے جو دو بدو لڑتے تھے۔" اُس نے لسنسکی کی طرف دیکھتے ہوئے سلسلہ کلام جاری رکھا "اپنے دشمن کے مقابل آنا پھر اپنی تلوار سے اُس کے ٹکڑے اُڑا دینا، اسی قسم کی جنگ میں چاہتا ہوں ....."

"اگلی جنگ میں رسالے کی ضرورت نہ رہے گی، اسے اُڑا دیا جائے گا" دوسرے افسر نے کہا۔

"آدمیوں کی جگہ مشین نہیں لے سکتی۔ تمھیں دُور کی سوجھ رہی ہے۔" تیسرا بولا "میں آدمیوں کا نہیں گھوڑوں کا ذکر کر رہا ہوں۔ اُس کی جگہ موٹر سائیکلیں اور موٹریں لے لیں گی۔"

"میں موٹر ڈویژن کا تصور نہ کر سکتا ہوں۔"

"کیوں فضول بحث میں اُلجھتے ہو؟" کالمیکف بولا۔

"دو تین صدیوں کے بعد خدا جانے جنگ کیسی ہو گی لیکن اس وقت تو رسالہ ہی.....

رسالے سے تم کیا کر سکتے ہو جب خندقیں چاروں طرف کھدی ہوئی ہوں۔ بتاؤ کیا

کر سکتے ہو؟"

"خندقیں پار کر کے دشمن کے پیچھے پہنچ جاؤ۔ اب رسالے کا تو یہی کام ہو گا۔"

"جانے بھی دو۔"

"خاموش ہو جاؤ۔ چلو چل کر سو جائیں۔"

بحث ختم ہوئی اور اس کی جگہ خراٹوں نے لے لی۔ لسنتکی چت لیٹ گیا۔ گھاس کی بو آنے لگی۔ اسی گھاس کی بو جس پر اس نے کوٹ بچھا دیا تھا۔ کالمیکف اس کے برابر لیٹا ہوا تھا۔

"تمہاری فوج میں ایک رضاکار سپاہی بنچک ہے۔ اس سے کبھی موقع ملے تو گفتگو کرنا۔ دلچسپ آدمی ہے" اس نے ابوجن سے کہا۔

"دلچسپ آدمی ہے....." ابوجن نے تعجب کا اظہار کیا۔

"اس نے زندگی کا بیشتر حصہ ماسکو میں گزارا ہے ایک مزدور کی حیثیت میں۔ مشینری کے سلسلے میں وہ گہری دلچسپی لیتا ہے۔ نہایت اچھا مشین گن چلانے والا ہے۔"

"اچھا، اب سونے دو....." لسنتکی نے جواب دیا

۱۵

ابوجن بھول چکا تھا کہ اس کے ساتھی افسر کالمیکف نے کسی رضاکار سپاہی بنچک کا بھی ذکر کیا تھا۔ لیکن دوسرے ہی دن اتفاق سے اُسے اس رضاکار سے دوچار ہونا پڑا۔ پلٹن کے کمانڈر نے جاسوس دستے کی قیادت اس کے سپرد کی اور ہدایت کی کہ وہ توپ خانے کے اور اپنے درمیان تعلق قائم کرے۔ توپ خانہ بائیں بازو پر نقل و حرکت کر رہا تھا۔ دھم دھم روشنی میں ادھر اُدھر لشکر گھوم رہا

ہوا لسنکی احاطے میں داخل ہوا جہاں کمپنی کا حوالدار سو رہا تھا۔ اس کے ساتھ دُوسرے کاسک سوئے پڑے تھے۔

"مجھے پانچ کاسکوں کی ضرورت ہے جو سرحد پر میرے ساتھ دیکھ بھال کی غرض سے جائیں گے۔ اٹھو میرا گھوڑا تیار کر دو" اس نے حوالدار کو جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

جب وُہ آدمیوں کے جمع ہونے کا انتظار کر رہا تھا تو ایک گٹھیلے جسم کا کاسک جھونپڑی کے دروازے سے باہر آیا۔

"حضور ــــ سارجنٹ مجھے آپ کے ساتھ جانے سے روکتا ہے۔ وُہ کہتا ہے کہ اس دفعہ میری باری نہیں۔ مجھے اجازت دے دیجئے کہ میں آپ کے ساتھ چل سکوں"

"کیا تم ترقی کے لیے بیتاب ہو؟ یا تم نے کیا کیا ہے؟" ایوجنی نے اندھیرے میں اُس آدمی کی صورت پہچاننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے کیا کچھ بھی نہیں"

"تو پھر تم ساتھ چل سکتے ہو" ایوجنی نے فیصلہ کیا۔ کاسک جانے کے لیے مڑا تو اُس نے کہا "دیکھو ــــ سارجنٹ سے کہ دینا......"

"میرا نام بنچک ہے حضور!" کاسک نے قطع کلام کیا۔

"رضاکار بنچک ــــ؟"

"حضور"

گھبراہٹ سے نجات پا کر لسنکی نے لہجہ بدلا "بہت اچھا بنچک ــــ میری طرف سے سارجنٹ سے...... کوئی بات نہیں، میں اُسے خود بتا دوں گا"

لسنکی اپنی جماعت لے کر گاؤں سے باہر نکلا۔ جب وُہ کچھ دُور نکل گئے تو اس نے آواز دی:

"رضاکار بنچک ــــ!"

"حضور!"

"کیا اپنا گھوڑا میرے برابر لاؤ گے؟"

بنچک اپنا معمولی گھوڑا السنگی کے اعلیٰ نسل گھوڑے کے قریب لے آیا۔

"کونسا ضلع ہے تمھارا؟"

"نوودو ـــ چرکاس!"

"کیا مجھے وہ سبب بتاؤ گے جس نے تمھیں بطور رضا کار ہماری پلٹن میں بھرتی ہونے پر مجبور کر دیا؟"

"کیوں نہیں؟" بنچک نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "مجھے جنگ کے فن کا شوق ہے میں اس پر عبور حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

لیکن اس مقصد کے لیے تمہارے ملک میں بہت سے سکول بھی ہیں۔"

"حضور میں سب سے پہلے عملی مہارت حاصل کرنا چاہتا ہوں، بعد میں نظریاتی علم۔"

"جنگ چھڑنے سے پہلے تم کیا تھے؟"

"ایک مزدور۔"

"کہاں کام کرتے تھے؟"

"پیٹرزبرگ میں ـــ رستوف میں ـــ اور پھر تُلا کے اسلحہ ساز کارخانوں میں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ اپنا تبادلہ مشین گن کمپنی میں کرا لوں۔"

"مشین گنوں کے متعلق کچھ جانتے ہو؟"

"میں ہر قسم کی مشین گن چلا سکتا ہوں، بربیٹر، میڈسن، میکسم، ہاچکس، وکرز، لوئس وغیرہ۔"

"اوہ ـــ خوب میں پلٹن کے کمانڈر سے اس کا تذکرہ کروں گا۔"

"ضرور کیجیے گا۔"

لسنسکی نے ایک دفعہ پھر گٹھیلے جسم کے بنچک کی طرف دیکھا۔ وہ چہرہ ڈان کے کاسکوں کی یاد دلا رہا تھا۔ اس میں کوئی خصوصیت نہ تھی کوئی نمایاں خوبیاں ایسی نہ تھیں جو اس میں اور دوسروں میں کسی امتیاز کا اظہار کر سکتیں۔ وہ معمولی قسم کا انسان تھا۔ اگر کوئی امتیاز تھا تو اس کا مضبوط جبڑا تھا اور اس کی گول آنکھیں تھیں۔ وہ بہت کم ہنستا اور مسکراتا تھا۔ وہ ڈان کے کنارے پھیلے ہوئے درختوں کی طرح سخت تھا جو ڈان کی مٹی سے اپنا سر نکالتے ہیں۔

کچھ دیر تک وہ خاموشی سے چلتے رہے۔ بنچک چوڑی ہتھیلیاں زین پر رکھے ہوئے تھا۔ لسنسکی نے سگرٹ کا انتخاب کیا اور جب بنچک نے دیا سلائی پیش کی تو اسے اس کے ہاتھ پر جمے ہوئے گھوڑے کے پسینے کی بو آئی۔ اس کے ہاتھ کا پچھلا حصہ گھوڑے کی کھال کی طرح بھورے بالوں سے بھرا ہوا تھا۔ ابوجن کے دل میں اسے تھپکنے کی تمنا پیدا ہوئی۔ خدا جانے کیوں؟

سڑک کے موڑ پر جنگل میں برچ کے درخت کھڑے تھے۔ ان کے پرے نظر تاڑ کے گھنے درختوں میں الجھ جاتی تھی۔ پیڑ آسٹروی فوج کے پاؤں تلے روندے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ دائیں بازو والا توپ خانہ آگ اگل رہا تھا۔ فضا میں بجلی کی سی کڑک پیدا تھی۔ زمین شبنم کے گھونٹ پی رہی تھی۔ زمین اس وقت بلانوشی کا ثبوت دے رہی تھی۔ لسنسکی پیڑوں کے قریب رک گیا۔ اس نے دوربین نکالی اور چٹان کی طرف دیکھنے لگا۔ ایک مکھی لسنسکی کی تلوار پر بیٹھ گئی۔

"بگلی کہیں کی ......"

"کیا ہے؟" ابوجن نے مڑ کر پوچھا۔

بنچک نے آنکھ سے مکھی کی طرف اشارہ کیا۔ لسنسکی مسکرایا۔

"اس کا شہد بھی کڑوا ہوگا ــــ کیا خیال ہے؟"

بنچک نے جواب نہ دیا۔ بلکہ تڑ تڑ چلتی ہوئی گولیاں اسے جواب دینے کے لیے حاضر ہوئیں شاخیں ٹوٹ کر گرنے لگیں۔ ایک شاخ تو اس کے گھوڑے کی گردن پر آ کر گری۔

وُہ مُڑے اور دوبارہ گاؤں کی طرف پلٹے۔ گھوڑوں پر چابکوں کی بارش ہونے لگی۔ آسمان پر مشین گن ان کا تعاقب کرنے لگی۔

اس پہلی ملاقات کے بعد بار ہا بنچک سے لسنگی کی بات چیت ہوئی۔ ہر مرتبہ لسنگی اس چمک سے مسحور ہوا جو رضا کار کی آنکھوں میں شعلہ ریز ہو جاتی تھی۔ بار ہا وہ اس راز کی گہرائی میں غوطہ زنی کرتا لیکن ہر دفعہ خالی ہاتھ باہر آتا۔ بنچک ہمیشہ مسکرا کر بات کرتا۔ ایسا معلوم ہوتا کہ وہ کسی دشوار زمین راستے پر گامزن ہے۔ آسے اس کی مرضی کے مطابق مشین گن کمپنی میں تبدیل کر دیا گیا۔ جن دنوں پلٹن آرام کر رہی تھی۔ لسنگی نے اسے ایک درباماں کی دیوار کے قریب جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ وُہ دوڑ کر اس سے جا ملا۔

"رضا کار بنچک ——!!"

کاسک نے مُڑ کر فوجی سلام کیا۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"حاکم اعلیٰ کے پاس۔"

"میں بھی وہیں جا رہا ہوں۔"

برباد شدہ گاؤں کی سڑکوں پر کچھ دیر کے لیے وُہ دونوں خاموش چلتے رہے

"دکھو۔ فنونِ جنگ کے سیکھنے کا کام جاری ہے؟" لسنگی نے اُسے کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں، سیکھ ہی رہا ہوں۔"

"جنگ کے بعد کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"جو کچھ کوئی بڑ جانے گا اسے کوئی کاٹے گا ہی۔۔۔۔ لیکن میں سوچوں گا۔"

بنچک نے جواب دیا۔

"اس فقرے کا مطلب کیا سمجھا جائے؟"

"آپ نے یہ کہاوت تو سنی ہوگی 'بوتے ہیں جو بھر کاٹتے ہیں من بھر' بس یہی بات ہے۔"

"معموں میں بات کرنا چھوڑ دو۔"

"یہ کوئی معما نہیں، ایک واضح جواب ہے۔ معاف کیجیے مجھے بائیں طرف مڑنا ہے۔"

وہ سلام کے لیے انگلیاں ٹوپی تک لے گیا۔ لسنکی کندھے جھٹکا کر اسے دیکھتا رہا۔

"کیا واقعی اس کی حرکتیں اصلی ہیں یا اس کے دماغ میں کوئی کیڑا ہے؟" اسے بڑا تعجب تھا۔ وہ یہی سوچتے سوچتے کمپنی کے کمانڈر کی کچی جھونپڑی میں داخل ہو گیا۔

۱

محفوظ فوج کی دوسری اور تیسری لائن دونوں ایک ساتھ بلوالی گئیں۔ ڈان کے دیہات اور اضلاع خالی ہونے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مرد کھیتوں پر چلے گئے ہیں۔

لیکن اس سال سرحدوں پر زہریلی فصل کی کٹائی ہو رہی تھی۔ مزدوروں پر موت برس رہی تھی۔ اس موت سے زیادہ بھیانک موت کاسک کی بیوی کے گیت میں تھی "میرے محبوب! کس کی خاطر تو مجھے چھوڑ گیا ہے؟" ہر طرف کھوپڑیاں ہی کھوپڑیاں نظر آتیں، جوان کاسکوں کا بہتا ہوا خون اور ان کی پتھر سی آنکھیں جو آسٹریا، پولینڈ اور پرشیا میں گاجر مولی کی طرح کاٹے جا رہے تھے...... اس لیے مشرقی ہوا ان تک ان کی بیویوں کے نوحے پہنچانے سے بھی قاصر تھی۔

ستمبر کے ایک خوشگوار دن تاتارسک کے گاؤں پر ہلکی ہلکی دھند مسلط تھی۔ زرد سورج ایک بیوہ کی طرح مسکرا رہا تھا۔ آسمان کی نیلگوں دوشیزہ مغرور تھی، نازاں تھی۔ برگد کے پیڑوں سے خوبصورت زرد پتے گر رہے تھے۔

اسی دن پنٹیلیمون کو فوجی صدر مقام سے ایک خط موصول ہوا۔ ڈونیا ڈاک خانے سے اسے لے کر آئی۔ پوسٹ ماسٹر وہ خط اسے دیتے ہوئے سرنگوں ہو گیا: "مجھے معاف کر دو۔ خدا کے لیے معاف کر دو۔ میں نے یہ خط کھول لیا تھا۔ میں جنگ کے حالات جاننے کے لیے بیتاب تھا۔ اپنے باپ سے کہہ دینا کہ خط میں نے کھولا تھا۔" وہ گھبرایا ہوا تھا۔ وہ ڈونیا کو دروازے تک پہنچانے کے لیے باہر آیا۔ ڈونیا سینے میں خط رکھ کر لوٹی۔ وہ

پوسٹ ماسٹر کی سراسیمگی کا مطلب سمجھنے سے قاصر تھی۔ گھر پہنچی تو اُس کا سانس پھولا ہُوا تھا۔

"پوسٹ ماسٹر کہتا ہے کہ خط اس نے پڑھ لیا ہے۔ اس لیے ناراض نہ ہونا۔"

"وہ شیطان کے حوالے ہو" پنٹیلیمون نے کھانستے ہوئے کہا "کہ گریگر کا ہے کہ پیوترا کا؟"

"اجنبی سا خط معلوم ہوتا ہے۔ مجھے پتا نہیں کس کا ہے۔"

"پڑھو......" الینچنا چیخی۔ اُس کی ٹانگیں اس سال اُسے زیادہ تکلیف دے رہی تھیں۔

نتالیا صحن سے دوڑتی ہوئی آئی اور کھمبے سے سر لگا کر کھڑی ہو گئی۔ اُس کا خیال تھا کہ گریگر نے اُس کے نام کوئی پیغام بھیجا ہو گا۔ اُس کے لبوں پر ہلکا سا تبسم تھا۔ وہ اپنی کتیا کی سی وفاداری کے صلے میں گریگر کے پیغام کے لیے تڑپ رہی تھی۔

"ڈاریا کہاں ہے؟" الینچنا نے پوچھا۔

"خاموش بھی رہو ـــــ ہاں، ڈونیا! خط پڑھو۔"

"ابا...... اماں...... اوہ میری ماں! ہمارا گریگر...... اور ہمارا گریگر مارا گیا۔"

ایک بھڑ نے، جو کھڑکی سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہی تھی، شیشے پر ڈنک مارا۔ احاطے میں ایک مرغی کڑکڑائی۔ کھلے دروازے سے کسی بچے کی ہنسی کی آواز آئی۔

نتالیا پر سکتہ طاری ہو گیا۔ بوڑھے پنٹیلیمون نے سر ہلایا اور ڈونیا کی طرف خشمناک نگاہوں سے دیکھنے لگا، جس نے کاغذ کا ٹکڑا فرش پر پھینک دیا۔ فوجی پیغام میں لکھا تھا:

"میں تمھیں اطلاع دیتا ہوں کہ تمھارا بیٹا "گریگر پنٹیلیمی یووچ" میلخوف، ڈان کی بارھویں پلٹن کا کاسک ۲۹ اگست کو کمینکا کے قصبے میں ہلاک ہو گیا ہے۔ تمھارا بیٹا بہادرانہ موت مرا ہے۔ تمھارے ناقابلِ تلافی نقصان میں یہی تمھاری واحد تسکین ہو سکتی ہے۔ اُس کا سارا ساز و سامان اُس کے بھائی پیوترا کو دے دیا جائے گا اور اُس کا گھوڑا اُس کی پلٹن میں رہے گا۔

چوتھی کمپنی کا کماندار ـــ لفٹنٹ پولیکا فنکف ـــــ ۳۱ اگست ۱۹۱۴ء"

۲

خط کی آمد کے بعد پنتیلیمون مرجھانا شروع ہوا۔ وہ روز بروز بوڑھا ہونے لگا۔ اس کا حافظہ جواب دینے لگا اور ذہن کی رسائی ختم ہو گئی۔ کمر اور بھی خمیدہ ہو گئی۔ چہرہ کرخت ہو گیا آنکھوں میں ذہنی کشمکش اجاگر رہنے لگی۔ بال سفید ہونے لگے اور داڑھی میں بھی سفیدی کی لہریں پڑنے لگیں۔ وہ پیٹو بھی ہو گیا اور پہلے سے زیادہ کھانے لگا۔

اس نے وہ خط کتابوں میں چھپا دیا۔ وہ دن میں کئی مرتبہ کتابوں کے قریب جاتا اور دنیا کو اشارے سے بلاتا۔ جب وہ قریب آجاتی تو اسے خط پڑھنے کو کہتا اور باورچی خانے میں، جہاں اس کی بیوی مصروف کار ہوتی، دیکھتا رہتا۔ "اسے آہستہ آہستہ پڑھو"۔ ۔ ۔ ۔ وہ دنیا کو اشارہ کرتا۔ آنسو پیتے ہوئے دنیا اسے خط کے ایک دو جملے پڑھ کر سناتی پھر پنتیلیمون اٹھتے ہوئے کہتا — بس کرو۔ باقی خط مجھے یاد ہے۔ جاؤ اس خط کو وہیں رکھ دو جہاں سے اسے اٹھایا تھا — جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تمھاری ماں ۔ ۔ ۔"

اتنا کہ کر اس کا چہرہ جلے ہوئے درخت کی چھال کی صورت اختیار کر جاتا۔

۳

رسم فاتحہ کے نو دن بعد میلیخوف کے کنبے نے پادری وساریَن اور دوسرے رشتہ داروں کو گریگری کی ماتمی دعوت دی۔ پنتیلیمون بے تحاشا کھا رہا تھا۔ سویاں اس کی داڑھی میں اٹک گئی تھیں۔ ایلینچنا، جو پریشانی سے اس کی حرکات وسکنات کی نگرانی کر رہی تھی، پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"کیا ہو گیا ہے تمھیں؟" وہ بولی۔

"ہاے — ہاے —!" بوڑھا بڑبڑایا۔ ایلینچنا نے ہاتھ ہلایا اور رومال آنکھوں پر رکھ لیا۔

"ابا! تم تو اس طرح کھا رہے ہو جیسے تین دن سے بھوکے ہو ۔ ۔ ۔ ۔" داریا غضبناک ہو کر بولی۔

"ہاں میں کھاتا ہوں .... بہت اچھا، اب نہیں کھاؤں گا" پنٹیلیمون نے گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ اس نے میز کے گرد دیکھا۔ اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ ابروؤں پر بل پڑ گئے تھے۔ وہ خاموش ہو گیا۔ اس نے سوالات کا جواب دینا بھی بند کر دیا۔

"خواہ مخواہ غم کرتے ہو پنٹیلیمون!! اس قدر رنج اٹھانے سے کیا فائدہ؟" پادری وساریون نے ہمدردی کا اظہار کیا "گریگری کی موت مقدس موت تھی۔ خدا سے ناراض نہ ہو بوڑھے انسان! تمہارے گریگری نے زار اور وطن کے لیے کانٹوں کا تاج پہنا ہے..... اور تمہیں رنج کرنا گناہ ہے۔ خدا تمہیں کبھی معاف نہ کرے گا۔"

"ٹھیک کہتے ہو مقدس آبا! میرا بیٹا بہادرانہ موت مرا ہے۔ اس کے کماندار نے بھی یہی لکھا ہے۔"

پادری کے ہاتھ چومتے ہوئے بوڑھے نے دروازہ کھولا اور خط کی آمد کے بعد آج پہلی مرتبہ اس نے آنسو گرائے۔ اس کا جسم کپکپا رہا تھا۔

اس دن اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ اس نے صدمہ برداشت کر لیا تھا۔

۴

گھر کا ہر شخص دل میں غم کی پرورش کر رہا تھا۔ نتالیا نے جب ڈونیا کو چیختے سنا تو وہ احاطے میں دوڑ گئی۔ "میں خودکشی کر لوں گی، اب میرے لیے اس دنیا میں کیا رہا؟" اس نے سوچا۔ ڈاریا کے بازوؤں کی گرفت میں وہ اپنے خیالات سے لڑ رہی تھی۔ اسے جھٹکا آ گیا۔ اس نے جان بوجھ کر اپنے آپ پر بے ہوشی طاری کر لی تاکہ جب ہوش آئے تو صدمہ برداشت کر سکے۔ ایک ہفتے تک اس پر پژمردگی مسلط رہی۔ وہ تخیل کی دنیا میں سانس لیتی رہی لیکن جلد ہی اسے دنیائے حقیقت کی طرف لوٹنا پڑا۔

ایک غیر مرئی لاش بھوت بنی میلیخوف کی جھونپڑی پر لگی ہوئی مٹی کی بو میں بھی سانس لیتی رہی۔

۔ اور ڈان بہتا رہا

۵

گریگری کی موت کے بارھویں دن پینٹیلیمون کے نام دو خطوط پیوتر ا کی طرف سے آئے جو ہی اِن کے لکھے ہوئے تھے۔ ڈونیا نے انھیں ڈاک خانے ہی میں پڑھ لیا اور ہرنی کی طرح دوڑتی ہوئی گھر کی طرف بھاگی۔ باڑے سے لگ کر اُس نے دم لیا۔ اُس نے گاؤں میں کو انتشار نہ پھیلایا اور سراسیمگی سے جھونپڑی میں داخل ہوئی۔

"گریگری زندہ ہے! ہمارا گریگری زندہ ہے!" وہ سانس لینے کے لیے رُکی۔ پیوتر نے خط میں لکھا ہے کہ وہ زخمی ہوا ہے مگر زندہ ہے۔ وہ مرا نہیں! وہ زندہ ہے! وہ زندہ ہے۔"

پیوترا نے اپنے دو ستمبر کے خط میں لکھا تھا:

"سارے کنبے کو میرا سلام!! ہمارا گریگری، جو خدا کو جان سونپ چکا تھا، اب خدا کے فضل و کرم سے زندہ اور خیریت سے ہے۔ خدا تمھیں بھی صحت اور مسرت عطا فرمائے۔ نقصبہ کمینکا کے پاس، جہاں اُس کی پلٹن مصروفِ کار تھی، پلٹن کے کاسکوں نے اُسے دشمن کی شمشیر سے دو ٹکڑے ہوتے دیکھا تھا اور اس کے بعد کسی کو کچھ خبر نہ تھی کہ کیا ہوا۔ میں نے جب اُن سے پوچھا تو وہ مجھے کوئی جواب نہ دے سکے۔ اب مجھے میشا کاشوفائی نے بتایا ہے کہ گریگری ساری رات بیہوش پڑا رہا لیکن سحر ہونے سے پہلے اُسے ہوش آ گیا۔ اور وہ رینگتا ہوا بڑھنے لگا۔ رینگتے رینگتے وہ اپنی پلٹن کے افسر سے ٹکرایا۔ افسر زخمی تھا۔ گریگری اُسے اُٹھا کر چار میل تک کھینچتا ہوا لے آیا۔ اس خدمت کے صلے میں اُسے سینٹ جارج کا تمغہ دیا گیا ہے۔ اُسے نائک کے منصب پر فائز کر دیا گیا ہے۔ اُس کا زخم تشویشناک نہیں۔ میشا کہتا ہے کہ وہ بہت جلد شفایاب ہو جائے گا۔ معاف کرنا، یہ خط جلدی میں زین پر بیٹھ کر لکھ رہا ہوں۔"

دُوسرے خط میں سوترا نے اپنے کُنبے سے خشک شاہ دانہ منگوایا تھا اور کبھی کبھی خط لکھتے رہنے کی تاکید کی تھی۔ اس خط میں اُس نے گریگہ کی بے پروائی کی شکایت بھی کی تھی کہ وہ گھوڑا صاف نہیں رکھتا اور سوترا کو شرم آتی تھی کیونکہ گھوڑا اُس کا تھا۔ اُس نے باپ سے التجا کی تھی کہ گریگہ کو خط ضرور لکھنا۔ اُس نے یہ بھی لکھا تھا کہ وہ اُسے خط میں لکھ چکا ہے۔ اگر اُس نے گھوڑے کی غور و پرداخت نہ کی تو وہ اُس کی ناک توڑ دیگا۔ پروا نہیں۔ اگر اسے سینٹ جارج کا تمغہ مل چکا ہے ـــــ

بوڑھے کی حالت قابلِ رحم تھی۔ مسرت کے مارے دیوانہ ہو رہا تھا۔ اُس نے دونوں خط ہاتھ میں پکڑ لیے اور گاؤں پہنچا۔ راستے میں اُسے جو کوئی پڑھا لکھا نظر آتا اُسی سے خط پڑھواتا۔ مسرت کے عالم میں اُس نے گاؤں کا کونا کونا چھان مارا۔

"میرے گریگہ کے متعلق کیا خیال ہے تمہارا؟ سب سے پہلے اس گاؤں میں یہ تمغہ اُسی کو ملا۔" وہ پڑھنے والے سے خط چھین کر ٹوپی کی تہہ میں رکھ لیتا اور کسی دوسرے خواندہ شخص کی تلاش میں نکل پڑتا۔

سرجی ماخوف بھی اُسے دیکھ کر دُکان سے باہر نکل آیا اور ٹوپی اُتار کر بولا "پنٹیلیمون! ایک لمحے کے لیے اندر تو آؤ۔"

بوڑھا اندر داخل ہوا تو اُس نے اُس کی مٹھی ہاتھوں میں لے کر دبائی اور بولا "میں دل سے تمہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ تمہیں اپنے بیٹے پر ناز ہونا چاہیے۔ میں نے اُس کی بہادری کا کارنامہ ابھی ابھی اخبار میں پڑھا ہے۔"

"کیا اخبار میں بھی اُس کا ذکر ہے؟" پنٹیلیمون نے حیرت سے سوال کیا۔

"ہاں! ابھی ابھی پڑھ کر فارغ ہوا ہوں۔"

ماخوف نے ترکی تمباکو کا بیش قیمت پیکٹ اُٹھایا اور مٹھی بھر چاکلیٹ ایک لفافے میں ڈال کر بولا:

جب گرنگر کو کوئی چیز بھیجو تو میری طرف سے یہ پارسل اُسے بھیج دینا اور مبارکباد بھی دینا۔"

"گرنگر کی کس قدر عزت افزائی ہو رہی ہے — سارا گاؤں اُس کے متعلق باتیں کر رہا ہے۔ بلی بھی اپنے بیٹے کا کارنامہ دیکھنے کے لیے زندہ ہوں ......" دکان کی سیڑھیاں اُترتے ہوئے بوڑھا اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا۔ اُس نے ذور سے ناک پونچھی اور گالوں پر بہتے ہوئے آنسو آستین سے خشک کرنے لگا۔ وہ ابھی تک سوچ رہا تھا "میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ میری آنکھیں یونہی بھر آتی ہیں پنٹیمون! زندگی نے تمہیں کمزور کر دیا ہے۔ تم لوہے کی طرح سخت تھے تم کمر پر تین من کا بوجھ لاد سکتے تھے وہ بوجھ ایک پر کا سے زیادہ وزنی نہ معلوم ہوتا تھا...... گرنگر کے غم نے تمہاری کمر توڑ دی ہے!"

وہ سڑکوں پر لنگڑاتا ہوا گزر رہا تھا۔ اُس نے چاکلیٹ کی تھیلی سینے سے لگا رکھی تھی۔ وہ اب بھی گرنگر کے متعلق سوچ رہا تھا۔ پیوترا کے خط پر غور کر رہا تھا۔ گرنگر کا خسر سڑک سے گزرا تو اُس نے پنٹیمون کو آواز دی۔

"پنٹیمون! ایک منٹ کے لیے ٹھہرو۔"

جس دن سے جنگ چھڑی تھی وہ دونوں ملتے نہ تھے۔ گرنگر کے گھر جانے کے بعد اُن کے رشتے کی گرمی سرد پڑ چکی تھی۔ میرون نتالیا کے انکسار سے خوش نہ تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ وہ خواہ مخواہ گرنگر کے سامنے جھک رہی ہے اور اپنے باپ کو بھی ذلیل کر رہی ہے۔ میرون — پنٹیمون کی طرف ہاتھ بڑھا کر لپکا:

"کہو — اچھے تو ہو؟"

"خدا کا کرم ہے۔"

"کیا کچھ خریدنے کے لیے گئے تھے؟"

"سرجی ماخوف نے ہمارے ہیرو کا تذکرہ اخبار میں پڑھا ہے۔ اُس نے یہ تحائف گرنگر کو بھیجنے کے لیے مجھے دیے ہیں۔ تمباکو اور کچھ چاکلیٹ ہیں۔ کیا تمہیں خبر ہے ......" بوڑھا

سُبکی بُجھا رہا تھا اور آنسو اُس کی آنکھوں میں آچکے تھے۔ وہ میروَن پر اپنے الفاظ کا تاثر ڈھونڈنے کے لئے اس طرف دیکھ رہا تھا۔

میروَن کی پلکوں کا سایہ اور بھی گہرا ہو چکا تھا۔ وہ مسکرانے لگا:

"یہ لو، چاکلیٹ کھاؤ۔ شہد سے بھی میٹھے ہیں" اُس نے کینہ اُگلتے ہوئے کہا" انھیں کھا کر تو دیکھو۔ میں اپنے بیٹے کے نام پر تمہیں پیش کرتا ہوں۔ تمہاری زندگی بھی تلخ ہے۔ اس لیے منہ میٹھا کر لو۔ خدا تمھارے بیٹے کو بھی سعادت نصیب کرے۔"

"میری زندگی کو تلخ کیوں بتاتے ہو.... ؟ مجھے معلوم ہے کہ میری زندگی کیسی ہے۔"

"ایک سے لو اور مجھے شکریہ کا موقع دو۔" میروَن اُس کے آگے آکر جھک گیا۔

"معاف کرنا، مٹھاس ہمیں راس نہیں آتی۔ ہم دُوسروں کی مہمان نوازی کے بھی عادی نہیں تمہیں بھی زیب نہیں دیتا کہ بیٹے کے نام پر بھیک مانگتے پھرو۔ اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے تو میرے پاس آسکتے ہو۔ کیونکہ ہماری نٹالیا تمھارا نمک کھاتی ہے۔ اگر ہم غریب بھی ہوتے تو بھی تمہیں کچھ نہ کچھ دے سکتے تھے۔"

"کیوں کُفر بکتے ہو؟ ہم نے آج تک کبھی بھیک نہیں مانگی۔ تم مغرور ہو، حد سے زیادہ مغرور۔ شاید اس لیے کہ دولتمند ہو۔ شاید اس لیے کہ تمھاری بیٹی ہمارے ہاں آگئی ہے۔"

"ٹھہرو،" میروَن نے پُرسکون لہجے میں کہا" جھگڑے کی کوئی بات نہیں۔ میں نے تمھیں اس لیے نہ روکا تھا کہ تم سے جھگڑا مول لوں۔ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔ میں تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے تم سے بھلا کیا کام ہو سکتا ہے؟"

"کوئی کام ہے تو کہہ رہا ہوں ___ آؤ۔"

میروَن نے پنٹیلیمون کی آستین پکڑ لی اور اُسے کھینچنے لگا۔ دونوں گاؤں سے دُور نکل گئے۔

"ہاں تو بتاؤ تمھیں مجھ سے کیا کام ہے؟" پنٹیلیمون نے پوچھا۔ اُس نے کنکھیوں سے میرون کی طرف دیکھا جو لمبے کوٹ کے کنارے نیچے کی طرف موڑ کر ایک ٹیلے پر بیٹھ گیا تھا اور جس نے تمباکو کا بٹوا نکال لیا تھا۔

"بات یہ ہے پنٹیلیمون۔ حالات اچھے نہیں، میں جاننا چاہتا ہوں" اُس کی آواز کرخت ہو گئی "تمھارا بیٹا کب تک میری بیٹی پر ستم ڈھائے گا۔ بتاؤ؟"

"یہ سوال تو تمھیں اُس سے کرنا چاہیے۔"

"میں اُسے کچھ نہ کہوں گا۔ گھر کے مالک تم ہو۔ اسی لیے تم سے پوچھ رہا ہوں۔"

پنٹیلیمون نے چاکلیٹ منہ میں ڈال لیا جو وہ ابھی تک مٹھی میں دبائے ہوئے تھا۔ اُس کی اُنگلیاں مٹھاس سے لتھڑ گئی تھیں۔ اُس نے ہاتھ مٹی سے پونچھے اور سگرٹ بنانے کا کاغذ نکال لیا۔ ترکی تمباکو کی ایک چٹکی ہتھیلی پر ڈالی اور وہی تمباکو میرون کو پیش کیا۔ اُس نے بے جھجک وہ تمباکو لے لیا جو گریگر کا تھا۔ اُن کے سروں کے اوپر بادل منڈلا رہا تھا۔ فضا میں دھند کا جالا بکھرا ہوا تھا۔

آفتاب غروب ہونے کے قریب تھا۔ ستمبر کی خاموشی اطمینان اور ناقابلِ بیان مٹھاس میں لوریاں سُنا رہی تھی۔ آسمان گرمیوں کی زرد تمازت کا چغہ اتار چکا تھا اور اب دھندلا دھندلا نظر آ رہا تھا۔ سڑک، چٹان پر چڑھتی اور خدا جانے کہاں غائب ہو جاتی تھی۔ لوگ جھونپڑیوں کے سامنے محنت اور کام کاج میں مصروف تھے۔ سڑک تھکی ہاری، ویران اور سنسان اُفق سے ہمکنار ہونے کے لیے بڑھی جا رہی تھی۔ ہوا لڑکھڑاتی ہوئی چل رہی تھی۔

"یہ تمباکو ہلکا ہے۔ گھاس کی طرح ہے" میرون نے حلق سے دھواں نکالتے ہوئے کہا۔

"ہلکا ضرور ہے لیکن بڑا فرحت بخش ہے۔" پنٹیلیمون نے نیم رضامندی سے کہا۔

"پنٹیلیمون! تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"گریگر اس معاملے کے متعلق خط میں کوئی ذکر نہیں کرتا۔ اس وقت تو وہ زخمی ہے اور کل

کیا ہوگا؟ یہ کون جانتا ہے۔ شاید وہ قتل ہو جاتے۔ تمہیں بتاؤ پھر کیا بنے گا؟"

"لیکن اس طرح کب تک گزارہ ہوگا..... نتالیا اس وقت نہ بیوی ہے نہ ملازمہ نہ سچ مچ کی بیوہ ــــ اُس کا اس طرح گزارہ کرنا معیوب ہے کہ نہیں۔ ذلت ہے کہ نہیں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اُس کا یہ حشر ہوگا تو میں کبھی تمہیں دہلیز کے اندر گھسنے نہ دیتا پنٹیلیمون! پنٹیلیمون! ہر ایک کو اولاد کا غم ہوتا ہے۔ خون پانی سے زیادہ گاڑھا ہوتا ہے۔"

"مگر میں کیا کروں ــــ مجبور ہوں" پنٹیلیمون نے تنک کر جواب دیا "تمہیں بتاؤ میرا بیٹا گھر سے چلا گیا۔ کیا میں خوش ہوں؟ کیا اس سے مجھے کوئی فائدہ ہوا؟"

"اُسے خط لکھو اور دو ٹوک فیصلہ کر دے۔"

"تمہیں شاید معلوم نہیں کہ اکسینیا سے اُس کا ایک بچہ بھی ہوا ہے۔"

"اگر اکسینیا سے ہوا ہے تو نتالیا سے بھی بچہ اُس کے ہاں ہو سکتا ہے..... کیا انسانوں سے کبھی اس طرح بھی سلوک روا رکھا گیا ہے؟ ــــ آہ ــــ اُس نے ایک دفعہ خودکشی کی کوشش بھی کی تھی۔ غریب نے صورت بگاڑ لی ہے ــــ اُس کا دل ــــ اُس کا دل....." میرون روانسا سا ہو گیا۔

"اُس کا دل بھیڑیے کا دل تو نہیں؟"

پنٹیلیمون نے کوئی جواب نہ دیا۔

"کتنی وفادار ہے وہ ــــ اُس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتی۔ بتاؤ کیا وہ تمہاری ملازمہ ہے؟"

"خاموش رہو، تمہارے گھر سے زیادہ آرام میں ہے وہ ہمارے ہاں۔" پنٹیلیمون اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ ایک دوسرے کو الوداع کا ایک لفظ بھی کہے بغیر جدا ہو گئے اور دو مختلف راستوں پر چل پڑے۔

۶

زندگی اصل بہاؤ سے بچھڑ کر بیشمار مختلف دھاروں میں بہنا شروع کر دیتی ہے۔ یہ کوئی نہیں کہ

سکتا کہ کس طرف بہنا شروع کر دیگی۔ اگر آج اُس کا بہاؤ پایاب ہوتا ہے، ریت پر بہتی ہوئی ندی کی طرح تو کل تیزی سے بہتی ہے اور اُس کی گہرائی کا کوئی ٹھکانا نہیں ہوتا۔

دفعتاً نتالیا نے تہیہ کر لیا کہ وہ بگوڈ لوجا کر الجیتیا سے ملے گی۔ اُسے ایسا معلوم ہوا کہ الجیتیا پر مصیبت ٹوٹ چکی ہے۔ اگر وہ اُس سے جا کر کہے گی تو اُس کے کہنے سے گریگو واپس آ جائے گا۔ ساتھ ہی اس کی کھوئی ہوئی مسرت بھی اُس کے آنے سے لوٹ آئے گی۔ یہ سوچے بغیر کہ الجیتیا کا برتاؤ کیا ہوگا، یہ بات ممکن بھی ہے کہ نہیں، اُس نے نفس لاشعور سے مجبور ہو کر اُس سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔

مہینے کے آخر میں گریگو نے والدین کو خط لکھا جس میں اُس نے نتالیا کو بھی پیغام بھیجا۔ نتالیا پر اس پیغام کا اثر یہی ہوا کہ اُسے سہارا مل گیا۔ اُس نے اگلے اتوار کو بگوڈ لو جانے کی جی میں ٹھان لی۔

"کہاں جا رہی ہو نتالیا؟" ڈونیا نے پوچھا اور اُس کے خط و خال کا جائزہ لیا۔

"پھر گھر والدین سے ملنے چلی ہوں۔" نتالیا نے جھوٹ بولا اور شرم کے مارے سرخ ہو گئی۔ اُسے آج پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ وہ ایک اخلاقی آزمائش سے گزر رہی ہے۔

"کیوں نہیں، آج شام کو میرے ساتھ سیر کے لیے چلتیں۔ میرے ساتھ بھی چلو۔ آج شام کو ضرور چلنا۔"

"میں وعدہ نہیں کر سکتی۔"

"ہمارے شوہر گھر سے باہر ہوں تو ہمیں ان باتوں کا موقع ملتا ہے" ڈاریا نے آنکھ ماری اور اپنے لہنگے کا نیا کنارہ دیکھنے لگی۔ اب ڈاریا کا برتاؤ دوستانہ ہو گیا تھا۔ وہ نفرت، جو کبھی اس کے دل میں نتالیا کے لیے پیدا ہوئی تھی۔ پیوترا کے جانے کے بعد ڈاریا میں بڑی تبدیلی آ چکی تھی اُس کی آنکھوں میں بیقراری اور انتشار کی جھلک تھی۔ اتوار کو وہ بہترین لباس زیب تن کرتی اور شام کو دیر سے یہ شکایت کرتی ہوئی لوٹتی:

"مصیبت ہے۔ نام نہاد کاسکوں کو تو وہ لے جا چکے ہیں۔ گاؤں میں بوڑھے اور لڑکے

ہی رہ گئے ہیں۔"

"اس سے تم پہ کیا فرق پڑتا ہے؟"

"کیوں؟ شام گزارنے کے لیے کوئی ملتا ہی نہیں" پھر وہ بیباکی سے گویا ہوئی "خدا جانے کارسک کے بغیر تم اتنی دیر کیونکر صبر کر لیتی ہو؟"

"شرم کرو، کیا تمھارا ضمیر بھی مر چکا ہے؟" شالیا تنرمائی۔

"تمھیں کوئی خواہش نہیں ہوتی؟"

"معلوم ہوتا ہے تمھیں تو ہوتی ہے۔"

ڈاریا ہنسنے لگی۔ اس کے ابرو کپکپانے لگے۔

"میں تم سے کیوں چھپاؤں؟ اس کی غیر حاضری میں تو میں کسی بڈھے سے بھی لپٹ جاؤں گی۔ بھکتی نہیں ہو اسے گئے ہوئے دو مہینے ہو چکے ہیں؟"

"ڈاریا! تم اپنی راہ میں کانٹے بو رہی ہو"

"خاموش رہو — بڑی آئیں عزت والی — تم ایسی بھیگی بلیوں کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ بات اتنی ہے کہ تم اقرار نہیں کرتیں۔"

"اقرار کرنے کی کوئی بات ہی نہیں۔"

ڈاریا نے اسے کنکھیوں سے دیکھا اور ہونٹ کاٹنے لگی۔ "کل کی بات ہے اٹامن کا بیٹا ٹموتھی میرے پاس بیٹھا تھا۔ میں دیکھ رہی تھی کہ وہ ابتدا کرتے ہوئے گھبرا رہا تھا لیکن پھر اس نے آہستہ آہستہ میری بغل میں ہاتھ دے دیا۔ وہ کانپ رہا تھا۔ میں انتظار کرتی رہی اور کچھ نہ بولی۔ اگر وہ جوان ہوتا تو بات بھی تھی۔ وہ تو بدھو ہے۔ سولہ سال کا اُلو۔ پورے سولہ سال کا۔ میں خاموش بیٹھی رہی۔ وہ بولا "ہمارے سائبان میں چلو" میں نے اس کے ایک تھپڑ دیا۔ وہ ہنسنے لگی "میں اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اسے وہ بے نقط سنائیں کہ بیچارا شرمندہ ہو گیا۔"

شالیا اٹھ کر باہر آ گئی۔ ڈاریا بھی اس کے پیچھے پیچھے صحن میں آ پہنچی۔

"آج رات کو اُٹھ کر میرے لیے دروازہ کھول دینا۔"

"میرا کچھ پتا نہیں۔ آج رات کو مَیں شاید والدین کے ہاں رُک جاؤں۔"

ڈاریا نے سوچتے ہوئے ناک کھجائی اَور سر میں کنگھی کرتے ہوئے بولی "کوئی بات نہیں میں ڈونیا سے نہ کہنا چاہتی تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھے اُس سے کہنا ہی پڑیگا۔"

نتالیا نے الینچا کو بتایا کہ وُہ والدین کے ہاں جا رہی ہے۔ وُہ سڑک پر آ گئی۔ گاڑیاں منڈی سے چوراہے کی طرف کھڑکھڑاتی ہوئی آ رہی تھیں۔ دیہاتی گرجے سے آ رہے تھے۔ اُس نے ساتھ کی گلی پار کی اَور چٹان پر چڑھنے لگی۔ چوٹی پر پہنچ کر اُس نے مڑ کر دیکھا کہ گاؤں دھوپ میں نہایا ہُوا تھا۔ چونے سے سفید کی ہوئی جھونپڑیاں جھلملا رہی تھیں۔ دھوپ مِل کی چھت پر پڑ رہی تھی اَور اُس کی ٹین کی چھت بہتی ہوتی چاندی کی طرح دمک رہی تھی۔

۷

بگوٹینو کو بھی آدمیوں کا نقصان اُٹھانا پڑا تھا۔ جنگ اُنھیں کھینچ کر لے گئی تھی۔ بنیامین اَور تخون جا چکے تھے۔ جاگیر پر خواب کا سا عالم طاری تھا۔ جاگیردار بھی خشک اَور بے کیف ہو گئی تھی۔ بنیامین کی جگہ ایکسینیا نے لے لی تھی اَور لیوکیریا نے باورچی خانے کا سارا کام سنبھال لیا تھا۔ فقط ایک نیا چہرہ کوچوان کے طور پر آ گیا تھا۔ وُہ ایک بوڑھا کاسک تھا جس کا نام نکیتچ تھا۔

اِس سال بوڑھے لسنتکی نے بوائی کم کی تھی مگر فوج کے ہاتھ اُس نے کم از کم بیس گھوڑے اچھی رقم پر فروخت کیے تھے۔ جاگیر کے کام کے لیے تین چار گھوڑے رکھ لیے گئے تھے۔ وُہ اپنا وقت کتوں کے ساتھ شکار کھیلنے میں گزارا کرتا تھا۔

ایکسینیا کے نام گریگر کی طرف سے نہایت مختصر خطوط آیا کرتے تھے۔ یہی خیریت نامے۔!! یا تو وُہ پہلے سے طا قتور ہو چکا تھا یا اُسے وُہ اپنی کمزوری نہ بتانا چاہتا تھا۔ ہمیشہ فوجی خدمت کے خلاف شکایات کرتا رہتا۔ اُس کے خطوط برف کی طرح سرد ہُوا کرتے تھے۔ جیسے وُہ خط اُس نے زبردستی لکھے ہوں اَور لکھنے کی خاطر لکھے ہوں ـــــ "محاذ پر سارا وقت لڑنے میں گزرتا

ہے۔۔۔ ہر وقت موت کو ساتھ لیے رہتا ہوں۔" ہر خط میں بچی کے متعلق وہ سوالات کرتا۔ ایکسینیا نے بڑی بہادری سے اس فراق کا مقابلہ کیا تھا۔ گرگیہ کی محبت کو اس نے بچی کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اسے یقین ہو چکا تھا کہ بچی گرگیہ ہی کی تھی۔ بچی کی بڑھتی ہوئی زندگی ہر لمحہ اس کا یقین پختہ کر رہی تھی۔ اس کے بال گھونگریالے ہوتے جا رہے تھے۔ ہر روز وہ اپنے باپ کی طرح ہوتی جا رہی تھی۔

دن گزرتے گئے۔ ہر دن کے اختتام پر ایک نامعلوم تلخی ایکسینیا کے سینے میں ملتجھتی جاتی۔ اسے گرگیہ کی زندگی کی فکر تھی۔ اس کی سلامتی کا غم اس کے دل میں نوکِ خنجر کی طرح چبھ رہا تھا۔ یہ فکر یہ اندیشہ رات دن اس کا پیچھا نہ چھوڑتا تھا۔ دن کو کام کرتے ہوئے وہ گرگیہ کا خیال بھول جاتی لیکن راتوں کو اس کے غم کی شدت دُگنی ہو کر لوٹ آتی۔ وہ بستر پر کروٹیں بدلتی رہتی، آنسو بہاتی، آہیں بھرتی اور اس بات کا خیال رکھتی کہ اس کی آہ و بکا سُن کر بچی بیدار نہ ہو جائے۔ آنکھوں پر تولیا رکھ کر روتی رہتی "کاش گرگیہ کو میرے غم کا اندازہ ہو جائے!" وہ یہی سوچتی تھی۔

ایسی راتوں کے بعد جب صبح کو بیدار ہوتی تو ایسا معلوم ہوتا جیسے رات کو کسی نے اسے زدوکوب کیا ہو۔ اس کا سارا جسم دُکھتا، درد کرتا۔۔۔ اس کی رگوں میں ضربیں لگتی ہوئی محسوس ہوتیں۔ اس کے لبوں کے کناروں میں اس کا دُکھ رینگتا رہتا۔ راتوں کی آہ و زاری سے ایکسینیا کی جوانی ڈھل گئی۔

۸

اس اتوار کو، جس دن نتالیا اس سے ملنے آئی، وہ اپنے مالک کو ناشتا کھلا کر سیڑھیوں میں کھڑی تھی کہ اس نے دروازے میں ایک عورت کو داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ سفید رومال کے نیچے آنکھیں اسے جانی پہچانی معلوم ہوئیں۔ ایکسینیا کا رنگ زرد پڑ گیا۔ جب اس نے نتالیا کو آتے ہوئے دیکھا، آہستہ آہستہ اس سے ملنے کے لیے بڑھی۔ نتالیا کے لوٹوں پر گرد کی موٹی تہ جمی ہوئی تھی۔ وہ رُکی۔ اس کے کھردرے ہاتھ، جن پر محنت کے آثار تھے۔

بے جان ہو کر اُس کے کندھوں سے لٹکے ہوئے تھے۔ وہ بڑی طرح سانس لے رہی تھی۔ اُس نے ٹیڑھی گردن سیدھی کرتے ہوئے کہا "میں تم سے ملنے آئی ہوں اکسینیا!" وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔

اکسینیا نے گھر کی کھڑکیوں پر ایک تیز نگاہ دوڑائی اور نتالیا کو اپنے کمرے میں لے آئی۔ اُس نے دروازہ بند کر دیا۔ کمرے کے وسط میں ہاتھ پیش بند پر رکھ کر کھڑی ہو گئی۔ اُس نے حالات کا جائزہ لیا اور آہستہ سے بولی "کہو، کس لیے آئی ہو؟"

"مجھے ذرا پانی تو پلا دو" نتالیا نے کمرے میں چاروں طرف گھورتے ہوئے کہا۔

اکسینیا نے کچھ دیر انتظار کیا۔ نتالیا نے بولنا شروع کر دیا۔ وہ بمشکل آواز بلند کر سکی:

"تم نے میرا شوہر مجھ سے چھین لیا ہے...... اُسے مجھے واپس دے دو۔ تم نے میری زندگی تباہ کر دی ہے۔ تم، بکھ رہی ہو کہ......"

"تمہارا شوہر"— اکسینیا نے دانت کٹکٹائے اور الفاظ پتھر پر پڑتے ہوئے بارش کے قطروں کی طرح اُس کے ہونٹوں سے ٹپکنے لگے "تمہارا شوہر—!! کس کا ذکر کر رہی ہو۔ تم آئیں کیوں؟ وقت گزر چکا ہے۔"

اکسینیا ہنس رہی تھی اور اُس کا جسم رقص کر رہا تھا۔ وہ کولہے مٹکاتی ہوئی نتالیا کی طرف بڑھی۔ اُس نے دشمن کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے ناک سکوڑی — سامنے — اُس کے سامنے ایک حقیقی مگر مطلقہ بیوی بیٹھی تھی — شکستہ اور غم زدہ — یہی تو وہ عورت تھی جو اُس کے اور گریگر کے درمیان آ گئی تھی، جس نے اکسینیا کا دل غم و الم کے تیروں سے چھید دیا تھا، ان دنوں جب اکسینیا اذیت ناک دور سے گزر رہی تھی۔ یہی تو وہ عورت تھی جو اُس کے عاشق کی محبت سے فیض یاب ہو رہی تھی۔ اب اُس کی باری تھی۔

"تم میرے پاس یہ آرزو لے کر آئی ہو کہ میں اُسے چھوڑ دوں؟" اکسینیا غصے سے بھڑک اُٹھی "تم — تم جو آستین کا سانپ ہو۔ !تم نے مجھ سے گریگر...... میرا گریگر چھین لیا تھا

تمھیں معلوم تھا کہ وُہ میرے ساتھ رہتا ہے۔ تم نے اُس سے شادی کیوں کی؟ مَیں نے تو اپنی ہی چیز تم سے واپس لی ہے ۔ وُہ میرا ہے۔ اُس سے مجھے ایک بچہ بھی ہو چکا ہے اور تُم ..... " نفرت کی شدّت نے ایک لمحے کے لیے اُسے گُنگ کر دیا لیکن جلد ہی نفرت ایک دھارے کی صُورت اختیار کر گئی۔ " گریگر میرا ہے۔ سُنا تم نے ۔ ؟ مُجھ سے اُسے کوئی چھین نہیں سکتا۔ وُہ میرا ہے اور میرا رہیگا۔ سُنتی ہو؟ میرا ہے! چلی جاؤ یہاں سے ۔ بے شرم کُتیا! تم اُس کی بیوی نہیں ۔ تم ایک بچّے سے اُس کا باپ چھیننا چاہتی ہو؟ پہلے کیوں نہ آئیں ..... لے لو ۔ پہلے کیوں نہیں آئیں تم ؟"

نتالیا نے مُنہ چھپا لیا ۔ پھر بولی "چلّاتی کیوں ہو؟ تم اپنے شوہر کو بھی چھوڑ آئیں"۔

"گریگر کے سوا میرا کوئی شوہر نہیں ۔ کوئی نہیں۔ ساری دنیا میں کوئی نہیں"۔ اکسینیا اب غضب کے مارے آپے سے باہر ہو چکی تھی۔ نتالیا کے سر سے رُومال ڈھلک گیا تھا اور اُس کے سیاہ بال بکھر چکے تھے ۔ "کیا وُہ تمھیں چاہتا ہے؟ کیا اُسے تمھاری ضرورت ہے۔ ذرا اپنی طرف تو دیکھو! ذرا اپنی مُڑی ہوئی گردن کی طرف تو دھیان دو! کیا خیال ہے تمھارا؟ کیا وُہ تمھارے لیے تڑپ رہا ہے؟ جب تم اچھی بھلی تھیں تو وُہ تمھیں اُس وقت بھی چھوڑ کر چلا گیا اور اب تو تمھاری صورت پر نحوست برس رہی ہے ۔ میں گریگر کو نہیں چھوڑ سکتی۔ کان کھول کر سُن لو ۔ اور یہاں سے دفع ہو جاؤ ۔ "

اکسینیا بپھر چکی تھی ۔ اکسینیا اپنے نشیمن کے تحفّظ کے لیے غُرّا رہی تھی۔ وُہ دیکھ رہی تھی کہ گردن کے مُڑ جانے کے باوجود نتالیا پہلے کی طرح حسین تھی۔ اُس کے گال اور لب تازہ اور شگفتہ تھے۔ وقت نے اُنھیں چھیڑا تک نہ تھا اور اُس کے اپنے چہرے پر جھرّیاں پڑ گئی تھیں۔

"تمھارا کیا خیال ہے کہ میں اُسے تُم سے واپس لینے کا یقین لے کر آئی تھی ؟"

"کیوں آئی ہو ؟"

"یونہی، میرا دل نہ مانتا تھا۔"

بلند آوازیں سن کر الجینیا کی بیٹی بھی جاگ پڑی اور بستر میں ہاتھ پاؤں مارنے لگی۔ الجینیا نے اسے گود میں اٹھا لیا اور کھڑکی کی طرف اس کا منہ کر کے بیٹھ گئی۔ نتالیا نے کپکپاتے ہوئے بچے کی طرف دیکھا۔ اس کا حلق خشک ہو گیا۔ بچی کی آنکھیں بھینس کہ گریگر کی آنکھیں۔ روتی ہوئی باہر آ گئی۔ الجینیا نے اسے جاتے ہوئے نہ دیکھا۔ دو منٹ کے بعد ساشکا کمرے میں آیا۔

"کون تھی وہ عورت؟" اس نے پوچھا۔

"میرے گاؤں کی تھی۔"

نتالیا گاؤں واپس ہوئی۔ دو میل چلنے کے بعد وہ ایک جھاڑی میں گر کر دم لینے لگی۔ مایوسی کے عالم میں سوچنے لگی۔ بچی کی آنکھوں میں سے گریگر کی جھانکتی ہوئی نظریں ابھی تک اس کے پیشِ نظر تھیں۔

۱

جنگ کی رات کی جان گسل تکلیف اور اذیت گریگہ کے ذہن پر نقش ہو کر رہ گئی۔ وہ سحر سے کچھ دیر پہلے ہوش میں آیا۔ اس کے ہاتھ کھردری زمین پر ہلتے رہے۔ درد اس کے سر کے ٹکڑے کیے ڈال رہا تھا۔ بڑی جدوجہد کے بعد اس نے ہاتھ اٹھایا اور پیشانی تک لانے میں کامیاب ہو گیا۔ تلوار کا کاٹ گہرا تھا۔ اس کے بال لہو سے جم گئے تھے۔ اس نے انگلی سے اپنا زخم چھیڑا اور دانت کٹکٹاتا ہوا چت لیٹ گیا۔ اس کے سر پہ درخت کے کہرے میں نہائے ہوئے پتے سرسرا رہے تھے۔ سیاہ یک رخی شاخیں آسمان کی صورت پہ گہری کھچی ہوئی لکیریں معلوم ہوتی تھیں۔ جن میں سے ستارے ٹمٹما رہے تھے۔ گریگہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انھیں کو دیکھتا رہا۔

تمام واقعات اس کی آنکھوں میں پھر گئے۔ ایک نامعلوم خطرے کے خوف سے اس نے ہاتھ پاؤں کے بل رینگنا شروع کر دیا۔ درد اسے سر کے بل گرا دیتا لیکن وہ رینگتا رہا۔ خدا جانے کب تک رینگتا رہا۔ جب اس پر بیہوشی طاری ہونے لگتی تو وہ گھاس چبانے لگتا تاکہ اس کی توجہ کسی اور طرف منعطف ہو جائے۔ بار بار مڑ کر دیکھتا کہ راستہ کتنا طے ہو چکا ہے۔ ایک دفعہ تو وہ اپنی دھن میں ایک لاش پر سے بھی رینگتا ہوا گزر گیا۔ مُردے کے سخت پیٹ پر اس کی کہنیاں پڑیں۔ جریانِ خون نے اسے بیحد کمزور کر دیا تھا۔ وہ ایک بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ آخر حوصلہ کر کے ایک خالی بم کے خول کے سہارے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ دیر تک کھڑا جھومتا رہا۔ وہ ڈگمگا رہا تھا لیکن رفتہ رفتہ اس کی طاقت واپس آ رہی تھی۔ اب اس نے قدم اٹھانے شروع کر دیے۔ اب تو اس میں اتنی ہمت تھی کہ چیزیں

بھی اُٹھا سکتا تھا۔

جنگل کے نکڑ پر ایک چیخ نے اُسے رُکنے پر مجبور کر دیا "کھڑے ہو جاؤ۔ ورنہ گولی چلا دونگا۔"
اُس نے ریوالور کی کھڑکھڑاہٹ سُنی اور آتی ہوئی آواز کی جانب دیکھنے لگا۔ تاڑ کے درخت
کے پاس ایک آدمی پڑا سسک رہا تھا۔

"کون ہو تم؟" گریگیہ نے سوال کیا۔

"ایک روسی! ـــ خدا کے لیے نزدیک آؤ۔" مجروح انسان نے جواب دیا۔ جب گریگیہ
قریب آیا تو وہ بولا:

"ذرا جھک جاؤ....."

"ناممکن، اگر میں جھکا تو دوبارہ نہ اُٹھ سکوں گا۔"

"کیوں ــ کیا بات ہے؟"

"میرے سر میں سخت چوٹ آئی ہے۔"

"کون سی پلٹن ہے تمھاری؟"

"بارھویں کاسک پلٹن!"

"میری مدد کرو کاسک!"

"میں گر پڑوں گا حضور!" گریگیہ نے دیکھا کہ مجروح انسان روسی افسر تھا۔

"مجھے کم از کم اپنا ہاتھ ہی دے دو۔"

گریگیہ نے جھک کر افسر کو اُٹھنے میں مدد دی اور وہ دونوں ایک ساتھ ہاتھ میں ہاتھ دیئے
روانہ ہوئے۔ ہر قدم کے بعد افسر گریگیہ پر بوجھ ڈالتا جا رہا تھا۔ جب دونوں ایک گڑھے سے نکلے
تو افسر بولا "کاسک مجھے گر جانے دو، میرے معدے میں چوٹ آئی ہے۔ معدے کے عین درمیان۔"
افسر تیوا گیا لیکن گریگیہ اُسے برابر کھینچتا گیا۔ لڑکھڑاتا، گرتا پڑتا وہ افسر کو [illegible] رہا۔ گریگیہ
نے دو دفعہ اپنا بوجھ ٹیک دیا لیکن وہ لوٹ آتا اور افسر کو دوبارہ اُٹھا لیتا۔ آخر وہ بھی

اُس کے ساتھ گر پڑا۔

گیارہ بجے ایک گشتی دستے نے اُنھیں راستے میں سے اُٹھا لیا اور مرہم پٹی کی چوکی پر پہنچا دیا۔

۲

مرہم پٹی کی چوکی سے گریگیرخفیہ طور پر کھسک آیا۔ اُس نے سڑک پر پہنچ کر اپنے زخم سے پٹی اُتار کر پھینک دی اور لہو سے لتھڑی ہوئی پٹی لہراتا ہوا چلتا رہا۔

"کہاں سے آرہے ہو؟" اُس کی کمپنی کے کماندار نے تعجب سے پوچھا جب وہ کمپنی کے صدر مقام میں پہنچا۔

"میں اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے واپس آگیا ہوں حضور!" اُس نے جواب دیا۔

اُس کی کمپنی کمینکا میں دو دن کے لیے رُک گئی تھی اور اب پیش قدمی کے لیے کمر کس رہی تھی۔ گریگیر وہ مکان تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا جس میں اُس کی کمپنی کے کاسک اقامت پذیر تھے۔ اُس کی خرجیوں میں سے کرتا اور چند تولیے غائب تھے۔

"میری آنکھوں کے سامنے کسی نے تمھاری یہ چیزیں چرا لیں"۔ میتکا کاشونائی نے مجرمانہ کہا۔

"لے جانے دو اُنھیں۔ مجھے صرف ململ سر باندھنے کے لیے چاہیے" گریگیر بولا۔

اُوریوپین ان کی باتیں سُن کر قریب آگیا۔ اُس نے اپنا ہاتھ ایسے بڑھایا جیسے گریگیر اور اُس میں جھگڑا ہوا ہی نہ تھا۔

"اچھا تو گریگیر۔۔۔ تم ابھی تک زندہ ہو؟"

"کم و بیش۔"

"تمھارے سر سے خون بہ رہا ہے۔ ذرا دکھاؤ تو۔"

اُس نے گریگیر کا سر ہاتھ میں لے لیا اور بولا "تم نے سر کے بال کاٹنے کی اجازت

کیونکہ دے دی ہے؟" ڈاکٹروں نے یہ زخم خراب کر دیا ہے۔ میں اسے منٹوں میں اچھا کر دوں گا۔"
گرنگر کی اجازت کا انتظار کیے بغیر اُس نے کارتوس میں سے بارُود نکال کر ہتھیلی پر رکھ لیا۔
"میشا! دوڑ کر کہیں سے مکڑی کا جالا لے آؤ۔"
میشا نے تلوار کی نوک سے درخت سے جالا اُتارا اور اُدرِی آپن کو دے دیا۔ اسی تلوار سے اُدرِی آپن نے زمین کھود دی۔ وہ جالے اور بارود میں مٹی ملا کر منہ میں مواد گھولنے لگا۔ پھر اُس مرکب کا لیپ گرنگر کے سر پر مل دیا اور مسکرا کر بولا" دو تین دن میں یہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ دیکھا میں تمھاری کتنی دیکھ بھال کر رہا ہوں اور تم میری جان کے درپے تھے۔"
"اُس دیکھ بھال کا شکریہ۔۔۔ لیکن اگر میں نے تمھیں ہلاک کر دیا ہوتا تو میرا ایک گناہ کم ہو گیا ہوتا۔ زخم کیسا ہے؟"
"نصف انچ گہرا ہے۔ اس سے جلد نجات حاصل نہ کر سکو گے۔ آسٹرویں تلوار تیز نہیں کرتے۔ یہ داغ عمر بھر تمھارا ساتھ دیگا۔"
وہ سائبان سے باہر آئے۔ گرنگر کا گھوڑا اُسے جاتے دیکھ کر ہنہنانے لگا۔
"تمھیں یاد کرتا تھا یہ گھوڑا۔۔۔!" میشا کا شنوفانی بولا" دانہ بھی نہ کھاتا تھا اور ہنہناتا رہتا تھا۔"
"جب میں رینگ رہا تھا تو اسی کو آوازیں دے رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ مجھے چھوڑ کر نہ جائے گا کیونکہ ایک اجنبی کے لیے اسے پکڑنا محال ہے۔"
"تم سچ کہتے ہو۔ ہم اسے زبردستی کھینچ کر لائے تھے۔"
"بہت اچھا گھوڑا ہے' میرے بھائی سیویٹرا کا ہے"۔ گرنگر نے آنسو چھپانے کے لیے منہ پھیر لیا۔
دونوں گھر کے اندر چلے گئے۔ پہلے کمرے میں بگوُر زارکف چٹائی پر سویا ہوا تھا۔ گھر کے لوگوں کی افراتفری میں رخصت ہونے کے آثار گھر میں ابھی تک موجود تھے۔ ٹوٹے پھوٹے برتن' پھٹی ہوئی کتابیں' بچوں کے کھلونے' پرانے جوتے' بکھرا ہوا آٹا اور قلم!!
بیلین گراشف اور پرآخر زیکیف نے کمرے کے وسط میں فرش صاف کر لیا تھا۔ گرنگر کو

دیکھ کر زنکیف چلایا" کہاں سے ٹپک پڑے گریگیہ؟"

"دوسری دنیا سے ___ مگر مجھے اس طرح گھور کیوں رہے ہو؟"

"دوڑ کر جاؤ اور اس کے لیے شوربا لے آؤ۔" اُدی آپن نے زنکیف کو اشارہ کیا۔ زنکیف دروازے سے باہر شوربا لینے کے لیے روانہ ہوا۔ گریگیہ پژمردگی سے اپنی جگہ بیٹھ گیا "مجھے خبر نہیں میں نے کھانا کب کھایا تھا۔"

زنکیف شوربے کا پیالہ اور گیہوں کا دلیا لے کر واپس آیا۔

"یہ دلیا کس میں ڈالوں؟ زنکیف نے سوال کیا۔

یہ نہ دیکھتے ہوئے کہ وہ برتن کس کام کا تھا، گراشنف نے اُسے خوابگاہ سے اٹھایا اور بولا" اس میں ڈال دو۔"

"یہ لو برتن ___ برتن، برتن چلا رہے ہو۔"

"مگر اس سے تو بو آتی ہے" زنکیف غرایا۔

"پروا نہیں، اسی میں ڈال دو" گریگیہ بولا۔

زنکیف نے موٹا دلیا اُس برتن میں اُلٹ دیا۔ وہ باتیں کرتے گئے اور کھاتے گئے۔ پتلون سے چربی کا داغ اُنگلی سے پونچھتے ہوئے اُدی آپن چلایا" کاش تم صبح یہاں آجاتے۔ ڈویژن کے کمانڈر نے ہمارا شکریہ ادا کیا۔ اُس نے ہمیں ہنگری کا رسالہ مار بھگانے پر داد دی۔ توپ خانہ بچانے پر شکریہ ادا کیا"۔ وہ بولا" کاسک ___ زار اور تمھارا وطن تمھاری خدمات کبھی فراموش نہ کریگا"۔

ابھی وہ بول ہی رہا تھا کہ باہر گولی چلنے کی آواز آئی۔ مشین گن کی تڑتڑ سنائی دینے لگی۔

کاسک اپنا اپنا چمچہ پھینک کر باہر بھاگے۔ اُن کے سروں پر ایک ہوائی جہاز مشین گن سے گولیاں برساتا ہوا گزر رہا تھا۔ اُس کا وزنی انجن گڑگڑا رہا تھا۔

"باڑ کے پاس لیٹ جاؤ۔ ابھی ابھی بم گرنے شروع ہو جائیں گے۔ ہمارے ساتھ کے جھونپڑے میں توپ خانے کا ساز و سامان بند ہے" اُدی آپن چیخنے لگا" کوئی جائے اور ریگود کو جگا دے"

ورنہ وُہ اُسے وہیں ڈھیر کر دیں گے "

سپاہی سڑکوں پر بھاگ رہے تھے۔ زمین سے لگ کر چل رہے تھے۔ دُوسرے چھونپڑوں سے گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور افسروں کے شائستہ احکام کی آوازیں آ رہی تھیں۔ گریگر نے باڑ کے اُوپر سے دیکھا۔ توپچی ایک توپ جلد جلد سائبان کے نیچے سے جا رہے تھے۔ اُس نے آنکھیں سکیڑ کر آسمان کی طرف دیکھا۔ شور کرتا ہوا طیارہ قریب آتا جا رہا تھا۔ اُس سے کوئی چیز گری اور دھوپ میں چمکنے لگی۔

اوسی آپن سیڑھیوں کی طرف دوڑا۔ گریگر نے اُس کا ساتھ دیا۔ دونوں جنگلے کے پاس لیٹ گئے۔ ہوائی جہاز نے غوطہ لگایا۔ اُس کا گھومتا ہوا ایک پر چمکایا۔ سڑک سے بے قاعدہ گولہ باری کی آواز آ رہی تھی۔ گریگر ابھی بندوق میں کارتوس بھرنے بھی نہ پایا تھا کہ ایک دھماکا ہوا اور وُہ چھ فٹ کے فاصلے پر جا گرا۔ مٹی کا ڈھیر اُس کے سر پر لگا اور اُس کی آنکھیں ریت سے بھر گئیں۔

گریگر دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ اُس کی بائیں آنکھ میں شدید درد ہو رہا تھا۔ وُہ دیکھ نہ سکتا تھا۔ بڑی مشکل سے اُس نے دائیں آنکھ کی پلک کھولی۔ اُس نے دیکھا کہ آدھا گھر گر چکا تھا اور اُس کی اینٹیں چاروں طرف بکھری پڑی تھیں اور اُن پر گلابی خاک کا بادل چھا رہا تھا۔

اُس نے بگودزارکف کی طرف دیکھا۔ اُس کا چہرہ ایک چیخ بن چکا تھا۔ خون کے آنسو آنکھوں سے رواں تھے۔ وُہ چیختا ہوا رینگ رہا تھا " ای۔ ای۔ ...... ای۔ ای " وُہ کراہ رہا تھا۔

اُس کے پیچھے اُس کی ایک ٹانگ کٹ کر جھول رہی تھی۔ دُوسری ٹانگ بالکل غائب تھی۔ وُہ ہاتھوں کے بل رینگتا ہوا بڑھ رہا تھا۔ اُس کے لبوں سے ایک ننھے بچے کی سی چیخ نکل رہی تھی۔ اُس نے کراہنا بند کر دیا، بائیں طرف جھک گیا اور دیوار کی سخت اینٹ سے منہ رگڑنے لگا۔ کسی نے اُس کی طرف جانے کی سعی نہ کی۔

" اسے اُٹھا لو " گریگر نے آواز دی۔ اُس کا ایک ہاتھ ابھی تک اُس کی بائیں آنکھ پر تھا۔ توپ خانہ احاطے میں نکل آیا تھا۔ دو پہیوں کی ایک گاڑی جس پر ٹیلیفون تھا، دروازے تک

جا کر رُک گئی تھی۔ دو عورتیں اور ایک مرد سیاہ کوٹ پہنے آ پہنچے تھے۔ زارکف کے گرد مجمع لگ چکا تھا۔ گریگر نے اُس کے پاس سے گزرتے ہوئے دیکھا کہ وُہ ابھی تک سانس لے رہا تھا۔ اُس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ اُس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے جھلک رہے تھے۔

"اسے اُٹھا لو۔۔۔ کیا کر رہے ہو۔ انسان ہو کہ شیطان؟"

"کیوں غرّا رہے ہو؟" ایک تو چیخی چیخا "اُٹھا لو اسے، اُٹھا لو اسے۔ اُٹھا تو لیں مگر کہاں لے جائیں اسے۔ دیکھتے نہیں ہو کہ وُہ مر رہا ہے؟"

"ابھی تک تو ہوش میں ہے۔"

اُدی اُپن نے گریگر کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اسے ہلاؤ نہیں، ذرا ادھر آ کر تو دیکھو" وُہ گریگر کو آستین سے پکڑے ہوئے مجمع کو ایک طرف ہٹا کر زارکف کے پیچھے لے گیا۔ گریگر نے نگاہ اُٹھائی اور نظارے کی تاب نہ لاتے ہوئے دروازے کی طرف چل دیا۔ زارکف کے پیٹ کے نیچے گلابی اور نیلی انتڑیاں بھاپ دیتی ہوئی لٹک رہی تھیں۔ جاں بلب انسان کے ہاتھ ایسے زمین پر پڑے تھے جیسے وُہ کچھ کرید رہا ہو۔

"اُس کا چہرہ ڈھانپ دو۔" کسی نے تجویز پیش کی۔

زارکف دفعتاً ہاتھوں کے بل اُٹھا۔ پھر اُس کی گردن پیچھے کی طرف ڈھلک گئی۔ وُہ بھیانک اور ہیبت ناک آواز سے چلایا "بھائیو! مجھے ہلاک کر دو۔ جان سے مار دو مجھے بھائیو! کھڑے کھڑے کیا دیکھ رہے ہو۔۔۔؟ مجھے ہلاک کر دو بھائیو۔۔۔۔۔!"

۳

گاڑیاں آہستہ آہستہ بڑی آسانی سے چل رہی تھیں۔ اُس کے پہیئے نیند لانے والی لوریاں سُنا رہے تھے۔ لالٹین سے زرد روشنی نکل رہی تھی۔ گاڑیوں میں لیٹ کر آتا رہا ؤں پھیلاتے آزادی سے لیٹے رہنا کتنا لطف انگیز تھا۔ یہ لطف اس وقت دُگنا ہو جاتا تھا۔ جب لیٹے لیٹے یہ خیال آتا تھا کہ کوئی خطرہ زندگی کے در پے نہیں اور موت دُور ہے بہت دُور

ایسے عالم میں پہیوں کا نغمہ سُننا کسی رقاصہ اور خوش گلو عورت کے گیت سُننے سے کہیں طرب انگیز تھا۔ پہیے کی ہر کھڑکھڑاہٹ کے ساتھ محاذ کوسوں دُور ہوتا جا رہا تھا۔

گریگر لیٹے ہوئے پہیوں کا نغمہ سُن رہا تھا۔ اُس کا سارا جسم نئی اور سفید ململ میں لپٹا ہوا تھا۔ اُسے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ ساری غلاظت دھو کر بالکل بے داغ ہو گیا ہے اور نئی زندگی میں داخل ہو رہا ہے۔ اُس کی مسّرت پر اگر کوئی چیز ضرب لگا رہی تھی تو وہ اُس کی آنکھ کا درد تھا۔ درد ایک لمحے کے لیے بند ہوتا مگر جلد ہی پھر شروع ہو جاتا تھا۔ فوجی ہسپتال میں ایک نوجوان یہودی ڈاکٹر نے اُسے بتایا تھا:

"تمھیں واپس جانا ہوگا۔ تمھاری آنکھ کی حالت خراب ہے۔"

"کیا مجھے اِس سے ہاتھ دھونے پڑیں گے؟"

"نہیں نہیں یہ خیال بھی نہ کرو" ڈاکٹر مسکرایا۔ اُس نے گریگر کا اندیشہ بھانپ لیا تھا "مگر تمھارا اپریشن ہوگا۔ تمھیں پیٹرز برگ بھیج دیا جائیگا یا ماسکو۔ ڈرو نہیں، تمھاری آنکھ ٹھیک ہو جائیگی۔" ڈاکٹر نے گریگر کے کندھوں پر تھپکی دی اور وہ اپریشن کرنے کے لیے دُوسرے کمرے میں چلا گیا۔

بڑی ردّوکد کے بعد اُسے ہسپتالی گاڑی میں جگہ ملی۔ وہ کئی دن تک پڑا ہوا آرام کرتا اور امن کی نعمت سے فیضیاب ہوتا رہا۔ پُرانا انجن ڈبوں کی لمبی قطار پُوری طاقت سے کھینچ رہا تھا۔ وہ ماسکو کے قریب پہنچ گئے۔ رات ہو چکی تھی۔ جو چل سکتے تھے وہ پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔ ڈاکٹر نے، جو گاڑی کے ساتھ آیا تھا، گریگر کو آواز دی اور اُسے ایک نرس کے سپرد کر دیا۔

نرس نے منزلِ مقصود تک گریگر کی رہنمائی کی۔ اُس کا لباس سرسرا رہا تھا۔ گریگر اُس کے عقب میں چل رہا اور سوچ رہا تھا۔ اُنھوں نے ایک فٹن کرایے پر لے لی۔ شہر کی سڑکوں کا شور، ٹراموں کی گھنٹیاں، کاروبار کا ہنگامہ، بجلی کی نیلگوں روشنی، انسانوں سے معمور شہر کیں، وہ فٹن کی دیوار سے پیٹھ لگا کر رنگارنگی زندگی کا نظارہ کرنے لگا۔ ایک عورت کا جسم اُس کے

کس قدر قریب تھا۔ اُس کے دل میں اُکساہٹ پیدا ہو رہی تھی۔ ماسکو میں خزاں کا موسم اٹکھیلیاں کر رہا تھا۔ درختوں کے پتّے زرد پڑ چکے تھے۔ بجلی کی روشنی میں ان کی زردی اور بھی گہری نظر آ رہی تھی۔ رات میں نمی پیدا تھی اور جسم میں چبھ رہی تھی۔ بتّیاں چمک رہی تھیں۔ آسمان کے ستارے مدھم اور ٹھنڈے تھے۔ شہر کے وسط میں پہنچ کر وہ ایک ویران گلی میں مُڑ گئے۔ دُور ریل کے انجن سیٹی دے رہے تھے "شاید کوئی گاڑی ڈان کو جا رہی ہے۔" گرنگجر کے دل میں وطن کے خیال نے انگڑائی لی۔

سہ منزلہ مکان کے سامنے وہ رُکے۔ گرنگجر باہر کود پڑا "مجھے اپنا ہاتھ دینا" نرس نے مطالبہ کیا۔ گرنگجر نے اُس کا ننھّا، ملائم اور گرم ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اُسے آہستہ سے مدد دی۔

"تمہارے جسم سے ایک فوجی کے پسینے کی بُو آ رہی ہے" نرس نے کہا۔

"جہاں سے میں آیا ہوں اگر تمہیں بھی وہاں جا کر رہنا پڑے تو تمہارے جسم سے خدا جانے کس قسم کی بُو آنے لگے" گرنگجر نے خشمناک لہجے میں جواب دیا۔

دربان نے دروازہ کھولا۔ وہ چمکیلے جنگلے کے زینے سے پہلی منزل پر پہنچے۔ گرنگجر ایک گول میز کے گرد بیٹھ گیا اور نرس ایک سفید لباس والی عورت سے باتیں کرنے لگی۔ چند منٹ کے بعد ایک اردلی آیا۔ اُس نے بھی سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ وہ اسے حمام میں لے گیا۔

"کپڑے اُتار دو۔"

"وہ کیوں؟"

"تم پہلے نہاؤ گے۔"

گرنگجر نے کپڑے اُتارنے شروع کر دیے اور حیرت سے اردلی کو پانی سے ٹب بھرتے ہوئے دیکھا گیا جو پانی کی حرارت بھی ماپتا جاتا تھا۔ اُس نے نہانے اور بدن پونچھنے میں اُس کی مدد کی۔ ایک تولیہ دیا، چادر دی۔ گھر میں پہننے کے جوتے دیے اور بھورا چغہ پہننے کو دیا۔

"اور میرے کپڑے..... ؟" گرنگجر نے حیرت کے عالم میں سوال کیا۔

"جب ہسپتال سے فارغ کیے جاؤ گے اس وقت ملیں گے۔"

جب گریگری دیوار میں لگے ہوئے آئینے کے پاس سے گزرا تو اپنے آپ کو پہچان نہ سکا۔ طویل قامت، سیاہی مائل چہرہ، سُرخ گال، ڈاڑھی اور مونچھیں، جسم پر چُغہ، بالوں پر ٹوپی ـــ وُہ پہلے گریگری میلیخوف سے کس قدر مختلف تھا۔ "میں اب جوان ہو چکا ہوں" وہ دل ہی دل میں مسکرایا۔

اردلی نے اُسے اُس کا کمرہ دکھایا۔ چند منٹ کے بعد ایک دُبلی پتلی بدصورت نرس نے دروازہ کھولا۔

"گریگری میلیخوف ـــ تمھاری آنکھ کا معائنہ ہوگا" اُس نے کرخت آواز میں کہا۔

اکیّس

۱

فوجی حکّام نے ایک بہت بڑے حملے کا فیصلہ کیا۔ مغربی محاذ پر دشمن کی صف توڑ دینے کا ارادہ تھا۔ اچانک حملے سے مقصود یہ تھا کہ اس کا سلسلۂ رسل و رسائل منقطع کرنے کے بعد اس کی فوج میں بدنظمی پھیلا دی جائے۔ اس تجویز کو لباسِ عمل پہنانے کے لیے گولہ بارود کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کیا گیا۔ بے شمار رسالے کے سپاہیوں کا اجتماع عمل میں آیا۔ حملہ ۱۰ ستمبر کو شروع ہونا تھا۔ لیکن بارش کے طوفان کی وجہ سے اگلے دن پر ملتوی کر دیا گیا۔

چھ میل لمبے محاذ پر دائیں جانب رسالے نے پیش قدمی کی تاکہ دشمن کی گولہ باری اس پر مرکوز ہو جائے۔ رسالے کا ایک دستہ حریف کو مغالطے میں ڈالنے کے لیے دوسری طرف روانہ کر دیا گیا۔

لسنکی کی پلٹن کے سامنے دور دور تک دشمن کا نشان نہ تھا۔ ایک میل کے فاصلے پر لسنکی کو ویران اور خالی خندقیں نظر آ رہی تھیں۔ خندقوں کے پیچھے رائی کے کھیت لہلہا رہے تھے۔ شاید دشمن کو حملے کی اطلاع ہو چکی تھی کیونکہ راتوں رات وہ چار میل پیچھے ہٹ چکا تھا۔ صرف مشین گنوں کے خالی مورچے حملہ آوروں کو دھوکا دینے کے لیے چھوڑ گیا تھا۔

بادلوں کے پیچھے سورج بلند ہو رہا تھا۔ تمام وادی نقرئی دھند میں دھل رہی تھی۔ حکم آیا کہ پیش قدمی کی جائے۔ پلٹنیں آگے بڑھنے لگیں۔ ہزاروں گھوڑوں کی ٹاپیں زمین کے سینے پر پڑنے لگیں۔ ایک میل کا فاصلہ طے کر لیا گیا۔ ہراول دستے خطّے کے کھیتوں تک پہنچ گئے۔ رائی کے پودے مردوں کی کمر تک اونچے تھے۔ اس نے رسالے کی پیش قدمی بےحد دشوار بنا دی۔ لیکن

میل تک اسی طرح بڑھتے ہوئے گھوڑے پسینے میں شرابور ہو گئے۔ دشمن اب بھی کہیں نظر نہ آتا تھا۔ لسٹنسکی نے کمپنی کے کمانڈر کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ مایوسی کی تصویر تھا۔

چار میل کی دشوار ترین پیش قدمی نے گھوڑوں کا کس بل نکال دیا۔ اُن میں سے بعض سوار کے بوجھ تلے گرنے لگے۔ مضبوط گھوڑے بھی لڑکھڑانے لگے۔ اب آسٹروی مشین گن برسرِ کار آ گئی۔ گولیوں کی بوچھاڑیں پڑنے لگیں۔ ہلاکت آفریں گولہ باری نے اگلی قطاریں بھوُن کر رکھ دیں۔ پسپائی شروع ہوئی۔ ہر قطار ٹوٹ گئی۔ بڑے پیمانے پر انتشار شروع ہوا۔ اس قدر زبردست حملہ شکست میں تبدیل ہو گیا۔ بعض پلٹنوں کے آدھے سے زیادہ آدمی کام آ گئے۔ سولہ افسر اور چار سو کاسک تنہا لسٹنسکی کی پلٹن میں ہلاک اور مجروح ہوئے۔

ایوجین لسٹنسکی کا گھوڑا کام آیا۔ ایوجین کی ٹانگ اور سر میں شدید زخم آئے۔ ایک سارجنٹ میجر نے گھوڑے سے کُود کر اُسے اُٹھایا اور گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا اُسے بچا لایا۔ کرنل گولو واچیف نے اس حملے کی بیشمار تصویریں لیں اور باقی افسروں کو دکھائیں۔ ایک مجروح کاسک نے اُس کے منہ پر مکا دے مارا اور رونے لگا۔ کاسک اُس پر ٹوٹ پڑے اور کرنل گولو واچیف کے ٹکڑے اُڑا دیئے۔ کاسک اُس کی لاش سے کھیلنے لگے پھر اُسے کیچڑ میں پھینک دیا۔ اس طرح یہ بہادرانہ ناکام حملہ ختم ہوا۔

۲

وارسا کے ہسپتال سے ایوجین نے باپ کو خط لکھا کہ اُسے چھٹی مل گئی ہے اور وہ کچھ دنوں کے لیے یگوڈنو آ رہا ہے۔ بوڑھا دن بھر کمرے میں بند رہا اور دُوسرے دن باہر نکلا۔ اُس نے کوچوان کو گاڑی میں گھوڑے جوتنے کا حکم دیا۔ اُس نے ناشتہ کیا اور ولشینسکا روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر اُس نے بیٹے کو تار دیا۔ وہ ایک مختصر خط سے کم نہ تھا۔ جس کے لیے اُسے چار سو روبل کی رقم ادا کرنی پڑی۔

اب تک بوڑھے لسٹنسکی کی زندگی میں کوئی قابلِ ذکر بات نہ تھی۔ خط لکھنے کے مواقع کبھی کبھی

ہنتے تھے۔ اُس کی زندگی میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی تھی تو یہی تھی کہ مزدوری بڑھ گئی تھی اور شراب میں کمی ہو گئی تھی۔ مالک خوب پیتا تھا اور چڑچڑا اور رعب جو ہو گیا تھا۔ ایک دن اُس نے الجینیا کو پاس بلایا اور شکایت کی:

"تم اپنا کام اچھی طرح نہیں کرتی ہو۔ صبح ناشتا ٹھنڈا کیوں تھا؟ گلاس صاف کیوں نہ تھا؟ اگر دوبارہ مجھے شکایت کا موقع ملا تو میں تمھیں نکال دوں گا۔ میں یہ پھوہڑ پن برداشت نہیں کر سکتا۔ سنتی ہو۔۔۔؟"

الجینیا ہونٹ بھینچ کر رونے لگی "نکولائی الیگزی دچ۔ میری بیٹی بیمار ہے۔۔۔ مجھے اتنا وقت دو کہ میں اُس کی تیمارداری کر سکوں۔ میں اُسے چھوڑ نہیں سکتی۔"

"بچے کو کیا ہوا؟"

"اس کا سانس کھنچ کر آتا ہے۔"

"کیا کہا۔۔۔ خناق۔۔۔ خناق!! بیوقوف تو نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ دوڑ کر جاؤ اور نکیتچ سے کہو کہ ڈاکٹر کو بلا لائے۔۔۔ دوڑ کر جاؤ۔"

نکیتچ ڈاکٹر کو لے آیا۔ اُس نے بیہوش بچی کو دیکھا اور الجینیا کے سوالات کا جواب دیے بغیر مالک کی طرف بڑھا۔ بوڑھے نے اُسے اپنی نشست گاہ میں بلوایا "ہاں تو کہو، بچی کو کیا بیماری ہے؟"

"خناق۔۔۔ حضور!"

"بچی کے اچھا ہونے کی اُمید ہے کہ نہیں؟"

"کوئی اُمید نہیں، وہ تو مر رہی ہے۔"

"بیوقوف کہیں کے"۔۔۔ بوڑھا برافروختہ ہو گیا "تم نے ڈاکٹری کس لیے پڑھی ہے! — اسے اچھا کر دو۔"

اُس نے دروازہ بند کر دیا اور ہال میں چہل قدمی کرنے لگا۔

الجینیا نے دروازے پر دستک دی اور اندر آ گئی "ڈاکٹر دوستنیکا واپس جانے کے لیے گھوڑا

مانگتا ہے۔"

بوڑھا آگ بگولا ہو گیا "اسے کہہ دو کہ وہ بیوقوف ہے، بدھو ہے — کاٹھ کا الّو ہے — اگر کہہ دو کہ جب تک بچی اچھی نہ ہو جائے وہ واپس نہیں جا سکتا۔ اسے ایک کمرہ دے دو اور کھانا بھی۔" بوڑھا مٹھیاں ہلاتا ہوا چیخا۔ بوڑھا چہل قدمی کرتا ہوا کھڑکی تک پہنچ گیا پھر مڑا۔ اس کی نگاہ اس تصویر پر جم کر رہ گئی جس میں نرس اس کے دو سال کے ایوجن کو گود میں لیے کھڑی تھی۔

بچی کے بیمار پڑتے ہی الجیسنیا نے دل میں خیال کر لیا تھا کہ خدا اسے نتالیا کو ملامت کرنے کی پاداش میں سزا دے رہا ہے۔ بچی کی جان کے خوف سے متاثر ہو کر وہ اپنا آپ بھول گئی۔ ادھر ادھر پریشان گھومتی رہتی اور کوئی کام نہ کرتی۔ "خدا اسے مجھ سے چھین کر نہ لے جائیگا"۔ وہ اسی امید کو پالتی رہی۔ "بچی مر جائے گی"۔ اس بات پر یقین نہ لاتی۔ خدا سے گڑگڑا کر رحم کی دعا مانگتی رہتی۔

مگر بخار ننھی سی جان کو چوس رہا تھا۔ بچی سنگِ مرمر کی سِل کی طرح پڑی تھی۔ ڈاکٹر اسے دن میں چار مرتبہ دیکھتا اور سیڑھیوں پر کھڑا ہو کر خزاں زدہ آسمان کے ستاروں کی طرف دیکھنے لگتا۔

رات بھر الجیسنیا گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دعائیں مانگتی رہی۔ بچی کے گھنگرو کی خرخراہٹ اس کا دل پاش پاش کر رہی تھی۔ "میری بچی! میری ننھی سی بچی!" وہ کراہتی رہی "میری گلاب کی پنکھڑی! مجھے چھوڑ کر چلی نہ جانا۔ میری مانیا..... دیکھ میری بچی! آنکھیں کھول اور میرے پاس آ جا۔ میری سیاہ آنکھوں والی بلی! او خدا.....!"

کبھی کبھی بچی آنکھیں کھول دیتی۔ اس کی سرخ نگاہیں ماں کی طرف جاتیں، آنکھیں پھر واپس ہو جاتیں۔ آخر اس نے ماں کی گود میں دم توڑ دیا۔ ننھا سا منہ کھلا اور بند ہو گیا۔ ننھا سا سر پیٹھ پہ گر کر ماں کے بازوؤں پر لٹک گیا اور گڑیا کی سی ننھی ننھی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

بوڑھے سانتنگا نے ایک ننھی سی قبر کھودی، لاش کو کفن میں لپیٹ کر اس میں دفنا دیا اور دیر تک قبر سے الجیسنیا کے اٹھنے کا انتظار کرتا رہا۔ آخر اس سے نہ رہا گیا اور وہ اصطبل میں واپس آ گیا۔ اس نے ایک بوتل سے عطر نکالا اور شراب میں اسے ملا کر چھینٹے اڑاتا ہوا آ گیا۔

اُس نے ایک بوتل سے عطر نکالا اور شراب میں اسے ملا کر چھینٹے اُڑاتا ہوا بولا "خدا بچّی کو ننھی سی روح کو بہشت نصیب کرے !"

۳

تین ہفتوں کے بعد لسنگی نے تار دیا کہ وُہ گھر کی جانب چل پڑا ہے۔ تین گھوڑوں کی گاڑی اُسے لینے کے لیے سٹیشن پر بھیج دی گئی اور جاگیر میں ہر شخص اُس کی آمد کا منتظر تھا۔ فیل مُرغ اور بطخیں ذبح کی گئیں۔ بوڑھے ساشکا نے بھیڑ کے گلے پر چھُری پھیری۔ چھوٹا مالک رات کو گھر پہنچا۔ بارش ہو رہی تھی۔ کھڑکیوں پر لیمپ کی چھدری روشنی پڑ رہی تھی۔ وُہ ساشکا کی طرف گرم کوٹ پھینکتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ اُس کا باپ تیز تیز قدم اُٹھاتا ہُوا اُسے ملنے کے لیے لپکا اور کرسیاں بھی درست کرتا رہا۔

الجسنیا نے رات کا کھانا میز پر چُنا اور اُنھیں بُلانے کے لیے روانہ ہوئی۔ اُس نے چابی کے سوراخ میں سے دیکھا کہ باپ بیٹے سے بغلگیر ہو کر اُس کے کندھوں پر بوسہ دے رہا تھا۔ بوڑھے لسنگی کے کندھے کپکپا رہے تھے۔ ایک دو منٹ کے انتظار کے بعد اُس نے پھر دیکھا۔ اِس دفعہ نوجوان لسنگی فرش پر بچھائے ہوئے نقشے پر جھکا ہُوا تھا۔ بوڑھا پائپ سے دھوئیں کا بادل چھوڑ رہا تھا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا۔ میرا اعتبار نہیں کرتا۔ مجھے اس کا یقین نہیں آتا۔"

الوجن نے خاموشی سے جواب دیا۔ وُہ اُنگلیاں نقشے پر دوڑا کر کہہ رہا تھا "اگر یہ بات ہے تو حکام اعلیٰ غلطی پر تھے۔ روسی جاپانی جنگ کی ایک ایسی ہی مثال مجھے یاد ہے سُنو۔"

الجسنیا نے دروازے پر دستک دی۔ بوڑھا دروازہ کھولنے آیا۔ اُس کا چہرہ شگفتہ اور پہلے سے جوان نظر آتا تھا۔ بیٹے کے ساتھ اس نے ۱۸۷۹ء کی کشید کی ہوئی شراب پی۔ جب الجسنیا ان دونوں کو باتیں کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی تو اُسے اپنی تنہائی یاد آ رہی

تھی۔ بچی کی موت کے بعد وہ کھل کر رونا چاہتی تھی لیکن اس کے آنسو خشک ہو گئے تھے ہونٹوں تک چیخ آکر رک گئی۔ ہر مرتبہ یونہی ہوتا رہا۔ وہ رات کو دیر سے سوتی اور دیر تک سوتی رہتی تاکہ غنودگی میں بچی کی یاد زیادہ نہ ستائے لیکن وہ اس حادثے کو فراموش نہ کر سکتی۔ اسے ہر وقت یہی خیال ہوتا کہ بچی اس کے پہلو میں سو رہی ہے وہ مڑتی او تکیے سے لپٹ جاتی۔ اسے ایسا معلوم ہوتا جیسے تکیہ کہتا ہو "ماں! ماں!!" وہ جواب دیتی۔ "میری بچی! میری بچی!!"

اکسینیا کو دن کی روشنی میں بھی بچی گھٹنوں پر لیٹی ہوئی نظر آتی۔ وہ بے خیالی میں اپنے گھٹنے کو بچی کا سر سمجھ کر سہلانے لگتی۔

۴

آمد کے تیسرے روز لسنکی شام کو دیر تک ساشکا سے اصطبل میں باتیں کرتا رہا۔ ڈان کے کاسکوں کی بے کیف داستانیں سنتا رہا۔ نو بجے وہ ساشکا کے پاس سے اٹھ آیا۔ احاطے میں ہوا تیزی سے چل رہی تھی۔ بادلوں سے جوان چاند جھانک رہا تھا۔ اس کی روشنی میں ایوجن نے گھڑی دیکھی اور غلام گردش کی طرف مڑا۔ سیڑھیوں میں پہنچ کر اس نے سگرٹ سلگایا۔ ایک لمحے کے لیے سوچتا رہا پھر کندھے جھٹکا کر سیڑھیوں پر چڑھ گیا۔ اس نے بڑی احتیاط سے چٹخنی سرکائی۔ دروازہ کھولا اور اکسینیا کے کمرے میں داخل ہو کر دیا سلائی جلائی۔

"کون ہے؟" اکسینیا نے جسم پر کمبل کھینچتے ہوئے کہا۔

"کوئی نہیں — میں ہوں لسنکی!"

"ٹھہرو، میں ابھی کپڑے پہن کر اٹھتی ہوں۔"

"تکلیف نہ کرو، لیٹی رہو۔ میں ایک دو منٹ سے زیادہ نہ ٹھہروں گا۔"

اس نے لمبا کوٹ اتار دیا اور چارپائی کے ایک کنارے پر بیٹھ گیا۔

"تمہاری بچّی کے مرنے کا پڑا۔۔۔۔"

"ہاں مرگئی۔۔۔۔" ایجینیا نے گھبراہٹ کے عالم میں قطع کلام کیا۔

"تم بےحد بدل چکی ہو۔ واقعی بچّی کی موت نے تمہیں ادھ مُوا کر دیا ہے۔ مگر تم خواہ مخواہ اپنے آپ کو دُکھ پہنچا رہی ہو۔ اب غم کرنا فضول ہے۔ اُسے واپس تو بلایا نہیں جا سکتا ابھی تو تم جوان ہو۔ خدا تمہیں اور بچّے دے گا۔۔۔۔ تم نے ابھی سب کچھ تو نہیں کھویا۔ ابھی تمہاری زندگی ساری کی پڑی ہے۔۔۔۔"

اُس نے اُس کا ہاتھ دبایا اور آہستہ آہستہ اُسے سہلانے لگا۔ اُس کی آواز بھی غیر معمولی طور پر مدھم تھی۔ ایجینیا کو روتے ہوئے دیکھ کر وہ اُس کے بھیگے ہوئے گال اور بھیگی ہوئی آنکھیں چومنے لگا۔

عورت کا دل ہمدردی اور مہربانی سے پسیج جاتا ہے۔ غم و الم کے بوجھ تلے دب کر اور یہ نہ سوچتے ہوئے کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ ایجینیا نے اپنے آپ کو لسٹنگی کے سپرد کر دیا۔ وہ جذبات سے مغلوب ہو گئی اور جب لذت کی تباہ کن لہر گزر گئی تو اُسے ہوش آیا۔ اُسے اپنے اقدام کا مآل معلوم ہوا لیکن پانی سر سے گزر چکا تھا۔ پھر بھی شرم کو بالائے طاق رکھ کر وہ قمیص ہی میں دروازے سے باہر آ گئی۔ ایوجن لمبا کوٹ پہنتا ہوا اُس کے پیچھے پیچھے سیڑھیوں میں بھاگا۔

جب وہ گھر کی سیڑھیوں پر چڑھ رہا تھا تو اُس کی آنکھوں سے تسکین اور مسرت کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ بستر میں دراز ہو کر اپنی گداز چھاتی کو مسلتے ہوئے اُس نے سوچا "ایک ایماندار انسان ہو کر میں نے بداخلاقی کا ثبوت دیا ہے۔ میں نے اپنے پڑوسی کو لُوٹ لیا تھا لیکن میں نے بھی تو محاذ پر اپنی زندگی خطرے میں ڈال دی تھی۔ اگر میں مر گیا ہوتا تو اس وقت مجھے کیڑے کھا گئے ہوتے۔ میرا جسم چاٹ گئے ہوتے۔ ان دنوں جو وقت مسرت میں گزر جاتے اچھا ہے۔" وہ ایک لمحے کے لیے اپنے خیالات سے خوفزدہ ہو رہا تھا۔ اُس کا ذہن پھر محاذ کے ہولناک واقعات کی طرف منتقل ہو گیا۔ جب اُسے نیند آنے لگی تو اُس نے سوچا سوچنے

کے لیے توکل کا وقت بھی ہے۔ اس وقت مجھے سو جانا چاہیے۔"

۵

دوسری صبح کو وہ الجینیا کے ساتھ اپنے آپ کو کھانے کے کمرے میں تنہا پا کر اس کی طرف بڑھا۔ اس کے چہرے پر ایک مجرمانہ تبسم تھا۔ لیکن الجینیا دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئی اور ہاتھ پھیلا کر اسے دور دھکیلتی ہوئی سرگوشی کے انداز میں کہنے لگی "دور رہو۔۔۔ دور رہو مجھ سے شیطان!"

زندگی انسان سے اپنے ان لکھے قوانین کی تعمیل کرایا کرتی ہے۔ تیسرے دن پھر جب ابو حسن رات کو الجینیا کے پاس گیا تو اس نے کوئی مزاحمت نہ کی۔

۱

آنکھوں کے ہسپتال سے ایک چھوٹا سا باغ ملحق تھا۔ ماسکو کے نواح میں ایسے ہزاروں چھوٹے چھوٹے باغ ہیں۔ شہر کی پتھریلی چار دیواریوں سے اُلجھتی نگاہیں بیزار ہو جاتی ہیں مگر ان باغات کو دیکھ کر جنگلوں کی تازگی یاد آجاتی ہے۔ ہسپتال کے باغ پر خزاں کا تسلط تھا۔ ہر روش پر زرد پتے بکھرے ہوئے تھے۔ خوشگوار صبحوں کو مریض ان روشوں پر چہل قدمی کرتے اور مذہب کے معتقد ماسکو کے گرجوں کی گھنٹیوں کا نغمہ سنتے۔ جس دن موسم خراب ہوتا (اور ایسے دن اُس سال بالعموم آتے) مریض ایک کمرے سے دُوسرے کمرے میں آوارہ گردی کرتے یا بستر میں خاموش بیٹھے اپنے آپ کو کثرتِ خیال آرائی سے تھکا دیتے۔

ہسپتال میں شہری مریضوں کی کثرت تھی۔ فوجی مریضوں کی تعداد قلیل تھی۔ وہ صرف پانچ تھے اور اُنھیں ایک ہی کمرے میں بند کر دیا گیا تھا۔ جان ورکیس، لمبا وحشت زدہ چہرے اور نیلی آنکھوں والا تھا۔ ایوان دبلسکی ایک خوبصورت اور تنومند جوان تھا۔ ایک سائبیریا کا بندوقچی کوسخ تھا۔ ایک ننھے قد کا تیز طرار سپاہی تھا۔ پانچواں گرگیہ تھا۔

ستمبر کے آخر میں چھٹے زخمی کا اضافہ ہوا۔ وہ دوپہر کو آیا اور شام کو اُس کا اپریشن ہوا۔ اپریشن سے واپسی پر گانے لگا۔ جب اس کا اپریشن ہو رہا تھا اور اُسے کلوروفارم سنگھا دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر نے دیکھا کہ اُس کی آنکھ میں گولے کے لوہے کی کرن لگی ہوئی تھی اور آنکھ بُری طرح زخمی ہو چکی تھی لیکن ہوش میں آنے کے بعد وہ گا رہا اور گالیاں دے رہا تھا۔ اُسے بھی باقی مریضوں کے ساتھ اُسی کمرے میں جگہ ملی۔ اُس نے بتایا کہ اُس کا نام گرانتہ ہے۔

اور وہ جرمن محاذ سے زخمی ہو کر یہاں آیا ہے اور وہ چرنگف کے صوبے کا یوکرینی تھا۔ اس نے گریگر کو دوست بنا لیا کیونکہ اُس کا بستر اُس کے قریب تھا۔ شام کو وہ آہستہ آہستہ باتیں کرتے رہتے۔ ان کی پہلی گفتگو کی ابتدا یوں ہوئی تھی :

"کہو اب کیسے ہو ؟"

"آہستہ آہستہ اچھا ہو رہا ہوں۔"

"کیا ہوا ہے تمھاری آنکھ کو ؟"

"انجکشن لگوا رہا ہوں۔"

"کتنے لگ چکے ہیں ؟"

"ابھی تک تو اٹھارہ . . . . ."

"تکلیف ہوتی ہو گی ؟"

"تکلیف تو نہیں ہوتی مگر . . . ."

"ان سے کہو کہ آنکھیں نکال دیں۔"

"وہ کیوں — میں اندھا نہیں ہونا چاہتا۔"

گریگر کا پڑوسی ہر چیز سے بیزار تھا۔ وہ حکومت کے خلاف زہر اُگلتا۔ جنگ کو گالیاں دیتا، اپنی قسمت کو بُرا بھلا کہتا، ہسپتال کی خوراک کو کوستا، ڈاکٹروں پر برس پڑتا۔ جو کوئی سامنے آتا اُسی پر بگڑتا۔

"خدا جانے ہم کسانوں کو جنگ میں کیوں جھونکا جاتا ہے ؟" اُس نے سوال کیا۔

"انھیں بھی اُسی مطلب کے لیے بھرتی کیا جاتا ہے جس کے لیے دوسروں کو۔"

"اوہ — تم تو بیوقوف ہو۔ بس اب نہیں رہ سکتا۔ تمھیں بتانا ہی پڑیگا۔ ہم بورژوائیت سے لڑ رہے ہیں۔ جانتے ہو بورژوائیت کیا بلا ہے ؟ بورژوا — یہ پھلوں کے درختوں میں رہنے والا پرندہ ہے۔" اُس نے گریگر کو مشکل الفاظ کا

مطلب سمجھایا اور اپنی ناقابلِ فہم تقریر گرگیجو کو پلا دی۔

"اِس قدر تیز کیوں بولتے ہو؟ میں تمہاری لیوکرینی لاطینی نہیں سمجھتا۔ ذرا وضاحت بھی تو کرتے جاؤ۔" گرگیجو نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔

"میں مشکل الفاظ تو استعمال کر ہی نہیں رہا ہوں میرے دوست ۔۔۔ تمہارا خیال ہے کہ تم زار کے لیے نبرد آزما ہو ۔۔۔ مگر زار کون ہے؟ زار کچھ بھی نہیں ۔۔۔ اور زاریت تو مُرغی ہے مُرغی۔ یہ دونوں ہمارے کندھوں کا بوجھ ہیں۔ کیا تم اندھے ہو، دیکھتے نہیں؟ کارخانوں کے مالک ڈاڈا کا پیتے ہیں۔ سپاہی جوئیں اور جوئیں مارتے ہیں۔ سرمایہ دار سارا نفع کھا جاتے ہیں اور مزدور بھوکا مرتا ہے ۔۔۔ یہ ہے ہمارا نظامِ حکومت ۔۔۔ خدمت کرتے جاؤ کاسک! خدمت کرتے جاؤ ۔۔۔ ایک دو تمغے اور لے لو۔"

ہر روز وہ گرگیجو پر ان حقیقتوں کو واضح کرتا جاتا جو اُس کے فرشتوں کو بھی معلوم نہ تھیں۔ اس نے جنگ کا اصلی سبب گرگیجو کو بتایا اور شخصی حکومت کا خوب مذاق اُڑایا۔ گرگیجو نے اعتراضات کرنے چاہے مگر گرانزا نے اُسے آسان سوالات سے لاجواب کر دیا اور اُسے ہاں میں ہاں ملانی پڑی۔

گرگیجو کو یقین ہو گیا کہ جو کچھ بھی گرانزا کہتا ہے حقیقت ہے اور وہ اُس کی مخالفت کرنے کے ناقابل ہے۔ اُسے اِس بات کا علم تھا کہ اُس کا ساتھی لیوکرینی زار کے متعلق اُس کے قائم کردہ تخیلات اور مفروضات کو یکسر تباہ کر رہا تھا۔ ایک کاسک کی حیثیت میں اُس کے ذمے جو وطن اور زار کے جو فرائض تھے وہ لیوکرینی انہیں زائل کر رہا تھا۔ لیوکرینی کی آمد کے ایک مہینے کے بعد گرگیجو نے اپنے نظامِ حیات کی جو عمارت کھڑی کی تھی، وہ منہدم ہو چکی تھی۔ وہ پہلے ہی سے کھنڈر بن چکی تھی۔ جنگ کی ناکیسانی نے اُسے ایک ہی جھٹکے میں سر کے بل گرا دیا تھا۔ گرگیجو بیدار ہو چکا تھا۔ وہ کروٹیں بدل رہا تھا تا کہ کوئی راہِ نجات نکل آئے۔ گرانزا کے جوابات نے اُسے راہِ نجات دکھا دی۔

۲

ایک روز۔۔ بہت رات گئے گریگری نے اُٹھ کر گرانزا کو جگایا اور لوکرینی کے بستر پر بیٹھ گیا۔ ستمبر کے چاند کی سبز روشنی کھڑکی میں سے داخل ہو رہی تھی۔ گرانزا کے رخسار سیاہی مائل تھے۔ اُس کی سیاہ آنکھوں میں بجلی کی سی چمک تھی۔ اُس نے ٹانگیں کمبل میں سمیٹ لیں۔

"کیوں، کیا تمھیں نیند نہیں آتی؟" اُس نے پوچھا۔

"میں سو نہیں سکتا۔ مجھے ایک بات بتاؤ۔ اگر جنگ ایک کے لیے بہتر ہے تو دُوسرے کے لیے بدتر کیوں ہے، ہے نا؟"

"ہاں ہاں، کہو" لوکرینی بولا۔

"ذرا دم لو۔۔۔!" گریگری غصّے سے مشتعل ہو چکا تھا "تم کہتے ہو کہ سرمایہ دار اپنے مفاد کے لیے ہمیں قربان کر رہے ہیں۔ لیکن عوام بھی تو ہیں۔ کیا وُہ کچھ نہیں سمجھتے۔ اُنھیں کیوں نہیں بتایا جاتا۔ لوگ اُنھیں جا کر کیوں نہیں بتاتے۔ بھائیو! دیکھ لو، کس بات کے لیے تم جانیں قربان کر رہے ہو۔ اچھّی طرح دیکھ لو۔ یہی ہے وُہ مقصد جس کے لیے تم فنا ہو رہے ہو۔"

"یہ کام کھلّم کھلّا کیونکر ہو سکتا ہے۔ ہم بھی تو یہ باتیں سرگوشیوں میں کر رہے ہیں۔ بلند آواز میں بول کر دیکھ لو۔ گولی تمھارے سینے سے پار کر دی جائیگی۔ عوام گونگے اور بہرے ہیں۔ یہ جنگ اُنھیں بیدار کر دیگی۔ طوفان کے بعد سکون آ جائے گا۔"

"لیکن کیا کیا جائے۔ زہریلے سانپ! مجھے بھی تو کچھ بتاؤ۔ تم نے تو مجھے ڈانواں ڈول کر دیا ہے۔"

"جنھیں زیر و زبر کر سکتا ہوں۔ اُنھیں میں تہ و بالا کر دیتا ہوں۔ تمھیں بھی بندوق کا رُخ بدل لینا چاہیے۔ اُنھیں ہلاک کر دو جو لوگوں کو جہنم رسید کرتے ہیں۔ جانتے ہو وہ لوگ کون ہیں؟ اب تو تم جان چکے ہو۔" گرانزا بستر میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ "ایک دن طوفانی لہر چلے گی اور وُہ اس تعفّن کو بہا کر لے جائیگی۔"

"تمہارا بھی خیال ہے کہ ہر چیز کو زیر و زبر کر دو۔"

"ہاں! حکومت کا نقشہ اُلٹ دو۔ ایک گلے سڑے چیتھڑے کی طرح اُسے چیر کر پھینک دو۔ بڑے بڑے اُمرا کی دھجیاں اُڑا دو۔ انھیں ان کے سنجاب و سمور کے بستروں سے باہر کھینچ لو کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو عوام کی بہت بڑی تعداد ہلاک کر چکے ہیں۔"

"نئی حکومت کے قیام کے بعد اگر کوئی جنگ چھڑی ہو تو تم کیا کرو گے؟ وہ پھر بھی لڑتے رہیں گے۔ اگر وہ ہم سے نہ لڑے تو ہماری اولاد سے برسرِ پیکار ہوں گے۔ جنگ کو بیخ و بن سے کیونکر اُکھاڑ کر پھینک سکو گے؟ انسان صدیوں سے لڑتا آیا ہے۔"

"سچ کہتے ہو۔ جنگ صدیوں سے لڑی جا رہی ہے اور یہ جنگ اُس وقت تک جاری رہے گی جب تک قبیح اور مذموم حکومت منسوخ نہیں کر دی جاتی۔ جب ہر حکومت، مزدور حکومت میں تبدیل ہو جائے گی تو جنگ کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ جب جرمنی، فرانس اور دوسرے ممالک میں کسانوں اور مزدوروں کا راج قائم ہو جائے گا تو جنگ کا کوئی نام بھی نہ لے گا۔ اس وقت ہمارے پاس جنگ کا کون سا بہانہ رہ جائے گا۔ یہ حد بندیاں ٹوٹ جائیں گی۔ منافرت اور منافقت مٹ جائے گی۔ ساری دنیا پر بہترین اور خوبصورت زندگی سانس لیتی نظر آئے گی"...

گرانزا نے ایک سرد آہ بھری۔ مونچھوں کے کنارے مروڑنے لگا۔ اس کی آنکھیں اب دو ہیروں کی طرح فروزاں تھیں۔ "گریگر! میں ایسا دن دیکھنے کے لیے خون کا آخری قطرہ بہانے کو تیار ہوں۔"

دونوں سحر کی آمد تک باتیں کرتے رہے۔ روشن ہوتی ہوئی تاریکی میں گریگر کو نیند آ گئی۔

۳

ستمبر بھی گزر گیا اور اکتوبر بھی۔ دن یونہی رینگتے ہوئے گزرتے گئے۔ ذہنی کشمکش اور بیزاری بھی ترقی کرتی گئی۔ نو بجے صبح مریضوں کو چائے ملتی۔ ڈبل روٹی کے ٹکڑے ملتے اور مکھن کا ایک پیالہ۔ کھانا کھانے کے بعد انھیں پھر بھوک لگ جاتی۔ شام کو چائے ملتی پانی کے گلاس یا

ساتھ۔ فوجی وارڈ کے مریضوں کی تبدیلی ہوگئی۔ سب سے پہلے سابیریا کا فوجی گیا۔ اس کے بعد لٹیویا کا۔ اکتوبر کے آخر میں گریگیو کو رُخصت کیا گیا۔

ہسپتال کے سرجن نے گریگیو کی آنکھوں کا معاینہ کیا اور نظر درست قرار دی لیکن اُسے دُوسرے ہسپتال میں تبدیل کر دیا گیا کیونکہ اُس کے سر کا زخم خلافِ توقع کھُل گیا تھا اور اُس میں سے پیپ بہنے لگی تھی۔ گرانزا کو خدا حافظ کہتے ہوئے گریگیو نے اظہارِ خیال کیا۔

"کیا ہم کبھی پھر ملیں گے؟"

"دو پہاڑ آپس میں کبھی نہیں ملتے۔"

"کچھ بھی ہو — خوخول! تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ اب میں دیکھ سکتا ہوں مگر سمجھ نہیں سکتا۔"

"اپنی پلٹن میں جاؤ تو دُوسرے کاسکوں کی بھی آنکھیں کھولنا۔"

"ضرور۔"

"اگر چارگنف کے ضلع میں جانے کا اتفاق ہو تو آندرے گرانزا کا نام پوچھنا۔ میں تم سے مل کر بے حد خوش ہوں گا ..... اچھا خدا حافظ!"

دونوں بغلگیر ہوتے۔ لیکن یکی کا ناک نقشہ گریگیو کے پردۂ ذہن پر ثبت ہو چکا تھا۔

۴

گریگیو نے دُوسرے ہسپتال میں دس دن بسر کیے۔ اُس نے ذہن میں آئندہ اقدامات کے فیصلے کی پرورش کی۔ گرانزا کی تباہ کُن تعلیمات کام کر رہی تھیں۔ اب وُہ اپنے وارڈ کے ساتھیوں سے بہت کم گفتگو کرتا۔ اُس کی نقل و حرکت میں ایک محتاط خوف سرایت کر چکا تھا۔ چند دنوں تک اس پر بخار ساطاری رہا۔

شاہی خاندان کی ایک مقتدر ہستی ہسپتال کے معاینے کو آئی۔ اُس کی آمد کی اطلاع ہسپتال میں پہلے ہی سے کر دی گئی۔ ہسپتال کے مہتمم اور ملازم غلّہ گھر کے چوہوں کی طرح

اِدھر اُدھر ٹہل رہے تھے۔ بستروں کی چادریں تبدیل کر دی گئیں۔ زخموں پر بندھی ہوئی گندی دھجیاں سفید پٹیوں میں بدل دی گئیں۔ ایک نوجوان نے زخمیوں کو وہ عبارت بھی پڑھا دی جس سے انھیں اُس مقتدر ہستی کو مخاطب کرنا تھا۔ چونکہ عظیم المرتبت شخصیت شاہی خاندان کی ایک عورت تھی۔ اس لیے بیشمار ہدایات نافذ کی گئیں۔ مریض بھی فکرمند ہو چکے تھے اور وہ سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ دوپہر کو موٹر کا ہارن بجا۔ معزز عورت دروازے میں داخل ہوئی۔ اُس نے وارڈوں کا چکر لگایا۔ مریض بتائی ہوئی ہدایات کے مطابق اُس کے سوالات کا جواب دینے لگے۔ "بالکل اُسی طرح شہزادیٔ معظمہ!" "بالکل نہیں شہزادیٔ معظمہ"۔

ہسپتال کا بڑا ڈاکٹر بیچ میں کود پڑتا اور اپنی طرف سے جواب دینے کی کوشش کرتا تھا۔ شاہی خاندان کے افراد کا مجمع ' جن کی وردیوں سے عطر کی لپٹیں اُٹھ رہی تھیں، گرتیگہ کی طرف آتا ہوا دکھائی دینے لگا۔ اُن کے آگے آگے متوقع مقتدر عورت تھی۔ وہ بستر کے قریب کھڑا رہا۔ آج اُس نے حجامت بھی نہ بنوائی تھی۔ اُسے قدرے حرارت بھی تھی۔ گرتیگہ بستر کے پاس کھڑا سرکشی اور سربلندی کی تصویر بنا تھا۔ گالوں پر شعلہ گوں سرخی اُس کے اضطراب کی مظہر تھی۔

"یہی ہیں وہ لوگ ـــــ یہی ہیں وہ لوگ جن کے عیش و آرام کے لیے ہمیں دیہات سے زبردستی بلوایا گیا ہے۔ انھیں کے لیے ہمیں موت کے منہ میں دھکیل دیا گیا ہے۔ آہ ـــــ شیطان۔ خون چوسنے والے کھٹمل!! ـــــ یہی تو ہماری پیٹھ کی جونکیں ہیں۔ انھیں جی بھر کے گالیاں دو۔ کیا انھیں کی خاطر ہم نے دوسرے غریب کسانوں کی فصلیں گھوڑوں کی ٹاپوں سے نہیں روندیں؟ انھیں کی خاطر ہزاروں اجنبیوں کو تلوار کے گھاٹ نہیں اُتار دیا؟ ہمیں اپنے کنبے سے جدا کر کے بارکوں میں مقید کر دیا ہے ان لوگوں نے! ـــــ ان کی توندیں تو دیکھو......... مگر خیر نہیں۔ میں تمھیں بھی میدانِ جنگ کی ہوا کھلاؤں گا۔ تمھیں بھی اپنے کنبے سے جدا ہونا پڑے گا۔ بندوق تمھارے

کندھے پر ہو گی۔ جو تکلیں تمہارے اجسام پر ہوں گی۔ وہی سوکھی اور چمڑے کی طرح سخت روٹی تمہیں بھی چبانی پڑے گی۔" گریگری کے ذہن میں اسی قسم کے خیالات چکر لگا رہے تھے۔

گریگری کی نگاہیں طواف کرتی ہوئی شہزادی کے رخساروں پر آ کر مرکوز ہو گئیں۔

"ڈان کا کاسک ۔۔ سینٹ جارج کا تمغہ حاصل کر چکا ہے۔" بڑا ڈاکٹر کہہ رہا تھا۔ اس نے اشارہ کیا تو گریگری کسمسا اُٹھا۔ اُس کا لہجہ کچھ کچھ ایسا تھا جیسے یہ تمغہ اسے ملا ہو۔

"کس ضلع کے ہو؟"

"ویشنسکا کے ضلع کا شہزادی معظمہ!"

"تمہیں یہ تمغہ کس کارنامے کے صلے میں ملا ہے؟"

بیزاری اور تھکن شہزادی کی آنکھوں سے ہویدا تھی۔ اُس کا بایاں ابرو مصنوعی طور پر خمیدہ ہو چکا تھا۔ وہ اس انداز سے رُعب پیدا کر رہی تھی۔ ایک لمحے کے لیے گریگری کی رگیں سرد پڑتی ہوئی دکھائی دیں۔ اس کے اندر جنگ ہو رہی تھی۔ حملہ کرتے ہوئے یہی احساس اُس کے دل میں ہوا کرتا تھا۔ اُس کے لب بے قراری سے لرز رہے تھے۔

"معاف کیجیے...... میں سونا چاہتا ہوں۔ . . معاف کیجیے شہزادی معظمہ!" گریگری نے بستر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

شہزادی کے بائیں ابرو کا خم اور بھی گہرا ہو گیا۔ وہ ہاتھ جو گریگری کی طرف بڑھنے والا تھا وہیں رُک گیا، جم گیا، حیرت میں اُس کے ہونٹ پھڑپھڑا کر رہ گئے ۔۔ عورت ۔۔ ایک بوڑھے اور سفید بالوں والے جرنیل کی طرف متوجہ ہوئی اور اُس نے اُسے انگریزی میں کچھ کہا۔ اس کے مصاحبین میں گھبراہٹ پھیل چکی تھی۔ دو افسر تو مضحکہ خیز تصویریں بن گئے تھے۔ بوڑھا جرنیل مسکرایا۔ اس نے بھی اُسے انگریزی میں کچھ کہا۔ شہزادی خوش ہو گئی اور اُس نے گریگری سے ہاتھ ملایا۔ کندھوں پر تھپکی دے کر اُس کی عزت افزائی بھی کی۔

جب مہمان رخصت ہو گئے تو گریگری بے دم ہو کر بستر پر گر پڑا۔ اس نے مُنہ تکیے میں چھپا لیا

اور چند منٹ تک یونہی پڑا رہا۔ اُس کے کندھے کپکپا رہے تھے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ رو رہا تھا یا ہنس رہا تھا۔ لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ جب اُس نے سر اُٹھایا تو اُس کی آنکھیں خشک تھیں۔ اُسے فوراً ڈاکٹر کے کمرے میں طلب کیا گیا۔

”تم بیحد ذلیل ہو۔ ادنیٰ قسم کے آدمی ہو۔ رذیل ترین“ ڈاکٹر نے کہا۔

”میں رذیل نہیں — تم ہو“ گریگری نے جواب دیا پھر وہ ڈاکٹر کی طرف بڑھا ”اگر تم بھی ایک دفعہ محاذ پر جاتے تو ....“ پھر اُس نے اپنے آپ پر قابو پا لیا ”مجھے گھر بھیج دو۔“

ڈاکٹر مڑا اور لکھنے کی میز کے پاس پہنچ کر شرافت سے بولا ”ہم تمہیں بھیج دیں گے۔ ہماری طرف سے چاہے جہنم میں چلے جانا۔“

گریگری مسکراتا ہوا باہر آگیا۔ اُس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے اور آنکھیں دمک رہی تھیں۔ مقتدر ہستی کے سامنے بُرے برتاؤ کی وجہ سے اُسے تین دن کے لیے کھانے سے محروم کر دیا گیا۔ لیکن اُس کے ساتھیوں نے باورچی سے مل کر اُس کے کھانے کا انتظام کر ہی دیا۔

۵

۱۷۔ نومبر کو شام کے وقت گریگری اپنے ضلع کے پہلے گاؤں میں پہنچا۔ جب وہ سڑک سے گزرا تو بچے کاسک گیت گا رہے تھے۔ اُس نے جب آشنا الفاظ سُنے تو دل میں ہوک اُٹھی۔ وہ چمنیوں سے نکلتا ہوا دھواں سونگھتا آگے بڑھتا رہا۔

”کبھی میں بھی یہی گیت گایا کرتا تھا مگر اب تو میری آواز بیٹھ چکی ہے۔ زندگی نے گیت کا ترنم زائل کر دیا ہے۔ میں جا رہا ہوں ایک دوسرے شخص کی بیوی کے پاس۔ میرا گھر گھاٹ کوئی نہیں۔ میں ایک بھیڑیا ہوں“۔ وہ سوچ رہا تھا اور اپنی وحشیانہ زندگی کا مذاق اُڑا رہا تھا۔ وہ گاؤں سے گزر گیا اور ایک پہاڑی پر چڑھ کے مُڑ کر دیکھنے لگا۔ آخری جھونپڑی کی کھڑکی میں لٹکے ہوئے لیمپ کی زرد روشنی جھلملا رہی تھی۔ اُس نے دیکھا کہ بوڑھی عورت کھڑکی میں بیٹھی چرخہ کات رہی ہے۔

وہ بڑھتا گیا، بڑھتا گیا۔ اس نے رات ایک چھوٹے سے گاؤں میں بسر کی بعد صبح کا اجالا پھیلتے ہی دوبارہ چل پڑا۔ وہ شام کو بگوڈ تو پہنچ گیا۔ باڑے سے کود کر اصطبل میں داخل ہوا۔ ساشکا کھانس رہا تھا۔

"بوڑھے ساشکا ـــــ سوئے پڑے ہو؟"

"ٹھہرو، کون ہو تم؟ آواز تو میں پہچانتا ہوں۔"

ساشکا باہر آگیا" گریگری ہے۔ گریگو ..... تم کہاں سے آرہے ہو؟"

دونوں بغلگیر ہوئے۔ گریگری کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے ساشکا بولا" اندر آجاؤ ـــ سگرٹ پی لو۔"

"آج نہیں، کل....."

"اندر آجاؤ ـــ میں تمھیں ایک بات بتانا چاہتا ہوں۔"

گریگری اپنی مرضی کے خلاف اس کے عقب میں چلنے لگا اور ایک کھری چارپائی پہ دونوں بیٹھ گئے۔ بوڑھا کھانسی کے دورے سے نجات پا کر بولا" اب میری زندگی کے تھوڑے ہی دن باقی ہیں۔"

"کیا ہوا؟ ابھی تک تو زمین کے سینے پر مونگ دل رہے ہو۔ کہو اکسینیا کیسی ہے؟"

"اکسینیا۔ خدا کے فضل و کرم سے اچھی ہے۔"

بوڑھا بری طرح کھانسنے لگا۔ گریگری نے دیکھا کہ بوڑھا کھانسی کی آڑ لے کر کچھ چھپانا چاہتا ہے۔

"تانیا کو تم نے کہاں دفن کیا تھا؟"

"ان بیلوں کے تلے....."

"کوئی خبر سناؤ....."

"کھانسی مجھے بہت تنگ کر رہی ہے۔ خبر کیا سناؤں۔ ہم سب زندہ ہیں۔ البتہ مالک نے

کثرت سے شراب پینا شروع کر دیا ہے۔۔ بیوقوف بوڑھا!"

"ایجینیا کہاں ہے؟"

"غلام گردش میں ہوگی۔ سگرٹ تو پیو۔ میرا تمباکو نہایت اعلیٰ قسم کا ہے۔"

"میں سگرٹ پینا نہیں چاہتا۔ کوئی بات سناؤ ورنہ میں تو چلتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ..." گریگری نے منہ پھیرتے ہوئے کہا۔ چارپائی اُس کے نیچے چرچرائی...." میرا خیال ہے کہ تم مجھ سے کوئی بات چھپا رہے ہو۔"

"میں تمھیں بتادونگا۔ مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ راز چھپا سکوں۔ گریگری! خاموشی شرمناک ہوگی۔"

"پھر بتاتے کیوں نہیں۔ میرے صبر کا امتحان لینے ہو؟" گریگری نے بوڑھے کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ بوڑھا چند لمحوں کے توقف کے بعد گویا ہوا "تم آستین میں سانپ پالتے رہے ہو گریگری! تم ایک اژدہے کو دودھ پلاتے رہے ہو۔ ایجینیا۔۔ ایوجن کے ساتھ گلچھرے اُڑا رہی ہے۔" بوڑھے کی ٹھوڑی پر پسینا آگیا۔ اُس نے پسینا پونچھا اور پتلون سے ہاتھ صاف کیا۔

"سچ کہتے ہو؟" گریگری نے مطالبہ کیا۔

"میں نے اُنھیں آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ہر رات وہ ایجینیا کے پاس آتا ہے۔ میرے خیال میں اب بھی وہ اُس کے پاس ہوگا۔"

"بہت اچھا۔" گریگری اُنگلی کا ناخن کاٹتے ہوئے بولا۔ اُس کے چہرے کی رگیں پھڑپھڑا رہی تھیں۔

"عورت ایک بلّی کی مانند ہوتی ہے۔ جو اُسے پیار کرے اُسی کی ہو جاتی ہے۔ اس پر اعتبار کرنا حماقت ہے" ساشکا بڑبڑا رہا تھا۔

اُس نے سگرٹ بنا کر گریگری کو دیا "سگرٹ پیو۔"

گریگری نے سگرٹ کے دو کش لگائے اور اُسے اُنگلیوں میں پکڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ ایک لفظ

کہے بغیر باہر آ گیا۔ غلام گردش کی کھڑکی کے پاس وہ رُکا۔ اس نے بارہا دستک دینے کا ارادہ کیا۔ لیکن ہر دفعہ ہاتھ روک لیا۔ ہر دفعہ اس کا ہاتھ ایسے واپس ہوا جیسے کسی نے اسے پرے ہٹا دیا ہو۔ آخر اس نے دستک دے ہی دی۔ اس سے نہ رہا گیا۔ وہ قابو سے باہر ہو چکا تھا۔ کھڑکی کے شیشے پر بُری طرح مکّا مارنے لگا۔ شیشہ کھڑکھڑایا اور مدھم سی روشنی کمرے میں پھیلتی ہوئی دکھائی دی۔

اکسینیا کا خوفزدہ چہرہ کھڑکی میں نمودار ہوا اور اس نے دروازہ کھول دیا۔ گریگری کو دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی۔ وہ اس سے لپٹ گئی۔ "تم نے اس زور سے دستک دی کہ میں ڈر گئی۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ تم ملو گے — میرے پیارے......!"

"میں ٹھٹھر گیا ہوں۔"

اکسینیا نے اس کا جسم کپکپاتا ہوا محسوس کیا حالانکہ اس کے ہاتھ بے حد گرم تھے۔ وہ بے فائدہ اور یونہی اِدھر اُدھر ٹہلتی رہی۔ اس نے لیمپ روشن کیا۔ شال کندھوں پر ڈال لی اور انگیٹھی سلگائی۔

"مجھے تمھاری آمد کا گمان تک نہ تھا۔ تم نے ایک مدت سے خط بھی نہیں لکھا۔ کیا تمھیں میرا پچھلا خط ملا؟ میں تمھیں ایک پارسل بھیجنے والی تھی لیکن تمھارے خط کے انتظار میں رُکی رہی۔"

گریگری لمبا کوٹ اُتارے بغیر بینچ پر بیٹھ گیا۔ کوٹ کا سایہ اس کے گالوں پر پڑ رہا تھا۔ وہ کوٹ اُتارنے ہی کو تھا کہ جیبوں میں کچھ ٹٹولنے لگا۔ اس کی نگاہ اکسینیا کے سراپا پر تھی۔

اس کی غیر حاضری میں اکسینیا نکھر کر صحت مند ہو گئی تھی۔ اس کے سر میں ایک دلآویز خم آ گیا تھا۔ اس کی موٹی موٹی آنکھیں اور گھونگریالے بال وہی تھے۔ اس کا تباہ کن اور قاتل حُسن اب اس کا نہ تھا کیونکہ اب تو وہ مالک کے بیٹے کی معشوقہ تھی۔

"اب تو تم ملازمہ کے بجائے گھر کی منتظمہ معلوم ہوتی ہو۔" اس نے آغازِ گفتگو کیا۔
وہ ایک لمحے کے لیے چونک پڑی اور زبردستی کی ہنسی اس کے ہونٹوں پر آ گئی۔

گرگیجی گٹھڑی اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"سگریٹ پینے۔"

سیڑھیوں پر گرگیجی نے گٹھڑی کھولی۔ اُس میں سے ایک رنگین رُومال نکالا جو ایک صاف قمیص میں تہ کرکے رکھا ہوا تھا۔ اُس نے یہ رُومال ایک یہودی تاجر سے خریدا تھا۔ اُس نے اُسے اچھی طرح کھول دیا۔ اُس کے سات رنگوں پر نظر دوڑائی۔ اُس نے یہ رومال آنکھ کی پُتلی کی طرح عزیز رکھا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ یہ تحفہ دیکھتے ہی الجینیا کھل اُٹھے گی...... کس قدر حقیر تھا یہ تحفہ۔ ــ کیا ایک زمیندار کے بیٹے کے تحائف کا مقابلہ کر سکتا تھا!! کمتری کے احساس سے مرعوب ہو کر اُس نے رومال ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس کی دھجیاں اڑا دیں۔ اُس نے گٹھڑی برآمدے میں رکھی ہوئی بنچ پر پھینک دی اور اندر آ گیا۔

"بیٹھ جاؤ ــ میں تمھارے بُوٹ اُتار دوں"۔ الجینیا بولی۔

وہ نرم اور سفید ہاتھوں سے، جو محنت کے عادی نہ رہے تھے گرگیجی کے بوٹوں پہ زور آزمائی کرنے لگے۔ اُس کے گھٹنوں سے لپٹ کر رونے لگی اور دیر تک روتی رہی۔ گرگیجی خاموش رہا پھر بولا "کیا بات ہے؟ کیا تمھیں میری آمد سے خوشی نہیں ہوئی؟"

بستر پر پڑتے ہی اُسے نیند آ گئی۔ الجینیا نے بھی شب خوابی کا لباس پہنا اور سیڑھیوں پہ آ کے کھڑی ہو گئی۔ تیز اور خنک ہوا میں کھڑی رہی۔ شمالی ہوا کی نوحہ خوانی سنتی رہی۔ وہ بھیگے ہوئے کھمبے سے لپٹی رہی حتیٰ کہ سحر ہو گئی۔

۶

صُبح ہوتے ہی گرگیجی نے لمبا کوٹ کندھوں پہ ڈال لیا اور گھر کی طرف چلا۔ بوڑھا مالک سیڑھیوں میں کھڑا تھا "۔ اوہ ــ وہ آ رہا ہے سینٹ جارج کا تمغہ حاصل کرنے والا گھڑ سوار! اب تو تم مکمل مرد ہو چکے ہو۔" اُس نے گرگیجی کو سلام کیا اور ہاتھ بڑھا دیا۔

"کچھ دن ٹھہرو گے؟" اُس نے سوال کیا۔

"دو ہفتے ٹھہروں گا حضور!"

"تمھاری بچی...... مجھے بیحد افسوس ہے۔"

گریگر خاموش رہا۔ سیڑھیوں میں ایوجن نمودار ہوا۔ وہ دستانے پہن رہا تھا۔

"اوہ — تم تو گریگر ہو۔ کہاں سے آرہے ہو؟"

"چھٹی پر آیا ہوں ماسکو سے۔"

"تمھاری آنکھ میں زخم آیا تھا۔ میں نے تمھارے متعلق سُنا تھا۔ گریگر کس قدر بہادر لڑکا نکلا ہے ابا!" اس کے بعد اُس نے اصطبل کی طرف رُخ کر کے کوچبان کو آواز دی۔ "گھوڑے لاؤ — نکیتیچ!"

نکیتیچ گھوڑے گاڑی میں جوت چکا تھا۔ اُس نے گریگر کی طرف ایک معاندانہ نگاہ ڈالی اور گھوڑوں کو دُلکی چال چلاتا ہوا سیڑھیوں کے قریب لے آیا۔ کوچ کے ملکے پہیے بھڑ بھڑا رہے تھے۔

"حضور! اگر بُرا نہ مانیں تو پچھلے دنوں کی یاد میں مجھے اجازت دیجیے کہ آج میں کوچوانی کے فرائض سرانجام دوں" گریگر نے ایوجن سے اجازت طلب کی۔

"غریب کو شاید کوئی شک نہیں گزرا" ایوجن نے دل میں سوچتے ہوئے کہا "اچھا تو آج تمھیں چلو۔" اُسے اجازت مل گئی۔

"ابھی ابھی آئے ہو اور بیوی کو چھوڑ کر جا رہے ہو؟ بوڑھے لسنسکی نے حیرت کا اظہار کیا۔

گریگر ہنسا۔ "بیوی ریچھ تو نہیں ہوتی...... بھاگ تو نہ جائیگی۔" اُس نے جواب دیا۔

گریگر کوچوان کی نشست پر جا بیٹھا۔ چابک نیچے رکھ لیا اور لگامیں کھینچ لیں۔

"میں تمھیں آج تیز لے چلوں گا — ایوجن لسنسکی!!"

"تیز چلو گے تو چائے پینے کے لیے انعام بھی دوں گا" ایوجن نے جواب دیا۔

مجھ پر پہلے ہی تمہاری عنایت ہے۔ تمہارے ہاں مجھے پناہ ملی تھی پھر میری الکسینیا ہے جسے تم نے ...." گریگری کی زبان لڑکھڑا گئی اور ایوجین کے دل میں ایک مبہم سا شک بیدار ہوا۔

"اسے کچھ معلوم نہیں۔ یہ جان بھی کیونکر سکتا ہے؟ ۔ ہرگز نہیں اُسے کچھ بھی پتا نہیں"
ایوجین کوچ میں سوار ہو گیا اور اُس نے سگرٹ سلگالیا۔

"دیر نہ لگانا" بوڑھا لسنتکی بولا۔

گریگری نے لگامیں کھینچ لیں اور گھوڑوں کو تیز تر کر دیا۔ پندرہ منٹ کے بعد اُنھوں نے چٹان پار کر لی۔ اور گھر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ پہلی ہی پہاڑی پہ گریگری نشست سے چابک کھینچ کر نیچے کود پڑا۔

"کیا کر رہے ہو؟ ایوجین نے پوچھا۔

"ابھی بتاتا ہوں"

گریگری نے پوری طاقت سے چابک ایوجین کے چہرے پر برسایا پھر دستے سے پکڑ کر افسر کی مرمت کرنی شروع کر دی۔ اُس کی عینک ٹوٹ گئی۔ ایوجین کا ابرو کٹ گیا۔ پہلے پہل تو اُس نے چہرہ ہاتھوں سے چھپا لیا لیکن اب چابک کی ضربیں مدھم پڑ چکی تھیں۔ وہ گاڑی سے باہر کود پڑا۔ اُس کا چہرہ بگڑ چکا تھا۔ اُس سے خون بہہ رہا تھا۔ اُس نے بچاؤ کرنا چاہا لیکن اُس کا ہاتھ ضرب کاری کی وجہ سے مفلوج ہو چکا تھا۔

"یہ الکسینیا کے حصے کا۔ یہ میرے حصے کا۔ الکسینیا کا 'میرا' الکسینیا کا 'میرا'......"
چابک برس رہا تھا اور گریگری یہی الفاظ دُہرا رہا تھا۔ جیسے پہاڑے یاد کر رہا ہو۔ آخر اُس نے ایوجین کو نیچے گرا دیا اور بوٹ کی نوک سے اُس کی پسلیاں توڑنے لگا۔ جب اُس میں طاقت نہ رہی تو اُس نے گھوڑوں کا رُخ گھر کی طرف کر دیا اور انھیں بھگا دیا۔ اُچک کر کوچ میں سوار ہو گیا۔ جب کوچ دروازے میں داخل ہوئی تو وہ لپک کر غلام گردش کی طرف گیا۔ چابک

اُس کے ہاتھ میں تھا۔ دروازہ کھلا اور ایکسنیا نے مڑ کر دیکھا۔

"کتیا! بیسوا ......" چابک ایکسنیا پر برسنے لگا۔ اُس کے گالوں سے لہو بہنے لگا۔ گریگر پتلون کمر پر کھینچتا اور لمبے لمبے سانس لیتا ہوا احاطے میں آگیا۔ وہ ساشکا کا جواب دیے بغیر جاگیر سے باہر نکل آیا۔ ابھی اُس نے ایک میل کا فاصلہ طے کیا ہو گا کہ ایکسنیا نے آ سے آ لیا۔ وہ بھی لمبے لمبے سانس لے رہی اور اُس کی آستین کھینچ رہی تھی۔ کہ رہی تھی "گریگر! مجھے معاف کر دو ...."

گریگر کندھے جھٹکا رہا تھا۔ اُس نے کوٹ کے کان کھڑے کر لیے تھے۔ جیسے وہ سننا نہ چاہتا تھا۔ ایکسنیا پیچھے رہ گئی۔ اُس نے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اُس نے ایکسنیا کی کھلی ہوئی آغوش کی طرف نگاہ بھی نہ کی۔

۷

ٹاٹارسک گاؤں کے سامنے جو چٹان تھی اُس پر چڑھ کر اُس نے دیکھا کہ چابک ابھی تک اُس کے ہاتھ میں تھا۔ اُس نے اُسے پھینک دیا اور گاؤں کی طرف چل دیا۔ ہر گھر میں کھڑکیوں کے شیشوں کے ساتھ چہرے لگے ہوئے اُسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ ہر عورت اُس کے پاس سے گزرتی وہ تعظیماً جھک جاتی۔

اُس نے احاطے کے دروازے پر ایک سیاہ چشم خوبصورت لڑکی ہاتھ پھیلائے اپنی طرف آتی دیکھی۔ اُس نے باہیں اُس کے گلے میں ڈال دیں اور سینے پر سر رکھ کر رونے لگی۔ اُس کے رخسار ہاتھوں سے دباتے ہوئے اُس نے اُس کا سر اُٹھایا۔ یہ ڈونیا تھی۔

پنٹیلیمون لنگڑاتا ہوا سیڑھیوں پر آیا۔ گریگر ماں کو روتے ہوئے سُن رہا تھا۔ اُس نے بائیں ہاتھ سے باپ کو سینے سے لپٹا لیا۔ ڈونیا اُس کا دایاں ہاتھ چوم رہی تھی۔

سیڑھیوں پر وہی آشنا چرچراہٹ پیدا ہوئی اور اب وہ گھر میں تھا۔ بوڑھی ماں ایک جوان لڑکی کی سی تیزی اور پھرتی سے دوڑتی ہوئی آئی۔ اُس کا لمبا کوٹ آنسوؤں سے تر تھا۔ وہ

بیٹے سے لپٹتی ہوئی بیل کی طرح چمٹ گئی اور شفقت بھرے جملے کہنے لگی، ایسے الفاظ جن کا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا۔ دروازے میں نتاشا آ کھڑی تھی۔ اس پر غشی طاری ہو رہی تھی۔ گریگہ سے نگاہیں ملیں تو گر پڑی۔

۸

بستر میں پڑے ہوئے پنٹیلیمون نے بیوی کے کہنی مارتے ہوئے کہا "چپکے سے جاؤ اور دیکھو کہ دونوں اکٹھے سو رہے ہیں۔"

"میں نے اُن کا بستر اکٹھا ہی لگایا ہے۔"

"لیکن جا کر دیکھو تو سہی — !"

ایلنچنا اٹھی اور دروازے کی جھری میں سے جھانکنے لگی۔

"دونوں اکٹھے سو رہے ہیں" اُس نے اطلاع دی۔

"خدا بڑا رحیم و کریم ہے" ...... بوڑھا بڑبڑانے لگا۔ وہ اپنی کہنیوں کے بل بستر میں اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

تینتیس

۱

۱۹۱۶ء ــــ اکتوبر ــــ رات، بارش اور تیز ہوا ــــ خندقیں ــــ پولینڈ کے دلدلی علاقے میں خندقوں کا جال ــ آہنی باڑ ــــ خندقوں میں خون جما دینے والی سردی ــــ نگرانی کی چوکی کی ٹین کی چھت جھلملاتی اور جگمگاتی ہوئی۔ یہاں وہاں مدھم روشنیاں۔

ایک افسر کے زمین دوز غار کے داخلے پر ایک موٹے جسم کا افسر آکر رکا۔ اس کی انگلیاں بھیگے ہوئے لمبے کوٹ کے بندھنوں پر سے پھسل رہی تھیں۔ اس نے کالر پر پڑا ہوا پانی جھاڑا، بوٹ صاف کیے اور اندر داخل ہوا۔

مٹی کے تیل کے لیمپ سے زرد روشنی پھوٹ رہی اور اس کے چہرے پر تیل کی طرح چمکتی ہوئی پڑ رہی تھی۔ ایک سفید بالوں والا افسر اٹھا اور بولا "بارش ہو رہی ہے؟"

"ہاں" نو وارد بولا۔ اس نے لمبا کوٹ اتار دیا۔ دروازے کے پاس دیوار میں ایک کیل تھی۔ اس نے کوٹ کو اس سے ٹانگ دیا "یہاں تو گرمی ہے۔"

"ابھی ابھی آگ بجھی ہے لیکن تکلیف بہت ہے۔ فرش سے پانی نکل رہا ہے۔ بارش ہمیں کچھ نہ کرنے دیگی ــ تمہارا کیا خیال ہے بنچک؟"

بنچک بالوں والا ہاتھ رگڑتے ہوئے انگیٹھی پر جھک گیا۔ "اس میں تھوڑی سی لکڑیاں ڈال دو۔"

"ہم اپنے اپنے زمین دوز غاروں میں مزے سے ہیں۔ ہم تو ان میں ننگے پاؤں بھی چل پھر سکتے ہیں۔ لسنتسکی کہاں ہے؟"

"وہ سو رہا ہے۔ ابھی ابھی پہریداروں کے ساتھ واپس آیا ہے۔"

"اُسے جگا لو۔"

"جاؤ جگا لو ـــ اور اُس کے بعد شطرنج کی ایک بازی لگ جائے" بنچک نے کوٹ سے پانی جھاڑتے ہوئے آواز دی "ایوتِن لِسنسکی!"

"کیا ہے؟" ایوتِن نے کہنیوں کے بل ہو کر پوچھا۔

"شطرنج کھیلو گے؟"

ایوتِن بستر سے اُٹھا اور چھاتی ملنے لگا۔

۲

ابھی پہلی بازی ختم نہ ہوئی تھی کہ پانچویں کمپنی کے دو افسر کالمیکف اور چوباتف داخل ہوئے۔

"خبر ـــ تازہ خبر ـــ!" کالمیکف دہلیز سے گزرتے ہوئے بولا "بٹالین محاذ سے ہٹالی جائیگی۔"

"کہاں سے سُنکر آ رہے ہو؟" سفید بالوں والا لفٹننٹ مرکولاف بولا۔

"توپ خانے کے کمانڈار نے ابھی ٹیلیفون پر اطلاع دی ہے۔ اُسے کہاں سے پتا لگا ہے؟ وہ ڈویژنل حکام کے صدر مقام سے کل ہی لوٹا ہے۔"

"شکر ہے، نہانے کے لیے وقت تو ملے گا. . . . . ." چوباتف نے خوش ہو کر کہا۔

"یہاں تو سیل ہے ـــ چھبتی ہوئی سیل" کالمیکف نے شکوہ طرازی کی۔

"کیچڑ بھی تو ہے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ اس غار میں کیچڑ نہیں" بنچک بیچ میں کود پڑا تھا "دُوسرے ضلعوں میں گولہ باری بند نہیں ہوتی۔ ہم تو ہفتے میں ایک دفعہ گولیوں کی ایک لڑی ختم کر رہے ہیں۔"

"یوں بندھ کر بیٹھے رہنے سے تو حملہ کرتے رہنا ہی بہتر ہے۔"

"وہ کاسکوں کو جلد گولی کا نشانہ بننے نہیں دیتے کپتان مرکولاف!!"

"پھر ہمیں یہاں رکھا کس لیے گیا ہے؟"

"ہمیں یہاں اس لیے رکھا گیا ہے کہ جب ضرورت پڑے تو کاسکوں سے کام لیا جا سکے ۔ ان سے فائدہ اُٹھایا جا سکے ۔"

"پھر تم اپنی بدعت پھیلا رہے ہو" کالمیکف نے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا ۔

"یہ بدعت ہے کہ حقیقت ؟"

"حقیقت کیونکر ہوئی ؟"

"کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ حقیقت ہے ۔ تم کیوں نہیں تسلیم کرتے ؟"

"تیار ہو جاؤ دوستو ! اب ساتھی بنچک اپنی اشتراکیت ہمیں پلائیں گے ۔ اشتراکیت جوالف لیلہ کی داستان ہے ۔"

"تم شاید اشتراکیوں کو پسند نہیں کرتے" بنچک ہنسا "میں سچ کہتا ہوں ۔ جب سے خندقوں کی جنگ شروع ہوئی ہے کاسک پلٹنیں منتشر صورت میں ادھر اُدھر بکھری جا رہی اور ایک خاص مقصد کے لیے محفوظ کی جا رہی ہیں ۔"

"پھر ....." لِسنتکی نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا ۔

"پھر جب اضطراب پھیلے گا جس کا پھیلنا ناگزیر ہے کیونکہ فوجی جنگ سے تنگ آئے ہوئے ہیں کیونکہ آئے دن مفرورین کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے تو کاسک بغاوت فرو کرنے کے لیے طلب کیے جائیں گے ۔ حکومت کے ہاتھ میں کاسکوں کا پتھر ہے جو باغیوں پر پھینکا جائے گا ۔ اس پتھر سے انقلاب پسندوں کا سر کچلا جائے گا ۔"

"تمھارے مفروضے مستحکم نہیں" لسنتکی نے اعتراض کیا "حالات کی رَو کا اندازہ کرنا مشکل ہے ۔ اس کے متعلق پیش گوئی نہیں کی جا سکتی اور تم کیونکر کہہ سکتے ہو کہ اضطراب پھیلے گا اور انقلاب آئے گا ؟ چلیے فرض کیے لیتے ہیں کہ اتحادی جرمنوں کو تہ و بالا کر دیتے ہیں اور جنگ کا اختتام خوشگوار اور پُرمسرت طریق پر ہوتا ہے ۔ اُس وقت تم بتاؤ ، کاسکوں کو کیا درجہ دیا جائے گا ؟ اُن کے ذمے کیا فرائض ہوں گے ؟"

بنچک مسکرایا "ضروری نہیں کہ جنگ کا انجام ہر ایک کے لیے خوشگوار اور پُر مسرت ہو۔"
"تم چھٹی سے کب واپس آتے ہو؟"
"دو دن ہوئے" بنچک نے جواب دیا۔
"کہاں گزاری تھی تم نے چھٹی؟"
"پیٹرز برگ میں۔"
"وہاں حالات کیسے ہیں؟ خدا جانے کیوں مجھے پیٹرز برگ میں ایک ہفتہ گزارنے کی اجازت نہ ملی۔"
"شاید اس سے تمھیں کچھ تسکین ہو کہ پیٹرز برگ میں غذا کی بیحد قلت ہے۔ مزدوروں کے علاقے میں بھوک ہے، فاقہ کشی ہے، اضطراب ہے اور اُلجھن ہے۔"
"اس جنگ کا نتیجہ ہمارے حق میں اچھا نہ ہوگا ــــ تمھارا کیا خیال ہے حضرات؟" مرکولاف نے سوال کیا۔
"روس و جاپان کی جنگ نے ۱۹۰۵ء کے انقلاب کو جنم دیا تھا۔ یہ جنگ ایک نئے انقلاب پہ ختم ہو گی۔ انقلاب ہی پر ختم نہ ہو گی بلکہ خانہ جنگی پہ" ــــ بنچک نے جواب دیا۔
لسنتسکی دخل اندازی کرنا چاہتا تھا ــ لیکن وہ زمین دوز غار میں ٹہلنے لگا۔ اُس کی حرکات سے غیظ و غضب کا اظہار ہو رہا تھا۔
"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم میں اس جیسا افسر موجود کیوں ہے" اُس نے بنچک کی طرف اشارہ کیا "مجھے اُس کی موجودگی پر حیرت ہوتی ہے اور مجھے آج تک پتا نہیں چل سکا کہ اس شخص کا رویہ جنگ اور اپنے ملک کی بابت کیا ہے۔ کل یہی شخص کہہ رہا تھا کہ روس کو شکست ہونی چاہیے اور آج نیا راگ الاپ رہا ہے۔ کیا میں تمھیں سمجھ سکا ہوں بنچک؟"
"میں تو شکست کے حامیوں میں سے ہوں۔"
"مگر کیوں؟ ــــ میں تمھارے سیاسی نقطۂ نظر میں دلچسپی نہیں رکھتا لیکن یہ ضرور جاننا

چاہتا ہوں کہ تم شکست کے حامی کیوں ہو۔ کیا اس کا سبب بیان کر سکتے ہو۔ ایک شریف آدمی کے لیے ایسا خیال کرنا وجۂ ننگ ہو سکتا ہے۔"

"تمھیں یاد ہوگا کہ جمہوریۂ اشتراکیت کے ارکان نے حکومت کے خلاف مظاہرہ کیا تھا اور ایک تحریک کا بھی آغاز کیا تھا۔ انھوں نے اس حکومت کی شکست پر زور دیا تھا؟" مرکولاف نے وضاحت کی۔

"کیا تمھیں ان کے خیالات سے اتفاق ہے بنچک؟" لسنکی نے پوچھا۔

"اگر میں شکست کا حامی ہوں تو یہ میرا فرض ہے کیونکہ جمہوری اور اشتراکی بالشویک پارٹی کا رکن ہوں۔ ان کے خیالات سے اتفاق کرنا میرا فرضِ مقدم ہے۔ مجھے تو حیرت اس بات پر ہے ایوجن لسنکی کہ تم قابل ہوتے ہوئے بھی سیاسی طور پر کم علم واقع ہوئے ہو۔"

"سب سے پہلے میں شہنشاہیت کا سپاہی ہوں۔ اور وفادار سپاہی — میں جمہوریہ اشتراکیت کے نام سے بھی متنفر ہوں۔" لسنکی نے اعلان کیا۔

"سب سے پہلے تم کاٹھ کے اُلو ہو۔ اس کے بعد ایک وحشی اور درندہ صفت فوجی ہو۔" بنچک نے دل میں سوچا اور مسکرانے لگا۔

"ہم افسر ایک عجیب غریب مخمصے میں گرفتار ہیں" مرکولاف نے معذرت چاہتے ہوئے کہا "ہم سب سیاسیات سے علٰحدہ رہنا چاہتے ہیں یعنی ہم تو گاؤں کے نکڑ پر رہتے ہیں۔ ہنگامے سے دور۔"

کپتان کالمیکف مونچھوں پر تاؤ دے رہا تھا۔ اُس کی منگولی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ چوباف بستر پر لیٹا ہوا مرکولاف کی بنائی ہوئی تصویر دیکھ رہا تھا جو دیوار پر لٹک رہی تھی۔ ایک نیم برہنہ عورت کی تصویر تھی جو یونہی مسکرا کر اپنی ننگی چھاتیوں کو گھور رہی تھی۔ بائیں ہاتھ کی دو انگلیوں میں اس نے پستان کی نوک پکڑ رکھی تھی اور اُسے کھینچ رہی تھی۔ نیم وا پلکوں کے نیچے سایہ تھا اور اُس کی پتلیوں میں گرم گرم چمک تھی۔ ایک طرف اُس کے اُٹھے ہوئے شانے سے ریشمی رومال ڈھلکا جا رہا تھا۔ ہنسلیوں کے گڑھے میں ہلکا ہلکا سایہ تھا۔ انداز میں اتنی حقیقت اور اصلیت تھی کہ چوباف

مُسکرا رہا تھا اور خاموشی سے مرکولاف کے بنائے ہوئے نقش کی داد دے رہا تھا۔

"سچ کہتے ہو ــــ مرکولاف!" اُس نے محویت سے جاگتے ہوئے کہا اور تصویر سے نظریں ہٹا لیں۔ سگرٹ سلگاتے اور مسکراتے ہوئے لسنکی نے پہلے بنچک کی طرف پھر چپاف کی طرف دیکھا۔

"مرکولاف! تم ایک حقیقی مصور ہو ـ ـ ـ ـ" چپاف نے آنکھ ماری۔

"یہ تو ایک معمولی چربہ ہے ـ ـ ـ ـ ـ"

"چاہے ہمیں چند ہزار سپاہیوں سے ہاتھ اُٹھانا پڑے لیکن ہر شخص کا فرض ہونا چاہیے کہ وہ مادرِ وطن کو غلامی سے بچائے" لسنکی نے سگرٹ کا دھواں اُڑاتے ہوئے اور بنچک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مزدوروں کا کوئی وطن نہیں۔ صاف صحیح کے الفاظ میں کس قدر صداقت ہے۔ نہ ہمارا وطن کوئی تھا نہ اب ہے۔ اس ملک نے تمھیں خوراک دی ہے مگر ہم مزدور تو جنگل کے کیڑوں کی طرح پلتے رہے ہیں۔ ہم تم ایک ساتھ خوش حال نہیں ہو سکتے۔"

اُس نے جیب سے کاغذ کا پلندا نکالا اور اُن میں اُنگلیاں گھمانے لگا۔ پھر میز کے قریب جا کر اُس نے زدونگ کا اخبار پھیلا دیا۔ "کیا ایک اقتباس سنو گے؟" اُس نے لسنکی سے کہا۔

"کیا سنوں گا؟"

"جنگ پر لکھا ہوا ایک مقالہ ــــ میں بہت پڑھا لکھا نہیں۔ اس اقتباس میں وضاحت سے تمھارے سوالات پر بحث کی گئی ہے۔"

"بورژوائیت نے شاہی لوٹ کھسوٹ کا جامہ پہنتے ہوئے پرانی قومی زندگی کی تصورات کا سہارا لے کر عوام کو دھوکا دیا ہے۔ مزدور طبقے نے اس ریاکاری کو عیاں کر کے رکھ دیا ہے۔ یہ صدائے احتجاج بلند کر کے کہ شہنشاہیت پسندوں کو خانہ جنگی کی آگ میں جھونک دینا چاہیے۔ اس صدائے احتجاج نے شہنشاہیت پسندی کی ریاکاری کے پرخچے اُڑا دیے ہیں۔ یہ تبدیلی اتنی

اہم ہے اور اتنی دشوار کہ اس کا حصول اور اس کی کامیابی انفرادی جماعتوں کے سبب منشا ممکن نہیں۔ اشتراکیت پسندوں کو تمام تر توجہ اسی امر پہ صرف اور سرگرمیاں اسی امر کے حصول کے لیے وقف کر دینی چاہییں۔ قرضے کے لیے ووٹ نہ دینا چاہیے۔ جنگ جویانہ وطن پرستی کی حمایت نہ کرنی چاہیے۔ اس جائز اور قانونی کشمکش کو ترک نہ کر دینا چاہیے جسے بورژوائیت نے جنم دیا ہے۔ یہی وہ راستے ہیں جو خانہ جنگی کی منزل کی طرف جاتے ہیں۔ ہر جماعت کی نظر انھیں راستوں پہ ہونی چاہیے۔ یورپ کی نجات اسی خانہ جنگی میں مضمر ہے۔

"جنگ — کوئی حادثہ نہیں — کوئی گناہ نہیں"۔ عیسائی پادری یہی راگ الاپتے ہیں۔ وطن پرستی کا پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ امن اور انسانیت بھی سرمایہ داری کی ایک منزل ہیں۔ ایک سرمایہ دار کی زندگی کا اہم جزو ہیں۔ موجودہ جنگ عوام کی جنگ ہے۔ لیکن ہمیں اس رو میں بہ نہ جانا چاہیے۔ جنگ جویانہ وطن پرستی کا شکار نہ ہو جانا چاہیے۔ جنگ میں بھی جماعتی تفریق باقی رہتی ہے اور لوگوں کو کچلا جاتا ہے۔

"فوجی خدمت سے انکار کرنا اور جنگ پہ ضرب لگانا حماقت ہے۔ بورژوائیت کے خلاف ایک بودی جدوجہد کا اظہار ہے۔ مسلسل جنگ اور خانہ جنگی کے بغیر سرمایہ داری کی موت ممکن نہیں۔ ایک اشتراکی کا فرض ہے کہ وہ جماعتی جنگ کو جنگ کے دوران میں بھی فروغ دے۔ عوام کی جنگ کو خانہ جنگی میں تبدیل کر دینا ہی ایک اشتراکی کا فرضِ مقدم ہے۔ جب مختلف ممالک کے سرمایہ دار برسرِ جنگ ہوں تو ایک اشتراکی کا نعرہ خانہ جنگی ہونا چاہیے۔ ہر قیمت پہ امن کے حصول کی تمنا نہ کرنی چاہیے۔ خانہ جنگی کا جھنڈا لہرا دو۔ شہنشاہیت نے مغربی تمدن کو قماربازی قرار دے دیا ہے۔ اس جنگ کے بعد اگر انقلابات کا سلسلہ شروع نہ ہوا تو اور بھی جنگیں لڑی جائیں گی۔۔۔"

بنجک نے یہ اقتباس نہایت آہستہ آہستہ پڑھا تھا۔ جب وہ آخری فقروں پہ پہنچا تو اس کی آواز میں تیزی اور تندی سی آگئی۔

"اگر آج نہیں تو کل، اگر اس جنگ میں نہیں تو اگلی جنگ میں مزدوروں کی خانہ جنگی کا پر دلناری جھنڈا اپنے گرد ہزاروں، لاکھوں اور کروڑوں مزدوروں کو جمع کر لے گا اور وہ نیم بورژوا جماعت، جسے جنگ کا کوئی خطرہ نہ رہے گا، مزدوروں کو تعلیم دے گی، جگائے گی، منظم کرے گی اور بورژوائیت کے خلاف، اپنے ملک کی اور دوسرے ممالک کی بورژوائیت کے خلاف، تیاریوں میں مدد دیگی۔"

جب وہ اقتباس پڑھ چکا تو مجمع پر طویل خاموشی طاری ہو گئی۔ آخر مرکولاف نے پوچھا "یہ مقالہ روس میں تو نہیں چھپا؟"

"نہیں۔"

"کہاں چھپا ہے یہ مقالہ؟"

"جنیوا میں — جریدہ اشتراکیت جمہوریہ ۱۹۱۴ء کے تینتیسویں نمبر میں۔"

"یہ مقالہ کس نے لکھا تھا؟"

"لینن نے۔"

"وہ بالشویکوں کا قائد ہے نا؟"

بیچک نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے اخبار نہایت احتیاط سے جیب میں رکھ لیا۔ مرکولاف نے رکتے ہوئے لوفان کا منہ توڑ دیا۔

"لینن — لوگوں کو مسحور کرنے میں اس جیسا کوئی رہنما نہیں۔ خیر یہاں کیا، اس کی باتیں سننے کے لیے اور تھوڑے ہیں۔"

لسنسکی، جو بیحد مشتعل نظر آتا تھا، ادھر ادھر ٹہلنے لگا اس کونے سے اس کونے تک اس نے پھر نہایت حسین الفاظ کا مجموعہ ہونٹوں سے اگل دیا "ایک ایسے شخص کی زبان سے جسے وطن سے نکال دیا گیا ہو یہ وعظ کارگر نہیں معلوم ہوتا۔ اس حقیقت کے عہد میں پیش کوئی کامیاب نہیں ہو سکتی پھر جب اس قسم کی پیش گوئی ہو تو اسے قطعاً کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی۔

ایک سچا روسی ان ہوائی قلعوں کی طرف توجہ نہیں کرسکتا " عوام کی جنگ کو خانہ جنگی میں تبدیل کر دو " کس قدر مضحکہ خیز اعلان ہے !"

لسنکی نے ایڈ وسیکرٹری بنچک کی طرف دیکھا جو ابھی تک کاغذات پر جھکا ہوا تھا۔ لسنکی کا اشتعال تو ظاہر تھا لیکن وہ دھیمی آواز میں بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

" بنچک " کالمیکف نے ابتدا کی " ایک لمحے کے لیے لسنکی ۔۔ سنو بنچک ! ایک لمحے کے لیے مان لیتے ہیں کہ یہ جنگ خانہ جنگی میں تبدیل کر دی جاتی ہے ۔ شخصی حکومت کا خاتمہ ہو جاتا ہے ۔ یہ سب کچھ ہو جاتا ہے مگر یہ بتاؤ کہ اس کے بعد تم کونسی حکومت تعمیر کرنا چاہتے ہو ؟"

" مزدور طبقے کی حکومت ۔"

" کیا ایک پارلیمنٹ ..... ؟"

" نہیں ۔"

" تو پھر کونسی ؟"

" مزدور آمریت ۔"

" اب ہم سمجھے لیکن روشن خیال طبقہ ، کسان ؟ وہ کیا کریں گے ؟"

" وہ ہمارے نقش قدم پر چلیں گے ۔ ہمارا برتاؤ اُن سے یہی ہو گا ۔"

" اگر یہی حکومت قائم کرنی تھی تو تم بطور رضا کار بھرتی ہو کر کیوں آئے ۔ ان خیالات کے ہوتے ہوئے تم نے یہ قدم کیوں اٹھایا ؟ اور افسر کا منصب کیوں قبول کیا ؟ جنگ کے خلاف ہو ، اپنی جماعت کے انسانوں کی تباہی کے خلاف ہو ، پھر افسر بھی ہو عجیب قسم کے انسان ہو تم !" کالمیکف نے بوٹوں کے تلے پر تھپڑ مارتے ہوئے کہا ۔

" کتنے جرمن مزدوروں کو ہلاک کر چکے ہو مشین گن سے اس وقت تک " ؟ لسنکی نے سوال کیا ؟

بنچک ابھی تک کاغذات پر جھکا ہوا تھا ۔ اُس نے متانت سے جواب دیا " کتنے جرمن

مزدوروں کو مشین گن سے ہلاک کر چکا ہوں؟ واقعی یہ ایک سوال ہے۔ مجھے بطور رضا کار بھرتی ہو کر آنا پڑا۔ مجھے آنا ہی تھا۔ وہ معلومات، جو میں نے ان خندقوں میں حاصل کی ہیں ایک دن نہایت فائدہ مند ثابت ہونگی۔ سُنو:"

"جدید فوجی تنظیم کا جائزہ لو۔ یہ تنظیم کی ایک نادر الوجود مثال ہے۔ یہ تنظیم صرف انہیں معنوں میں نہایت اچھی ہے کہ یہ لاکھوں انسانوں میں ایک ہی سی رُوح پھونک دیتی ہے اُنھیں متحد کر دیتی ہے۔ آج لاکھوں انسان گھروں میں آرام سے بیٹھے ہیں۔ کل جنگی تیاریوں اور فوجی بھرتی کا حکم دیا جاتا ہے۔ کیا ہوتا ہے۔ وہ ایک مرکز پر فوراً اکٹھے کر لیے جاتے ہیں پھر وہ کئی سال خندقوں میں گزار دیتے ہیں۔ حملہ کرتے ہیں۔ وہ معجزنمائی کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ آج ہوتا ہے۔ کل کیا ہوتا ہے۔ میدان میں دادِ شجاعت دیتے ہیں۔ کارہائے نمایاں انجام دیتے ہیں۔ آج اُن کے دستے زمین میں بارود کی سُرنگیں بچھاتے ہیں۔ کل گولیاں اُگلتے ہوئے جہازوں کے نیچے میلوں کی مسافت طے کر لیتے ہیں۔ اُسی زمین پر رینگتی ہوئی ہمت میں سربلند ہو کر چلتے ہیں اور اسی کا نام ہے تنظیم!! جب ایک ہی مقصد، ایک ہی جذبے سے مشتعل ہو کر لاکھوں انسان مجلسی زندگی سے ہاتھ اُٹھا لیتے ہیں، سرگرمیاں تبدیل کر دیتے ہیں۔ ہتھیار بدل دیتے ہیں اور موت سے نبرد آزما ہونے کے لیے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ مزدور طبقہ، مزدور جماعت بھی اسی تنظیم کی قائل ہے۔ ایسی ہی تنظیم بورژوائیت کے خلاف کامیاب و بامُراد ہو سکے گی۔ ابھی فضا انقلاب کے لیے سازگار نہیں۔"

"فضا سے تمھاری کیا مُراد ہے؟" چوباف نے دخل اندازی کی۔

بنچک نے اُس کی طرف ایسے دیکھا جیسے وہ ابھی نیند سے بیدار ہوا ہے۔ اُس نے ابرو پر ہتھیلی رگڑی اور سوال سمجھنے کی کوشش کی۔

"میں پوچھ رہا ہوں کہ فضا سے تمھاری کیا مراد ہے؟"

"میں سمجھتا ہوں، میں سمجھتا ہوں لیکن میرے لیے اُس کی وضاحت ذرا مشکل ہے۔" بنچک

ایک بچے کی سی سادگی سے مُسکرایا۔ اس مُسکراہٹ سے اس کے بڑے اور گول چہرے پر سُورج کی سی تیز دُھوپ پھیل گئی" فضا سے مُراد ۔۔ حالات کی موافقت ہے ۔۔ سمجھتے ہو؟"

لسنکی نے ہاتھ ہلایا اور بولا "پڑھتے جاؤ۔"

"آج ایک انقلابی فضا موجود نہیں۔ عوام میں ہلچل کے آثار نہیں۔ شہنشاہیت پسندوں نے تمھارے ہاتھ میں رائے دہندگی کا پرزہ دے دیا ہے ۔۔ اسے لے لو۔ تنظیم کی بدولت اس سے دشمنوں کو ہلاک کرنا سیکھو۔ پارلیمنٹ میں جانے کی کوشش نہ کرو۔ اپنے آپ کو آرام دہ منصبوں پر فائز نہ کرو کیونکہ جو لوگ منصبی کرسیاں سنبھال لیتے ہیں۔ اُنھیں زنداں سے خوف آنے لگتا ہے۔ کل تمھیں وُہ موت اُگلتے ہوئے ہتھیار دیں گے' انھیں بھی لے لو تباہی اور بربادی کے ہتھیار بھی لے لو۔ اُن لوگوں کی باتوں پر توجہ نہ کرو جو جنگ سے خائف ہیں۔ دُنیا میں ابھی بہت سا تعفن باقی ہے جو تلوار اور آگ کے بغیر دُور نہیں کیا جا سکتا۔ مزدور طبقے کی نجات تلوار اور آگ ہی میں ہے۔ اگر عوام میں مایوسی اور ذلت کا احساس پیدا اور انقلابی فضا تعمیر ہو جائے تو ایسی تنظیم عمل میں لے آؤ جو اس سے بھی زیادہ تباہ کُن ہتھیار استعمال کر سکے۔ بورژوائیت اور حکومت کے خلاف ......"

دروازے پر دستک دخل انداز ہوئی۔ بنچک نے نگاہ اُٹھائی۔ پانچویں کمپنی کا سارجنٹ میجر داخل ہُوا۔

"حضور ۔۔ پلٹن کے حکام کی طرف سے اردلی آیا ہے۔"

کالمنگف اور چوباف لمبے لمبے کوٹ پہن کر چل دیے۔ مرکولاف تصویر بنانے بیٹھ گیا۔ لسنکی ایک گہرے سوچ میں ڈوب گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بنچک نے بھی اُن سے رخصت چاہی۔ وُہ خندقوں کی کیچڑ سے راستہ بناتا ہُوا روانہ ہُوا۔ اس کا بایاں ہاتھ لمبے کوٹ کا کالر پکڑے ہوئے تھا۔ دایاں ہاتھ کوٹ کی جیب میں تھا۔ ہوا سیٹیاں بجاتی گزر رہی تھی۔ چہرے پر ایک اُداس تبسم تھا۔ جب وُہ زمین دوز غار میں داخل ہُوا تو سر سے پاؤں

تک بھیگ چکا تھا اور مشین گن کے دستے کا کماندار غافل پڑا تھا۔ اُس کی شکل سے تین راتوں کی مسلسل بیداری ظاہر تھی۔ تین راتیں اُس نے جوا کھیلنے میں بسر کر دی تھیں۔ بنچک نے اس تھیلے میں جو اس کے پاس اِس زمانے سے تھا جب اُس نے ناٹک بن کر ملازمت شروع کی تھی، ہاتھ ڈال دیا اور کچھ ٹٹولنے لگا۔ اُس نے بکھرے ہوئے کاغذوں کو ترتیب دے کر انھیں آگ لگا دی۔ اُس نے جیب میں گوشت کے دو ڈبے اور ریوالور کی کچھ گولیاں ڈالیں اور چل دیا...... وُہ اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ کھُلے ہوئے دروازے سے ہوا آئی۔ کاغذ اُڑے اور لیمپ بجھ گیا۔

۳

بنچک کی روانگی کے بعد لسنسکی خاموشی میں اِدھر اُدھر گھومتا رہا پھر میز کے گرد بیٹھ گیا۔ مرکولاف ابھی تک تصویر بنا رہا تھا۔ اُس کے موقلم کی نوک کے نیچے بنچک کا چہرہ سفید کاغذ پہ بنتا جا رہا تھا۔

"بڑا مضبوط چہرہ ہے اس کا" مرکولاف نے رائے زنی کی۔

"تمھارا کیا خیال ہے"؟ ایوجن نے کہا۔

"شیطان ہی جانے.... لیکن عجیب انسان ہے۔ آج تو اُس نے کوئی راز نہ چھپایا۔ اب تو وُہ بالکل کھُل کھیلا ہے۔ اس سے پہلے تو میں سوچا رہتا تھا خدا جانے کون ہے بنچک! میں اُس کے متعلق کوئی اندازہ کرنے سے قاصر تھا۔ تمھیں شاید معلوم ہو۔ کاسکوں میں وُہ بےحد ہر دلعزیز ہے۔ خاص طور پر مشین گن کے دستے میں ــ تم نے کبھی غور کیا ہے ؟"

"ہاں ہاں، کیوں نہیں"؟ لسنسکی نے جواب دیا۔

"مشین گن کے دستے کا ہر آدمی بالشویک ہے۔ اُس نے انھیں مسحور کر لیا ہے۔ آج تو میں حیران رہ گیا۔ اُس نے اپنا ارادہ ظاہر کر دیا۔ خدا جانے کیوں اُس نے ایسا

کیا؟ وہ جانتا ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی اُس کا ہم خیال نہیں پھر بھی وہ نڈر ہے۔ تم جانتے ہو کہ وہ بیوقوف نہیں، بے حد خطرناک انسان ہے۔"

بنچک کے رقیبے پر خیال آرائی کرتے ہوئے مرکولاف نے تصویر ایک طرف پھینک دی اور شب خوابی کا لباس پہننے لگا۔ اُس نے جرابیں انگیٹھی کے اوپر لٹکا دیں۔ گھڑی کو چابی دی اور لیٹ کر سگریٹ پینے لگا۔ وہ جلد ہی سو گیا۔ لِسنتکی سٹول پر بیٹھ گیا۔ اُس نے بنچک کی تصویر کی پشت پر لکھنا شروع کیا:

"حضورِ عالی!

وہ مفروضے، جو میں نے آپ کی خدمت میں پہلے ارسال کیے تھے، اب پایۂ ثبوت کو پہنچ چکے ہیں۔ ان کی تصدیق ہو چکی ہے۔ میری پلٹن کے افسروں کی موجودگی میں (کپتان کالمیکف، لفٹنٹ چوباف اور لفٹنٹ مرکولاف بھی اس وقت حاضر تھے) خدا جانے کن اسباب کی بناء پر بنچک نے اپنے ارادوں کا اظہار کیا۔ اُس نے مقاصد کی تکمیل کے نظامِ عمل کی وضاحت کی۔ اپنے سیاسی عقائد کا بھی اظہار کیا۔ میں بے خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ وہ اپنی جماعت کی ہدایات پر عمل کر رہا تھا۔ اُس کے قبضے میں ناجائز اور خلافِ قانون کاغذات بھی تھے۔ کسی شک وشبہ کے بغیر کہا جا سکتا ہے کہ بنچک جو سرگرمیاں جاری رکھ رہا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ بھرتی بھی اسی غرض سے ہوا ہے اور مشین گن کا دستہ سب سے پہلے اُس کے خطرناک مقاصد کا شکار ہوا ہے۔ اُس میں وہ زہر پھیلا چکا ہے۔ ان لوگوں کو اُس نے بدظن کر دیا ہے۔ اُس کا خطرناک رسوخ پلٹن کو متاثر کر رہا ہے۔ فوجی خدمات کے انجام دینے سے فوجیوں کے انکار کی بیشمار مثالیں موجود ہیں۔ میں ڈویژنل حکام کو پہلے ہی مطلع کر چکا ہوں۔ وہ ابھی ابھی چھٹیاں گزار کر آیا ہے اور ممنوع مسودات کا انبار بھی ساتھ لایا ہے۔ وہ اپنی تحریک کو زور شور سے چلانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ واقعاتِ مذکورہ کے پیشِ نظر میں ان نتائج پر پہنچا ہوں:

۱۔ بنچک کا جرم پوری طرح ثابت ہو گیا ہے۔

۲۔اس کی سرگرمیاں روکنے کے لیے لازم ہے کہ اُسے گرفتار کر کے فوراً فوجی عدالت میں پیش کیا جائے۔

۳۔مشین گن کے دستے توڑ کر مختلف پلٹنوں میں تقسیم کر دیے جائیں۔جو زیادہ خطرناک ہیں ان سے ہاتھ دھو لیے جائیں اور باغیوں کو یا تو عقب میں بھیج دیا جائے یا دوسری پلٹنوں میں بانٹ دیا جائے۔

میری خدمات کا خیال رکھا جائے۔میں نے شہنشاہ کی اور ملک کی خدمت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔"

کپتان ایوجن لسنسکی
قطعہ نمبر ۷
۲۔نومبر ۱۹۱۶ء

۴

دوسرے دن علی الصبح لسنسکی نے ناشتا کرنے کے بعد اپنی رپورٹ اردلی کے ہاتھ ڈویژنل حکام کو بھجوا دی۔خندقوں کے پھیلتے ہوئے کناروں پر دھند کے چیتھڑے چھائے ہوئے تھے جیسے باڑھ کے تاروں پر اٹک گئے ہوں۔خندقوں میں کیچڑ کئی انچ تک بھر چکی تھی۔کاسک بھورے اور میلے برتنوں میں چائے اُبال رہے تھے۔کاسکوں نے لمبے کوٹ پہن رکھے تھے۔وہ کھڑے کھڑے سگرٹ پی رہے تھے۔ان کی بندوقیں خندقوں کی دیواروں سے لگی ہوئی تھیں۔

"کتنی دفعہ تمھیں کہا گیا ہے کہ لوہے کی چادروں پر آگ نہ جلایا کرو لیکن سؤر کے بچّو تم باز نہیں آتے؟" ایوجن نے ان کے نزدیک آ کر کہا۔

اُن میں سے دو تو اُٹھ کھڑے ہو گئے اور دوسرے سگرٹ پیتے رہے۔ان میں سے ایک سیاہ فام کاسک جس کے ایک کان میں بالی لٹک رہی تھی، لوہے کی چادر پر لکڑیاں رکھتے ہوئے بولا "ہم خود نہیں چاہتے کہ لوہے کی چادر پر آگ جلائیں لیکن دیکھیے تو سہی خندق میں کس قدر

کیچڑ جمع ہو گئی ہے۔ اس پر آگ جلائے بغیر گزارہ بھی نہیں حضور!"

"لوہے کی چادر فوراً نکال لو۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم یہاں بھوکے بیٹھے رہیں۔ کیا یہی مطلب ہے آپ کا؟" چیچک کے داغوں والا ایک کاسک بول اٹھا۔ اس نے افسر کی طرف نگاہ بھی نہ کی۔

"میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ آگ کے نیچے سے لوہے کی چادر نکال لو۔" ایوتچن نے اپنے بوٹ سے ایندھن دور پھینک دیا۔

وہ کاسک، جس نے کان میں بالی پہن رکھی تھی، برتن سے پانی باہر پھینکتے ہوئے بولا "دوستو! تم چائے تو پی چکے!"

کاسکوں نے جاتے ہوئے کپتان کی طرف خاموشی سے دیکھا۔ ڈاڑھی والے کاسک کی آنکھوں میں آگ روشن تھی۔ لسنتسکی کو راستے میں مرکولاف مل گیا جو لمبے لمبے سانس لے رہا اور گھر کے تیار کیے ہوئے تمباکو کا دھواں چھوڑ رہا تھا۔ وہ ایوتچن کو ایک طرف لے جا کر بولا "کچھ سنا تم نے؟ ___ کل رات بنچک فرار ہو گیا۔"

"بنچک کیا کہا ___ پھر سے تو کہو۔"

"کل رات بنچک فرار ہو گیا..... سمجھتے ہو؟ مشین گن کے دستے کے کمانڈر نے بتایا ہے کہ وہ ہم سے ملنے کے بعد واپس نہیں آیا۔ میرے خیال میں وہ ہمارے خیمے سے باہر جاتے ہی کہیں چلا گیا ہو گا۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

لسنتسکی عینک کے شیشے صاف کرتا اور ناک سکوڑتا رہا۔

"میرے خیال میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں صدمہ پہنچا ہے۔"

"کیا تم ہوش میں ہو؟ مجھے صدمہ کیوں پہنچنے لگا؟ میں تو یہ خبر سن کر انگشت بدنداں رہ گیا ہوں۔"

۵

دو دن کے بعد سارجنٹ میجر گھبرایا ہوا السنکی کے پاس آیا اور بڑی رکاوٹ کے بعد وہ اس قدر کہہ سکا:

"آج صبح حضور۔۔۔! کاسکوں کو خندقوں میں یہ کاغذ ملے ہیں اور یہ کاغذ خطرناک ہیں حضور! میں نے یہی مناسب سمجھا کہ آپ کو مطلع کر دوں۔"

"کیسے کاغذ۔۔۔؟" السنکی نے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

سارجنٹ میجر نے کاغذات اس کے ہاتھ میں دے دیئے۔ السنکی پڑھنے لگا۔

"تمام ممالک کے پرولتاریو۔۔۔ متحد ہو جاؤ!

رفیق سپاہیو!

"اس جنگ کے دو سال ختم ہو چکے ہیں۔ دو سال سے تم خندقوں میں ٹھٹھر رہے ہو۔ دوسروں کے مفاد کی خاطر جان لڑا رہے ہو۔ ان کے مفاد کی حفاظت کر رہے ہو۔ دو سال سے مزدوروں اور کسانوں کا خون بہے جا رہا ہے۔ ہزاروں، لاکھوں انسان ہلاک و مجروح ہو چکے ہیں۔ ہزاروں لاکھوں یتیم ہو چکے ہیں۔ لاکھوں دلھنیں بیوہ ہو چکی ہیں۔ یہ سب اس خوفناک قتل و غارت کے وحشتناک نتائج! تم کس لیے لڑ رہے ہو؟ کس کے مفاد کی حفاظت کر رہے ہو؟ حکومت زار نے لاکھوں سپاہی اس لیے محاذِ جنگ میں جھونک دیئے ہیں کہ نئی نئی سرزمینیں فتح کی جائیں۔ دوسرے ممالک کے غریب انسانوں کی زمین چھین لی جائے۔ جس طرح پولینڈ اور دوسری اقوام کا ملک چھین لیا گیا ہے۔ دنیا کے کارخانہ دار دنیا کی تجارتی منڈیوں کی تقسیم تلوار کے ذریعے سے کر رہے ہیں اور تم ان کے مفادات کی خاطر قربان ہو رہے ہو۔۔۔ جانیں دے رہے ہو اور مزدور بھائیوں کا خون بہا رہے ہو۔

"تمہارے بھائیوں کا بہت سا خون بہہ چکا! جاگو، مزدورو اور کسانو! جاگو۔۔۔! جرمن اور آسٹروی سپاہی تمہارے دشمن نہیں۔ تمہارا دشمن تو تمہارا اپنا زار ہے۔ تمہارے اپنے کارخانہ دار

ہیں۔ زمیندار ہیں اور تمھارے اپنے سرمایہ دار ہیں۔ جرمن اور آسٹریا کے سپاہیوں کے گلے مل جاؤ۔ تاروں کی باڑ پرسے جس نے تمھیں ایک دوسرے سے سرکس کے پنجروں کے درندوں کی طرح علیحدہ کر رکھا ہے باہم ہاتھ ملاؤ۔ تم سب محنتی اور مزدور بھائی ہو۔ شخصی حکومت مردہ باد ــ جنگ شہنشاہیت مردہ باد ــ !!

دُنیا کے تمام ممالک کے مزدوروں کا اتحاد زندہ باد!!"

لسنگتی نے اشتہار غضب آلود ہوکر پڑھا۔ "ابتدا ہو چکی ہے" اُس نے خیال کیا۔ اُس کی نفرت بیدار ہو چکی تھی۔ اُس نے فوراً پلٹن کے کمانڈار کو اس دریافت کی اطلاع دی۔

"اس بارے میں حضور کی ہدایات کیا ہیں؟" اُس نے پوچھا

"سارجنٹ میجر کو ساتھ لے کر افسروں کے ہمراہ جامہ تلاشی کرو۔ ہر ایک کی جامہ تلاشی لو افسروں کی بھی۔ میں آج ہی ڈویژنل حکام سے کہتا ہوں کہ پلٹن محاذ سے ہٹا لی جائے۔ اگر جامہ تلاشی لیتے وقت کوئی نئی چیز تمھارے ہاتھ آئے تو مجھے فوراً اطلاع دینا۔"

"میرے خیال میں مشین گن کے دستوں کی کارروائی معلوم ہوتی ہے۔"

"اگر تمھارا خیال یہی ہے تو میں اُس دستے کے کمانڈار کی بھی جامہ تلاشی لینے کا حکم دیتا ہوں۔"

لسنگتی نے زمین دوز غار میں افسروں کو جمع کرتے ہوئے انھیں پلٹن کے کمانڈار کا حکم سنایا۔

"کس قدر اُجڈپن ہے!" مرکولاف بولا "کیا ہمیں ایک دوسرے کی جامہ تلاشی لینی ہوگی؟"

"لسنگتی! سب سے پہلے تمھاری باری ہے۔"

"نہیں، قرعہ اندازی کرلو۔"

"مذاق چھوڑو" لسنگتی نے جواب دیا "واقعی بڈھے نے زیادتی کی ہے۔ ہماری پلٹن کے افسر تو سیزر کی بیوی سے بھی وفادار ہیں۔ بنچک صرف ایک ایسا آدمی تھا لیکن وہ مفرور ہے۔

ہمیں کاسکوں کی ضرور جامہ تلاشی لینی چاہیئے۔ کوئی سارجنٹ میجر کو بلا لائے۔"

سارجنٹ میجر ایک بوڑھا کاسک سینے پر تمغوں کی تین قطاریں ہلاتا ہوا داخل ہوا۔ وہ کھانسا اور افسروں کا منہ تکنے لگا۔

"کون کون سے مشتبہ کاسک ہماری پلٹن میں ہیں؟ تمھارے خیال میں یہ اشتہار کس نے تقسیم کیے ہوں گے؟" ایوجن نے سوال کیا۔

"ہماری کمپنی میں تو کوئی نہیں حضور!" سارجنٹ میجر نے جواب دیا۔

"لیکن یہ اشتہار تو ہماری کمپنی ہی کی خندقوں میں پائے گئے ہیں۔ کیا کسی دوسری کمپنی سے کوئی آدمی ہماری کمپنی میں آیا تھا؟"

"نہیں حضور!"

"تو چلو، ہر شخص کی جامہ تلاشی لی جائے گی" مرکولاف نے ہاتھ ہلایا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ جامہ تلاشی شروع ہوئی۔ کاسکوں کے جذبات ــــ کا اتار چڑھاؤ قابلِ دید تھا۔ اُن میں سے بیشتر حیرت کا اظہار کر رہے تھے اور بیشتر افسروں کی طرف دیکھ کر خوفزدہ ہو رہے تھے۔ دوسرے ہنس رہے تھے۔ جامہ تلاشی کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ فقط ایک کاسک کے پاس اس اشتہار کی ایک نقل تھی اور وہ بھی اُس کے لمبے کوٹ کی جیب میں پڑی تھی۔

"تم نے اسے پڑھا تھا؟" مرکولاف نے سوال کیا۔

"نہیں، میں نے اسے سگرٹ سُلگانے کے لیے اُٹھا لیا تھا" کاسک سر جھکا کر مسکرانے لگا۔

"مسکرا کیوں رہے ہو؟" لسنتسکی چلّایا اور اُس کی طرف بڑھا۔ عینک کے نیچے اُس کی آنکھیں بُری طرح جھپک رہی تھیں۔

کاسک کا چہرہ تمتما اُٹھا اور مسکراہٹ ہوا کے تنکے کی طرح اُڑ گئی۔

"معاف کیجیے حضور! میں تو پڑھ بھی نہیں سکتا۔ میں نے تو اسے اس لیے اٹھا لیا تھا کہ سگرٹ بنانے کے لیے میری پاس کوئی کاغذ نہ تھا۔ یہ یہاں پڑا تھا، میں نے اُٹھا لیا۔"

کاسک جھنجلا کر سگرٹ پینے اور دھوئیں کے بڑے بڑے چکر بنانے لگا۔

لسنسکی نے تھوکا اور مڑ کر چل دیا۔ دوسرے افسر بھی اس کے پیچھے قطار میں چلے گئے۔

۶

دوسرے دن پلٹن واپس ہو گئی اور محاذِ جنگ سے کوئی سات میل پیچھے جا کر ٹھہری۔ مشین گن کے دو دستے گرفتار کر لیے گئے۔ اُن پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔ اُن میں سے بیشتر فوجی دوسری پلٹن میں تبدیل اور بیشتر کاسکوں کی کمپنیوں میں منتشر کر دیے گئے۔ کاسکوں نے محاذ سے ہٹ کر مُنہ ہاتھ دھویا اور حجامت بنائی۔ خندقوں میں حجامت بنانے کا طریقہ مختلف تھا۔ شعلے سے بال جلا دیے جاتے اور جلے ہوئے بالوں پر گیلا تولیا پھیر دیا جاتا۔ یوں حجامت بن جاتی۔ اس طریقے کو "سؤر کی کھال اُتارنے" کا نام دیا جاتا۔

پلٹن آرام کر رہی تھی اور کاسک مطمئن نظر آتے تھے۔ اُن پر مسرت آگیں کیفیت طاری تھی لیکن لسنسکی اور دوسرے افسروں کو معلوم تھا کہ یہ کیفیت عارضی ہے اور نومبر کے خوشگوار دن کی طرح تیزی سے گزر جانے والی ہے۔ جب کبھی محاذِ جنگ کو واپسی کی افواہ گرم ہوتی چہروں کے آثار تبدیل ہو جاتے۔ بداعتمادی، اضطراب اور بدتمیزی کا دور پھر سے شروع ہو جاتا۔ تھکن اور اُکتاہٹ کاسکوں پر دباؤ ڈالتی اور ان میں اخلاقی تلوّن اور بے حسی پیدا ہو جاتی لسنسکی کو معلوم تھا کہ اس کیفیت میں انسان خطرناک سے خطرناک اقدام کر سکتا ہے۔ ۱۹۱۵ء میں اُس نے فوجیوں کی ایک کمپنی پر بھی اسی رنگ کا عالم طاری دیکھا تھا جو پانچ دفعہ محاذ پر بھیجی گئی تھی جسے شدید نقصان اُٹھانا پڑا لیکن حکام کی طرف سے حکم آتا تھا کہ پھر حملہ کرو، پھر حملہ کرو۔ مٹھی بھر سپاہی جو بچے تھے، وہ محاذ سے ہٹنے لگے۔ لسنسکی کی کمپنی کو انھیں روکنے کا حکم دیا گیا۔ کاسکوں نے انھیں روکنا چاہا لیکن ان سپاہیوں نے گولیاں چلا دیں۔ اُن میں سے صرف ساٹھ بچے تھے۔ لسنسکی نے دیکھا کہ انھوں نے وحشت ناک شجاعت اور بےخوف دلیری کا مظاہرہ کیا۔ موت اُن کے لیے بچّوں کا کھیل ہو گئی تھی۔

لسنتگی کی لوح حافظہ پر وہ واقعہ ثبت تھا اسی لیے وہ کاسکوں کے چہروں کا اُتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا۔ وہ ڈر رہا تھا کہ کبھی دن وہ بھی انکار نہ کر دیں اور مڑ کر اپنی ہی فوجوں پر نہ ٹوٹ پڑیں۔ جب اُن کی نگاہیں اس کی نگاہوں سے ملتیں تو اُسے اس بات کا پختہ یقین ہو جاتا۔

آغازِ جنگ سے اب تک کاسکوں میں نمایاں تبدیلی آچکی تھی۔ اب اُن کے گیت بھی بدل چکے تھے۔ وہ نئے تھے جنھیں اس جنگ نے جنم دیا تھا، جن سے غم اور اُداسی ٹپکتی تھی جب کبھی لسنتگی اس کارخانے سے گزرتا جس میں کمپنی آرام کر رہی تھی تو وہ ایک اُداس اور غمناک گیت سنتا۔ لسنتگی کھڑا ہو کر سننے لگتا اور گیت کی درد ناکی اس پر چھا جاتی۔ اُس کا دل دھڑکنے لگتا۔ لسنتگی دُور دُور تک خزاں کی پژمردگی کا نظارہ کرنے لگتا۔

کمپنی کے ستانے کے دوران میں لسنتگی نے صرف ایک دفعہ شجاعت آفریں گیت سنا تھا اور وہ بھی پرانا۔ وہ شام کی سیر سے واپس آرہا تھا۔ جب وہ کارخانے کی چھت کے قریب سے گزرا تو اُسے چند بدمست آوازیں سنائی دیں۔ نشے میں بدمست کاسک گا رہے تھے۔ اُس نے اندازہ کیا کہ سارجنٹ میجر کوٹیروس کے گاؤں میں رسد لانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ وہ ناجائز شراب ساتھ لے آیا ہوگا اور اُس نے کاسکوں کی دعوت کر دی ہوگی۔ آج وہ ہنس رہے اور لڑ رہے تھے۔ وہ دُور تک گیت کا کیف آفریں ترنم سنتا رہا۔

وہ سُن کر مسکرایا اور اپنے قدموں کی چاپ گیت کی تال سم سے ملانے کی کوشش کی۔ "میرا خیال نہیں کہ توپ خانہ کاسکوں سے زیادہ گھر کے لیے تڑپ رہا ہو" اُس نے سوچا۔ لیکن استدلال اُسے بتا رہا تھا کہ توپ خانے کے سپاہی بھی مرد ہیں۔ وہ کاسکوں سے مختلف تو نہیں البتہ کاسک اپنے جذبات کا مظاہرہ اعلانیہ کرتے تھے۔ ان کی فوجی خدمت نے انھیں مسلسل نقل و حرکت کی عادت ڈال دی تھی اور اب

وہ دو سال سے خندقوں میں بند تھے اس لیے بیزاری انتہا پر تھی۔ وہ ایک جنگجو قوم تھے۔ کسانوں اور مزدوروں کی سی آن میں کوئی عادت نہ تھی۔

شاید لسنکی کو دھوکا دینے کے لیے ایک عجیب غریب آواز نے نیا گیت شروع کر دیا۔ دوسرے کاسکوں نے اس کی آواز اٹھانی شروع کر دی۔ ایک دفعہ پھر لسنکی نے کاسکوں کی تمنائیں اُبلتی ہوئی دیکھیں:

"نوجوان افسر خدا سے دُعا مانگتا ہے۔
نوجوان کاسک گھر جانے کے لیے چھٹی مانگتا ہے۔

"اوہ نوجوان افسر—!!
مجھے گھر جانے دے۔
گھر جانے دے مجھے نوجوان افسر—!
میں باپ سے ملوں گا۔
باپ اور ماں سے ملوں گا
اور جوان بیوی سے"

چوبیس

۱

ولاڈی میر سے کافل تک کے علاقے میں خاص الخاص فوج سرگرم تھی۔ یہ خاص فوج تیرھویں پلٹن تھی۔ چونکہ اس فوج کے سپاہی اور جرنیل ایک متوہم تعصب کا شکار تھے۔ اس لیے اسے 'خاص فوج' کا نام دیا گیا تھا۔ ۱۹۱۶ء کے آغاز اکتوبر میں تجاویز تیار کی گئیں کہ پیش قدمی اس علاقے سے کی جائے۔ توپخانے کی مدد سے حملے کی تیاریوں کی ابتدا کی گئی۔

خاص فوج کے حکام نے پیش قدمی کے لیے اس کے دو ڈویژن محاذِ جنگ میں جھونکنے کا فیصلہ کیا۔ ان دو ڈویژنوں میں تین سو اٹھارھواں دستہ چرنوگارسک پلٹن سے تبدیل ہو کر آیا تھا۔ یہ پلٹن دریائے سٹوک ہوڈ سے راتوں رات ہٹائی گئی تھی۔

دُوسرے دن صبح پلٹن ایک جنگل میں پھیلا دی گئی اور کچھ خالی کھوؤں میں دبکا دی گئی۔ فرانسیسی طریق یلغار سکھایا گیا یعنی حملے کے وقت فوج چھوٹے چھوٹے دستوں میں تقسیم کر دی گئی۔ تین دن تک فوج جنگلوں میں سے گزرتی رہی۔ ہر طرف دھند مسلط تھی۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ تمام سپاہی بھیگ چکے تھے اور اُن پر پژمردگی طاری تھی۔ وہ اس گاؤں کے قریب پہنچ گئے جہاں سے جارحانہ حملے کا آغاز ہونا تھا۔ چند روز آرام کیا اور ایک فانی سفر کی تیاری کرنے لگے۔

۲

اسی اثنا میں کاسکوں کی بھی ایک خاص کمپنی 'خاص فوج کے حکام کی سرکردگی میں میدانِ جنگ کی طرف کوچ کر رہی تھی۔ اس کمپنی میں تاتارسک گاؤں کی دوسری محفوظ فوج تھی۔ اس

کمپنی میں ٹنڈے ایلگزی تشامیل کے دونوں بھائی تھے۔ مِل کا انجنیئر ایوان ایلگزی وچ تھا جو ازرتیف تھا اور بہت سے اور بھی تھے۔

۱۹ اکتوبر کو علی الصباح یہ کمپنی اُسی گاؤں میں جہاں چرنوگارسک فوج کا دستہ پہنچ چکا تھا پہنچ گئی۔ اُس دستے کے سپاہی جھونپڑوں سے نکل نکل کر سڑک پر جمع ہو رہے تھے کاسکوں کی قطار سڑک کی بائیں طرف باندھی گئی۔ ایوان ایلگزی وچ اگلی قطار میں تھا اور سر جھکائے چل رہا تھا۔ توپ خانے میں سے کسی نے آواز دی۔ اُس نے مڑ کر دیکھا۔

"میرے پرانے دوست ایوان ......

ایک ننھے قد کا سپاہی قطار توڑ کر اُس کی طرف دوڑتا آرہا تھا۔

"کیا مجھے پہچانا نہیں، اس قدر جلد بھول گئے؟"

بڑی مشکل سے ایوان نے دیلیٹ کو پہچانا کیونکہ اُس نے ڈاڑھی بڑھالی تھی۔

"تم کہاں سے ٹپک پڑے؟" اُس نے پوچھا۔

"میں تین سو اٹھارھویں چرنوگارسک پلٹن میں ہوں۔ مجھے اپنے کسی پرانے دوست سے ملنے کی توقع نہ تھی۔"

ایوان، دیلیٹ کا چھوٹا اور گندہ ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے مسکرایا۔ دیلیٹ کاسکوں کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اُس نے ایوان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ اُس کی ننھی ننھی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

"حملے کے لیے جا رہے ہیں ...."

"ہم بھی جا رہے ہیں۔"

"کہو ۔۔ مزاج کیسا ہے؟"

"کوئی نئی بات نہیں ....."

"یہاں بھی وہی حال ہے۔ ۱۹۱۴ء سے خندقوں میں بند ہوں۔"

سٹاک ہین کو بھولے تو نہیں۔ یاد ہے نا۔ وہ تھا کام کا آدمی — اگر وہ ہوتا تو کسی بات کی فکر نہ تھی۔"

"سٹاک ہین کو — اور میں بھلا دوں؟ ناممکن" ولیٹ بولا "میں اسے تو اپنے باپ سے بھی زیادہ جانتا اور یاد رکھتا ہوں۔ اس کے متعلق کچھ سنا؟"

"وہ سائبیریا میں ہے" ایوان نے سرد آہ بھری

"وہ کیوں؟" ولیٹ نے پوچھا جیسے اسے اس انکشاف پر اعتبار نہ آیا ہو۔

"جیل میں سڑ رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب تک بیچارا مر چکا ہوگا۔"

ولیٹ ایک۔ دو لمحوں کے لیے خاموش ہوگیا۔ اس نے مڑ کر کمپنی کی طرف دیکھا۔ پھر ایوان کی ٹھوڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا "خدا حافظ!!"

"مجھے توقع نہیں کہ ہم پھر باہم مل سکیں گے۔"

بائیں ہاتھ سے کاسک نے ٹوپی اتاری اور جھک کر اس نے بازو ولیٹ کے کندھوں کے گرد ڈال دیے۔ ان دونوں نے بڑی شدت سے ایک دوسرے کو پیار کیا جیسے ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے سے جدا ہو رہے ہوں پھر سر جھکا کر اپنے اپنے راستے پر ہو لیے۔ ولیٹ کا سر اس کے سینے پر جھکا۔ گیا اس کے لمبے کوٹ سے اس کے کانوں کے سرے ہی نظر آ رہے تھے۔ وہ رو رہا تھا۔

ایوان الیگزی ویچ قطار توڑ کر اس کے قریب آیا اور بولا "میرے بھائی! تم تو دلیر تھے، نڈر تھے، یہ کیا کر رہے ہو؟"

ولیٹ نے بھیگا ہوا چہرہ ایک طرف کر لیا۔ اس نے غصے سے قمیص کے بٹن کھول دیے اور بولا "میں دلیر تھا، طاقتور تھا لیکن انھوں نے مجھے کچل دیا ہے.... انھوں نے بوڑھے گھوڑے کو موت کے غار میں دھکیل دیا ہے!"

اس نے کچھ اور بھی کہا لیکن کاسک کمپنی سڑک سے گلی میں مڑ کر غائب ہو چکی تھی۔

۳

گاؤں سے باہر جونہی کاسکوں نے قدم رکھا وُہ زخمی ہو ہو کر گاڑیوں میں محاذ سے واپس کیسے جانے لگے۔ پہلے پہل تو ایک ایک اور دو دو کی تعداد میں واپس ہوتے رہے پھر ان سے گاڑیاں کھچا کھچ بھری ہوئی آنے لگیں۔ گھوڑیوں کو انھیں کھینچنا دشوار ہو جاتا۔ اُن کی پیٹھ پر چابکوں کے نشانوں میں ہر قدم پر اضافہ ہوتا جاتا۔ وُہ بمشکل گاڑیاں کھینچ سکتیں۔ ان میں سے بہت سی گھوڑیاں گر پڑتیں اور دوبارہ نہ اُٹھتیں۔ گاڑیوں میں بھرے ہوئے زخمی کراہتے اور ایک دُوسرے کی مدد کرتے ہوئے سسکتے رہتے۔

کاسکوں کی کمپنی کو سڑک سے ہٹا کر جنگل میں داخل کر دیا گیا۔ شام تک انھیں تاڑ کے درختوں کی آڑ لینی پڑی۔ بارش اُن کے کالروں سے برکپڑوں کو بھگو رہی تھی۔ انھیں سگرٹ تک سلگانے کا حکم نہ تھا۔ اندھیرا ہوا تو انھیں خندقوں میں پہنچا دیا گیا۔ خندقیں گہری نہ تھیں۔ آدمی کی اونچائی تک مشکل سے ان کی گہرائی پہنچتی تھی۔ ان میں پانی جمع تھا۔ خندق سے گزرنے کے بعد کمپنی کو پھر جنگل میں داخل ہونا پڑا۔ کاسک ہنسی مذاق سے ایک دُوسرے کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ دفعۃً کسی نے سیٹی بجانی شروع کر دی۔

اب وُہ مُردوں کی بچھی ہوئی قطاروں پر سے گزر رہے تھے۔ لاشیں ایک دُوسری پر شرمناک اور وحشتناک انداز میں پڑی ہوئی تھیں۔ اُن لاشوں پر ایک فوجی بندوق ہاتھ میں لیے ہوئے پہرہ دے رہا تھا۔ کاسکوں کو لاشوں کے قریب لے جایا گیا۔ کمپنی کے کمانڈر نے کمپنی کو رُک جانے کا حکم دیا۔ اُس نے پہریدار سے کچھ باتیں کیں اور چند منٹ تک اُس سے محوِ گفتگو رہا۔ کاسکوں نے قطار توڑ دی اور وُہ لاشوں پر سے چھلانگیں مارتے ہوئے انھیں گہری نظروں سے دیکھنے لگے۔ انھوں نے سر سے ٹوپیاں اُتار لی تھیں۔ اُن کے اندر انسانی درماندگی کار فرما تھی۔ مُردوں کو دیکھنے کا اشتیاق ـــ لاشوں میں سپاہی افسر بھی تھے۔ مُردوں میں نوجوانوں کی تعداد زیادہ تھی۔ بیس بائیس سال کے نوجوان سپاہی۔ اُن میں سے ایک افسر تھا جو بوڑھا تھا۔ اُس کا مُنہ کھلا

تھا۔ شاید آخری چیخ پر اُس کا دم نکل گیا تھا۔ اُس کی مونچھوں کے موٹے موٹے گچھے لٹک رہے تھے۔ چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ اُن میں سے دو تین کے سر ننگے تھے۔ کاسک مُردوں کی طرف استعجاب وحیرت سے دیکھ رہے تھے۔ اُن کی نگاہیں ایک افسر کی لاش پر جمی ہوئی تھیں جو مرنے کے بعد حسین دکھائی دیتا تھا۔ وُہ چت لیٹا ہُوا تھا۔ اُس کا بایاں بازُو سینے پر تھا۔ دائیں ہاتھ میں پستول تھا۔ کلائی پر خراش کا نشان تھا۔ شاید کسی نے اُس کے ہاتھ سے پستول چھیننے کی کوشش کی تھی۔ لیکن پستول اُس کے ہاتھ میں کھُب گیا تھا اور وُہ اسے چھڑا نہ سکے تھے۔ اُس کے بھُورے بالوں پر ٹوپی ترچھی رکھی ہوئی تھی۔ دائیں ہاتھ پر اُس کا چڑوسی اوندھے مُنہ لیٹا ہُوا تھا۔ پنڈلیوں پر سے لمبا کوٹ اُٹھا ہُوا تھا۔ اُس کے سر پر بھی ٹوپی نہ تھی۔ قریب ہی ایک گھٹیلے جسم کا افسر پڑا تھا۔ جس کا قمیص چاک اور پتلون پھٹی ہوئی تھی۔ جبڑا ٹوٹا ہوا تھا۔ خوبصورت اور نظر فریب خط وخال کا لڑکا۔۔۔! مشین گن کی گولیوں نے اُسے چھلنی کر دیا تھا۔ اُس کے سینے پر چار گولیوں کے نشان تھے اور جلا ہُوا جسم کوٹ کے سوراخوں میں سے نظر آ رہا تھا۔ اُس کا مُنہ کھُلا تھا۔

"وُہ موت میں کس کو پکار رہا تھا؟ شاید ماں کو" ایوآن سوچنے لگا۔ پھر اُس نے مُنہ پھیر لیا جیسے وہ اندھا ہو گیا ہو۔

کاسک یہ نظارہ دیکھ کر اپنی اپنی جگہ واپس آ گئے۔ ان پر خاموشی مسلّط ہو چکی تھی۔ وُہ ذہن سے یہ نقش دھو ڈالنا چاہتے تھے۔ یہ ہولناک منظر فراموش کر دینا چاہتے تھے۔ خاصی دیر کے بعد وُہ زہن دوز غاروں کے سامنے کھڑے کر دیے گئے۔ جنگل کو تاریکی نے آغوش میں لے لیا تھا۔ ہوا بادلوں کو اس طرح چھیدنے لگی تھی کہ دُور آسمان پہ ستارے آنکھ مچولی کھیلنے لگے تھے۔ کمپنی کے کمانڈر نے افسروں کو غار میں بلوایا اور اُنھیں حکّام اعلیٰ کا حکم سنا دیا۔

۴

کاسک غاروں میں ابھی سستا رہے تھے کہ جرنو گارسک پلٹن بھی آگئی۔ جنگل میں گولے ہر طرف بکھرے ہوئے تھے۔ فوجی بڑی احتیاط سے کام لیتے اور راستہ ٹٹولتے ہوئے بڑھ رہے تھے۔ ولیتسٹ کمپنی کی قطار میں دائیں طرف سب سے آخر میں تھا۔

"اے پڑوسی!" کوئی اس کی بائیں طرف سے پکارا۔

"کہو۔"

"اچھی طرح تو ہو؟"

"اچھی طرح"۔ ولیتسٹ لڑکھڑا گیا اور گولے کے خول پر بیٹھ گیا، جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔

"گھپ اندھیرا ہے" بائیں طرف سے دھیمی آواز آئی۔

ایک لمحے تک وہ ایک دوسرے کو دیکھے بغیر چلتے اور سرگوشیاں کرتے رہے۔

"چلو، اکٹھے چلیں۔"

دونوں چپ چاپ پانی سے بھرے ہوئے گڑھے بڑی احتیاط سے زمین پر رکھتے ہوئے چلتے رہے۔ یکایک بادلوں کے پیچھے سے چاند نمودار ہوا اور اس نے روشنی پھیلا دی۔ مدھم اور زرد روشنی۔ ان دونوں نے تیز قدم اٹھانے شروع کر دیئے تاکہ دوسروں سے جا ملیں لیکن چاند پھر چھپ گیا تھا۔ ہر طرف وہی گھپ اندھیرا چھا گیا تھا۔

"آؤ لگے ہاتھوں غاروں کو دیکھ ڈالیں۔ شاید کھانے کو کچھ مل جائے۔"

"اچھا چلو۔"

"تم دائیں کو جاؤ اور میں بائیں کو چلتا ہوں۔"

ولیتسٹ نے دیا سلائی جلائی اور دائیں طرف کو جو پہلا غار نظر آیا اسی کے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ دفعتہً اچھل کر باہر آ گیا۔ اندر دو مردے ایک دوسرے سے بغلگیر پڑے تھے۔ تین غاروں میں سے کھانے کے لیے کچھ برآمد نہ ہوا۔ چوتھے غار کا دروازہ

کھولا۔ ایک آواز سن کر اس پر غشی طاری ہو گئی۔

"کون ہے؟"

ویلیٹ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"آٹو — کیا تم ہو؟ — اتنی دیر کہاں رہے؟" جرمن نے سوال کیا۔ پھر وہ اٹھا اور اس نے لمبا کوٹ پہنا۔

"ہاتھ اوپر کر لو — اوپر کر لو ہاتھ — ہتھیار پھینک دو" ویلیٹ نے پُر تحکم لہجے میں کہا۔

جرمن حیرت زدہ رہ گیا۔ اس نے ہاتھ آہستہ آہستہ اوپر اٹھا لیے کیونکہ ویلیٹ کی نوکِ شمشیر اس کے سینے کے سامنے تھی۔ اس کے بڑے بڑے ہاتھ سر کے اوپر لرز رہے تھے۔ ویلیٹ اپنی جگہ کھڑا رہا۔ وہ طویل القامت جرمن کو استعجاب کے عالم میں دیکھ رہا تھا۔ اس کی وردی کے بٹن جگمگا رہے تھے۔ یکایک اس نے رویہ بدل دیا اور کچھ کہے بغیر جرمن کی طرف بڑھا۔

"بھاگ جاؤ —" اس نے کہا "بھاگ جا — اے جرمن — بھاگ جا — میں تیرا دشمن نہیں" اس نے بندوق دیوار کے سہارے رکھ دی۔ دایاں ہاتھ جرمن کی طرف بڑھایا۔ جرمن کو یقین ہو گیا کہ ویلیٹ ایک بے ضرر انسان ہے۔ جرمن ویلیٹ کی باتیں سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔

ویلیٹ جرمن کی سرد انگلیاں دبانے لگا۔ پھر اس نے ہتھیلی کا مظاہرہ کیا "میں مزدور ہوں" ویلیٹ بولا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی "میں تمہیں کیوں ہلاک کروں؟ بھاگ جاؤ" اس نے جرمن کو دروازہ دکھاتے ہوئے کہا "بھاگ جاؤ" بے خوف نہ ہو ہماری فوج یہاں آ رہی ہے۔"

جرمن، ویلیٹ کی طرف گھورتا اور اس کی باتیں سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔ وہ یونہی چند لمحوں تک کھڑا رہا۔ یکایک اس کے لبوں پر ایک مسرت آگیں تبسم آ گیا۔ ایک قدم پیچھے ہٹ کر اس نے ہاتھ پھیلا دیے اور ویلیٹ سے بغلگیر ہو گیا "اوہ! تم مجھے آزاد کر رہے ہو۔ میں اب سمجھا تم ایک روسی مزدور ہو۔ جمہوریہ اشتراکیت کے رکن — ہاں تم میرے بھائی ہو۔ میں تمہارا یہ

احسان کبھی فراموش نہ کروں گا۔ تم بہت اچھے نوجوان ہو۔"

غیر زبان کے الفاظ میں اُسے جمہوریہ اشتراکیت کا لفظ سمجھ میں نہ آسکا۔ اُس کے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے ویلیٹ بولا "ہاں ہاں میں جمہوریہ اشتراکیت کا رُکن ہوں۔ ٹھیک کہہ رہے ہو اچھا تو اب بھاگ جاؤ۔۔۔۔ خدا حافظ میرے بھائی! لاؤ ہاتھ ملاؤ۔ ہم تم دونوں بھائیوں کی طرح جُدا ہوں گے۔"

وُہ ہاتھ اور ایک دُوسرے کی آنکھوں سے آنکھیں ملاتے کھڑے تھے۔ وُہ دونوں ایک دوسرے کو سمجھ گئے تھے۔ تفریق مٹ چکی تھی۔ کدورت دُھل گئی تھی۔ جرمن بولا "آئندہ جماعتی جنگ میں ہم دوش بدوش لڑیں گے۔ ہم ایک ہی خندق میں ہونگے" پھر وُہ ایک درندے کی طرح چھلانگ مار کر غائب ہوگیا۔ چند لمحوں کے بعد روسی فوج داخل ہوئی۔ اُن کے آگے زیکوسلواکیہ کا فراولی وسنہ تھا۔ اُنھوں نے ویلیٹ کے ساتھی پر جب وُہ خندق سے باہر نکلا گولی چلائی "دیکھتے نہیں میں روسی ہوں" اُس نے جواب دیا۔

۵

سحر سے پہلے جرمنوں کی ایک دیکھ بھال کی چوکی سے ایک فراولی وسنے کی مُٹھ بھیڑ ہوگئی۔ جرمنوں نے گولیاں برسائیں۔ اُنھوں نے دو مرتبہ اُن پر گولیوں کی بوچھاڑ کی۔ ابھی یہ گولیاں چلنی بند نہ ہوئی تھیں کہ جرمن توپخانے نے گولہ باری شروع کر دی۔ پھٹتے ہوئے گولوں کی آواز دُور سے آ رہی تھی۔ شاید سٹوخود دریا کے پرلے کنارے کی طرف سے یہ گولے برسائے جا رہے تھے۔ پہلے ہی گولے کی آواز پر ایک دستے کے پیچھے روسی فوج نے اپنے آپ کو زمین پر گرا دیا۔ گولے جب پھٹتے، اُن سے شعلے نکلتے۔ اُسکی روشنی میں ویلیٹ نے دیکھا کہ سپاہی کیڑوں مکوڑوں کی طرح رینگ رہے ہیں۔ حملے کا خیال بھول چکا تھا۔ وُہ پناہ لینے کے لیے جھاڑیوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جہاں کہیں پتھر نظر آتا سب کے سب اُسکی آڑ لینے کے لیے اُس کی طرف بڑھتے۔ مشین گن کی گولیاں برسات کے مینہ کی بوندوں کی طرح جنگل میں گر رہی تھیں۔ کاسکوں کے سر جھکے ہوئے تھے۔ وُہ ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر بڑھ رہے تھے۔ سانپوں کی طرح لکیریں پیچھے چھوڑتے جا رہے تھے۔ اکثر دل نے اُٹھ کر

واپس بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ سیٹی بجاتی ہوئی گولیاں جنگل کا سینہ چھید رہی تھیں۔

خندقوں کی دُوسری قطار تک پہنچنے کے لیے چرنوگارسک کی کمپنی کو سترہ آدمیوں کا نقصان ہو چکا تھا۔ اُن سے کچھ دور کاسکوں کی خاص فوج جمع ہو گئی تھی۔ اُس نے احتیاط سے کام لیا تھا۔ کاسکوں نے جرمنوں کو پیچھے سے جا لیا ہوتا لیکن دُشمن چوکنا ہو چکا تھا۔ وُہ پیچھے بھاگتا ہوا گولیاں برسا رہا تھا۔ حریف نے دو کاسکوں کو بھی ہلاک کر دیا تھا۔

آدھ گھنٹے کے بعد نیا حکم آیا۔ توپ خانے نے گولہ باری سے پیش قدمی کے لیے راستہ تیار کر دیا تھا۔ کاسکوں اور چرنوگارسک کمپنی کے سپاہیوں کو ایک دفعہ پھر حملہ کر کے دُشمن کو اگلی خندقوں سے نکالنا تھا۔

پچّیس

۱

دریائے سٹوخود کے بیس میل جنوب کی طرف میدانِ کارزار گرم تھا۔ تین ہفتوں تک توپ خانے کی گرج بند نہ ہوئی تھی۔ رات کو آسمان کھوج روشنی کی کرنوں سے جلوہ زار بن جاتا اور دیکھنے والوں کے دلوں میں اضطراب پیدا ہو جاتا۔

اسی اثنا میں بارھویں کاسک پلٹن جس میں گریگر بھی تھا ایک خوفناک مورچہ سنبھالے ہوئے تھی۔ دن کو گولی کبھی کبھی چلائی جاتی۔ رات کو کاسک تاش کھیلتے یا سو جاتے۔ پہریدار رات بھر روشنیوں کا تماشا دیکھتے رہتے۔

ایسی ہی ایک چمکتی ہوئی اور دھندلی رات کو، جب آسمان بار بار جگمگا اٹھتا تھا، گریگر خار چھوڑ کر خندق سے ہوتا ہوا جنگل میں آ گیا۔ وہ کھلی ہوئی اور خوشبودار زمین پر کھڑا رہا۔ خار میں حبس تھا۔ ہر طرف کاسے تمباکو کا دھواں پھیلا رہتا تھا۔ لیکن جنگل میں ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ جس میں اَن دیکھے پرندے پھڑپھڑا رہے تھے۔ گھاس سے اُداس اور ناگوار بو اُڑ رہی تھی۔ شمال میں قطبی ستارہ ٹمٹما رہا تھا۔

گریگر نے ستارے کی طرف دیکھا۔ اس کی برفیلی روشنی مدھم اور زرد آنکھوں میں چبھ رہی تھی۔ پلکوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ ذہن پر گزشتہ برسوں کی یادیں اُبھرنے لگیں۔ اُس نے اُس رات کا واقعہ یاد کیا۔ جب وہ ایکسینیا کے ہاں یگوڈنو گیا تھا۔ اس کے [illegible] ہوتے خط و خال اُسے یاد آ رہے تھے۔ اُس کے دل میں ٹیس اُٹھ رہی تھی۔ آخری دفعہ دھڑکتے ہوئے دل سے اُس نے چہرے کی تصویر بنائی جسے وہ آخری بار دیکھ کر آیا تھا۔ اُس کے گال پر چابک کا

نشان اُس کے دل کی خراش بن رہا تھا لیکن حافظہ ایک اور چہرے کی بھی تصویر بنا رہا تھا جو مدھم اور دھلکی ہوئی تھی۔ آخر یہ تصویر مٹ گئی۔ ایجینیا اب وہ دوبارہ سامنے آ گئی تھی۔ اُس کی سیاہ آنکھوں میں آگ جل رہی تھی۔ اُس کے احمریں لب اُس سے سرگوشیاں کر رہے تھے اور وہ آہستہ آہستہ آنکھیں پھیر رہی تھی۔ اُس کا سر اُس سے دور تھا۔ اُس کی گردن پر گھونگھریالے بالوں کے دو گچھے لٹکتے نظر آ رہے تھے۔ وہ ان بالوں سے کس قدر کھیلا کرتا تھا!

گرنگر کانپ اُٹھا۔ ایک لمحے کے لیے تو اُسے ایسا معلوم ہوا کہ ایجینیا کے بالوں کی خوشبو بھی آ رہی تھی۔ مگر نہیں یہ تو گرتے ہوئے پتوں کی خوشبو تھی۔ اب ایجینیا کا چہرہ ڈوبتا ہوا دکھائی دیا اور یکا یک معدوم ہو گیا۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اُس نے زمین کے کھردرے جسم پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا اور تاروں کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھتا رہا۔ قطبی ستارہ آسمان کی وسعت پر ایک منجمد تیتری کی طرح نظر آ رہا تھا۔

اب ایجینیا کی جگہ دوسری یادوں نے لے لی تھی۔ اُسے وہ ہفتے یاد آ رہے تھے جو اُس نے ایجینیا سے دامن چھڑانے کے بعد ٹاٹارسک میں گزارے تھے۔ وہ راتیں جس میں نتالیا کی ہوس کارانہ آغوشیاں اُس کی پہلی دوشیزہ سرد مہری کی کمی پوری کرتی رہی تھیں کنبے کا ہمدردانہ رویہ اور گاؤں کی عزت افزائی — گاؤں کے لوگوں نے اپنے پہلے رسالچی کو سینٹ جارج کا تمغہ ملنے پر قدردان نگاہوں سے دیکھا تھا۔ لوگوں کو حیرت تھی کہ کیا یہ وہی گرنگر ہے جو ایک کھلنڈرا لڑکا تھا۔ بوڑھے اُس سے اس طرح پیش آتے تھے جیسے وہ اُن کا ہم عمر ہو۔ عورتیں اور دوشیزائیں تعریفی نگاہوں سے اُس کے سینے پر آویزاں تمغہ دیکھتیں۔ اُس نے دیکھا تھا کہ اُس کا باپ کس قدر مفتخر تھا لیکن اُس کی تعریف و توصیف سے اُس کے دل پر کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ گرانزا نے اُس کے دل میں صداقت کا بیج بو دیا تھا۔ گرنگر ایک مختلف حیثیت میں ٹاٹارسک گیا تھا اور جب وہ وہاں سے واپس

آیا تھا وہ ایک مختلف انسان تھا۔ ان کاسک روایات کو جنہیں اُس نے بچپن میں بہت عزیز رکھا تھا اب تیز اب سے زیادہ زنگ دیکھ رہا تھا۔ ان کی جگہ اب بہت بڑی انسانی صداقت نے لے لی تھی۔

"مجھے پتا تھا کہ تم ایک نہایت اچھے کاسک بنو گے" بوڑھے پنٹیلیمون نے کہا تھا "جب تم بارہ مہینے کے تھے تو میں تمہیں احاطے میں لے گیا تھا اور جب تمہیں گھوڑی کی ننگی پیٹھ پر بٹھایا تو تم نے اس کی ایال پکڑ لی تھی۔ میں نے اُسی دن کہہ دیا تھا کہ تم بڑے ہو کر ایک بہت اچھے کاسک بنو گے اور بن گئے ہو۔" بوڑھے باپ نے اُس کی پیٹھ ٹھونکی تھی۔

گریگری محاذ پر ایک نہایت اچھا کاسک ہو کر لوٹا تھا لیکن اُس کے ذہن میں جنگ اب بھی بیکار اور بے سود بن کر رہ جاتی تھی۔ ان باتوں کے باوجود وہ کاسک وقار کی حفاظت کرتا رہا تھا۔

مئی ۱۹۱۵ء میں تیرھویں جرمن پلٹن کامیابی پر کامیابی حاصل کرتی اور مشین گنوں سے آگ اگلتی ہوئی پیش قدمی کر رہی تھی۔ روسی بھی مشین گنیں لے کر مقابلے پر اُتر آئے تھے۔ بارھویں کاسک پلٹن کو جرمنوں کے حملے کی شدت روکنی پڑی۔ دریا کے ایک طرف کاسکوں کے گھوڑے تھے اور دوسری طرف جرمن۔ گولیوں کی بوچھاڑوں اور چمکتے ہوئے شعلوں میں جنگل نہا رہا تھا۔ کاسکوں نے حملہ بول دیا تھا۔ گریگری نے بندوق کے دستے سے ایک جرمن لفٹنٹ کو سر کے بل گرا دیا تھا اور تین دوسرے جرمنوں کو قیدی بنا لیا تھا۔

جولائی ۱۹۱۵ء میں اُس نے آسٹرویوں کے ہاتھوں سے اپنا چھینا ہوا توپ خانہ واپس لیا تھا۔ اسی جنگ میں وہ آسٹرویوں کے پیچھے پہنچ گیا تھا اور اُس نے مشین گن سے اُن پر گولیاں برسائی تھیں۔ پیش قدمی کرتے ہوئے آسٹرویوں نے راہ فرار اختیار کر لی تھی۔ ایک افسر کو اُس نے یہاں بھی قیدی بنا لیا تھا۔ اُسے اُٹھا کر گھوڑے کی کاٹھی پر اس طرح رکھ لیا تھا جیسے وہ ایک بھیڑ ہو۔

گریگری لیٹے لیٹے یہ تمام واقعات ذہن میں دُہرا رہا تھا۔ ایک اور واقعہ بھی اُس کی نگاہوں کے سامنے تھا جس میں اُس کے جانی دُشمن سٹیپن سے اُس کی مُٹھ بھیڑ ہوئی تھی۔ بارھویں پلٹن محاذ سے ہٹ کر رومانیہ کے محاذ پر پھینک دی گئی تھی۔ کاسک گھوڑوں نے جرمنوں کے کمپنیوں کو تہ و بالا کر دیا تھا۔ سڑک کے کنارے ٹوٹی پھوٹی دیواریں اور دھوئیں سے سیاہ چھتیں ملتی تھیں

کاسکوں نے کھنڈروں میں تیزی پیدا کردی تھیں۔ سٹولی پن کے گاؤں کے قریب اُس کی پلٹن سنایتیو ڈان کار سک پلٹن سے جا ملی تھی۔

گریگری کو وہاں اپنا بھائی پیوتڑا ایک لمحے کے لیے نظر آیا تھا۔ اُس نے سٹیپن کو بھی دیکھا اور گاؤں کے دُوسرے باشندوں کو بھی۔ جب بارہ کمپنیاں ایک دُوسری کے پیچھے حملہ کر رہی اور دشمن کا حلقہ توڑنے کی فکر میں تھیں تو گریگری نے مُڑ کر دیکھا کہ سٹیپن اپنے ہلاک شدہ گھوڑے کے نیچے آ گیا۔ خدا جانے کس خیال کے زیرِ اثر گریگری گھوڑا دوڑاتا ہوا اُس کے نزدیک آیا اور بولا "میری رکابیں پکڑ لو۔"

سٹیپن رکاب دوال پکڑ کر گریگری کے گھوڑے کے ساتھ آدھ میل تک دوڑتا چلا گیا۔ "تیز نہ دوڑو۔۔۔ تیز نہ دوڑو، خدا کے لیے تیز نہ دوڑو۔" وہ التجا کر رہا تھا۔

اُنھوں نے جرمنوں کا حلقہ نہایت کامیابی سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ دفعتاً ایک گولی سٹیپن کے آ کر لگی اور وہ دھم سے زمین پر آ رہا۔ ہوا گریگری کے سر سے ٹوپی اُڑا لے گئی۔ اُس نے دیکھا کہ سٹیپن لنگڑاتا ہوا جھاڑی کی طرف جا رہا ہے۔ اُس نے ٹوپی اُتار لی اور بیٹھ کر پتلون کے بٹن کھولنے لگا۔ گریگری کو معلوم ہو گیا تھا کہ سٹیپن مرنا نہ چاہتا تھا، زندہ رہنا چاہتا تھا۔ وہ پتلون اس لیے اُتار رہا تھا کہ اُسے معلوم تھا کہ جرمن کاسک کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔ گریگری نے نازک حالت کا اندازہ کرتے ہوئے جھاڑی تک اُس کا تعاقب کیا۔ وہ گھوڑے سے کُود کر نیچے آ گیا۔

"میرے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ" اُس نے سٹیپن کو حکم دیا۔

سٹیپن کی آنکھ میں ایک ناقابلِ فراموش جھلک تھی۔ اُس نے اُسے گھوڑے پر چڑھنے میں مدد دی۔ وہ اُس کے ساتھ دوڑنے لگا اور لگام پکڑے رہا۔ گولیاں اُن کے سروں پر سے گزرتی رہی تھیں۔

جنگل میں پہنچ کر سٹیپن گھوڑے سے نیچے اُتر آیا اور لنگڑانے لگا۔ اُس کے دایاں پاؤں کے

بوٹ سے خون بہہ رہا تھا۔ ہر قدم پہ سُرخ رنگ کی ایک لہر بوٹ کے تلے سے نکلتی تھی۔ وہ برگد سے لگ کے کھڑا ہو گیا۔ اُس نے گریگری کو اشارے سے پاس بلایا "میرا بوٹ خون سے لبریز ہے۔"

گریگری خاموش تھا اور اُس کی طرف گھور رہا تھا۔

"گریگری آج جب حملہ ہو رہا تھا۔ سن رہے ہو گریگری! آج جب حملہ ہو رہا تھا تو میں نے پیچھے سے تم پہ تین دفعہ گولی چلائی تھی۔۔۔ لیکن خُدا نے تمہیں ہلاک نہ کرنے دیا۔"

اُن کی نگاہیں ملیں "تم نے میری جان بچائی ہے لیکن میں اکسینیا کی وجہ سے تمہیں کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ گریگری! مجھے زیر بار احسان نہ کرو۔۔۔۔ میں تمہیں معاف نہیں کر سکتا۔"

"میں تمہیں زیر بار احسان نہیں کرتا" گریگری نے جواب دیا۔ جب وہ جُدا ہوئے تو ابھی تک ایک دُوسرے کے دشمن تھے۔

مئی میں پلٹن دشمن کے عقب میں پہنچ کر اسے موت کی نیند سُلا رہی تھی۔ لفاف کے مقام پہ گریگری نے کمپنی کی کمان خود سنبھال لی تھی اور آسٹروی توپ خانے کو مار بھگایا تھا۔ ایک مہینے کے بعد ایک رات اُس نے بگ دریا پار کیا تھا اور دشمن کے پہریدار کو گرفتار کر کے اُسے رسیوں میں جکڑ لیا تھا۔

گریگری نے نہایت دلیری سے کاسک وقار کا تحفظ کیا تھا۔ اُس نے ہر موقع پر انسانی شجاعت اور انسانی قوت کا مظاہرہ کیا تھا۔ کئی مرتبہ اُس نے جان جوکھوں میں ڈال دی تھی۔ کئی بار وردی بدلی تھی اور دشمن کے عقب میں چلا گیا تھا۔ بارہا اُس نے دشمن کی چوکیاں چھین لی تھیں۔ وہ درد جو انسانی آبادی کے لیے اُس کے دل میں ابتداً پیدا ہوا تھا، مفقود ہو چکا تھا۔ اب وہ دُوسروں کی زندگیاں تلوار سے کاٹ کر پھینک دیتا تھا۔ اُسے چار سینٹ جارج کے تمغے ملے تھے اور چار دُوسرے۔

پلٹنوں کی قواعد کے وقت جھنڈا گریگری کے ہاتھ میں ہوا کرتا تھا۔ بشیر جنگوں کی بارود

وُہ سونگھ چکا تھا لیکن پہلے کی طرح وُہ ایک دفعہ بھی مسکرایا نہ تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ تمغوں کے لیے اُسے کیا قیمت ادا کرنی پڑی تھی۔

وُہ لیٹا ہُوا تھا اور ان واقعات کی فلم اُس کی نگاہوں کے سامنے چل رہی تھی لیکن یہ واقعات کس قدر مکروہ تھے۔ اُس کی جوانی کا ہر منظر کیسا رنگین تھا۔ ایک لمحے کے لیے وُہ ماضی کی رنگینیوں میں کھو گیا لیکن جلد ہی حال میں لوٹ آیا۔ آسٹریوی خندقوں میں کوئی ستار بجا رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے دریائے سٹوخود کی سطح سے ہم آغوش ہونے کے لیے جا رہے تھے۔ آسمان پر ستارے جھلک رہے تھے لیکن اندھیرا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ آدھی رات کی دُھند پھیلنی شروع ہو گئی تھی۔ اُس نے یکے بعد دیگرے دو سگرٹ پی ڈالے پھر زمین کی شفقت مآب آغوش سے اُٹھ کر خندق میں واپس آ گیا۔

۲

اُس کی زمین دوز پناہ گاہ میں سپاہی ابھی تک تاش کھیل رہے تھے۔ گرنگیو پیال کے گدے پر گر کر غافل ہو گیا۔ گرنگیو کو میدان کا، چٹان کا اور دریائے ڈان کا خواب آیا۔ اُس نے دیکھا کہ میدان ویران تھا، چُپ اور سنسان اور وُہ دریا کے کنارے ریتلی زمین پر گھوم رہا تھا لیکن اُسے قدموں کی آواز سُنائی نہ دیتی تھی۔ ...... اس بات نے اُسے خوفزدہ کر دیا۔ ایک لمحے کے لیے بیدار ہُوا۔ اُس نے ہونٹ چُوسے اور سو گیا۔ اس دفعہ وُہ کسی خواب کے بغیر آرام سے سویا۔

دُوسری صبح کو جب وُہ بیدار ہُوا تو اُس کے دل میں ارمانوں کا طوفان اُٹھا ہُوا تھا۔

"کیا ہے؟ کیا رات کو گھر کا خواب دیکھا ہے؟" اُوری اُپن نے اُس کے چہرے کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"تمھارا اندازہ بالکل درست ہے۔ میں نے میدان کا اور ڈان کا خواب دیکھا ہے۔ میں آج بہت بد دل ہُوں۔ میں گھر جانا چاہتا ہُوں۔ مَیں زار کی خدمت سے تنگ آ گیا ہوں۔"

اُوری اُپن مسکرایا۔ وُہ اور گرنگیو ہمیشہ ایک ہی پناہ گاہ میں رہے تھے۔ ۱۹۱۴ء کے بعد اُن میں کوئی جھگڑا نہ ہُوا تھا۔ گرنگیو کے بدلتے ہوئے کردار اور بدلتی ہوئی نفسیات میں اب اُوری اُپن کا

اثر زائل ہو چکا تھا۔ جنگ نے اُری اَپن کا نقطۂ نگاہ بھی بدل دیا تھا۔ اب وُہ بھی جنگ کا مخالف تھا۔ ہر وقت غدّار جرنیلوں کی داستانیں سُناتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ تو اُس نے یہاں تک کہہ دیا تھا "زار بنیادی طور پر جرمن خون سے ہے۔ اس لیے ہمیں کسی اچھائی کی توقع نہ رکھنی چاہیے۔ ....." گرگیگیہ نے اُس کے آگے گرانزا کی ملفین کی وضاحت کرنی چاہی مگر اُری اَپن قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوتا تھا۔

وُہ کہتا —"گیت تو بہت اچھا ہے لیکن گانے والی کی آواز بیٹھی ہوئی ہے۔" پھر وُہ مُسکراتا۔ اُس کی باتوں میں پُرلطف مزاح کا عنصر پیدا ہو جاتا۔ میشا کا شوفاتی بھی ہر وقت کوّے کی طرح اسی کہانی کے متعلق کائیں کائیں کرتا رہتا ہے۔ جیسے دیوار پہ کوئی مرغا بانگ دے رہا ہو۔ ان انقلابیوں سے کبھی کسی کو فائدہ پہنچا ہے۔ یہ انقلاب تو بدعت پھیلاتے ہیں۔ اگر کاسکوں کو کسی چیز کی ضرورت ہے تو وُہ ان کی اپنی حکومت ہے۔ کسی غیر کی نہیں۔ ہمیں ایک قابل اور مضبوط زار کی ضرورت ہے۔ کسانوں سے ہمارا نباہ نہیں ہو سکتا۔ بطخیں اور سور کبھی دوست نہیں ہو سکتے۔ کسان اپنے لیے زمینیں چاہتے ہیں مزدور بڑی بڑی تنخواہوں کے طلبگار ہیں۔ ... لیکن جانتے ہو وُہ ہمیں کیا دیں گے۔ ہمارے پاس زمین تو پہلے ہی خاصی ہے اس کے علاوہ اور ہمیں کیا چاہیے؟ اوہو — اوہو— ہمارا زار بخیل ہے .... بخیل!! اُس کا باپ بہت مضبوط اور طاقتور انسان تھا لیکن یہ تو انتظار کر رہا ہے کہ انقلاب اس کے دروازے کھٹکھٹائے۔ ۱۹۰۵ء میں بھی یہی ہوا تھا پھر کیا ہو گا۔ انقلاب پسندوں کا سر کچل دیا جائے گا۔ ... اگر ایسا نہ ہوا۔ انھوں نے زار کو راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تو ہماری باری آئے گی پرانی جنگ شروع ہو جائیگی ہمیں ہماری زمینوں سے محروم کر دیا جائیگا۔ اس لیے تو میں کہتا ہوں کہ ہمیں ہوشیار رہنا چاہیے۔"

"تم ہمیشہ یک طرفہ سوچتے ہو" گرگیگیہ غضب آلود ہو گیا۔

"اور تم— تم خدا جانے کیا اُول فُول بکتے رہتے ہو۔ تم ابھی نوجوان ہو۔ تم نے ابھی دُنیا دیکھی کہاں ہے تھوڑے دن اور انتظار کرو پھر پتا چل جائیگا کہ سچا کون ہے۔"

ہمیشہ بحث انھیں جملوں پر ختم ہوا کرتی تھی۔ گرگیگیہ خاموش ہو جاتا تھا اور اُری اَپن بات کا رُخ

۳

اُس دن گرنگجہ ایک ناخوشگوار واقعے میں اُلجھ گیا۔ دوپہر کو باورچی خانہ حسبِ معمول پہاڑی کے پیچھے آکر رُکا۔ کاسک خندقوں میں سے ہوتے ہوئے کھانا لینے کی غرض سے اس کی طرف بڑھنے رہے۔ میتنا کاشوفائی تفتیری کمپنی کے لیے کھانا لینے گیا اور بھاپ اُگلتے ہوئے برتن کو ہاتھوں میں لیے واپس آیا۔ ابھی وہ پناہ گاہ میں داخل نہ ہوا تھا کہ چلّانے لگا:

"بھائیو۔ بُرا وقت آگیا۔ یہ مُناسب نہیں۔ کیا ہم کُتّے ہیں؟"

"ہُوا کیا؟" اُرسی اُپن نے پوچھا۔

"ہمیں مرا ہوا گھوڑا کھلایا جا رہا ہے" کاشوفائی نے جواب دیا۔ اُس نے برتن بستر پر پٹک دیا۔ اور اُرسی اُپن کی طرف کنکھیوں سے دیکھنے لگا "سُونگھ کر دیکھ لو کہ شوربا کیسا ہے"۔

اُرسی اُپن برتن پر جُھک گیا اور نتھنے پُھلا دیے۔ اُس نے سب کی طرف مڑ کر دیکھا۔ اُس کا چہرہ بے رنگ ہو چکا تھا "گوشت خراب ہو گیا ہے" اُرسی اُپن نے فیصلہ کیا۔

اُس نے برتن ایک طرف کر دیا اور گرنگجہ سے مخاطب ہُوا۔ گرنگجہ بستر سے اُٹھ چکا تھا اور شوربا سُونگھ رہا تھا۔ وہ جھنجلا کر پرے ہٹ گیا اور اُس نے نزدیک کا پیالہ ٹھوکر سے لڑھکا دیا۔

"کیوں، تم نے ایسا کیوں کیا؟" اُرسی اُپن نے یونہی پوچھا۔

"کیا تمھیں معلوم نہیں ــــ کس لیے ــــ کیا اندھے ہو ــــ یہ کیا ہے" گرنگجہ نے گرتے ہوئے شوربے کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ دیکھو کیڑے ــــ اوہ میری ماں! ــــ میں نے پہلے تو اُنھیں دیکھا ہی نہ تھا۔ دیکھا، کیڑے تمھیں کھلائے جاتے ہیں۔ یہ گوبھی کا شوربا نہیں۔ یہ تو سویّاں ہیں، سویّاں ــــ رینگتے کیڑے!"

ایک لمحے تک خاموشی طاری رہی۔ گرنگجہ بھنبھنانے لگا۔ کاشوفائی نے تلوار سونت لی اور بولا "ہم یہ شوربا لے کر کمپنی کے کمانڈر سے شکایت کریں گے"۔

"تمھارا خیال درست ہے" اُرسی اُپن نے ہاں میں ہاں ملائی "ہم شوربا اُس کے پاس لے

چلیں گے۔ گریگر انھیں بھی ہمارا ساتھ دینا چاہیے۔"

اُرسی اُپن اور کا شوفائی نے سنگینیں تانتے شوربے کا پیالہ اُٹھا لیا۔ گریگر اُن کے عقب میں چلنے لگا اور جب وہ خندقوں سے گزرے تو کاسکوں کی قطاروں نے اُن کا ساتھ دینا شروع کردیا۔ وُہ افسر کی پناہ گاہ کے سامنے جاکر رُک گئے۔ گریگر جُھکا، اُس نے ٹوپی بائیں ہاتھ سے دبائی اور وُہ غار میں داخل ہوگیا۔

ایک لمحے کے بعد کمپنی کا کماندار باہر آگیا۔ وُہ لمبے کوٹ کے بٹن لگا رہا تھا۔ اُس نے گریگر کی طرف تشویش اور استعجاب کے ملے جُلے جذبات سے دیکھا۔

گریگر جھجکتے ہوئے بولا "ہم ایک قیدی لائے ہیں۔"

"کیسا قیدی؟"

"یہ رہا سرکار....." گریگر نے شوربے کے پیالے کی طرف اشارہ کیا جو اُرسی اُپن کے قدموں میں پڑا تھا۔

"یہ ہے وُہ قیدی۔ سونگھ کر دیکھیے کہ آپ کے کاسکوں کو کیا کھلایا جاتا ہے۔"

"اب اُنھوں نے مُردہ گھوڑا کھلانا شروع کردیا ہے" میٹنا کا شوفائی بولا۔

"کوارٹر ماسٹر کو تبدیل کردو۔ اس شوربے میں کیڑے ہیں۔"

افسر نے شور بند ہونے تک انتظار کیا۔ پھر کرخت لہجے میں بولا "خاموش رہو۔ تم بہت کچھ کرچکے ہو۔ کوارٹر ماسٹر کو تبدیل کردیا جائے گا اور اس معاملے کی تحقیق کے لیے ایک کمیٹی بھی بنائی جائے گی۔ اگر گوشت خراب ہے تو....."

"اس پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلنا چاہیے" کوئی پیچھے سے چلّایا اور افسر کی آواز اسی شور غل میں گُم ہوگئی۔

۴

کوارٹر ماسٹر کو تبدیل کرنا پڑا۔ چند گھنٹوں کے بعد حکم آیا کہ محاذ سے ہٹ کر رومانیہ کی طرف

بڑھنا شروع کر دیا جائے۔ رات کو کاسکوں کی جگہ سائبیریا کی پلٹن نے لے لی۔ دوسرے دن کاسک طویل مسافت پر روانہ ہو گئے۔

یہ مسافت سترہ دن میں طے ہوئی۔ گھوڑے چارے کی کمی کے باعث تھک کر چُور ہو چکے تھے۔ خوراک کی بیحد قلت تھی۔ ہر جگہ قحط سالی مسلط تھی اور ان جگہوں پر تو قحط خطرناک صورت اختیار کر گیا تھا جہاں فوجی نقل و حرکت کی وجہ سے فصلیں تباہ ہو چکی تھیں۔ گاؤں کے باشندے فرار ہو چکے تھے یا جنگلوں میں چھپ گئے تھے۔ جھونپڑیوں کے کھلے ہوئے دروازے دیواروں کی اداسی کو بے نقاب کر رہے تھے۔ کبھی کبھی سڑک پر ایک خوفزدہ دیہاتی نمودار ہوتا۔ سترہ دن کی مسلسل مسافت نے انھیں ادھ موا کر دیا۔ جس گاؤں میں پہنچتے، خوراک کی چوری کرتے۔ افسروں کی دھمکیاں بھی بیکار رہ جاتیں۔

رومانوی سرحد کے قریب اُری اَپن جَو چرانے میں کامیاب ہو گیا۔ مالک نے اُسے جَو چُراتے ہوئے پکڑ لیا۔ لیکن اُری اَپن نے کھیت کے بوڑھے مالک کو زمین پر ٹپک دیا اور وہ جو توبرے میں رکھنے لگا۔ افسر نے اُسے ایسا کرتے ہوئے دیکھ لیا۔ اُری اَپن گھوڑے کے لاغر جسم پر تھپکیاں دے رہا تھا۔

"اُری اَپن — سوئر — جَو واپس دے دو۔ تمھیں اس چوری کے باعث گولی سے اُڑا دیا جائے گا۔"

اُری اَپن نے افسر کی طرف کنکھیوں سے دیکھا۔ اُس نے ٹوپی زمین پر پٹک دی۔ اُس نے زندگی میں پہلی مرتبہ مزاحمت کی چیخ بلند کی "مجھ پر مقدمہ چلا دو۔ مجھے گولی سے مار دو۔ ابھی اسی وقت لیکن میں جَو واپس نہ دونگا۔ کیا میرا گھوڑا امبو کا مر جائے؟ میں جَو واپس نہ دونگا۔ ایک دانہ بھی نہیں۔"

افسر کوئی جواب دیئے بغیر اُسے گھورتا رہا۔ آخر وہ بولا "گھوڑا تو ابھی گرم ہے اُسے دانہ کیوں دے رہے ہو؟"

"نہیں، اب تو وہ ٹھنڈا ہو چکا ہے" اتنا کہہ کر اُس نے زمین پر بکھرا ہوا دانہ سمیٹ لیا۔

۵

پلٹن اپنی نئی جگہ ۵ ارنومبر کو پہنچی۔ پہاڑوں پر ہوا چیخ رہی تھی۔ وادیوں میں برفیلی دھند معلق تھی۔ زمین پر گری ہوئی برف پر چوپایوں کے قدموں کے نشان موجود تھے۔ جنگ کی ہیبت ناکی نے بھیڑیوں اور بجو یوں کو اپنے اپنے غاروں سے نکال دیا تھا۔ وہ کسی دوسرے جنگل کی تلاش میں چل پڑے تھے۔ جو خندقیں پلٹن کو سنبھالنی پڑیں اُن میں پہلے آسٹروی موجود تھے۔ حملے کے دن کاسکوں کو کمک پہنچ گئی اور کاسک پہاڑ پر چڑھنے لگے پتھر نیچے گر رہے تھے۔ گرد اُڑ رہی تھی۔ گریگیہ مسکراتے ہوئے آری آپن سے بولا "خدا جانے آج میں کیوں سہما جا رہا ہوں جیسے پہلی دفعہ جنگ میں جا رہا ہوں۔"

کاسک ڈھلان سے گزرتے رہے۔ ایک بھی گولی نہ چلی۔ دشمن کی خندقیں خاموش تھیں۔ گریگیہ تشویش کے عالم میں مسکرا رہا تھا۔ اُس کے بیٹھے ہوئے گال نیلے پڑ گئے تھے۔ آنکھوں میں ایک دھند لا گئی تھی۔ آج اُس کا انداز بدلا ہوا تھا۔ آج اُسے اپنی اور ساتھیوں کی زندگی کا اندیشہ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنے آپ کو زمین پر گرا دے۔ جی کھول کر رو دے اور زمین سے شکوہ کرے۔ زمین کو ماں سمجھ کر اُس سے دُکھ کی شکایت کرے۔ اُسے خاموش خندقوں پہ اعتبار نہ آ رہا تھا لیکن وہ آنسو پیتے ہوئے آری آپن سے مصروفِ گفتگو تھا۔

گولیوں کی پہلی ہی باڑ نے گریگیہ کو زمین پر گرا دیا۔ وہ سسکتا ہوا چت لیٹ گیا۔ تھیلے میں مرہم پٹی کے ساز و سامان کی طرف بڑھتا چلا گیا لیکن اُس کی کہنی سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ وہ لمحہ بہ لمحہ کمزور ہوتا جا رہا تھا۔ وہ جھک کر برف چاٹنے لگا اور بندوقوں کے بھرے جانے کی آوازیں خوفزدہ ہو کر سنتا رہا۔ توپوں کے گولے اُس کی رگوں میں خون منجمد کر دیتے تھے۔ اُس نے سر اُٹھا کر دیکھا۔ اُس کی کمپنی کے کاسک پسپا ہو رہے تھے۔ گھبراہٹ کے عالم میں ہوا میں گولیاں چلا رہے تھے۔ ایک ناقابلِ بیان خوف نے اُسے بھی پاؤں پر کھڑا کر دیا اور وہ بھی بھاگنے لگا۔ کمپنی — بیشمار بہتے دھاروں کی طرح جنگل میں جمع ہو رہی تھی۔ ڈھلان کے پاس مُردوں کا ڈھیر لگ گیا تھا۔ زخمی زمین پر رینگ رہے تھے مشین گن کی گولیاں ان پر چابک رسا رہی تھیں۔

مِیشا کاشوفائی کے بازو کا سہارا لیے ہوئے گریگیہ بھی جنگل میں داخل ہوا۔ جنگل میں سے ایک مشین گن جرمنوں کے بائیں بازو پر تابڑ توڑ آگ برسا رہی تھی جیسے کوئی لگاتار پتھر پھینک رہا ہو جیسے دریا کی سطح پہ برف کے گالوں کے پٹاخے چل رہے ہوں۔

"جرمن ہمیں گرم رکھنا چاہتے ہیں" آرسی آپن ایک تاڑ کے درخت کی آڑ لیتے ہوئے کہہ رہا تھا اور بے فائدہ خندقوں پر گولی چلا رہا تھا۔

"ہاں ہاں، اور گولیاں چلاؤ۔۔ جرمنو! خوب گولیاں برساؤ۔ بیوقوفوں پہ گولیاں برساتے رہو۔ سو رہیں یہ لوگ۔ سوتے ہیں اور بیوقوف بھی" میتا کاشوفائی گرنیگیہ کا ہاتھ چھوڑ کر چلا رہا تھا۔ "جب ان کا اچھی طرح خون بہایا جائیگا تو پھر ان کی سمجھ میں کچھ آئے گا۔"

"تم کس بات پہ بہک رہے ہو؟" آرسی آپن بولا۔

"اگر تم عقل مند ہوتے تو یہ باتیں سمجھ لیتے لیکن بیوقوفوں کو کون سمجھا سکتا ہے۔ ان کے سروں میں ہتھوڑے مار کر بھی عقل نہیں بھری جا سکتی۔"

"کیا تمہیں اپنی قسم یاد نہیں؟ تم نے قسم کھائی تھی کہ نہیں؟" آرسی آپن نے مطالبہ کیا۔

جواب دینے کے بجائے کاشوفائی گھٹنوں کے بل نیچے جھکا، ٹٹول کر کچھ برف کریدی اور اسے کتوں کی طرح کھانستے ہوئے ہڑپ کر گیا۔

چھبّیس

ا

بادلوں میں لپٹا ہوا خزاں کا سورج تاتار سک پہ رواں دواں تھا۔ آسمان میں بادلوں کو ہوا مغرب کی طرف لے جا رہی تھی لیکن گاؤں پر، ڈان کی گھاٹی پہ اور جنگل کے سر پہ ہوا تندی سے چل رہی تھی۔ بیلوں کے سر جھکا رہی تھی، شاخیں جھول رہی تھیں۔ خشک اور زرد پتوں کی بارش ہو رہی تھی۔ کرسٹونیا کے گھر میں آندھی آ گھسی تھی۔ ہوا نے سوکھی گھاس کا گٹھا اٹھا کر سنسان سڑک پہ دے مارا تھا پھر وہاں سے اٹھا کر سٹیپن کی چھت پر لا پٹکا تھا۔ کرسٹونیا کی بیوی احاطے میں دوڑی دوڑی آئی۔ ایک دفعہ لمحے تک ہوا کی تندی کا اندازہ کرتی رہی پھر گھر کے اندر چلی گئی۔

جنگ کے تیسرے سال نے گاؤں پہ گہرا نقش چھوڑا تھا۔ ہر جھونپڑی سے مرد جا چکے تھے۔ احاطے گندے اور بدنما نظر آتے تھے۔ ہر جگہ زوال اور انہدام کا راج تھا۔ کرسٹونیا کی بیوی کا نو سالہ بچہ ہی اس کی امداد کے لیے رہ گیا تھا۔ انی کشکا کی بیوی تنہا تھی۔ تنہائی کی وجہ سے ہر وقت بناؤ سنگار سے دل بہلاتی تھی۔ کھیت کے پھاٹک سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ سٹیپن کا جھونپڑا بالکل خالی پڑا تھا۔ کھڑکیاں بند کر دی گئی تھیں۔ چھت پہ گھاس اگ آئی تھی۔ دروازے کے تالے زنگ آلود ہو چکے تھے۔ آوارہ مویشی اس کے کھیت میں داخل ہو کر گھاس چرتے رہتے تھے۔ بارش اور گرمی سے پناہ لینے کے لیے یہیں آ جاتے تھے۔ ایوان ٹومِلن کے جھونپڑے کی دیوار سڑک پر گرنی شروع ہو گئی تھی۔ تقدیر انتقام لے رہی تھی۔ روسی اور جرمن جھونپڑے تباہ ہو چکے تھے۔

گاؤں کی ہر گلی اور ہر سڑک پر یہی تباہی پھیلی ہوئی تھی۔ گاؤں کے نکڑ پر پنٹیلیمون کا جھونپڑا

ایسا تھا جس پر جنگ اثر انداز نہ ہوئی تھی۔ اُس کے جھونپڑے کی ظاہری صورت وہی تھی مگر جنگ کی تباہ کاریوں کا ہلکا سا پرتو اُس میں بھی جھلک رہا تھا۔ غلّہ گھر کی ٹین کی چھت قریب قریب گر چکی تھی۔ بوڑھا تنہا سارا انتظام نہ کر سکتا تھا۔ وہ کم از کم بوڑھا۔ میلیخوف کے کنبے میں افراد کی کمی بھی واقع نہ ہوئی تھی۔ پیوترا اور گریگر کی کمی نتالیا نے جڑواں بچے پیدا کر کے پوری کر دی تھی۔ بچے ۱۹۱۵ء کی خزاں میں ہوئے۔ نتالیا نے ساس اور سسر دونوں کو خوش کر دیا تھا کیونکہ دو بچوں میں ایک لڑکی تھی اور ایک لڑکا۔ نتالیا کو بچوں کی پیدائش کے وقت بے حد تکلیف ہوئی تھی۔ کئی دنوں تک تو وہ چل پھر بھی نہ سکتی تھی۔ اُس کی ٹانگوں میں درد کی ٹیسیں اُٹھتی تھیں۔ وہ ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ کے پیچھے گھسیٹتی ہوئی چلتی۔ اُس نے دلیری سے یہ تکلیف سہہ لی تھی۔ تکلیف کے وقت اُس کی کنپٹیاں پسینے سے بھیگ جایا کرتی تھیں۔ الینچا ایسے وقت میں اُسے آرام کرنے کے لیے کہتی اور اُس کی جگہ خود کام میں مصروف ہو جاتی۔

۲

ستمبر کے ایک خوشگوار دن کو نتالیا کا درد حد سے گزر چکا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ وقت آ گیا۔ وہ گلی کی طرف بڑھی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" الینچا بولی۔

"چراگاہ میں۔ ڈھور ڈنگروں کو دیکھنے جا رہی ہوں۔"

وہ سسکتی اور دونوں ہاتھوں سے پیٹ دباتی ہوئی گاؤں سے باہر آ گئی۔ ایک جھاڑی میں جا کر لیٹ گئی۔ جھٹپٹا ہو رہا تھا۔ جب وہ ہاتھوں میں جڑواں بچے چادر میں لپیٹے ہوئے واپس آئی تو ساس بولی:

"میری بچی — شیطان کی خالہ!! — یہ کیا؟ اور کہاں سے آ رہی ہو تم؟" الینچا کا دم پھول گیا۔

"مجھے شرم آتی تھی۔ اس لیے میں باہر چلی گئی تھی۔ میں ابا کے سامنے کیونکہ..... میں نے

ستھری ہوں ۔۔۔۔ بچوں کو بھی نہلا لاتی ہوں۔ . . . . انھیں اندر لے جاؤ" نتالیا نے وفور شرم سے زرد رو ہوتے ہوئے جواب دیا۔

ڈونیا دایہ کو بلانے گئی اور ڈاریا ایک ناند کو درست کرنے لگی۔

"یہ ناند پھینک دو ڈاریا! کیا یہ بلّی کے بچّے ہیں کہ تم انھیں ناند میں ڈبونا چاہتی ہو۔ میرے خدا! یہ تو دو ہیں۔ ایک لڑکا ہے اور ایک لڑکی . . . . نتالیا! ۔۔ انھیں بستر پر لٹا دے۔"

جب پنتلیمون نے سُنا کہ اُس کی بہو کے ہاں جڑواں بچّے ہوئے ہیں تو اُس نے حیرت سے دونوں ہاتھ پھیلا دیے پھر ڈاڑھی میں کنگھی کرتے ہوئے خوشی کے آنسو بہانے لگا۔ دایہ کو دیکھتے ہی پاگل پن کا اظہار کرنے لگا "جھوٹ بولتی ہو۔ بوڑھی بھینس! جھوٹ بولتی ہو" اُس نے مٹھی باندھ کر کہا "میلیخوف کا کنبہ بڑھتا ہے گا۔ بڑھیا! او بڑھیا ۔۔! میری بیٹی کے ہاں بیٹی بھی پیدا ہوتی ہے۔ تمھارے گھر بہو بھی آئے گی ۔۔۔ میرے خدا ۔۔۔ میں نتالیا کو اس کا معاوضہ کیونکر دے سکوں گا؟"

وُہ سال بیحد مُبارک ثابت ہوا۔ گائے نے بھی جڑواں بچے دیے اور بھیڑ نے بھی . . . پنتلیمون حیرت زدہ رہ گیا۔ اُس نے خودبخود یہ نتیجہ نکالا "یہ سال بے حد مُبارک ہے۔ اور مفید ۔۔ ہر ایک کے ہاں جڑواں بچّے پیدا ہو رہے ہیں ۔۔! اوہو!!

۳

نتالیا نے بچوں کو سال بھر چھاتی سے لگائے رکھا۔ ستمبر میں بچے جننے کے بعد وُہ خزاں تک تندرست نہ ہوتی تھی۔ اُس کے دانت دودھ کی طرح سفید ہو گئے۔ چونکہ وُہ لاغر ہو گئی تھی اس لیے اُس کی آنکھیں اور بھی موٹی نظر آنے لگیں۔ اُس نے زندگی بچوں کے لیے وقف کر دی۔ وُہ اپنے متعلق بھی بے پروائی برتنے لگی۔ فالتو وقت بچوں پر صرف کرتی۔ انھیں نہلاتی۔ اُن کی نوک پلک درست کرتی۔ بستر پہ بیٹھ کر وُہ ایک ٹانگ لٹکا دیتی۔ انھیں پنگوڑے سے اُٹھا کر مُنہ میں ترو تازہ اور بھرے ہوئے پستان دے دیتی اور دونوں کو جی بھر کر دودھ پلاتی۔

"یہ تمہیں چوس رہے ہیں۔ تم انھیں بہت دودھ پلاتی ہو" انچیا اپنے اپولوں کو تھپکتے ہوئے کہتی۔

"بہت دودھ پلاتی ہے۔ پلانے دو۔ ہمیں دودھ سے بالائی تو نہیں نکالنی!" پنتیلیمون جھنجلا کر جواب دیتا۔

۴

ان برسوں میں زندگی سست گام ہوگئی تھی۔ ڈان کی طرح جو طوفان کے بعد اترنا شروع کردیتا ہے۔ دن خشک بے کیف تھے اور افسردگی سے گزر رہے تھے۔ سرگرمی کے وقت، مصروفیت کے وقت خوشی میں، ضرورت میں جنگ کے اندیشے دامن گیر رہتے تھے۔ پیوترا اور گریگر کی طرف سے کبھی کبھی خط آتا جس پر بھیگی ڈاکخانے کی مہریں ثبت ہوتیں۔ گریگر کا آخری خط کسی دوسرے کے ہاتھ پڑ گیا۔ آدھی عبارت غائب ہوگئی۔ اس پر سرخ سیاہی کے دھبے بھی تھے جب وہ گریگر کے گھر پہنچا۔ پیوترا خط لکھنے کے معاملے میں گریگر سے بھی سست تھا۔ ہر خط میں وہ داریا کو بیہودہ روی سے باز رہنے کی تلقین کرتا۔ اس کی بیوی کی آزادہ روی کا حال اسے بھی معلوم ہوگیا تھا۔ گریگر خط کے ساتھ گھر میں روپیہ بھی ارسال کرتا اور لکھتا کہ اس نے چھٹی لینے کی کوشش کی تھی مگر مل نہ سکی۔ دونوں بھائیوں کے راستے جداگانہ تھے۔ جنگ کے باعث گریگر کی کمر ٹوٹ گئی تھی۔ وہ جنگ کے اختتام تک زندہ رہنے سے مایوس ہو چکا تھا۔ مگر پیوترا ترقی کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ اسے ۱۹۱۶ء میں دو تمغے بھی مل چکے تھے۔ وہ نائک بنا دیا گیا تھا۔ وہ خط میں لکھتا کہ جلد ہی اسے افسروں کی تربیت کے سکول میں بھیج دیا جائیگا۔ اس نے موسم خزاں میں ایک جرمن افسر کا خود اور وردی اپنی تصویر کے ساتھ گھر بھیجی۔ زندگی پیوترا پر مسکرا رہی تھی۔ وہ جنگ سے بیحد مسرور تھا جس نے اس کے سامنے دلآویز شاہراہیں کھول دی تھیں ایک معمولی اور سادہ لوح کاسک افسر بننے کے خواب کیونکر دیکھ سکتا تھا اگر اس کی زندگی شگفتہ نہ ہوتی۔ پیوترا کی زندگی کا ایک ہی پہلو تاریک تھا۔ اس کی بیوی گاؤں کے آوارہ مزاج لڑکوں کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہی تھی۔ ۱۹۱۶ء کی خزاں میں سٹیپن کو گھر جانے کی چھٹی ملی۔ واپسی پر اس نے

پلٹن میں آکر شیخی بگھارنی شروع کر دی کہ وہ پیوتڑا کی بیوی کے ساتھ راتیں گذارتا رہا ہے۔ پیوتڑا کو اُس کی باتوں پر اعتبار نہ آتا تھا۔ اُس کا چہرہ سیاہ پڑ گیا اور مسکراتا ہوا بولا "سٹیپن جھوٹا ہے۔ وہ گریگری کا بدلہ لے رہا ہے۔"

لیکن ایک دن، جب سٹیپن پناہ گاہ سے باہر آ رہا تھا، خدا جانے اتفاقیہ ...... جیب سے رومال گر پڑا۔ یا اس نے ارادۃً گرا دیا۔ پیوتڑا اُس کے پیچھے تھا۔ اُس نے وہ رومال اُٹھا لیا اور پہچان لیا کہ یہ اُس کی بیوی کے ہاتھ کا بنا ہوا ہے۔ پرانی عداوت عود کر آئی۔ پیوتڑا موقع کی تلاش میں رہنے لگا۔ سٹیپن کے سر پر موت منڈلا رہی تھی۔ پیوتڑا اگر چاہتا تو اسے موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا۔ لیکن سٹیپن کو جلد ہی ایک مہم پر جانا پڑا۔ جرمنوں کی ایک چوکی چھیننا اس مہم کا مقصد تھا۔ کاسک، جو اُس کے ساتھ گئے تھے، اُن کا بیان تھا کہ جرمنوں نے انھیں تار کی باڑ کاٹتے ہوئے بھانپ لیا تھا اور انھوں نے گولی چلا دی تھی۔ سٹیپن گر پڑا تھا۔ کاسکوں نے دُوسرے پہریدار کو دو ضربات سے زمین پر بچھا دیا تھا۔ انھوں نے سٹیپن کو اُٹھانا چاہا تھا لیکن وہ بے حد بھاری بھرکم واقع ہوا تھا۔ اسی لیے اُسے وہ وہیں چھوڑ آنے پر مجبور ہو چکے تھے۔ سٹیپن التجا کر رہا تھا "بھائیو! مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔ ساتھیو! مجھے کیوں چھوڑے جا رہے ہو؟" لیکن اتنے میں مشین گن تڑتڑانے لگی۔ سٹیپن ساتھیوں کو پکارتا رہا لیکن ہر ایک کو جان پیاری ہوتی ہے۔

سٹیپن کا مآل جب پیوتڑا کو معلوم ہوا تو مطمئن ہو گیا۔ اُس کا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا۔ مگر وہ دل میں تہیہ کر چکا تھا کہ اگر چھٹی ملی تو ڈاریا کو زندہ نہ چھوڑے گا لیکن اُس نے جلد ہی یہ ارادہ ترک کر دیا۔ "سانپ کا سر کچل کر زندگی تباہ کر لوں ـــ قید خانے میں سڑتا رہوں ..... " آخر اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ ڈاریا کو مار مار کر ادھ مؤا کر دے گا۔ اُسے پھر کبھی ایسے اقدام کی جرأت نہ ہوگی۔ پیوتڑا خندق میں بیٹھا انھیں خیالات سے وقت گزار رہا تھا۔

۵

خزاں میں ڈاریا نے شوہر کی کمی دل کھول کر پوری کر لی تھی۔ ایک صبح کو پنٹلیمون بیدار ہوا تو

اُس نے دیکھا کہ احاطے کا دروازہ توڑ دیا گیا تھا اور اُسے سڑک پر پھینک دیا گیا تھا۔ سنٹیلیموں یہ بے عزتی برداشت نہ کر سکتا تھا۔ بوڑھے نے دروازہ تو اپنی جگہ ویسے ہی استادہ کر دیا اور باورچی خانے میں داخل ہوا جہاں ڈاریا کھانا پکانے میں مصروف تھی۔ اُن میں کیا گفتگو ہوئی۔ یہ تو کسی کو معلوم نہیں لیکن جب ڈاریا باہر آئی تو اُس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وُہ رو رہی تھی۔ اُس کا رومال سر سے ڈھلک گیا تھا۔ جب وُہ ڈُودنیا کے پاس سے گزری تو بڑبڑانے لگی۔ اُس کے ابروؤں کی محرابیں کپکپا رہی تھیں۔

"ٹھہر جا — بوڑھے شیطان! میں تجھے اس کا مزہ ضرور چکھاؤں گی۔" اُس نے سوچتے ہوئے ہونٹ بھینچ لیے۔

ڈُودنیا نے دیکھا کہ اُس کی جاکٹ پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔ اُس کے شانے ننگے ہو گئے تھے اور اُن پر خراشیں پڑ چکی تھیں۔ وُہ سیڑھیوں سے گزرتی ہوئی صحن میں غائب ہو گئی۔ باورچی خانے سے سنٹیلیموں نکلا تو اُس کے ہاتھ میں لگام کا چمڑا تھا جیسے وہ مروڑتا ہوا آ رہا تھا۔ ڈُودنیا نے باپ کو یہ کہتے سُنا "میں تجھے یہ کھیل نہیں کھیلنے دوں گا۔ کُتیا — بیسوا — !!"

جھونپڑی میں امن قائم ہو چکا تھا۔ کچھ دنوں کے لیے ڈاریا تالاب کے پانی کی طرح خاموش ہو گئی تھی۔ ہر رات شام سے پہلے ہی بستر پر روانہ ہو جاتی اور نتالیا کی سرد و بے رحمانہ نگاہوں کا جواب مسکراہٹ سے دیتی۔ کندھے جھٹکاتی جیسے کہہ رہی ہو "دیکھا جائیگا' مجھے کون روک سکتا ہے؟"

اس واقعے کے چوتھے دن ایک اور حادثہ رونما ہوا۔ جسے ڈاریا اور سنٹیلیموں کے سوا کوئی نہ جان سکا۔ اُس دن کے بعد ڈاریا دلیر ہو گئی۔ وہ مسکراتی ہوئی شام کی سیر کو روانہ ہو جاتی۔ بوڑھا دیکھتا ہی رہ جاتا اور کچھ نہ کر سکتا۔ بوڑھے نے اس حادثے کا ذکر بیوی سے بھی نہ کیا۔ اُس نے پادری وساریَن کے آگے اُس کا اعتراف نہ کیا۔

بات یہ ہوئی کہ اُسے ڈاریا کے کردار پر اعتبار نہ تھا۔ اُس نے بیوی سے کہا "ڈاریا کا خیال رکھا کرو۔ اُسے کام میں ہر وقت جوتے رکھو۔ محنت کے بعد وُہ گُناہ کے قابل نہ رہے گی۔ اُسے

رات باہر رہنے کا بڑا شوق ہے ۔"

اُس نے ڈاریا کو برتن مانجھنے اور لکڑیاں چُننے پر لگا دیا۔ وہ اس کی استعداد سے زیادہ اُس سے کام لینے لگا۔

ڈاریا رومال سر پر درست کرتے اور جاکٹ کے بٹن لگاتے ہوئے سسر کی مدد کے لیے غلّہ گھر میں داخل ہوئی۔ بوڑھا آگے آگے تھا۔ پنٹیلیمون کھیت پر کام کرنے کے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ احاطے میں گھر کا کوئی فرد موجود نہ تھا۔ ڈونیا چرخے پر ماں کی مدد کر رہی تھی۔ نتالیا نالی میں مویشیوں کا چارہ تیار کر رہی تھی۔ شام کا ڈوبتا آفتاب شعلہ ریز ہو چکا تھا۔ شام کے سکوت میں ہر آواز نمایاں تھی۔ احاطے میں گوبر کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ پنٹیلیمون اور ڈونیا چارا کترنے کی مشین غلّہ گھر کے ایک کونے میں لے آئے۔ پنٹیلیمون تھک کر باہر جانا چاہتا تھا کہ ڈاریا باریک آواز میں بولی "ابا — ابا۔" اُس کی آنکھوں کے ڈورے سُرخ ہو گئے تھے۔ پنٹیلیمون واپس مُڑا۔ "کیا بات ہے ؟"

"ادھر آجاؤ ابا ادھر.... دیکھو تو یہ کیا ہے ؟" وہ کونے میں اور سمٹ گئی۔ بوڑھے کی طرف کنکھیوں سے دیکھنے لگی۔ بوڑھا اُس کے قریب آگیا۔ ڈاریا نے ہاتھ بوڑھے کی گردن میں حمائل کر دیے۔ اُس نے بوڑھے کو اپنی طرف کھینچ لیا "یہاں ابا.... یہاں ابا.... کس قدر نرم ہے۔"

"کیا ہو گیا ہے تمھیں ؟" بڑھا خوفزدہ ہو کر بولا۔ اُس نے سر ادھر اُدھر مارتے ہوئے اُس کے ہاتھوں کے شکنجے سے آزاد ہونا چاہا لیکن وہ زور لگا کر اُس کا مُنہ اپنی چھاتیوں سے لگائے جا رہی تھی۔ اُس کا سانس تیز اور گرم تھا۔ وہ ہنس رہی اور سرگوشیاں کر رہی تھی۔ اُس کی بہو کا پیٹ اُس کے پیٹ سے ٹکرا رہا تھا۔ لیکن وہ بوڑھے کو کھینچتی جا رہی تھی۔ آخر بوڑھے کو اپنے اُوپر گرانے میں کامیاب ہو گئی۔

"پاگل ہو گئی ہے کیا — ؟ چھوڑ دے مجھے ۔"

"کیوں کیا تمھاری مرضی نہیں ؟ میرے خیال میں تم شاید اس قابل نہیں۔ پھر کیا ل مجھے

سخت سست کہتے ہو۔ سنتے ہو؟" وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور غضب آلود ہو کر بولی "تم نے اُس دن مجھے کیوں پیٹا تھا؟ کیا میں بوڑھی عورت ہوں؟ کیا جوانی میں تم بھی ایسے نہ تھے۔ میرا شوہر..... میں ایک سال سے اُس کے انتظار میں ہوں۔ میں کیا کروں؟ ایک کُتّے کے ساتھ سو جاؤں؟" اتنا کہ کر وہ دروازہ کھول کر باہر چلی گئی۔ دروازے میں پہنچ کر ایک دفعہ پھر اس نے لباس درست کیا اور پنٹیلیمون کی طرف مُڑ کر دیکھے بغیر کہنے لگی "میں اب زیادہ صبر نہیں کر سکتی۔ مجھے کاسک چاہیے۔ اگر تم اس قابل نہیں، تو میں کوئی اَور تلاش کر لوں گی۔ منہ بند رکھو۔"

اتنا کہ کر وہ غائب ہو گئی۔ بڑھا بُت بنا کمرے میں کھڑا رہا "شاید وہ ٹھیک کہتی ہے مجھے اُس سے مُنہ کالا کر ہی لینا چاہیے تھا۔ مجھے یہ گناہ کر ہی لینا چاہیے تھا۔" ...... پنٹیلیمون اضطراب میں سوچ رہا تھا۔ وہ ہکا بکا رہ گیا تھا۔

۲

نومبر میں دُھند پھیلی ہو گئی۔ ابتدائی برف پڑنے لگی۔ گاؤں کے شمال میں ڈان جم گیا۔ وہاں اس کی سطح پہ آمد و رفت شروع ہو گئی تھی۔ ڈان کے جنوبی حصے میں ابھی بہتا ہوا پانی موجود تھا اور مچھلیاں، ہر قسم کی مچھلیاں وہاں پناہ لینے کے لیے آ گئی تھیں۔ مچھیرے دُھند پڑنے کے انتظار میں تھے۔ دُھند پڑتے ہی اُن کا ارادہ جال ڈال کر مچھلیوں کو سمیٹ لینے کا تھا۔

نومبر میں میلیخوف کے کنبے کے نام گریگر کا خط آیا۔ اُس نے خط رومانیہ سے لکھا تھا۔ اُس کے بائیں ہاتھ کی ہڈی گولی لگنے سے ٹوٹ گئی تھی۔ حکام نے اُسے اپنے ہی ضلع میں بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔ میلیخوف کے کنبے پہ ایک اَور مصیبت نازل ہوئی۔ اٹھارہ مہینے پہلے پنٹیلیمون نے مرچی ماخوف سے سو روبل قرض پہ لیے تھے۔ گرمیوں میں مرچی ماخوف نے بڑھے کو دکان کے اندر بلایا اور سو روبلوں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ پنٹیلیمون کی نگاہ نصف خالی الماری پر گئی۔ پھر ایک لمحے کے لیے ہچکچاتی ہوئی ماخوف کے چہرے پر پڑی۔

"کچھ دن اور انتظار کر لو۔ مجھے اتنا وقت دو کہ میں آسودہ حال ہو جاؤں۔ پائی پائی لوٹا دونگا۔"

لیکن بوڑھا آسودہ حال نہ ہو سکا۔ فصل اِس دفعہ بےحد کم ہوئی تھی اور بیچنے کے قابل نہ تھی۔ یکایک برف کے طوفان کی طرح عدالت کے کارندے اُس کے نام قرقی لے کر آ گئے تھے اور بولے "نکالو سو روبل۔"

پنٹلیمون نے دو گھنٹے کی مہلت چاہی جو مل گئی۔ پنٹلیمون سیدھا کارشنف کے جھونپڑے کی طرف لپکا۔ چوراہے میں اُسے دست بریدہ الیگزی ملا "ابھی تک لنگڑا رہے ہو؟"

"ہاں۔"

"کیا دُور جاؤ گے؟"

"کارشنف کے ہاں جا رہا ہوں۔"

"جاؤ وُہ بےحد خوش ہے۔ اُن کا بیٹا مٹکا محاف سے واپس آیا ہے۔ میں نے ابھی ابھی سُنا ہے۔"

"واقعی؟"

"مجھے صبح کسی نے بتایا تھا" الیگزی شامیل نے جواب دیا۔ اُس نے پھر تمباکو کا بٹوا نکالتے ہوئے کہا "سگرٹ پیو گے؟ تمباکو تمہارا اور سگرٹ کا کاغذ میرا۔"

پنٹلیمون نے سگرٹ سلگایا۔ کچھ دیر تک یہ سوچتا رہا کہ میرون کارشنف کے گھر جائے یا نہ جائے۔ آخر اُس نے فیصلہ کر ہی لیا کہ وہ جائیگا۔

"مٹکا کو بھی سینٹ جارج کا تمغہ ملا ہے۔ وُہ تمہارے بیٹوں سے ملنا چاہتا ہے۔ اب تو گاؤں میں اس قدر تمغے ہو چکے ہیں جیسے شاخوں پر بیٹھی ہوئی چڑیوں کا جھرمٹ" شامیل لرلا۔

بوڑھا آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا گاؤں کے نکڑ پر پہنچا۔ اُس نے کارشنف کے جھونپڑے میں جھانک کر دیکھا پھر پھاٹک کی طرف بڑھا۔ میرون دروازے پر موجود تھا۔ بوڑھے میرون کا جھریوں بھرا چہرہ مسرت سے فروزاں تھا۔ "ہماری خوش بختی کا حال سُن چکے ہو؟" میرون نے پنٹلیمون کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے ابھی ابھی الیگزی شامیل نے بتایا ہے لیکن میں ایک غرض لے کر آیا ہوں۔"

"دیکھا جائے گا۔ اندر تو آؤ۔ مٹکا سے ملو۔ ہم اس کی آمد کی خوشی میں واڈکا پینے لگے ہیں۔"

"بتانے کی کیا ضرورت تھی۔ مجھے اس کی بو یہاں کٹہرے کھڑے آرہی ہے۔"

میرون نے دروازہ کھول دیا۔ پینٹیلیمون داخل ہوا۔ دہلیز سے گزرتے ہی اس نے نگاہیں مٹکا پر مرکوز کر دیں۔ مٹکا میز کے گرد بیٹھا تھا۔

"وہ رہا ہمارا فوجی؟" بوڑھے گریشا کا نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔

پینٹیلیمون نے مٹکا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا۔ وہ ایک منٹ کے لیے بھونچکا سا رہ گیا۔

"کیوں کیا دیکھ رہے ہو؟" مٹکا مسکراتے ہوئے بولا۔

"کیوں نہ دیکھوں۔ گریگر کو اور تمہیں رخصت کرتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ اس وقت تم دونوں بچے تھے۔ اور اب۔ ذرا صورت تو آئینے میں دیکھو۔ کاسک ہو۔ اب تو ایک کاسک ہو اور آتامن کی پلٹن کے لائق ہو۔"

لیوکنیچنا مٹکا کی طرف تحسین آمیز نظروں سے دیکھ رہی اور گلاس میں واڈکا ڈال رہی تھی۔ اس کا دھیان بیٹے کی طرف تھا۔ اس لیے مے میز پر گرتی جا رہی تھی۔

"بڑھیا کیا کر رہی ہے۔ قیمتی شراب ضائع کر رہی ہے۔"

"تمہاری صحت کا، مٹکا کی خوشحالی کا جام — !" پینٹیلیمون نے ہاتھ میں گلاس بلند کرتے ہوئے کہا۔

اس کی نگاہیں کمرے میں آوارہ و پریشان تھیں۔ ایک ہی سانس میں اس نے سارا گلاس حلق میں انڈیل لیا۔ واڈکا سے لتھڑی ہوئی مونچھیں آستین سے پونچھیں اور کھیرے کا ایک ٹکڑا منہ میں ڈالنے لگا۔ لیوکنیچنا نے اس کا گلاس دوبارہ بھر دیا۔ بوڑھا نشے میں ہو گیا۔ مٹکا مسکرانے لگا۔ ان تین برسوں کی غیر حاضری میں وہ بے حد تبدیل ہو چکا تھا۔ اس نے خوب قدوقامت میں ترقی کر لی تھی۔

شانے چوڑے ہو گئے تھے۔ وزن بھی بڑھ گیا تھا۔ آواز بھاری ہو چکی تھی۔ مگر آنکھیں وہی تھیں۔
مشکا ایک بے فکر اور آزاد زندگی بسر کر رہا تھا۔ زندگی آج اس کے نزدیک لبریز مسرت تھی۔ اسے فوجی زندگی اتنی پسند نہ تھی۔ اس کا مستقبل درخشاں تھا۔ وہ بہادر تھا لیکن ناموری کی خواہش نہ رکھتا تھا۔ دو دفعہ فوجی عدالت میں اس پر مقدمہ چلایا گیا تھا۔ ایک دفعہ تو اس نے ایک پول عورت کی بے آبروئی کی تھی اور ایک دفعہ چوری۔ جنگ کے تین برسوں میں اسے کئی بار سزا ملی تھی۔ ایک دفعہ تو اسے گولی سے اڑا دینے کا حکم بھی صادر ہوا تھا لیکن وہ اپنے آپ کو بچانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ پلٹن میں اسے بدکرداروں میں ... شمار کیا جاتا تھا۔ مگر وہ کاسکوں میں بدکرداری کی وجہ سے بیحد مقبول تھا۔ بدکردار ہونے کے باوجود وہ صاف گو تھا۔ مشکا متبسم چہرہ لیے ہوئے زمین کے سینے پر محو خرام تھا۔ اس کے باوجود اس میں ایک بھیڑیا پرورش پا رہا تھا۔ پلا ہوا بھیڑیا۔ مشکا کی زندگی سادہ اور واضح تھی۔ قدیم زندگی کی طرح سادہ" اگر بھوکے ہو تو ساتھیوں کی تھوڑا سا چرا لو" مشکا کا عقیدہ یہی ہوا کرتا تھا۔ "اگر تمہارے بوٹ پھٹ گئے تو جرمن قیدی کے بوٹ اتار لو۔ اگر سزا ملی ہے تو ندامت کو کسی کارنامے سے دھو ڈالو۔" یہ تھے اس کی قیدی زندگی کے اصول! ۱۹۱۵ء میں وہ زخمی ہو کر قیدی بنا لیا گیا تھا۔ اس نے رات کو گھاس پھونس کی چھت ناخنوں سے پھاڑ دی تھی اور قید خانے سے دوڑ آیا تھا۔ وہ اپنے گھوڑے کی لگام نشانی کے طور پر ساتھ لیتا آیا تھا۔ مشکا کی زندگی کے ہر عمل سے بے فکری اور بے پروائی ٹپکتی تھی۔

"تمہیں بھی سینٹ جارج کا تمغہ مل گیا۔" پنٹیلیمون نے بدمستی کے عالم میں کہا۔ "یہ تمغہ کسے نہیں ملا؟"

"میرا بچہ مغرور ہے۔ بالکل میری طرح مغرور۔ کسی کے آگے نہیں جھکتا۔" بوڑھا گریشکا بولا۔

"وہ تمغے اس لیے تو نہیں بانٹتے کہ کوئی مغرور ہے۔" پنٹیلیمون مشتعل ہوا چاہتا

تھا لیکن میروِن اُسے باورچی خانے میں لے آیا۔ وُہ ایک صندوق پر بیٹھتے ہوئے بولا "نتالیا کیسی ہے؟ اور تمھارے پوتوں کا کیا حال ہے؟ خدا رحم کرے۔ ہاں تم نے کہا تھا کہ تم کسی غرض سے یہاں آئے ہو۔ کہو کیا بات ہے؟ جلد بتاؤ کیونکہ ہمیں پھر شراب پینا ہے اور شاید تم نشے میں بھول جاؤ۔"

"مجھے روپے چاہییں۔ خدا کے لیے میری مدد کرو۔ مجھے سخت ضرورت ہے۔ ورنہ میں برباد ہو جاؤں گا۔"

میروِن نے دخل اندازی کی "کتنے روپے چاہییں تمھیں؟"

"سو روبل۔!"

کارشناف نے صندوق میں ہاتھ مارنا شروع کیا۔ ایک میلا کچیلا رومال نکالا۔ اُس نے اُسے دس دس روبل کے دس نوٹ دے دیے۔

"شکریہ۔ شکریہ۔ میروِن گرگیوِچ۔ تم نے ہمیں تباہی سے بچا لیا ہے شکریہ شکریہ!"

"کیوں شرمندہ کرتے ہو؟ ہمارا تمھارا خون اب ایک ہے۔"

۷

متکا نے پانچ دن گھر پر گزارے۔ وُہ رانی انی کنشکا کی بیوی کے ہاں بسر کرتا۔ اُسے ضرورت مند عورت پر بے حد ترس آتا تھا۔ دن کو وہ رشتہ داروں کے ہاں چکر لگاتا۔ چھوٹا کوٹ پہنے سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا رہتا۔ ایک شام وہ میلیخوف کے جھونپڑے میں بھی آ پہنچا۔ اُس کے جسم سے ایک فوجی کی بُو آ رہی تھی۔ وُہ باورچی خانے میں بیٹھا جنگ کی باتیں کرتا رہا۔ ڈاریا کی طرف آنکھیں سکیڑتا ہوا رخصت ہونے کے لیے اُٹھا۔ ڈاریا سر تا پا ایک شعلہ بن کر رہ گئی۔ جب وُہ دروازے سے باہر نکل گیا تو وُہ بھی رُومال لپیٹ کر اُس کے پیچھے جانے کے لیے اُٹھی۔ لیکن ایلینا نے پوچھا

"کہاں جا رہی ہو؟"

"باہر۔"

"میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

پینٹیلیمون سر جھکا کے بیٹھا رہا جیسے اُس نے ان کی گفتگو قطعاً نہ سنی ہو۔ ڈاریا نے اُس کے قریب سے گزرتے ہوئے آنکھیں ایک بھیڑیے کی طرح شعلہ بار کرلیں۔ بڑھیا اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ مشکا پھاٹک میں کھڑا کھانس رہا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز سن کر وہ چونک پڑا اور مڑا۔

"کون ہو؟ مشکا! تم ہو؟ کیا احاطے میں راستہ بھول گئے ہو؟" الینچا نے طنز سے کام لیا "پھاٹک بند کر کے جانا، ورنہ ہوا سے کواڑ رات بھر جھولتے رہیں گے" اس نے مشکا کو ہدایت کی۔

"نہیں راستہ تو نہیں بھولا۔ بہت اچھا پھاٹک بند کر دونگا۔" مشکا نے ٹھوڑی لٹکا کر جواب دیا اور فی کشکا کے احاطے کی طرف روانہ ہو گیا۔

چھٹے دن میرون کارشنف بیٹے کو سٹیشن پہ لے گیا۔ وہ دونوں پلیٹ فارم پر پڑے ہوئے بھاری بھاری بکسوں کی طرف دیکھتے رہے۔ لیوکینچا بیٹے کی روانگی پر آنسو بہانے لگی۔ فی کشکا کی بیوی اس لیے روئی کہ اُسے مشکا کا بھرا بھرا اور گٹھیلا جسم یاد آ رہا تھا۔ اس کا چوڑا چکلا سینہ یاد آ رہا تھا۔ اُسے اس سے محبت ہو گئی تھی۔

۸

زمانہ دونوں کو اسی طرح اچھال رہا تھا جیسے ہوا گھوڑے کی ایال کو۔ کرسمس سے پہلے بادل گھر آتے اور کئی دن تک بارش ہوتی رہی۔ پہاڑیوں سے ندیاں بہنے لگیں۔ ڈان کے کنارے جھاگ چھوڑنے لگے۔ برف پانی پڑ گئی اور پانی کے بہاؤ سے کٹ کٹ کر گرنے لگی۔ سوندھی سوندھی خوشبو سیاہ زمین پر بکھر گئی۔ آسمان پہ نیلے نیلے سایے تیرنے لگے۔ گاؤں میں ہر طرف تالاب ہی تالاب دکھائی دیتے۔ خنکی راہگیروں کی ناک منجمد کر دیتی۔ بہار کی مست کر دینے والی فضا نے میرون کارشنف کے احاطے میں اس کے بیل کو قابو سے باہر کر دیا تھا۔ وہ

باڑ اور درختوں سے ٹکرا جاتا تھا۔

ڈان کا رُکا ہُوا بہاؤ تیزی سے چل نکلا۔ وُہ شور کرتا ہُوا بہنے لگا۔ پہاڑوں سے چیخوں کی آواز آنے لگی۔ کرسٹونیا کا سورج چھوٹ گیا سڑکوں پر دوڑنے لگا۔ پنٹیلیمون نے پیش گوئی کی کہ بہار کا آغاز ہو چکا ہے اور اب صبح کو دھند پڑا کرے گی۔ رات کو ہوا مشرق کی طرف سے چلتی اور صبح کو ماسکو سے آتی۔ دُھند آئے دن گہری ہوتی جا رہی تھی۔ ایک مہینے کے بعد سردی شروع ہوگئی۔ چاروں سُو جاڑے کی حکمرانی تھی۔

کرسمس کے بعد کسی نے پنٹیلیمون کو اطلاع دی کہ اُس نے گریگری کو کمینکا کے قصبے میں دیکھا تھا اور وُہ جلد گھر آئے گا۔

تیسرا باب

انقلاب

پہلا باب

سرجئی ماخوف زمانے کا سرد و گرم چکھ رہا تھا۔ وہ زندگی کی دھڑکنیں محسوس کر رہا تھا۔ کبھی زندگی اُس سے کھیلتی اور کبھی اُس کی گردن میں بھاری پتھر کی طرح لٹک جاتی۔ اُس کی نظر مستقبل پر تھی۔ مستقبل اُس کی آنکھوں میں پھر رہا تھا۔ سرجئی ماخوف نے زندگی میں دُکھ بھی اٹھائے تھے اور مسرت بھی دیکھی تھی۔ پہلے وہ گاڑی میں کاسکوں سے گیہوں لے جایا کرتا تھا اور اب گاڑیاں بھر کر گیہوں اُسے دریا میں پھینکنے پڑتے تھے۔ پہلے قلت تھی اب، افراط۔ ۱۹۰۵ء کا سال بھی اُسے یاد تھا جب اُس نے ساٹھ ہزار روبل جمع کر لیے تھے اور اُنھیں وا لگا کا ما بنک میں محفوظ کرا دیا تھا۔ تاریک دنوں کا اندازہ اُس نے پہلے سے کر لیا تھا۔ وہ مصیبت کے دنوں کا انتظار کرتا رہا تھا۔ حالات نے اس کی توقع کے مطابق پلٹا کھایا تھا۔

فروری ہی میں زار کے خاندان کے متعلق افواہیں ڈان کے دیہات میں گرم تھیں۔ مارچ میں سرجئی ماخوف نے شخصی حکومت کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ کاسکوں نے یہ انکشاف صبر سے سُنا لیکن اضطراب بھی عام تھا۔ اُس دن لوگ سرجئی ماخوف کی دُکان کے آگے جمع ہو گئے۔ گاؤں کا نیا اٹامن جو سرخ بالوں والا اور بھینگا تھا اس خبر کے سنتے ہی گھبرا گیا۔ کاسک سرگوشیاں کر رہے تھے "حالات خراب ہو چکے ہیں، اب ہم کیا کریں گے؟"

دُکان کے باہر اجتماع دیکھ کر سرجئی ماخوف بوڑھوں سے باتیں کرنے کے لیے باہر نکلا۔ وہ سیڑھیوں پر چاندی کی چھڑی لے کر آ گیا۔

"ماخوف! تم ایک تعلیم یافتہ شخص ہو۔ ہم ان پڑھ ہیں۔ ہمیں بتاؤ کہ اب کیا ہو گا؟"

ماتفی کا شولن نے پوچھا۔

ماخوف نے سر جھکایا تو گاؤں کے ہر بوڑھے نے سر سے ٹوپی اتار لی۔ اس کے لیے راستہ بناتے ہوئے ایک طرف ہٹ گئے تاکہ وہ وسط میں آجائے۔

"ہم زار کے بغیر زندہ رہیں گے......"

ہر بوڑھے نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا" مگر زار کے بغیر۔ کیونکر زندہ رہیں گے؟ ہمارے آباؤ اجداد زار کے زیرِ نگیں زندہ رہتے تھے۔ کیا اب زار ضروری نہیں؟ اگر سر اتار لیا جائے تو ٹانگیں کس طرح زندہ رہ سکتی ہیں۔ اب حکومت کس کی ہوگی اور کیسی ہوگی؟ بتاؤ سرجی ماخوف! اب کس کی حکومت ہوگی؟ ڈرتے کیوں ہو؟ بتاؤ۔"

کوئی بولا" شاید اسے خود بھی علم نہیں۔"

سرجی ماخوف خاموش تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے جملہ ادا کیا" عوام کی حکومت! وہ مسکرایا اور اس نے بوڑھوں کے الم زدہ چہروں کی طرف دیکھا۔ ابس نے حسبِ معمول ڈاڑھی کو انگلی سے دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے غصے کا اظہار کیا" جانتے ہو اب روس کا انجام کیا ہوگا۔۔۔؟ تمہیں کسانوں کے برابر کر دیا جائیگا تمہیں جو سہولتیں حاصل ہیں ان سے محروم کر دیا گیا۔ برا وقت آگیا ہے دوستو۔۔۔ بہت برا وقت۔۔۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حکومت کن لوگوں کے ہاتھوں میں جاتی ہے۔ ورنہ تباہی یقینی ہے۔"

"اگر ہم زندہ رہے تو دیکھ لیں گے" لگاترنیف نے سر ہلایا اور ماخوف پر شعلہ ریز نگاہ ڈالی۔

"سرجی ماخوف! تم اپنی راہ لو۔ شاید اب ہم پہلے سے زیادہ آسودہ ہو جائیں۔"

"پہلے سے زیادہ کیونکر خوشحال ہو جاؤ گے؟" ماخوف نے سوال کیا۔

"نئی حکومت شاید جنگ کا خاتمہ کر دے۔ میرا تو خیال یہی ہے کہ جنگ ختم کر دی جائیگی" ان میں سے ایک بولا۔

ماخوف نے ہاتھ ہلایا اور گھر کی طرف چل پڑا۔ آج وہ اپنی دنیا کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اپنی

مل اپنی دکان اور بنک میں اپنے روپے کے متعلق سوچ رہا تھا کہ اب اُن کا کیا بنے گا۔ اُسے اپنے بچوں کی فکر ہو رہی تھی۔ الزبیتھ ماسکو میں تھی اور ولاڈ میر عنقریب گھر واپس آ رہا تھا۔ اُس کے خیالات بچوں کے مستقبل کی وجہ سے پریشان ہو رہے تھے۔ بُوڑھوں کی طرف مڑ کر دیکھتے ہوئے اُس نے تھوکا اور گھر کے اندر داخل ہو گیا۔

"میرے خدا ــ!" وُہ گھر میں داخل ہو کر سوچ رہا تھا "کس قدر جلد تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ میں آج بھی بیوقوف ہوں۔ میرا خیال تھا کہ میری زندگی ایک نہ ایک دن اچھی ہو جائے گی۔ لیکن گمان کبھی یقین میں تبدیل نہیں ہوا۔ میں آج بھی ایک سنتری کی طرح اکیلا ہُوں، تنہا ہوں۔ میں نے روپیہ مکروفریب سے جمع کیا ہے مگر اب شاید وُہ بھی میرا نہ رہے۔ انقلاب آ گیا۔ کل شاید میرے ہی نوکر مجھے میرے گھر سے نکال دیں۔ خدا انھیں غارت کرے......... میرے بچے؟ لیکن اب افسوس کرنے سے کیا ہونا ہے ــ اچھا چھوڑو۔"

۲

رات بھر اُسے نیند نہ آئی۔ وُہ بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ اُسے غیر متعلق خیالات ستاتے رہے۔ دُوسری صبح کو جب اُسے پتا چلا کہ ایڑجن لسنکی محاذ سے واپس آ گیا ہے تو اس سے ملنے کے لیے اُس نے بیگا ولو جانے کا فیصلہ کیا۔ وہاں وُہ حالات کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے جا رہا تھا۔ اُس کا ذہن اُس وقت ایک رزم گاہ سے کم نہ تھا۔ خیالات برسرِ پیکار تھے۔ یمیلین نے ہلکی برف گاڑی میں گھوڑا جوتا اور اپنے مالک کو بیگا ولو لے گیا۔

سورج ایک زرد ناشپاتی کی طرح پکا ہوُا تھا۔ بادل اس کے اردگرد طواف کر رہے تھے۔ دھند سے لبریز ہوائیں تر و تازہ پھلوں کی خوشبو تھی۔ سڑک پر بچھی ہوئی برف گھوڑے کے کھُروں سے ٹکرا کر چنگاریاں سی چھوڑنے لگتی تھی۔ گھوڑے کے نتھنوں سے بھاپ نکل نکل کر اُس کی ایال سے لپٹتی جا رہی تھی۔ ماخوف گاڑی میں بیٹھا ہچکولے کھا رہا اور اُونگھ رہا تھا۔

دوپہر کو وُہ بیگا ولو پہنچا۔ دروازے پر بُوڑھی کُتیا نے اُس کا استقبال کیا۔ دُوسرے کُتے اونگھ

رہے تھے نشستگاہ سے کنوئیں اور سرکے کی بو آرہی تھی۔ ایک ٹرنک پر افسر کا کاکیشیائی لباس پڑا تھا۔ سیاہ آنکھوں والی ایک گداز عورت عقب کے کمرے سے نکلی۔ ماخوف کی طرف آنکھ اٹھائے بغیر بولی
"آپ نکولائی الیگزی وچ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں انھیں اطلاع کرتی ہوں۔"

ماخوف کو اکسینیا کے پہچاننے میں مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ اب وہ ایک خوبصورت اور مضبوط عورت بن چکی تھی۔ لیکن اکسینیا اُسے دیکھتے ہی پہچان گئی تھی۔ وہ دستک دیئے بغیر ہال میں داخل ہو گئی۔ جب باہر نکلی تو اُس کے عقب میں بوڑھا لسنتکی تھا۔ اُس نے تبسم سے اُس کا خیر مقدم کیا۔

"اوہ ماخوف تاجر! کیونکہ تشریف آوری ہوئی ...... آئیے اندر آجائیے" اُس نے ہاتھ ہلا کر مہمان کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔

مرچی ماخوف نے اُسی احترام کا اظہار کیا جس کا وہ اپنے سے بڑوں کے متعلق عادی ہو چکا تھا۔ ایوجن لسنتکی اُس سے ملنے کے لیے آگے بڑھا۔ عینک کے پیچھے وہ آنکھیں سکیڑ رہا تھا۔ مسکراتے اور اگلے دانتوں کی روپہلی کیلوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے ماخوف کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بوڑھے تاجر کو کرسی تک لے گیا۔ بوڑھے لسنتکی نے اکسینیا کو چائے لانے کا حکم دیا اور بوڑھے تاجر کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔

"گاؤں کا کیا حال ہے؟ کیا تم نے خوشخبری نہیں سُنی؟"

ماخوف نے بوڑھے جرنیل کے لیے ریش و بروت چہرے کی طرف دیکھا۔

"ایسی خبر کیا چھپی بھی رہتی ہے؟"

"یہ سب کچھ یوں ہُوا ہے جیسے پہلے ہی سے سوچا ہُوا تھا" بوڑھا جرنیل کہہ رہا تھا "میں نے تو ابتدائے جنگ ہی میں ہوا کا رُخ پہچان لیا تھا...... حکومت زار پر مہر فنا ثابت ہو چکی تھی۔"

"کیا کچھ ہُوا ہے؟ ہمیں مکمل حالات معلوم نہیں ہو سکے" ماخوف نے سگریٹ سلگایا اور کرسی پر کسمسایا "اخبار دیکھے ہفتوں گزر جاتے ہیں۔ جب مجھے پتا چلا کہ ایوجن رخصت پر آیا ہے تو حالات معلوم کرنے کے لیے چلا آیا۔ درحقیقت میں جاننا چاہتا ہوں کہ اب کیا ہوگا؟"

ایوجین نے، جواب مسکرا نہیں رہا تھا، جواب دیا "سپاہی شکست خوردہ ذہنیت کا شکار ہو گئے ہیں۔ وُہ اب لڑنا نہیں چاہتے۔ سچ پوچھو تو اس سال سپاہی بہت کم بھرتی ہوتے۔ جو سپاہی ہمارے پاس ہیں وُہ لٹیروں کے گروہ بن چکے ہیں۔ درماندگی کا اظہار کر رہے ہیں۔ میرے والد کی سمجھ میں بھی کچھ نہیں آتا۔ اُسے کچھ پتا نہیں کہ فوج کتنی بے دلی ہو چکی ہے۔ سپاہی اپنے فرائض چھوڑ کر لوگوں کو لُوٹتے ہیں، افسروں کو ہلاک کرتے ہیں اور...... فوجی فرائض کی انجام دہی سے انکار تو اب ایک معمولی بات ہو چکی ہے۔"

"مچھلی سر ہی سے سڑنا شروع ہوتی ہے" بوڑھے لسنکی نے سگریٹ سے دھواں چھوڑتے ہوئے کہا۔

"مگر میرا خیال یہ نہیں" ایوجین نے ابرو پر بل ڈالتے ہوئے جواب دیا "یہاں تو سپاہی ہی بدظن ہو رہے ہیں۔ افسروں کا اس میں کیا قصور ہے۔ بالشویکی سازش پسندوں نے فوج کو زہر آلود کر دیا ہے۔ کاسک ڈویژن میں بھی اُن کی وبا پھیل چکی ہے۔ بالخصوص وُہ کاسک فوج اس سے متاثر ہوئی ہے جو زیادہ تر توپ خانے کے ساتھ رہی ہے...... گھر واپس ہونے کی شدید خواہش...... اور۔"

"ان کا مدعا لیہ کیا ہے ـــ بالشویک کیا چاہتے ہیں؟"

ایوجین مسکرایا "کیا چاہتے ہیں؟ وُہ تو ہیضے کے جراثیم سے بھی مہلک ہیں۔ انسانوں سے چمٹ جاتے ہیں...... اب رہا سوال ان کے خیالات کا، تمہیں کوئی فکر نہ ہونی چاہیے۔ وُہ تمہیں فوجیوں سے محفوظ رکھیں گے۔ ہاں، اتنا ضرور ہے کہ ان میں ہوشیار آدمی بہت ہیں۔ اُن میں سے ایک دو کے ساتھ مجھے بھی واسطہ پڑ چکا ہے۔ ان میں سے بعض کٹر کے فقیر اور اندھے انتہا پسند بھی ہیں مگر ان کا مقصد صرف اسی قدر ہے کہ کسی طرح محاذ سے ہٹ کر گھر چلے جائیں۔ سب سے پہلے تو وُہ طاقت کو اپنے ہاتھوں میں لینا چاہتے ہیں۔ شاہ پرستوں کو بیخ و بن سے نابود کرنا چاہتے ہیں۔ جنگ کو اتحادیوں کی صلاح لیے بغیر صلح کر لینے سے ختم کرنا چاہتے ہیں۔ پھر کسانوں کو زمین اور مزدوروں کو فیکٹریاں دینا چاہتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ ان کے خیالات مضحکہ خیز ہیں لیکن انھیں مضحکہ خیز خیالات سے اُنھوں نے سپاہیوں کو مسحور کر لیا ہے۔"

ماخوف سراپا توجہ بن کر ایوجن کی باتیں سُن رہا تھا۔ اُس نے کرسی آگے بڑھالی تھی۔ بڈھا لسنگی کمرے میں چہل قدمی کر رہا تھا اور سفید مونچھیں چباتا ہوا کسی گہرے سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔
ایوجن نے بتایا کہ انقلاب آنے سے پہلے کس طرح بالشویکوں نے اُسے بھی ملٹن چھوڑ دینے پہ مجبور کیا تھا۔ پیٹروگراڈ کا واقعہ اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ چند لمحوں کی گفتگو کے بعد خاموشی طاری ہو گئی پھر بڈھے لسنگی نے بے ہنگم سوال کیا "کیا وہ سفید گھوڑا خرید و گے جسے تم نے خزاں میں دیکھا تھا؟"
"ان حالات میں ایسی باتیں کرتے ہو نکولائی الیگزی وچ!" ماخوف نے مایوسی کے عالم میں ہاتھ ہلایا۔

۳

اسی اثنا میں ماخوف کا کوچوان غلام گردش میں آگ تاپ رہا تھا سگرٹ پی رہا تھا اور چہلے سے بھی سفید رومال سے پسینا پونچھتا جاتا تھا اور گاؤں کی خبریں سراپا شوق ہو کر سُنا رہا تھا۔ اکسینیا بستر کے قریب کھڑی تھی۔

"میرے خیال میں ہمارا چھوٹا تو گھر گیا ہو گا؟"

"نہیں" بیبلین نے جواب دیا۔

"اور ہمارا پڑوسی، میلیخوف کنبہ — کیسی گزرتی ہے اُن کی؟"

"مزے میں ہیں۔"

"پیوتر اچھٹی پر نہیں آیا؟"

"میں نے سُنا نہیں۔"

"اور گریگری —؟"

"گریگری بحر سس کی چھٹیوں میں گھر آیا تھا۔ اُس کی بیوی کے ہاں جڑواں بچے ہوئے ہیں۔ گریگری زخمی بھی ہو گیا تھا۔"

"زخمی؟"

"ہاں، بازو پہ زخم آیا تھا۔ چار تمغے ملے ہیں اُسے۔"

"اب وہ کیسا نظر آتا ہے۔ ... میرا مطلب ہے گرگیہ ۔ ؟" ایجیتیا کھانسی، اُس نے ناک پونچھی اور سرد آہ بھرنے لگی۔

"ویسا ہی ہے ۔ بالکل ٹرک !"

"میرا مطلب یہ نہ تھا۔ کیا اب وہ پہلے سے بڑا نظر آتا ہے ؟"

"میں کیا جانوں ۔ اُس کی بیوی کے ہاں جڑواں بچے ہوئے ہیں۔ اس لیے معتبر کہاں سے ہوگیا وہ۔"

"اس کمرے میں بڑی سردی ہے۔" ایجیتیا کپکپائی اور باہر چلی گئی۔

میلیتین نے رائے زنی کی "ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے گاؤں میں اُس کے کپڑوں سے بُو آیا کرتی تھی۔ اب تو خوشبو چھوڑ رہی ہے۔ عطر لگاتی ہے۔ چہرے سے امارت برستی ہے ۔ اُس کمرے میں بڑی سردی ہے، کتیا کہیں کی کمینی تھی نا آخر۔ اس کی ماں نے کتیا کو جنم دیا ہے کتیا کو ۔ بڑی خطرناک ہوتی ہیں ایسی عورتیں ۔ سردی ہے کمرے میں! ۔ رینگتی ہوئی ناگن۔ ابلو چھوڑتی گھوڑی ۔ !!"

میلیتین کو چیوان اس قدر برہم ہوچکا تھا کہ وہ چائے کی آٹھویں پیالی ختم نہ کرسکا۔ وہ اُٹھا اور صاف و شفاف فرش پر بوٹ سے دھبے ڈالنے لگا۔ واپسی کے وقت وہ مالک کی طرح خاموش اور ملول تھا۔ غصہ گھوڑے پہ نکال رہا تھا۔ اُسے گالیاں دے رہا تھا۔ عادت کے خلاف آج اُس نے مالک سے کوئی بات نہ کی۔ سرمئی ماتوف بھی اُجڑے گھر کی دیوار کی طرح خاموش تھا۔

دُوسرا باب

مارچ کا انقلاب بپا ہونے سے پہلے پیدل فوج کا بریگیڈ ستائیسویں ڈان کاسک رجمنٹ کے ہمراہ محفوظ فوج قرار دے دیا گیا تھا۔ اُسے محاذ سے ہٹا لیا گیا اور جب پیٹرو گراڈ میں حالات نازک صورت اختیار کر گئے تو آتش انقلاب فرو کرنے کے لیے اُسے جھونک دیا گیا۔ یہ بریگیڈ عقب میں لایا گیا۔ اُسے نئے گرم کپڑے دیدیے گئے۔ کچھ دنوں تک نہایت اچھی غذا کھلائی گئی پھر اُسے شاہ پرستوں کی مقصد براری کے لیے گاڑی میں سوار کر دیا گیا۔

لیکن حالات نے پلٹنوں سے بھی تیز اور جلد پلٹا کھایا۔ جس دن یہ بریگیڈ روانہ ہوا خندقوں میں افواہ پھیل گئی کہ شہنشاہ نے تخت سے دستبردار ہونے کے عہد نامے پر دستخط کر دیے ہیں۔ یہ بریگیڈ آدھا راستہ طے کرنے کے بعد واپس کر دیا گیا۔ راز گان کے سٹیشن پر ستائیسویں رجمنٹ کو ریل گاڑی سے اُتار لیا گیا۔ راستہ رسل و رسائل کی گاڑیوں سے مسدود ہو چکا تھا۔ سپاہی کوٹوں پر سُرخ دھاریاں نمایاں کرتے ہوئے روسی ساخت کی نئی اور رنگ دار بندوقیں تھامے پلیٹ فارم پر چہل قدمی کر رہے تھے۔ اُن میں سے بیشتر مضطرب تھے۔ کاسکوں کو کمپنیوں میں تقسیم کیا جا رہا تھا۔

بارش ہو رہی تھی۔ سٹیشن کی عمارت کی ہر چھت سے پانی ٹپک رہا تھا جگہ لگاتے ہوئے انجنوں کا شور ہر آواز کو اپنے میں جذب کر لیتا تھا۔ مال گودام کے باہر پلٹن کا کمانڈر گھوڑے پر سوار آپہنچا۔ وہ کاسکوں کی قطاروں کے آگے آکر کھڑا ہو گیا۔ کمپنیوں کی طرف تیکھی نگاہیں ڈالتا ہوا بولا "کاسکو! عوام کی مرضی سے شہنشاہ نکولائی دوم کی حکومت ختم کر دی گئی ہے۔ عنانِ حکومت عوام کے ہاتھوں میں آگئی ہے۔ فوج کو اور تمھیں یہ خبر نہایت اطمینان سے سننی چاہیے۔ ہر کاسک کا فرض ہے

کہ وہ بیرونی حملے سے مادرِ وطن کی حفاظت کرے۔ یہ اضطراب جواب پھیل چکا ہے ہم اس سے بالکل الگ رہیں گے۔ فوج اور سیاسیات دو متضاد چیزیں ہیں۔۔۔۔۔“ یہاں پہنچ کر بڈھا سالارِ اعظم الفاظ ڈھونڈنے لگا ”کاسکو! تمھارا فرض یہی ہے کہ افسروں کا حکم بجالاؤ۔ ہم دشمن سے برسرِ پیکار رہیں گے۔ حکومتِ عوام کو ملک کی قسمت کا فیصلہ کرنے دو جنگ ختم کرنے کے بعد ہم ملک کے اندرونی معاملات میں دخل دیں گے لیکن اس وقت فوجی فرائض سے ہاتھ نہیں کھینچیں گے۔ فوج میں سیاسیات کو دخل نہ ہونا چاہیے۔“

۲

کاسک کئی دن تک سٹیشن پر پڑے رہے۔ انھوں نے وہاں صوبائی حکومت سے وفادار رہنے کی قسم کھائی۔ کاسکوں نے جو تقریریں سُنی تھیں۔ اُن پر وہ باہم بحث کرتے رہے تھے۔ ہر مشتبہ لفظ کی چھان پھٹک کرنے لگے۔ آخر وہ اسی نتیجے پر پہنچے کہ اگر آزادی مل گئی تو جنگ ختم کر دی جائے گی۔ افسر بھی اس یقین کے سامنے بے بس ہو کر رہ گئے۔ روس کے لیے لڑتے رہنا محال تھا۔

افسروں کے عزائم میں تزلزل پیدا ہُوا تو سپاہیوں کے حوصلے بھی متزلزل ہو گئے۔ فوجی افسر پٹیرو گراڈ کے نصف راستے میں اس بریگیڈ کی موجودگی فراموش کر گئے۔ سپاہیوں نے آٹھ دن کا راشن ختم کرنے کے بعد پڑوس کے دیہات کا رُخ کیا۔ شراب نوشی عام ہو گئی۔ ہر جگہ بے خوفی اور کسی قسم کی پابندی کے بغیر بکنے لگی۔ مدہوش افسر اور بدمست سپاہی چاروں طرف نظر آتے۔ کاسک روزمرہ کے فرائض سے بے پروا ہو کر ڈان کو جانے والی گاڑی کا انتظار کرنے لگے۔ کیونکہ یہ خیال عام تھا کہ محفوظ فوج توڑ دی جائے گی۔ وہ سہل انگار اور غفلت شعار ہو گئے تھے۔ وہ اپنے گھوڑوں کی دیکھ بھال میں بھی غفلت سے کام لیتے۔ منڈلیوں اور چوکوں میں اُن کا جمگھٹا لگا رہتا۔ جرمن بلیٹ کوٹوں لوہے کی ڈبیوں، سنگینوں اور تمباکو کی فروخت میں مصروف رہتے۔ جب حکم آیا کہ پلٹن محاذ کی طرف فوراً لوٹ جائے تو اضطراب پھیل گیا۔ دوسری کمپنی نے

محاذ پر جانے سے صاف انکار کر دیا۔ کاسکوں نے بھی ڈبوں سے انجن نہ لگنے دیا۔ حاکم اعلیٰ نے اُن سے ہتھیار چھین لینے کی دھمکی دی تو وہ مان گئے۔ ریل گاڑی محاذ کو روانہ ہوگئی لیکن ہر ڈبے میں صورتِ حال پر بحث ہو رہی تھی۔

ایک بڑے سٹیشن پر کاسک گاڑی سے باہر نکل آئے۔ دھمکیوں کے باوجود اُنھوں نے ایک مجلس منعقد کی۔ سٹیشن ماسٹر نے بہتیرا زور لگایا کہ کاسک پٹڑیوں پر سے ہٹ جائیں لیکن کسی نے ایک نہ سُنی۔ کاسک بڑے انہماک سے ایک حوالدار کی تقریر سُن رہے تھے۔ اس کا لہجہ خشمناک تھا" کاسکو! حالات خراب ہیں۔ ہر شعبۂ حیات میں انتشار پیدا ہے۔ اگر انقلاب رُونما ہو چکا ہے اور ہر شخص کو آزادی بخش دی گئی ہے تو جنگ ختم ہونی چاہیے۔ کیا عوام جنگ چاہتے ہیں؟ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں کیا وہ ٹھیک نہیں؟"

"بالکل ٹھیک ہے۔"

"جنگ مُردہ باد ——— چلو گھر چلیں۔"

"انجن کو ڈبوں سے علیحدہ کر دو ——— آؤ ——— کاسکو! آؤ۔"

"کاسکو! کاسکو! ذرا ٹھہرو، دم لو۔ بھائیو! ٹھہرو" وہی حوالدار کہہ رہا تھا "ٹھہرو ابھی انجن کو قطعاً نہ چھیڑو۔ ہم یہ تمسخر روکنا چاہتے ہیں۔ چلو، ا رجمنٹ کے حاکم اعلیٰ سے مطالبہ کرو کہ تمھیں وہ حکم دکھائے جس میں ہمیں محاذ پر لوٹنے کے لیے کہا گیا ہے۔ ہمیں کہیں فریب تو نہیں دیا جا رہا؟"

رجمنٹ کا حاکم اعلیٰ اُس کے قریب ہی کھڑا تھا۔ اُس نے با آوازِ بلند حکام اعلیٰ کا تار پڑھ کر سُنایا۔ یہ حکم سُن کر کاسکوں نے گاڑی میں سوار ہونا منظور کر لیا۔

تاتارسک گاؤں کے چھ کاسک ایک ہی ڈبے میں تھے۔ پیوترا، نکولائی کاشو فائی (میوتکا کا ماموں) انی کشکا، فیوڈوسٹ، مرکولاف اور میکسم گریا زنف۔ بچا ہوا ڈبوں میں سرسرا رہی تھی۔ گھوڑوں پر ترپال پڑے ہوئے تھے۔ کاسک آگ تاپ رہے تھے۔ بدافسک اپنے ننگے پاؤں سینک رہا تھا۔ گریا زنف بوسٹ کا تلاشی رہا تھا۔ وہ یوں باتیں بنا رہا

تھا" جب میں ابھی لڑکا ہی تھا تو میری دادی جس کی عمر سو برس کی تھی میرے قریب آ کر میرے سر میں جوئیں تلاش کیا کرتی۔ وہ بڑے پیار سے کہتی میری جان، میرے بچے مکسیم! اگلے وقتوں کے لوگ یوں نہیں رہا کرتے تھے جیسے اب رہتے ہیں۔ وہ بڑے مزے سے رہتے تھے۔ لوگ امن پسند اور قانون کے پابند تھے۔ دیکھ لینا میرے بچے! ایک دن ایسا آئے گا کہ ساری زمین لوہے کے تاروں سے بھر دی جائے گی اور لوہے کے پرندے ہوا میں اڑا کریں گے جنگ اور بھوک کی وبا عام ہو جائیگی۔ بھائی بھائی کا دشمن اور بیٹا باپ کے خلاف ہو جائیگا" گریازنف ایک لمحے کے لیے دم لینے کے لیے رکا "بوڑھی دادی اماں کی پیش گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہو رہی ہے۔ ٹیلیفون کے کھمبے اور ان پر لوہے کے تار ــــ لوہے کے پرندے ہیں ہوائی جہاز ــــ اور بھوک ــــ قحط کے آثار تو تم سب دیکھ ہی رہے ہو۔ اس سال گیہوں کم بوئے گئے ہیں گیہوں کے ذخائر ختم ہو چکے ہیں۔ اگر فصل اچھی نہ ہوئی تو فاقہ کشی کی نوبت بھی آ جائیگی۔"

"بھائی ــــ بھائی کے خلاف ــــ میرے خیال میں یہ تو گپ ہے، صریحاً کذب ہے۔"

"دیکھ لینا ــــ وہ دن بھی قریب آ رہا ہے۔"

"زاریتہ کی قسم اب ہم کب تک لڑتے رہیں گے۔" انی کشکا بولا۔

"جب تک تمھاری ڈاڑھی ایک فٹ لمبی نہ ہو جائے" کاشوفانی نے جواب دیا۔

سبھی ہنسنے لگے۔ یکایک گریازنف بیچ میں بول پڑا "کیوں ہنستے ہو؟ یہ ہنسی کا موقع نہیں رونے کا ہے۔ ہم مصیبت زدہ ہیں۔ ادھر ہم سسک رہے ہیں ادھر ہمارا کنبہ تڑپ رہا ہے۔"

"کیا بک رہے ہو؟" بیونڑا نے پوچھا۔

مرحولاقہ نے گریازنف کی جگہ جواب دیا "کیا تمھیں معلوم نہیں کہ کاسک کو کیا چاہیے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ گڈریا مویشیوں کو چراگاہ میں لے جاتا ہے۔ جب تک سورج گھاس پر پڑی ہوئی شبنم کو خشک نہیں کر دیتا، مویشی چرتے رہتے ہیں۔ جب سورج نکل آتا ہے۔

اور شبنم ہوا بن جاتی ہے تو مویشیوں کو مکھیاں کاٹنے لگتی ہیں۔ وہی حال ہمارا ہے" وہ پیوتڑا کی طرف منہ کرکے گویا ہوا" تو نانک صاحب! مویشی دولتیاں چلاتے ہیں۔ حیران کیوں ہو؟ تم بھی تو ڈھور ڈنگر چراتے رہے ہو۔ کوئی بچھڑا دم ہلا کر پیر مارتا ہے۔ کوئی دوڑتا ہوا دور نکل جاتا ہے۔ مویشی منتشر ہو جاتے ہیں اور گڈریا ان کے پیچھے پیچھے انھیں یکجا کرنے کے لیے بھاگتا پھرتا ہے۔"

"مگر اس سارے قصّے کا مطلب کیا ہوا؟"

مرکولاف نے اسی وقت جواب نہ دیا، پھر مسکرائے بغیر متانت سے بولا "ہم چار سال سے لڑ رہے ہیں... کیوں ٹھیک ہے نا؟ اب چوتھا سال لگ چکا ہے۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ کیوں لڑ رہے ہیں؟ کوئی نہیں بتا سکتا۔ میرا مطلب ہے کہ جلد یا بدیر ہم میں سے ایک محاذ چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔ اور اس کے پیچھے ایک جائے گا، دوسرا جائے گا پھر تیسرا... تم دیکھ لینا کہ یہی ہوگا۔"

"اچھا تو یہ مطلب تھا تمھارا —!"

"ہاں، میں اندھا نہیں بس کسی کے اتنا کہنے کی دیر ہے" آؤ چلیں" پھر کیا ہوگا؟ خندقیں خالی ہو جائیں گی۔"

"تمھیں ذرا خیال رکھنا چاہیے۔ بچ کر رہنا۔ جانتے نہیں ہو کہ پیوتڑا نائک ہے؟"

"میں نے اپنے کسی ساتھی پر ظلم نہیں کیا" پیوتڑا نے جواب دیا۔

"اچھا اچھا، ناراض کیوں ہوتے ہو؟ میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔"

بدانسکف پیوتڑا کی نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے گھوڑوں کی طرف چل دیا۔ گاڑی کے ڈبے کے دوسرے کونے میں دوسرے گاؤں کے کاسک سرگوشیاں کر رہے تھے۔ کاشتونائی نے انھیں بھی آگ تاپنے کی دعوت دے دی۔ انھوں نے سٹیشن کی باڑ میں سے توڑی ہوئی لکڑیاں آگ کے ڈھیر میں جھونکتے ہوئے گیت گانا شروع کر دیا۔

سفید روس کی خون چوسی ہوئی زمین کے اوپر ستارے آنسو بہا رہے تھے۔ تاریکی خاموشی کا راگ الاپ رہی تھی۔ ہوا زمین پر پر پھڑپھڑا رہی تھی۔

۴

چوبیس گھنٹوں کے اندر پلٹن ایک دفعہ پھر محاذ پر تھی۔ ریلوے جنکشن پہ فوجی گاڑی رُکی۔ نائک اپنے اپنے دستے کو گاڑی سے باہر نکلنے کا حکم دینے لگے۔ گھوڑے جلد جلد لائن پہ تختے لگا کر اُتارے گئے۔ کچے راستوں پر سوکھی گھاس بچھا دی گئی۔

پلٹن کے کماندار کی طرف سے ایک اردلی آیا اور پیوتر سے کہنے لگا "کماندار نے تمہیں بھی یاد کیا ہے۔"

لمبا کوٹ درست کرتے ہوئے پیوترا انی کشکا سے بولا "میرے گھوڑے کا خیال رکھنا۔"

انی کشکا خاموشی سے پیوترا کو جاتے ہوئے دیکھا کیا۔ اُس کے چہرے سے بیزاری ٹپکتی تھی۔ پیوترا کیچڑ میں لتھڑے ہوئے بوٹ دیکھتا جا رہا تھا اور حیران تھا کہ پلٹن کے کماندار نے اُسے کیوں بلایا ہے۔ پلیٹ فارم پر شیڈ کے پاس کاسکوں کا اجتماع تھا۔ ایک طویل القامت کاسک اُن کے درمیان کھڑا تھا۔ پیوترا حیرت دُور کرنے کے لیے ان کے قریب چلا گیا۔ اُس نے طویل القامت کاسک کے ڈاڑھی والے چہرے کو بغور دیکھا۔ اُس کی شکل جانی پہچانی ہوئی معلوم ہوئی اور اُسے یقین ہو گیا کہ اُس نے ضرور اسے پہلے کہیں دیکھا ہے۔

"کیا بات ہے" اُس نے ایک کاسک سے پوچھا۔

"ہم نے ایک بھگوڑے کو پکڑا ہے... کاسک ہے۔"

پیوترا نے ایک دفعہ پھر ذہن پر زور ڈالا لیکن اُسے یاد نہ آیا کہ اُس نے اُسے کہاں دیکھا تھا۔ قیدی نے سپاہیوں کے سوالات کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ پیالے میں گرم پانی بھر کر ایک لمبے گھونٹ سے پی گیا اور سوکھے بسکٹ چبانے لگا۔ اس کے ابرو لرز رہے تھے۔ ایک لمبا تڑنگا اور مضبوط جسم کا سنتری اُس کے سر پہ کھڑا تھا۔ کاسک نے ناشتا ختم کر لیا۔ اُس نے مجمع پر کڑی نگاہ ڈالی اور بولا "کیا میں درندہ ہوں؟ ایک آدمی کو کھانے بھی نہ دو گے سورو! کیا تم نے کبھی کوئی مرد نہیں دیکھا؟" سپاہی کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

پیوترا نے اُس کا پہلا جملہ سنتے ہی اُسے پہچان لیا۔

"فومن ـــــ یعقوب فومن!" پیوترا چلّایا۔

اُس آدمی نے پانی کا پیالہ نیچے رکھ دیا اور حیران ہو کر دیکھنے لگا۔ پیوترا مسکرا رہا تھا۔

"میں تمھیں پہچانتا نہیں ہوں بھائی!" یعقوب بولا۔

"کیا تم ربیزن کے رہنے والے نہیں؟"

"ہاں ـــ اور کیا تم زیلانسکا کے نہیں؟"

"زیلانسکا نہیں ولشینسکا کے ضلع کا ہوں مگر میں تو تمھیں پہچانتا ہوں۔ تم نے میرے باپ کے ہاتھ منڈی میں بیل بیچا تھا چار سال ہوئے" پیوترا نے یاد دلایا۔

لیکن وہ ابھی تک مسکرا رہا تھا "میں بھول چکا ہوں۔ یہ واقعہ مجھے یاد نہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تمھیں ہنوز نہیں پہچان سکا۔"

"تم باولویں پلٹن میں نہ تھے؟"

"تھا۔"

"کیوں بھاگ آئے ـــ بھائی؟"

فومن نے ٹوپی بغل میں دبائی، کاغذ کا کونا پھاڑا اور پیوترا کی طرف چبھتی ہوئی تیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا "میں زیادہ ڈرلنگ برداشت نہ کر سکتا تھا۔"

پیوترا اُس کی نگاہوں کی تاب نہ لا سکا۔

فومن کا سنتری تنگ آ کر بولا "یہ باتیں بند کرو۔ کہیں مجھ پر تمھاری وجہ سے کوئی مصیبت نہ آ جائے ـــ چلو بھیّا! اب چلو۔"

فومن تیز تیز قدم اُٹھاتا رخصت ہوا۔ اُس نے پیوترا کو الوداع کہی اور پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر سگرٹ کا دھواں چھوڑتا ہوا روانہ ہو گیا۔

۴

پلٹن کا کمانڈر کمپنی کے دو کمانڈروں کے ہمراہ پیوتڑا کا منتظر تھا۔

"تم نے بہت راہ دکھائی میلیخوف!" کرنل بڑبڑایا۔

پیوتڑا کو مطلع کیا گیا کہ اس کی پلٹن کا ملاڈو تیزنل حکام کی مرضی پہ چھوڑ دی گئی تھی۔ اُن کی طرف سے حکم آیا تھا کہ کاسکوں کی کڑی نگرانی کی جائے لیکن اُسے ذومن کا وہ جملہ یاد آرہا تھا "زیادہ دیر تک یہ برداشت نہیں کر سکتا بھائی!"

وہ خیمہ سے باہر نکل کر اپنی کمپنی میں واپس آیا جب وہ اپنے ڈبے کے پاس آیا تو دیکھا کہ اُس کی کمپنی کے کاسک نعل بند کے ارد گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ اُسے بھی گھوڑے کے نعل لگوانے تھے وہ ابھی تک رہا تھا کہ دوسری گاڑی کے ایک ڈبے میں سے سفید شال اوڑھے ایک عورت نکلی۔ وہ سفید روس کی عورتوں سے بالکل مختلف لباس پہنے ہوئے تھی۔ اُس عورت نے مُنہ پیوتڑا کی طرف کر لیا اور متناسب جسم لہراتی ہوئی اُس کی طرف بڑھی۔ ابھی روشنی اچھی طرح نہ پھیلی تھی۔ پھر بھی پیوتڑا نے اپنی بیوی کو پہچان لیا۔ اُس کے کلیجے میں ٹھنڈ سی پڑ گئی۔ اُس نے قدم جان بوجھ کر سست کر لیے تاکہ دوسرے یہ نہ سمجھیں کہ اُسے بیوی کو دیکھ کر مسرت ہوئی ہے۔ پیوتڑا نے حسب رواج بیوی کے لبوں پر تین مرتبہ بوسہ دیا۔ اُس نے کچھ کہنا چاہا لیکن اُس نے لہجہ بدلتے ہوئے کہا "مجھے توقع نہ تھی کہ تم آؤ گی۔"

"میرے پیارے! کس قدر تبدیل ہو چکے ہو تم!" ڈاریا نے تالی بجاتے ہوئے کہا "تم تو بالکل ایک اجنبی معلوم ہوتے ہو۔ میں تم سے ملنے آئی ہوں۔ گھر والے مجھے آنے نہ دیتے تھے لیکن میں نے سوچا کہ میں اپنے پیارے سے مل ہی آؤں۔" اُس کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں۔ وہ خاوند سے لپٹی جا رہی تھی۔

گاڑی میں بیٹھے ہوئے کاسک خیال آرائیاں کر رہے تھے "پیوتڑا خوش ہے — بعید

خوش ہا؟

"میری بوڑھی کُتیا کبھی مجھ سے ملنے نہ آسکے گی" دُوسرا بولا۔

"پیوتڑا کو چاہیئے کہ ہم پر ترس کھاتے ہوئے ایک رات اپنی بیوی ہمیں دے دے۔"

پیوتڑا یہ وعدہ بھول چکا تھا کہ بیوی کو دیکھتے ہی اُسے زدوکوب کرے گا۔ اب وُہ سب کے سامنے اُسے پیار کر رہا تھا۔ اُس کی پیٹھ پر تھپکیاں دے رہا تھا۔ ڈاریا بھی بھول چکی تھی کہ دورانِ ہوش وُہ ریل کے ڈبے میں ایک سلونزی کے ساتھ، جو خارکوف سے اپنی پلٹن میں شمولیت کی غرض سے آ رہا تھا، ہم خواب ہوئی تھی خاوند کو دیکھ کر ڈاریا کی آنکھوں میں پُرخلوص مسرت کے آنسو آ گئے تھے۔

تیسرا باب

رخصت کے بعد ایوجن لسنکی اپنی پلٹن میں واپس نہ آیا۔ سیدھا ڈویژنل حکام کے دفتر میں گیا۔ وہاں ایک نوجوان جرنیل، جو مشہور کاسک خاندان سے تھا ایوجن پر مہربان ہُوا۔ اُس نے اس کی مرضی کے مطابق اسے چودھویں ڈان کاسک پلٹن میں تبدیل کر دیا کیونکہ اُس کی پہلی پلٹن کے کاسک سرکش ہو چکے تھے اور اس کی قدر نہ کرتے تھے۔

لسنکی اس تبادلے سے بیحد خوش ہُوا۔ اُسی دن وُہ دفسنک روانہ ہو گیا جہاں چودھویں پلٹن مقیم تھی۔ وہاں پہنچ کر اُسے بڑا اطمینان ہُوا کیونکہ اُس پلٹن کے بیشتر افسر شاہ پرست تھے۔ کاسکوں نے صوبائی حکومت سے وفاداری کا عہد تو کر لیا تھا لیکن کسی بھی معاملے میں دخل انداز نہ ہوتے تھے۔ امن پسند کاسکوں کی فوجی کمپنیاں بنائی گئی تھیں۔ لسنکی کو یہاں آ کر زیادہ مصیبت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

پلٹن دو مہینوں سے دفسنک میں اقامت گزیں تھی اور سستا رہی تھی۔ پہلے اُس کی دو کمپنیاں ایک توپخانے سے ملحق کر دی گئی تھیں اور ریگا سے دفسنک تک آوارہ و پریشان رہی تھیں لیکن اپریل میں کسی دانشمند نے اُنھیں متحد کر دیا۔ اب پلٹن ہر قسم کے اقدام کے لیے تیار تھی۔

افسروں کی کڑی نگرانی میں کاسک ورزش اور گھوڑوں کو دانہ کھلانے میں دن گزارتے مگر یہاں بھی ناخوشگوار افواہیں پھیلا دی جاتی تھیں۔

اس مقام سے محاذ مغرب کی جانب کچھ زیادہ دور نہ تھا۔ خوراک اور رسد کی بیحد کمی تھی۔ سپاہیوں کے لبوں پر ایک لفظ تمنا بن کر آ جاتا تھا اور وہ تھا 'امن' ہر فوج میں غیظ و غضب کی لہر جاری و ساری تھی...... مگر دفسنک میں کاسک موجودہ زندگی سے مطمئن تھے۔ افسر بھی رُوس کے مستقبل

کے متعلق باتیں سوچتے سوچتے زندگی بسر کر رہے تھے۔

۲

جولائی کے آغاز میں ایک حکم آیا کہ ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر پیش قدمی کی جائے۔ پلٹن پیٹرزگراڈ کی طرف چل پڑی۔ ۲۰ جولائی کو پلٹن کے گھوڑوں کی ٹاپیں دارالسلطنت کی پٹڑیوں پر گونج رہی تھیں۔ لسنسکی کی کمپنی کو تجارتی عمارتوں میں جگہ دی گئی۔ کاسکوں کا انتظار بڑی بے صبری اور مسرت سے کیا جا رہا تھا۔ اُن کے لیے بڑی توجہ سے عمارتیں خالی کی گئی تھیں۔ دیواروں پر تازہ سفیدی کی گئی تھی دروازے نئی چادروں کی طرح جگمگا رہے تھے۔ لسنسکی نے عمارتوں کا معاینہ کیا۔ معاینے سے مطمئن ہو جانے کے بعد وہ احاطے کے دروازے کی طرف متوجہ ہوا۔ اُس کے ساتھ شہر کے تنظیمی ادارے کا ایک اعلیٰ افسر بھی تھا۔

"اصطبل کے دروازے ناکافی ہیں۔ دروازے اور لگانے پڑیں گے۔ ایک سو بیس گھوڑوں کے لیے تین دروازے کافی نہیں ہو سکتے۔ خطرے کے وقت ایک سو بیس گھوڑوں کو باہر نکالنے کے لیے ایک گھنٹہ درکار ہوگا۔ اس بات پر غور نہیں کیا گیا۔ مجھے پلٹن کے کمانڈر سے ابھی ملنا ہوگا۔"

اُس نے ساتھی کو ہدایات دیں اور خود سیڑھیوں سے اُوپر جا کر اس کمرے میں داخل ہوا جو افسروں کے لیے وقف کیا گیا تھا۔ اُس نے سفری بستر پر اپنے آپ کو گرا دیا۔ پسینے سے بھیگا ہوا قمیص اُس کے جسم کو ٹھنڈک پہنچا رہا تھا۔ مسافت کی تھکن نے اُسے اُٹھ کر مُنہ بھی نہ دھونے دیا۔ آخر اُس نے سستی پر قابو پا لیا۔ اُٹھ کر مُنہ ہاتھ دھویا اور جسم تولیے سے پونچھا۔ اس سے اُس میں تازگی آ گئی۔ وہ اُٹھ کر اخبار کی تازہ خبریں پڑھنا ہی چاہتا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ پلٹن کے کمانڈر نے اُسے طلب کیا تھا۔ بڑی بے دلی کے ساتھ بستر سے اُٹھا اور فوجی صدر مقام کی طرف چل پڑا۔ انسانوں کا بے پناہ ہجوم تنکوں کی ٹوپیاں پہنے ہوئے جمع تھا۔ عورتیں ترشی ہوئی آڑی ترچھی ٹوپیاں پہنے ہوئے تھیں۔ سگرٹ سلگا کر وہ پٹڑی پر چلنے لگا۔ ہجوم میں ایک جمہوری سپاہی کا سر بلند ہوتا اور ڈوب جاتا۔

سمندر سے تازہ ہوا آرہی تھی بادل جنوب کی طرف جارہے تھے۔ ایک گہرا حبس شہر پر بارش آنے کی منادی کررہا تھا۔ ہوا میں جلتے ہوئے پٹرول کی بُو تھی اور ہجوم میں ہر قسم کی خوشبوئیں اُٹھ رہی تھیں۔ دکانوں کی کھڑکیاں ہوا کی وجہ سے بج رہی تھیں۔ شیشے جھنجھنا اُٹھتے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ لیکن چوک میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی بسنتی جنگ کے دوران شہر کی اس بھیڑ سے نامانوس ہو چکا تھا۔ اخبار بیچنے والوں کا شور اور موٹروں کے بجتے ہوئے ہارن سُنے ہوئے اُسے مدت ہو چکی تھی لیکن نفیس کپڑے پہنے ہوئے لوگوں میں اپنے آپ کو گھرا ہُوا پا کر وُہ بیحد مسرور ہو رہا تھا۔ اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اپنے رشتہ داروں میں گھوم رہا ہو۔

"کس قدر مطمئن اور کس قدر خوش نظر آتے ہیں تاجر، افسر، دلال، زمیندار — تیلے خون کے انسان! لیکن تین دن پہلے جب مزدوروں اور کسانوں نے شہر پر ہلّہ بول دیا تھا، تمھارے چہرے کس قدر پژمردہ تھے! کچھ بھی ہو میں خوش ہوں اور تم خوش نہیں۔ میں نہیں جانتا کہ......!" وُہ خیالات کا تجزیہ کرتا ہُوا جارہا تھا۔ وُہ کھاتے پیتے مردوں اور عورتوں سے جُدا ہو رہا تھا اس لیے اس کے خیالات میں تبدیلی بھی آچکی تھی۔

اُس نے ایک موٹے اور سُرخ گالوں والے مرد کو دیکھ کر خیال کیا "اس کی مثال لے لو۔ یہ محاذ پر کیوں نہیں گیا؟ جہاں تک میرا خیال ہے یہ ایک مِل کے مالک کا بیٹا ہے یا کسی ملک التجار کا۔ اس لیے فوجی خدمت سے محفوظ رکھا گیا ہے۔ کام کرتے کرتے شاید موٹا ہوتا جا رہا ہے کہ وطن کی حفاظت کر سکے!"

وُہ خاموشی سے فوجی صدر مقام کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ دُوسری منزل پر پہنچ کر اُس نے سگرٹ پیا۔ عینک صاف کی اور تیسری منزل پر چڑھ گیا۔ پلٹن کے کماندار نے پیٹرو گراڈ کا نقشہ کھول رکھا تھا۔ اُس نے اُس علاقے پر نشان لگا دیا جہاں بسنتی کی کمیٹی کی حکومت کے دفتروں کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔ دہ ہر عمارت کا نام بتا جاتا تھا اور اُسے پہریداروں کا طریق تعین سمجھا رہا تھا۔ آخر میں اُس نے نام لیا "زار کا محل ——!"

"زار کا محل — کیا ظلم کرتے ہو؟ وہاں پہرا دینا مشکل ہے۔"

"ایوجن لسنسکی — حالات پر قابو پانا ہوگا۔"

"میں التجا کرتا ہوں کرنل —!"

"میں حکم دیتا ہوں۔"

"کیا مجھے ایک دستہ فوجی کارخانے کی طرف فوراً بھیجنا ہوگا....؟" ایوجن نے آہستہ سے سوال کیا۔ کرنل ہونٹ کاٹنے لگا پھر کندھے جھٹکاتا ہوا مسکرایا اور بولا "فوراً۔"

لسنسکی مڑا اور باہر آگیا کرنل کی باتیں ابھی تک اس کے ذہن میں کروٹیں لے رہی تھیں۔ صدر دروازے کے سامنے سے چوتھی ڈان کارسک رجمنٹ کا ایک گشتی دستہ گزر رہا تھا۔ افسر کے گھوڑے کی گردن میں پھولوں کے ہار پڑے ہوئے تھے اور وہ مسکرا رہا تھا۔

"ملک کے محافظ.... ہپ ہپ ہرّے!" ایک بوڑھا آدمی انھیں دیکھ کر جوش میں آچکا تھا۔ گھوڑے پر چڑھے ہوئے افسر نے جواب میں اس بوڑھے کو سلام کیا۔ بوڑھے کے چہرے پر رونق آگئی۔ لسنسکی یہ نظارہ دیکھتا ہوا کمپنی کی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوا۔

۴

جرنیل کارنیلف کو جنوب مغربی محاذ کا سالارِ اعظم مقرر کیا گیا۔ اس تقرر کو چودھویں پلٹن کے افسروں نے بیحد سراہا۔ ان کے دلوں میں جرنیل کا بیحد احترام تھا۔ وہ اسے آہنی ارادوں کا انسان سمجھتے تھے۔ وہ شخص اس قابل تھا کہ ملک کو اس بدعت سے نجات دلا سکے جس میں صوبائی حکومت نے اسے دھکیل دیا تھا۔ لسنسکی نے بالخصوص اس کا خیر مقدم کیا۔ اس نے نائب افسروں کے ذریعے سے اس تقرر کے متعلق سپاہیوں کی رائے کا بھی پتا لگایا۔

"کیا فرق پڑتا ہے ہمارے لیے.....؟"

"ہاں اگر اس نے امن قائم کر دیا اور جنگ ختم کر دی تو....."

"اس کے تقرر سے ہمیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔"

چند ہی دنوں میں جرنیل کارنیلف کے متعلق افسروں میں یہ افواہیں عام ہو گئیں کہ وہ حکومت سے محاذ پر سزائے موت کے دوبارہ اجرا کے لیے بات چیت کر رہا ہے۔ وہ ان تمام سخت اور کڑے قوانین کو فوج میں پھر سے رائج کرنا چاہتا ہے جس سے کسی میں احکام کی سرتابی کی جرأت نہ رہے لیکن حکومت اُس کی مخالف تھی اور اس کی جگہ کسی اور کو جرنیل منتخب کرنے کے لیے مشورہ کر رہی تھی۔ جرنیل کارنیلف اور حکومت میں کشمکش جاری تھی۔

شام کو جب تمام افسر اکٹھے ہوئے تو لسنکی نے ایک سوال اُٹھایا "دوستو! تم کس طرف ہو؟ ہم یہاں ایک کنبے کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس لیے مشورہ کرنا بُری بات نہیں۔ حکومت اور سالارِ اعظم میں اختلاف پیدا ہو چکا ہے۔ ہمیں یہ سوال طے کر لینا چاہیے کہ ہم کس طرف ہیں۔ آؤ دوستوں کی طرح باتیں کریں اور اپنا دل کھول کر رکھ دیں۔ کوئی لگی لپٹی بات منہ سے نہ نکالیں۔ جو ہمارے دل میں ہے صاف صاف اُگل دیں۔"

لفٹننٹ اتارچیکف نے سب سے پہلے جواب دیا "جرنیل کارنیلف کے لیے میں جان دے سکتا ہوں۔ وہ بے حد ایماندار شخص ہے اور روس کی بہبود اُس کے پیشِ نظر ہے۔ دیکھتے نہیں کہ اُس نے فوج میں نئی روح پھونک دی ہے۔ اُسی کی بدولت ہم آج متحد ہو چکے ہیں اور اُس کے آنے سے پہلے کیا تھا۔ فرار اور حکم سے سرتابی" اُس کا لہجہ تند تھا۔

"بالشویکوں میں سے کرنیسکی اور کارنیلف کا نام اگر لیا جائے تو ہم یقیناً کارنیلف کا انتخاب کریں گے" دوسرے نے جواب دیا۔

"اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کارنیلف کیا بنا کیا ہے۔ کیا وہ تنظیم کی بحالی چاہتا ہے یا کسی اور شئے کی از سرِ نو تعمیر ــــ؟" تیسرے نے سوال کیا۔

"یہ تو کوئی جواب نہ ہوا۔ کیا تم شہنشاہیت کی بحالی سے خوفزدہ ہو رہے ہو؟"

"میں اُس سے قطعاً خوفزدہ نہیں۔"

"تو پھر بحث کس بات کی چھڑی ہوئی ہے؟"

"دوستو ۔۔۔۔!" ڈالگف بولا جو فوجی خدمات کے صلے میں نائک سے افسر بنا دیا گیا تھا۔ "کیوں لڑتے ہو؟ کیوں نہیں صاف صاف کہہ دیتے کہ ہم اس سے گریز کرتے ہیں تو ختم ہو جاتے ہیں۔ روس اپنی ہی کیچڑ میں دفن ہو جائے گا ..... معاملہ صاف ہے۔ جہاں وہ جائیگا ہم جائیں گے"

"بالکل ۔۔۔ قطعاً" اتارچیکف نے تالی بجائی اور ڈالگف کی پیٹھ پر تھپکیاں دیں "کیا ہم کارنیلف کے ساتھ ہیں یا نہیں!"

"بالکل ۔۔۔ ہم جرنیل کارنیلف کے ساتھ ہیں"۔

ہنستے ہوئے اور ایک دوسرے کے رخساروں پر بوسہ دیتے ہوئے افسر چائے پیتے رہے۔ اختلافات مٹ چکے تھے۔ اب گفتگو نے رخ بدلا۔ چند دن پہلے جو واقعات رونما ہوئے تھے ان کا تجزیہ ہونے لگا۔

"ہم تو جرنیل کا ساتھ دیں گے لیکن کاسک برگشتہ خاطر ہو رہے ہیں"

"برگشتہ خاطر ۔۔۔ وہ کیوں ۔۔۔؟" لسنتسکی نے پوچھا۔

"کیونکہ انھیں خندقوں میں قید کر دیا گیا ہے۔ سو بیویوں کے پاس جانا چاہتے ہیں۔ ان کی زندگی کچھ زیادہ راحت و آرام سے نہیں گزرتی"

"مگر کاسکوں کی قیادت کرنا تو ہمارا کام ہے" ایک اور افسر نے میز پر مکا مارتے ہوئے کہا "ہم افسر بھی تو اسی لیے بنائے گئے ہیں"

لسنتسکی پیالی میں چمچہ کھنکھنا رہا تھا "دوستو ۔۔۔ اس وقت ہمارے سامنے ایک ہی مقصد ہے یعنی کاسکوں کو بتایا جائے کہ صورت حال کیا ہے۔ کمپنیوں کے دائرہ اثر سے ہمیں کاسکوں کو دور لے جانا چاہیے۔ ہمیں ان تک ایک نئے راستے سے رسائی حاصل کرنی چاہیے مثال ملاحظہ ہو۔ ۱۹۱۶ء میں کاسک کے کوڑے لگائے جا سکتے تھے اور جنگ میں اس کے عناد کا خطرہ مول لیا جا سکتا تھا۔ وہ بآسانی پیچھے سے میری پیٹھ میں گولی اتار سکتا تھا لیکن مارچ کے انقلاب میں تو کاسک کو جھڑکا بھی نہ جا سکتا تھا۔ وہ مجھے وہیں کھڑے کھڑے ڈھیر

کرسکتا تھا۔۔۔۔ حالات نے ایک دفعہ پھر پلٹا کھایا ہے۔ کاسک بالشویکوں کے زیر اثر آچکے ہیں۔ آنے والے واقعات کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اب یا تو ہمیں جرنیل کارنیلف سے مل کر جمہوری انقلاب پسندوں کا مقابلہ کرنا ہوگا یا بالشویک ہم پر غالب آکر ایک نیا انقلاب برپا کر دیں گے۔ انقلاب پسند سستا رہے ہیں اور طاقت جمع کر رہے ہیں۔"

"سچ کہتے ہو سنتکی!"

"روس کا ایک پاؤں قبر میں ہے اور ایک باہر۔"

"میں کہتا ہوں کہ جب نئی مصیبت کا آغاز ہوگا ۔۔۔ میرا مطلب ہے، خانہ جنگی سے ۔۔۔ ہمیں قابلِ اعتبار کاسکوں کی ضرورت ہوگی۔ خانہ جنگی میرے خیال میں اب ناگزیر ہے۔ ہمیں ان کا اعتماد حاصل کرنا چاہیے۔ ان کے دلوں پر ہمارا راج ہونا چاہیے۔ یہی وقتی ضرورت ہے۔ یاد رہے جس دن طوائف الملوکی کا آغاز ہوا کاسک اپنے افسروں کو ہلاک کر دیں گے۔"

"سچ کہتے ہو بالکل سچ۔ ہمیں موجودہ تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ ہمیں اپنے کاسکوں کو اس غلطی سے ضرور بچا لینا چاہیے جس کا خمیازہ انھیں بعد میں بھگتنا پڑے۔"

اس فیصلے کے بعد کمپنی کے ایک کامدار نے جو چودھویں کاسک رجمنٹ میں نو سال سے موجود تھا اور جو جنگ میں چار دفعہ زخمی ہو چکا تھا، بتایا کہ جنگ سے پہلے کاسک پلٹن میں فوجی خدمت بہت دشوار تھی۔ کاسک افسروں کو اندھیرے میں رکھا جاتا تھا۔ ترقی کی رفتار نہایت سست تھی۔ زار کی معزولی میں اس کے خیال کے مطابق کاسکوں کے ساتھ اس بدسلوکی کا بھی ہاتھ تھا۔ ان باتوں کے باوجود اس کا خیال تھا کہ جرنیل کارنیلف کا ساتھ دینا ضروری ہے۔ وہ بولا "کارنیلف کو کاسکوں کا آمر بنا دیا جائے۔ کاسکوں کی نجات اسی میں ہے کہ کارنیلف آمر روس بن جائے۔ اس کے زیر نگین ہماری حالت سدھر جائے گی۔"

افسر صبح تک باتیں کرتے رہے۔ فیصلہ ہوا کہ کاسکوں سے ہفتے میں تین دفعہ مبادلہ

خیالات کیا جائے۔ افسروں کو چاہیے کہ وہ انھیں ورزش، کھیل کود اور مطالعے میں مصروف رکھیں۔ اور کاسکوں کے لمحاتِ فرصت کو سیاسیات سے پاک رکھنے کے لیے مشاغل وضع کریں۔

اٹھنے سے پہلے انھوں نے چائے کی پیالیاں ہی اٹھا کر ایک دوسرے کا جامِ صحت پیا۔ ڈالگف اور اتاریچیکف نے ایک پرانا کاسک گیت چھیڑ دیا:

"ہمارا ڈان مغرور ہے، نازاں ہے۔ ڈان ہمارا باپ ہے!
نہ دہر یسے کے آگے جھکتا ہے نہ یہ سوال کرتا ہے کہ ماسکو میں لوگ زندگی کیونکر بسر کرتے ہیں۔
وہ بہے جاتا ہے......
ترک تلواریں سونتے ہوئے آتے ہیں۔ صدیوں سے باپ ڈان ان کا خیر مقدم کرتا رہا ہے۔ ہر سال ہماری زمین — ہماری مادرِ وطن.... ہماری مقدس ماں مریم کے اعتقاد میں سرشار دشمن سے نبرد آزما رہی ہے۔
ڈان کی چمکتی دمکتی لہریں غنیم سے جنگ کرتی رہی ہیں۔"

اتاریچیکف گھٹنوں پر ہاتھ رکھے بیٹھا تھا۔ وہ بیخودی اور ربیا کی سے گیت گا رہا تھا۔ جب گیت ختم ہونے لگا تو لسنتکی نے دیکھا کہ اس کے رخسار پر ایک قطرۂ اشک بہ رہا ہے۔

۴

جب دوسری کمپنیوں کے تمام افسر چلے گئے تو اتاریچیکف — لسنتکی کے بستر پر آکر بیٹھ گیا اور بولا "ایوجین! تم جانتے ہی ہو کہ میں ڈان کا شیدائی ہوں۔ کاسکوں کے پرانے طرزِ حیات کا شائق ہوں۔ مجھے اپنے کاسکوں سے بے حد محبت ہے۔ جب میدانی ہوا کی خوشبو سونگھتا ہوں تو میری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ گرمیوں کے پھول شگفتہ ہوتے ہیں تو بدمست ہو جاتا ہوں۔ اور اب میں سوچ رہا ہوں کہ کیا ہم کاسکوں کے ساتھ فریب نہیں کر رہے ہیں؟

کیا یہی وُہ زندگی ہے جو ہم اپنے کاسکوں کے لیے پسند کرنا چاہتے ہیں !"

"کیا مطلب ہے تمہارا ؟"

"میں حیران ہوں کہ کیا کاسکوں کی آئندہ زندگی یہی رزمیہ زندگی ہو گی ؟"

"میں نہیں جانتا لیکن وہ ہماری طرف سے مُنہ کیوں موڑ رہے ہیں ؟ انقلاب نے ہمیں بھیڑ بکریوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ہمارے مفاد بالکل مختلف ہیں۔"

"تم آنکھیں بند کیے ہوئے ہو" لسنگی کے لہجے میں متانت تھی۔ "درحقیقت حالات اور واقعات کے سمجھنے میں اختلاف پیدا ہوتا ہے ہم دُوسرے کاسکوں سے زیادہ تعلیم یافتہ ہیں اور حالات کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں۔ بالشویکوں کا خیال ہے کہ جنگ بند کر دینی چاہیے۔ کیا اسی جنگ کو خانہ جنگی میں بدل دینا چاہیے۔ وہ کاسکوں کے دماغ اسی قسم کے خیال سے زہر آلود کر رہے ہیں۔ چونکہ کاسک تھک چکے ہیں ان میں وحشت زیادہ ہے اور تدبر کم اس لیے وُہ بالشویکوں کا ساتھ دے رہے ہیں۔ بالشویکوں کی سرگرمیوں کے لیے کاسکوں سے زیادہ موافق سرزمین کوئی نہیں ــــ خود ہی کہو ـــ کاسکوں کو وطن سے کتنی محبت ہے ؟ اُن کی حب وطنی ایک مفروضہ ہے۔ ڈان کے اضلاع محاذ سے کوسوں دُور ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ جرمن وہاں تک کبھی نہ پہنچ سکیں گے مگر ہمیں اُن نتائج سے کاسکوں کو خبردار کر دینا چاہیے جو خانہ جنگی کی پیداوار ہو سکتے ہیں۔"

ایوجن بول تو رہا تھا لیکن اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ رہا۔ جب وُہ آخری جملہ ختم کر چکا تو خاموش ہو گیا۔ دیر تک دونوں خاموش بیٹھے رہے۔ لسنگی سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ اُس نے آتار چیکف کو بولنے دیا۔ وُہ کیوں بیچ میں کُود پڑا۔ اُسے کم سے کم اتنا تو پتا چل جاتا کہ آتار چیکف کا مقصد کیا تھا۔

آتار چیکف بستر پر آ کر دراز ہو گیا۔ لسنگی بستر پر پڑا پڑا برانگیختہ ہوتا رہا۔ وُہ جھنجلا رہا تھا کہ دوست کے خیالات سے آگاہ نہ ہو سکا۔ تاریکی میں اُسے رخصت کے دن اور ایکسینیا کی آنکھیں یاد آئیں۔ ایکسینیا کے پیار سے اُس نے جھولیاں بھر لی تھیں۔ دل کی ہر تمنا نکال چکا تھا۔ خیالات

کی بدلتی رَو نے اُسے تھپکیاں دے کر سلا دیا۔ خواب میں اُسے وُہ عورتیں دکھائی دینے لگیں جن سے اس کا واسطہ پڑ چکا تھا۔

۵

لسنتکی کی کمپنی میں ایک کاسک لگوٹن بھی تھا جو کمپنی کی انقلابی کمیٹی میں سب سے پہلے منتخب کیا گیا تھا۔ پلٹن کے پیٹرو گراڈ پہنچنے تک اُس نے کسی سرگرمی کا اظہار نہ کیا تھا لیکن اگست کے آغاز میں ایوچن کو بتایا گیا کہ لگوٹن فوجی سپاہیوں اور مزدوروں کے خفیہ اجلاس میں حصّہ لیتا ہے۔ کاسکوں پر اُس کا بہت اثر ہے۔ کمپنی میں پہرہ داری اور گشتی پہرہ داری سے دو دفعہ انکار کیا جا چکا تھا۔ افسروں نے اُسے لگوٹن کی کارگزاریوں سے تعبیر کیا تھا۔ لسنتکی نے اُس شخص سے مل کر اس کے خیالات سے آگاہی کا فیصلہ کیا۔ جلد ہی ایک موقع بھی میسّر آ گیا۔ چند راتوں کے بعد لگوٹن کا دستہ اسلحہ سازی کے کارخانوں پر پہرہ دینے کے لیے متعیّن کیا گیا۔ لسنتکی نے پلٹن کے کمانڈر سے کہا کہ آج رات کو وہ اس دستے کے ساتھ جائیگا۔ اُس نے اپنے اردلی کو گھوڑے کے متعلق کچھ ہدایات دیں اور خود احاطے میں آ گیا۔

فوجی دستہ پہلے ہی تیار کھڑا تھا۔ لسنتکی نے اُن کی رہنمائی کی اور آگے آگے گھوڑے پر سوار چلنے لگا۔ وُہ دُھند میں سے سنسان سڑکوں پر سے گزرتے رہے۔ ایوچن جان بوجھ کر پیچھے رہ گیا۔ لگوٹن نے کپتان کی طرف منتظرانہ نگاہ سے دیکھا۔

"کمیٹی کی کوئی تازہ خبر سناؤ گے؟"

"ابھی تو کوئی خبر نہیں۔"

"کس ضلع کے رہنے والے ہو لگوٹن؟"

"بکانوفسک کا۔"

"اور گاؤں؟"

"مشکن۔"

"بیاہے ہوئے ہو؟" کپتان نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں ——— ایک بیوی اور دو بچے ہیں۔"

"کھیت بھی ہے؟"

"کھیت ——— کیا اُسے کھیت کہا بھی جا سکتا ہے" لگوتن نے جواب دیا۔ اُس کے لہجے میں نفرت کا رنگ آ جاگزیں تھا "بھوک کے مر رہے ہیں۔ ہماری زندگی ایک طویل کشمکش ہے۔" وہ ایک لمحے کے لیے رُکا پھر گویا ہوا "ہماری زمین ریتیلی ہے۔"

سنگی نے بکانوفسک کا ضلع دیکھ رکھا تھا۔ کھوپرا کے دریا نے وہاں کی زمین کو دلدل بنا دیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم گھر جانا چاہتے ہو؟"

"کیوں نہیں سرکار! جس قدر جلد ہو سکے گھر جانا چاہتا ہوں۔ اس جنگ نے ہم پر بیشمار ستم توڑے ہیں۔"

"لیکن میرے دوست! تم جلد گھر نہ جا سکو گے۔"

"ہم جلد چلے جائیں گے، بہت جلد چلے جائیں گے۔"

"جنگ تو ابھی ختم نہیں ہوئی۔"

"بہت جلد ختم ہو جائے گی ——— بہت جلد ہم گھر چلے جائیں گے۔"

"تمھارا کیا خیال ہے۔ ہم آپس میں پہلے لڑیں گے؟"

لگوتن نے آنکھیں اُٹھائے بغیر پوچھا "لڑیں گے کس سے؟"

"بالشویکوں سے۔"

لگوتن خاموش رہا پھر بولا "اُن کے ساتھ ہمیں کوئی عناد نہیں۔"

"زمین کا کیا بنے گا؟"

"ہر شخص کے لیے ضرورت سے زیادہ زمین پڑی ہے۔"

"جانتے ہو بالشویک کیا چاہتے ہیں؟"

"میں نے بھی اُن کے تھوڑے بہت مطالبات کہیں سے سُن ہی لیے ہیں۔"
"اگر بالشویک ہماری زمینیں غصب کرنے کے لیے ہم پر حملہ کردیں تو کیا کرنا ہوگا..... ؟
تم روس کے بچاؤ کے لیے لڑتے رہے ہو کہ نہیں ؟"
"جرمنی کی اَور بات ہے۔"
"اَور بالشویک ــــ ؟"
"کیا کہہ رہے ہیں آپ ؟" لگوٹن کے لہجے میں یقین کی جھلک تھی "بالشویک مجھ سے میری ذرا سی زمین کبھی نہ چھینیں گے۔ میرے حصے میں تو ایک مختصر سا قطعۂ زمین ہے۔ میرے خیال میں آپ بُرا نہ مانیں گے۔ آپ کے والد کے قبضے میں بیس ہزار ایکڑ زمین ہے۔"
"بیس ہزار نہیں آٹھ ہزار ایکڑ۔"
"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ آٹھ ہزار ایکڑ زمین کیا تھوڑی ہے ؛ اتنی زمین پہ ہاتھ صاف کرلینا کہاں کا انصاف ہے ؟ روس میں تمھارے والد جیسے کتنے ہی زمیندار ہیں۔ اس کے باوجود سوال کرتے ہو کہ ہمیں کیا چاہیے۔ آپ بھی کھانا چاہتے ہیں اور ہم بھی۔ زار کے عہدِ حکومت کی کوئی کل سیدھی نہ تھی۔ غریبوں کا تو بُرا حال تھا۔ آپ کے والد کو آٹھ ہزار ایکڑ زمین دے دی گئی۔ حالانکہ وُہ دو آدمیوں سے زیادہ کھانا تو نہیں کھا سکتے۔ بالشویک نبض شناس واقع ہوئے ہیں۔ وُہ سیدھے راستے پر گامزن ہیں اور آپ ہمیں ان سے لڑنے کے لیے کہتے ہیں ؟"
لستنکی نے پہلے تو تحمل سے کام لیا تھا لیکن اب وُہ خشم آلود ہوگیا "تم بالشویک ہو ؟"
"نام سے کیا ہوتا ہے ؟ میں بالشویک ہوں کہ شاہ پرست، مجھے ناموں سے سروکار نہیں" لگوٹن نے جواب دیا "مجھے تو میرے حقوق ملنے چاہییں۔ عوام حقوق کا مطالبہ کررہے ہیں لیکن انھیں تہ تیغ کیا جاتا ہے۔ اور اُن کے حقوق اُنھیں نہیں دیے جاتے۔"
"بالشویکوں نے تمھارا دماغ پراگندہ کردیا ہے۔ اُن کی صحبت میں تم نے جو وقت گزارا ہے وُہ ضائع نہیں گیا۔"

"کپتان صاحب! زندگی نے ہمیں سب کچھ سکھایا ہے۔ ہم صابروں کو بالشویک کیا سکھائیں گے۔ زندگی ہمیں یہ باتیں سکھا رہی ہے البتہ بالشویکوں نے بھُس میں چنگاری ضرور ڈال دی ہے۔ چڑیوں کے سینے میں شاہینوں کا دل رکھ دیا ہے۔"

"تمھیں اپنی یہ داستان ختم کر دینی چاہیے" لسنکی جو برہم ہو چکا تھا "جواب دو۔ ابھی ابھی تم میرے حوالدار اور دوسرے زمینداروں کی اراضی کی بات کر رہے تھے۔ کیا تم جانتے ہو کہ یہ ان کی ذاتی ملکیت ہے؟ اگر تمھارے پاس دو قمیص ہیں اور میرے پاس ایک۔ تمھارا کیا خیال ہے کہ مجھے تم سے ایک لے لینا چاہیے؟"

"میں اپنا فالتو قمیص اپنی مرضی سے دیدوں گا۔ محاذ پر تو میں نے آخری قمیص بھی دے دیا تھا۔ اور ننگے جسم پر لمبا کوٹ پہنے پھرتا تھا۔ تھوڑی سی زمین دے کر کسی کا بھی نقصان نہ ہوگا۔"

"کیا تمھارے پاس پہلے خاصی زمین نہیں؟"

"تمھارا کیا خیال ہے کہ میں اپنے لیے زمین مانگ رہا ہوں۔ ہم پولینڈ میں بھی خاصی مدت رہ آئے ہیں۔ جانتے ہو وہاں عوام کیسی زندگی بسر کر رہے تھے؟ ڈان کے آس پاس کاسک بھی ویسی زندگی گزار رہے ہیں۔ میں بہت کچھ دیکھ چکا ہوں۔ بھیانک مناظر دیکھ کر خون کھولنے لگتا ہے۔ کیا میں اپنے بھائیوں کی خاطر غم زدہ نہیں؟" الیوشن جواب دینا چاہتا تھا کہ اسلحہ سازی کے کارخانے سے آواز آئی —— "پکڑ لو۔"

گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیں۔ لسنکی نے چابک برساتے ہوئے گھوڑے کو سرپٹ ڈال دیا۔ الیوشن ساتھ ساتھ تھا۔ متعدد کاسک گھوڑے سے اتر چکے تھے۔ ان کے وسط میں ایک آدمی اپنے آپ کو آزاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دستے کا حوالدار آرزانف ایک روسی کو کالر سے پکڑے ہوئے تھا اور تین کاسک اس کا ہاتھ مروڑ رہے تھے۔

"کیا بات ہے؟" لسنکی گرجا۔

"یہ سوئر پتھر مار رہا تھا۔ ایک پتھر ہمارے بھی لگا۔"

"ایک تھپڑ دو اس کے" تیسرا کاسک بولا۔

لسنکی کرخت آواز سے اس اجنبی سے مخاطب ہوا "کون ہو تم؟"

مرد نے اپنا ہاتھ بلند کیا مگر خاموش رہا۔

"کون ہو تم؟ ایوجن نے سوال دہرایا "پتھر مارنے والے تم ٹھیک ہے نا؟ آرزانف! اسے سزا دو۔" چار کاسکوں نے اسے زمین پر گرا دیا اور چابک برسانے لگے۔ لگوتن گھوڑے سے نیچے کود پڑا اور لسنکی کے قریب آکر بولا "کپتان ـــ کیا کر رہے ہو کپتان؟" اس نے لسنکی کے گھٹنوں کو انگلیوں میں دبا لیا "کیا کر رہے ہو؟ آخر وہ بھی انسان ہے۔"

ایوجن نے کوئی جواب نہ دیا۔ کاسکوں کے قریب جا کر اس نے آرزانف کو کمر سے پکڑ لیا اور اسے ایک طرف دھکیلنے لگا۔ حوالدار بولا "چھوڑ دو ـــ چھوڑ دو ـــ یہ ہم پر پتھر پھینکے اور ہم اس کا کوئی جواب نہ دیں۔۔۔۔۔ میں کہتا ہوں مجھے چھوڑ دو۔ اس نے تمہارا ہی کھلایا ہے۔"

ایک کاسک نے بندوق کا دستہ روسی کی کنپٹی پر دے مارا۔ روسی ہنسا اور بولا "ہا ـــ ہا ہا ـــ! مجھے ہلاک کر رہے ہیں۔ مجھے جان سے مار رہے ہیں۔" چند لمحوں تک سکوت رہا لیکن اس کے بعد ہر ضرب پر کہتا "بور ـــ انقلاب پسندوں کے دشمن ـــ! خوب مارو مجھے خوب مارو۔"

لگوتن ایک دفعہ پھر لسنکی کے قریب گیا اور اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بولا "اسے بچاؤ ـــ اسے جانے دو۔"

"خاموش رہو" ایوجن نے حکم دیا۔

"کپتان ـــ لسنکی! ـــ سنتے ہو تمہیں اس کا جواب دینا ہوگا۔" وہ کاسکوں کی طرف بڑھا ـــ "بھائیو ـــ! میں انقلابی کمیٹی کا رکن ہوں۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس شخص کو جانے دو۔۔۔۔۔ ورنہ تمہیں اس کا جواب دہ ہونا پڑے گا۔ پرانا وقت گیا۔"

لسنکی نفرت کی شدت سے اندھا ہو رہا تھا۔ وہ گھوڑے کے کان چابک سے

سہلا رہا تھا۔ اُس نے پستول نکال لیا اور لگوٹن کی طرف بڑھا "خاموش، غدار! خاموش رہو۔ بالشویک ہو تمھیں گولی سے اُڑا دوں گا۔"

بڑی مشکل سے اُس نے غصّہ ضبط کیا اور گھوڑے کو پچھلی ٹانگوں پہ کھڑا کر کے سڑک کی طرف مُڑ گیا۔ چند لمحوں کے بعد تین کا سک اُس کے پیچھے روانہ ہوئے۔ ان میں سے دو قیدی کو کھینچتے ہوئے لے جا رہے تھے۔ مرد کا قمیص خُون سے لبریز تھا اور اُس کے جسم سے چپک گیا تھا۔ وُہ لڑکھڑاتا ہُوا چل رہا تھا۔ اُس کے مُنہ سے بھی خُون بہہ رہا تھا۔ ایک گلی کے موڑ پر ایک کاسک نے گاڑی جاتی ہوئی دیکھی۔ اُس نے کوچوان کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔ کوچوان گاڑی اُن تک لے آیا۔ اور اُن کا منہ تکنے لگا۔

۶

دُوسری صبح لسنتسکی جب بیدار ہُوا تو اُسے یہ خیال ہو رہا تھا کہ اُس نے سخت غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ ایک ناقابلِ تلافی غلطی کا۔ رات کا واقعہ اُسے یاد آ رہا تھا۔ کپڑے پہنتے ہوئے وُہ سوچنے لگا۔ کہ اُسے فی الحال لگوٹن کو نظر انداز کر دینا چاہیے تاکہ بلٹن کی کمیٹی میں تعلقات خراب نہ ہو جائیں اور اس وقت تک انتظار کیا جائے جب تک دُوسرے کاسک یہ واقعہ مجُھول نہ جائیں۔

۷

اگست کے وسط میں ایک خوشگوار اتوار کو لسنتسکی اور آتارچیکف شہر گئے۔ افسروں کی ملاقات کے دن سے ان میں کوئی گفتگو نہ ہوئی تھی۔ آتارچیکف اپنے مشاغل میں مصروف تھا اور ابوحجن اپنے مشاغل میں۔ ابوحجن اُس کی خواہشات پر سے پردہ اُٹھا دینا چاہتا تھا۔ ابوحجن کا خیال تھا کہ آتارچیکف بالشویکوں کا حامی ہے۔ اس مفروضے نے ابوحجن کو آتارچیکف سے دوستی بڑھانے سے باز رکھا تھا۔

وہ ایک دُوسرے سے بے سروپا باتیں کرتے جا رہے تھے۔

"چلو — چل کے کچھ کھائیں۔" لسنتکی نے مشورہ دیا۔ ایک ریستوران اُن کے بالکل سامنے تھا۔

"بہت اچھا — چلو۔"

ریستوران میں داخل ہو کر دونوں میز کے گرد بیٹھ گئے۔ کھڑکی میں آدینوں پر سے دن سے سورج کی روشنی چھن کر آ رہی تھی۔ بکوان کی خوش بو میز پر رکھے ہوئے پھولوں کی مہک پر چھائی ہوئی تھی۔ لسنتکی نے شلجم کے شوربے کا آرڈر دیا۔ اتار چینکیف نے بھیگے ہوئے ایک رومال سے پونچھے۔ اُس کی جھکی اور تھکی ہوئی آنکھیں سورج کی روشنی پر جمی ہوئی تھیں۔ ابھی اُنھوں نے کھانا ختم نہ کیا تھا کہ دو اور افسر ریستوران میں داخل ہوئے۔ اُن میں سے ایک نے خالی میز کی تلاش میں لسنتکی کی طرف دیکھا۔ اُس کی سیاہ آنکھیں چمک اُٹھیں۔

"اوہ — یہ تو لسنتکی ہے۔" وہ چلایا اور پہچانتے ہوئے ایوجن کی طرف قدم اُٹھاتا ہوا آیا۔

لسنتکی نے کپتان کالمیکف اور اس کے ساتھی چوبآف کو پہچان لیا۔ اُنھیں نے گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ اُس نے اتار چینکیف کا تعارف کرانے کے بعد سوال کیا "آپ یہاں کیونکر تشریف لائے ؟"

کالمیکف نے مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے جواب دیا "ہیڈ کوارٹر بھیج دیا گیا ہے ہمیں اس آمد کا مقصد پھر بتاؤں گا۔ سب سے پہلے ہمیں تم اپنے متعلق بتاؤ۔ چودھویں پلٹن میں زندگی کیونکر بسر ہوتی ہے ؟"

وہ ریستوران سے اکٹھے باہر نکلے۔ کالمیکف اور لسنتکی ان دونوں سے پیچھے رہ گئے۔ وہ دونوں سرگوشیاں کر رہے تھے۔

"ہماری تیسری کمپنی رومانیہ کی سرحد پر ہے" کالمیکف نے ایوجن کو بتایا "دس دن ہوئے مجھے ہدایات موصول ہوئیں کہ اپنی کمپنی کو دوسرے افسروں کے حوالے کر کے ہیڈ کوارٹر ڈویژنل

حکام کے دفتر میں جاکر اپنی حاضری کی اطلاع دو۔ ہم ڈویژنل حکام کے دفتر میں ہیں۔ ہمیں وہاں خفیہ طور پر ہدایت کی گئی ہے کہ ہم جرنیل کریمف سے جاکر ملیں۔ ہم ان کے زیرِ ہدایت ہیں۔ آج کل جرنیل کریمف نے صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ حکومت کا ملّا عوام کے ہاتھوں میں ہے جو ملک کو تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ حکومت کے سرکردہ حکام کو بدلنا ہوگا۔ شاید ایک وقت ایسا بھی آئے کہ صوبائی حکومت فوجی آمریت کے حق میں اپنے عہدے سے دستبردار ہو جائیگی۔" اُس نے کارنیلف کا نام بطور فوجی آمر کے لیا بھی تھا۔ پیٹروگراڈ میں سیکڑوں افسر موجود ہیں۔ نہ جانے ہمارا کیا بنے گا۔ افسروں کے اتحاد کی مرکزی کمیٹی کاسکوں کا تعاون حاصل کر رہی ہے۔ ہر بڑے جنکشن پر فوج کے ہیبت انگیز دستے بناتے جا رہے ہیں۔"

"لیکن ہوگا کیا — بنے گا کیا — ؟"

"اسی سوال پر میں سرگرداں ہوں۔ مجھے تو حیرت ہے کہ تم یہاں ایک عرصے سے موجود ہو پھر بھی حالات کا صحیح اندازہ تمہیں نہیں۔ طاقت کے حصول کے لیے کشمکش جاری ہے۔ کارنیلف برسرِ اقتدار آجائیگا۔ دو ہی طاقتیں نمایاں اور قابلِ ذکر ہیں۔ کارنیلف اور بالشویک — کرنسکی تھالی کا بینگن ہے بلکہ چکی کے دو پاٹوں میں آیا ہوا ہے۔ ان دو طاقتوں میں سے ایک کرنسکی کو کچل کر رکھ دے گی۔ وہ تو ایک دن کا سلطان ہے اور ہم افسر — کیا ہیں — شطرنج کے مہرے۔ ہمیں یہ بھی علم نہیں کہ شطرنج باز ہمیں کس طرف لے جائیگا۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ ڈویژنل حکام میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ لیکن جرنیلوں میں ایک خفیہ سمجھوتا ضرور ہو چکا ہے......"

"اور فوج — ؟ کیا فوج کارنیلف کی قیادت قبول کر لے گی؟" ایوجن نے سوال کیا۔

"سپاہی تو نہیں مانیں گے لیکن ہمیں انہیں رضامند کرنا ہوگا۔"

"دباؤ میں آکر کرنسکی سالارِ اعظم کی برطرفی کا منصوبہ باندھ رہا ہے۔"

"لیکن اُسے اس اقدام کی جرأت نہ ہوگی۔ اگر اُس نے ایسا کیا تو کل وہ خود گھٹنوں کے

بل ہوگا۔ افسروں کی مرکزی کمیٹی نے رائے کا اظہار کر دیا ہے" کالمیکف نے جواب دیا" کارنیلف کی بوطرفی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا تم نے کل شہر میں اس کی آمد کا نظارہ نہیں دیکھا؟ ہر موٹر کار میں مشین گن موجود تھی"۔ دونوں افسر باتیں کرتے کرتے شہر کے وسط میں پہنچ چکے تھے۔ انھوں نے ایک دوسرے سے رخصت چاہی۔

"ہمیں ایک دوسرے سے ملتے رہنا چاہیے ایوجن!" کالمیکف نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "مصیبت کا زمانہ آ رہا ہے۔ چاروں طرف دھیان رکھو ورنہ مٹ جاؤ گے"۔

لسنکی دور چلا گیا تو کالمیکف نے پکار کر کہا" میں تمھیں ایک بات بتانا تو بھول ہی گیا۔ مرکولاف کو جانتے ہو، وہی مصور؟"

"ہاں"۔

"مئی میں ہلاک ہو گیا بالکل خلافِ توقع۔ دستی بم پھٹ گیا۔ اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا"۔ اُس نے کچھ اور بھی کہا لیکن ہوا اُس کے الفاظ اُڑا کر لے گئی۔ ایوجن نے ہاتھ ہلایا اور چل پڑا۔

۸

۲۶ راگست کو کارنیلف صدر مقام کے حکام کو چھوڑ کر ماسکو حکومت کی کانفرنس میں شرکت کے لیے روانہ ہو گیا۔ مطلع ابر آلود تھا۔ بارش کی دھاریں آڑی ترچھی پڑ رہی تھیں۔ دور آسمان پر قوسِ قزح پھیلی ہوئی تھی۔ گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی جا رہی تھی۔ جرنیل کارنیلف ڈبے کی کھلی کھڑکی کے پاس بیٹھا نگاہوں کے سامنے بچھی ہوئی زمین دیکھ رہا تھا۔ بارش کے موٹے موٹے قطرے اُس کے دھوپ جلے چہرے پر پڑ رہے تھے۔ سرسراتی ہوئی ہوا اُس کے سر کے بالوں کو بکھرا رہی تھی۔

ماسکو میں کارنیلف کی آمد سے ایک دن پہلے کپتان لسنکی بھی اس شہر میں نہایت ضروری کاغذات لے کر پہنچ چکا تھا۔ یہ کاغذات کاسکوں کی کمیٹی نے اُس کی تحویل میں دیے تھے جب وہ ماسکو کے فوجی حکام کے دفتر میں پہنچا تو اُسے بتایا گیا کہ کارنیلف دوسرے دن ماسکو آ رہا

تھا۔ لسنکی سالارِ اعظم کے استقبال کے لیے سٹیشن پر موجود تھا۔ پلیٹ فارم پر لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ اُن میں زیادہ تر فوجی تھے۔ کارنیلف گاڑی سے اُترا تو خوش پوش عورتوں نے اُس پر پھول برسائے۔ کاسک پلٹن کی طرف سے ایک بوڑھے افسر نے خوش آمدید کا قصیدہ پڑھا۔ تقریروں کے بعد کارنیلف آگے بڑھنے لگا۔ ہجوم نے اُسے گھیر لیا۔ کارنیلف سے ہاتھ ملانے کے لیے درجنوں ہاتھ اُس کے آگے پھیلے ہوئے تھے۔ ایک مضبوط اور ژولیدہ مُو عورت اُس کے گرد طواف کر رہی تھی۔ سٹیشن کے داخلے پر کارنیلف کو کندھوں پر اُٹھا لیا گیا۔ لسنکی بھی ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ اُس نے بھی جرنیل کی ٹانگیں کندھوں پر لے لیں۔ جرنیل کے آگے آگے کاسک افسر تھے۔ کاسکوں کی ایک کمپنی تھی۔ سیڑھیوں سے اُتر کر اُسے چوک میں لایا گیا۔ بینڈ اسقف الیہ ترانہ گا رہا تھا۔ لسنکی کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو چھلک رہے تھے۔ کیمرے تصویریں اُتارنے میں مصروف تھے۔ کارنیلف بےشمار سلاموں کا جواب دیتے ہوئے فوجی موٹر میں گزر رہا تھا۔

۹

دُوسرے دن لسنکی ہیڈ کوارٹر واپس آ گیا۔ گاڑی کے ڈبے میں بیٹھتے ہی اُس نے کوٹ اُتار لیا۔ اور کارنیلف کے متعلق سوچنے لگا۔

اس وقت ماسکو کانفرنس کے اجلاس کے وقفے میں دو جرنیل ـــ ایک چھوٹا اور گٹھیلے جسم کا، دوسرا لمبے لمبے بالوں والا ـــ ماسکو کے عظیم الشان تھیٹر کی غلام گردش میں مبادلۂ خیالات کر رہے تھے۔

"کیا فوجی کمیٹیوں کے اڑا دینے پر بھی مشورہ لیا جائے گا؟" کارنیلف نے پوچھا۔

"ہاں" کلیڈن نے جواب دیا۔

"ایک متحدہ محاذ اشد ضروری ہے" کارنیلف نے اعلان کیا "جب تک فوجی قوانین از سرِ نو جاری نہ کیے جائیں گے مجھے تو نجات کا راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ فوج مفلوج ہو چکی ہے۔ ایسی فوج

فتح تو ایک طرف رہی حفاظت کے بھی ناقابل ہے۔ بالشویکی پروپیگنڈے نے اسے زہر آلود کر دیا ہے۔ اور یہاں ملک میں مزدور موقع کی تلاش میں ہیں۔ مظاہرے — ہڑتالیں — کانفرنس کے ممبر دل کو پیدل چلنا پڑا۔ کوئی گاڑی یا ٹیکسی نظر نہیں آتی۔ بالشویکوں کی تباہی۔ گھر میں سخت حکومت کا قیام۔ نئی فوجی بھرتی۔ ہمارے سامنے یہی فوری اقدامات ہیں۔ جنرل کالیڈن! کیا میں مستقبل میں تمہارے تعاون کی توقع کر سکتا ہوں؟"

"میں ہر حال میں تمہارا شریکِ کار ہوں۔"

"مجھے یقین تھا۔ شکریہ — اس وقت سختی کا دور ہے اور حکومت کان میں تیل ڈال کر پڑی ہوئی ہے۔ ہم سپاہی ہیں۔ عمل کرتے ہیں اور باتیں بعد میں لیکن ان کا اقدام ہمارے برعکس ہوتا ہے۔ تیرا وقت آرہا ہے جب انھیں ان کی نیم دلی کا معاوضہ بھی ملے گا۔ میں کوئی کام خلافِ حمیت نہیں کرنا چاہتا۔ میں تو جنگ کا قائل ہوں۔ جواری نہیں" وہ دم لینے کے لیے رُکا۔ توقف کے بعد اُس نے پھر سلسلۂ کلام جاری کیا "فساد کی جڑ تو کٹ چکی ہے لیکن یہ لوگ اپنی انقلابی جمہوریت سے بھی خوفزدہ ہیں اُنھوں نے مجھے قابلِ اعتبار فوجیوں کو دارالسلطنت میں بھیجنے کی ہدایت کی ہے اور صحیح قدم اُٹھاتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ اُن کا ایک قدم آگے ہے اور ایک پیچھے ..... حکومت سے مراعات زور اور طاقت سے حاصل کی جا سکتی ہیں ..... اگر ایسا نہ ہوا تو ہم اُنھیں دیکھ لیں گے۔ میں تو ہتھیار ڈالنے کو بھی تیار ہوں۔ جرمنوں کو آتے دو۔ وُہی ان کے ہوش ٹھکانے لگا بیٹھیں گے" ایک لمحہ بھر سوچنے کے بعد اُس نے مزید اضافہ کیا" اب اس کے بعد میں متوقع ہوں کہ تم ڈان کے تو اُخ حالات پر کچھ روشنی ڈالو گے۔"

کلیڈن نے سر سینے پر جھکا لیا۔ اُس نے کپکپاتے ہوئے ہونٹوں سے جواب دیا" کا سکوں پر مجھے پہلا سا اعتماد نہیں رہا۔ فی الحال حالات کا اندازہ کرنا بیحد دشوار ہے پھر بھی مصالحت اشد ضروری ہے۔ کا سکوں کی روک تھام لازم ہے۔ انھیں ایک قائد کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں ہم قدم اُٹھا رہے ہیں لیکن مجھے اس کوشش کی کامیابی کا یقین نہیں۔ یہ جنگ مفادات کی جنگ ہے۔

ان کے ذہن پر زمین سوار ہے۔"

"قابلِ اعتماد کاسک پلٹنوں کو ہاتھ میں لے لینا چاہیے۔ واپسی پر میں ڈان کے علاقوں میں بیشمار پلٹنیں بھیجنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"میں تمہارا بیحد شکر گزار ہوں گا۔ اگر یہ کام کر دگے۔"

"اشتراکِ عمل کے متعلق ہم مزید غور کریں گے۔ ہماری تجویز میرا خیال ہے کہ نہایت کامیابی سے پایۂ تکمیل کو پہنچے گی۔ لیکن جرنیل — تقدیر پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اُس نے مُنہ موڑ لیا تو کوششوں کے باوجود میں تمہارے ہاں ڈان میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاؤں گا۔"

"میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ کاسک بیحد مہمان نواز ہوتے ہیں۔" دورانِ گفتگو میں پہلی بار کلیڈن مسکرایا۔

ایک گھنٹے کے بعد کلیڈن نے بارھویں کاسک پلٹن توڑے جانے کا اعلان کر دیا۔ اُس دن سے سازش کے جال بچھنے لگے۔ کیوبان سے یورال تک، ایک دریا سے دُوسرے دریا تک۔ ایک گاؤں سے دُوسرے گاؤں تک۔

چوتھا باب

ایک گاؤں کے کھنڈروں سے ایک میل دُور خندقوں کا جال جنگل میں سے ہوتا ہوا گزرتا تھا جنگل کے بکھرے علاقے میں خاص فوج اقامت پذیر تھی۔

جنگل کے دشوار گزار سبزہ زار میں گھنے پیڑوں کا گھپ اندھیرا تھا اور اس اندھیرے کے پرے ریت کی بیکراں وسعت بچھی ہوئی تھی۔ جنگل کی دائیں طرف ایک کچی سڑک جاتی تھی۔ جنگل کے وسط میں نیچی جھاڑیوں کا سلسلہ تھا۔ خندقیں میدان تک پھیلی ہوئی تھیں۔ کھیتوں پر انسانی مزدو محنت کے آثار ابھی تک موجود تھے۔ ٹوٹی پھوٹی سڑک بھی کسانوں کی جانفشانی کی مظہر تھی۔ لیکن ارضِ کہنہ جنگل کے پاس کربیہہ المنظر ہوچکی تھی۔

اگست میں ایک دن ماخوف کی مل کا سابق ملازم الیوآن الیگزی وچ ٹہ وس کے ایک گاؤں میں گیا جہاں کمپنی کے ساز وسامان کی گاڑی کھڑی تھی۔ وُہ شام تک واپس نہ آیا۔ جب وُہ اپنی پناہ گاہ میں داخل ہُوا تو اُس کی مُٹ بھیڑ زاخر کا ریلیف سے ہوگئی۔ زاخر لپکتا ہُوا آرہا تھا ہاتھ ہلاتا ہوا اور اُس کی شمشیر ریت سے بھرے ہوئے تھیلوں میں اٹکتی جارہی تھی۔ الیوآن ایک طرف کو ہوگیا تاکہ زاخر گزر سکے لیکن زاخر نے اُس کے کوٹ کے بٹن سے اُسے پکڑ لیا۔ اُس کی زرد آنکھیں استعجاب کے عالم میں گھوم رہی تھی۔

"تم نے کچھ سُنا — ہمارے دائیں بازو کی پیدل فوج محاذ سے واپس جارہی ہے۔ کہیں وُہ بھاگ تو نہیں رہے؟"

"کیا مطلب ہے تمھارا؟ عین ممکن ہے کہ اُنھیں گھر واپس بھیجا جارہا ہو۔ دستے کے افسر سے

جاکر دریافت کرنا چاہیے"۔ بھیگی ہوئی زمین پر پھسلتے ہوئے دونوں دستے کے افسر سے تفصیلات پوچھنے کے لیے روانہ ہوئے۔

ایک گھنٹے کے اندر کمپنی واپس جارہی تھی۔ دُوسرے دن گھوڑوں پر سوار کاسک عقب میں بھیجے جا رہے تھے۔ منزل پر منزل مارتے ہوئے وہ محاذ سے دُور ہٹتے جا رہے تھے۔

خوش گوار بارش ہو رہی تھی۔ برچ کے درختوں کی شاخیں جھکی جا رہی تھیں۔ سڑک جنگل میں سے گزرتی تھی۔ گرتے ہوئے پتوں پر جو نمی تھی اُس کی سوندھی سوندھی خوشبو آ رہی تھی۔ گھوڑے تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے منزلِ مقصود کی طرف بڑھ رہے تھے۔ مٹیالے رنگ کی گھاس اُوپر سے زرد تھی۔ ہوا سے پتوں پر پڑے ہوئے بارش کے قطرے گھڑسواروں کے لمبے لمبے کوٹوں پر پڑ رہے تھے۔ تمباکو کا دھواں گرداب بناتا ہوا سروں کے اُوپر اُڑ رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد اُنھوں نے گیت گانا شروع کر دیا۔ وُہ خوش تھے کہ اُنھیں بھیڑیوں کے قبرستان سے نکال لیا گیا تھا۔ خندقیں اُن کے نزدیک قبرستان سے کم نہ تھیں۔ اُسی شام کو اُنھیں ایک سٹیشن پر ریل گاڑی میں سوار کرا دیا گیا اور وہاں انھیں معلوم ہُوا کہ ان کی تبدیلی پیٹرو گراڈ کی بدامنی ختم کرنے کے لیے کی گئی تھی۔ اس خبر سے آگاہ ہونے سے دلوں کی شگفتگی پر پانی پھر گیا اور اُن پر نیند کا سا سکوت مسلط ہو گیا۔

"کچھ بھی ہو جھلستی ہوئی بھٹی سے تو نجات ملی......" اُن میں سے ایک نے رائے کا اظہار کیا۔

پہلے قیام پر الیوآن، جو فوجی کمیٹی کا صدر منتخب کیا گیا تھا، حاکم دستہ کے پاس گیا۔

"ہم کاسکوں میں اضطراب پھیلا ہُوا ہے ـــــ۔"

کپتان نے الیوآن کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا اور بولا "مضطرب تو میں بھی ہوں۔"

"ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں؟"

"پیٹرو گراڈ۔"

"انقلاب کی روک تھام کے لیے؟"

"تمہارا کیا خیال ہے کہ انقلاب کو ہوا دینے کے لیے جا رہے ہیں؟"

"ہم دونوں میں سے کوئی بات بھی نہیں چاہتے۔"

"تو پھر ہماری رائے کیوں طلب کی جاتی ہے؟"

"مگر کاسک....."

"ہاں، کاسک کیا کر رہے ہیں؟" افسر نے غضب آلود ہو کر سوال کیا "میں جانتا ہوں کاسکوں کا جو خیال ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے یہ کام پسند ہے؟ جاؤ یہ لے جاؤ اور کاسکوں کو پڑھ کر سنا دو۔ دوسرے قیام پر میں خود کاسکوں سے بات کروں گا۔" دستے کے افسر نے ایوآن کے ہاتھ میں ایک تار دے دیا اور خود اپنے ہاتھ پیچھے باندھ کر گہرے سوچ میں ڈوب گیا۔

ایوآن تار لیے ہوئے اپنے ڈبے میں لوٹ آیا۔ وہ ڈر رہا تھا جیسے اُس کے ہاتھ میں تار نہ تھا، داغ دینے کا جلتا ہوا لوہا تھا "دوسرے ڈبے کے کاسکوں کو بھی بلا لاؤ۔"

گاڑی حرکت میں آچکی تھی لیکن کاسک کودتے ہوئے ایوآن کے ڈبے میں آچکے تھے۔

"کمانڈر نے مجھے یہ تار سنانے کے لیے دیا ہے" ایوآن بولا۔ چاروں طرف سکوتِ مزار طاری تھا۔ اُس نے سالارِ اعظم کارنیلف کا یہ اعلان پڑھا:

"میں ـــ سالارِ اعظم کارنیلف ـــ تمام اقوام کے سامنے اعلان کرتا ہوں کہ روس کے عہدِ انتشار میں آزاد روس کا سنہری اور مادرِ وطن کا خادم ہوتے ہوئے روس کی بحری اور بری فوجوں کی قیادت سے دستبردار ہوتا ہوں۔

"تمام محاذوں کے کمانداروں کی حمایت حاصل کرتے ہوئے روسی عوام کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں موت کو اپنی اس برطرفی پر ترجیح دیتا ہوں۔ روس کا سچا فرزند فرائضِ منصبی انجام دیتا اور وطن کی خاطر ایثار کرتا ہوا مرنا پسند کرتا ہے۔

"میں اس منصب کے لائق نہیں۔ میں عوام کا خادم ہوں۔ میری ساری عمر اپنے ہم وطنوں کی خدمت کرتے ہوئے گزری ہے۔ میں عوام کی حفاظت کرنے سے کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔ میں عوام سے

غداری نہیں کر سکتا۔ ہم میں ایک خطرناک دشمن موجود ہے جو رشوت سے، ریاکاری سے ملک کی آزادی غصب کرنا چاہتا ہے۔ روس کے عوام کی زندگی کو ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ روسیوں جاگو اور اس گڑھے کی طرف دیکھو جس میں ہمارا ملک گرا چاہتا ہے۔

فسادات سے گریز کرتے ہوئے، ہم وطنوں کی خونریزی سے باز رہتے ہوئے، ذاتی نفاق اور ذاتی اختلافات کو نظرانداز کرتے ہوئے میں صوبائی حکومت سے کہتا ہوں، آؤ میرے دفتر میں آؤ۔ میں تلوار پر ہاتھ رکھ کر تمہاری حفاظت، تمہاری سلامتی کا یقین دلاتا ہوں مجھ سے مل کر ایک ایسا محاذ بناؤ جو روس کی آزادی کا تحفظ کرتے ہوئے روسی قوم کا شاندار مستقبل تعمیر کرے۔"

جنرل کارنیلف

دوسرے سٹیشن پر گاڑی رکی۔ کاسک گاڑی سے نکل کر کھڑے ہو گئے۔ جنرل کارنیلف کے اور کرنسکی کے تار پر اظہار خیال کرتے رہے۔ دستے کے افسر نے انھیں دوسرا تار پڑھ کر سنایا تھا جس میں کارنیلف کو غدار اور انقلاب پسندوں کا دشمن قرار دیا گیا۔ کاسکوں پر تذبذب کا عالم طاری تھا۔ افسر بھی مخمصے میں گرفتار تھے۔

"ہم اس خلط ملط سے کیا اندازہ کریں۔ ہمیں کیا معلوم کہ مجرم اور سرادار کون ہے"

مارٹن شامیل بولا۔

"اپنے آپ کو بھی خراب کر رہے ہیں اور ہمیں بھی۔"

"ہر کوئی بڑا بننا چاہتا ہے۔"

کاسکوں کے ایک گروہ نے ایوان کے پاس آ کر مطالبہ کیا "کمانڈر کے پاس چل کر ہمیں بتاؤ کہ ہمیں کیا کرنا ہوگا؟" وہ سب قطار باندھ کر حاکم دستہ کے پاس آئے۔ افسر بھی متضاد خیالات میں مشغول تھے۔ ایوان اندر داخل ہوا "کپتان — کاسک پوچھتے ہیں کہ اب وہ کیا کریں؟"

"ان سے جا کر کہہ دو کہ میں ابھی آتا ہوں۔" کمانڈر نے جواب دیا۔

پوری کمپنی ڈبوں کے ساتھ لگ کر کمانڈر کا انتظار کرنے لگی۔ وہ باہر آیا۔ کمپنی کے وسط میں پہنچ کر اس نے ہاتھ بلند کیا" ہم جنرل کارنیلف کے ماتحت ہیں یا ان کے جو ہم سے برتر وا علیٰ ہیں۔ مگر کرینسکی کے کسی صورت نہیں، ٹھیک ہے نا؟ اس لیے چون وچرا کیے بغیر ہم اپنے حاکمِ اعلیٰ کا حکم بجا لائیں گے اور پیٹروگراڈ جائیں گے۔ سٹیشن ڈنو پر پہلے ڈان ڈویژن کا حاکمِ اعلیٰ ہم سے ملے گا۔ اس سے پتا چل جائے گا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ اس وقت تک میں تم سے خاموش اور پُرامن رہنے کی توقع کروں گا۔ بُرا وقت آ رہا ہے اس لیے ہمیں تدبر سے کام لینا ہو گا۔"

کمانڈر نے انھیں سپاہیوں کے فرائض بتائے۔ اُن کے ذمے جو ملک و قوم کے فرائض تھے انھیں اُن سے آگاہ کیا۔ سپاہیوں کو پُرسکون رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اُسے اس مقصد میں کامیابی ہوئی۔ افسروں نے سٹیشن ماسٹر کو ریوالور دکھا کر گاڑی کو جلد چلا دینے پر رضامند کر لیا۔ کاسک اپنے اپنے ڈبے میں کود پڑے اور گاڑی چل دی۔

۴

ڈنو کا سٹیشن قریب آ گیا۔ کاسکوں نے گھوڑوں کو دانہ دیا اور بیٹھے ہوئے باتیں کرنے لگے۔ وہ سگرٹ پی رہے تھے۔ آسمان کو تک رہے تھے۔ ایوان لیا ٹیونارووں کے تانے بانے پر نظر جمائے ہوئے تھا۔ پچھلے چند گھنٹوں سے وہ صورتِ حال کا جائزہ لے رہا تھا۔ آخر میں وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ پوری قوت سے کمپنی کی مزید نقل و حرکت کی مزاحمت کریگا اور اُسے کسی حال میں پیٹروگراڈ پہنچنے نہ دے گا۔ لیٹے لیٹے اُس نے سوچا کہ باقی کاسکوں کو بھی ہم خیال بنائے۔

اُس کے خیالات سٹاک مین کی طرف رجوع ہو گئے۔ ایک دفعہ اُس نے کہا تھا "ایوان! اگر ایک دفعہ تم نسلی برتری کا ملمع اتار کر پھینک دو تو انسانیت کی ایک نہایت اچھی مثال اور ہماری جماعت کے گراں بہا کارکن بن سکتے ہو۔ یہ ملمع اُتر کر رہے گا۔ جلتی ہوئی بھٹی بڑوں بڑوں کا زنگ اتار دیتی ہے۔" ایوان سوچنے لگا کہ سٹاک مین غلطی پر نہ تھا۔ وہ انقلابی

جماعت سے باہر ضرور رہا تھا لیکن تن دہی سے اُس کی خدمت کرتا رہا تھا۔ کاملاً بالشویک ہو چکا تھا۔ پرانے نظامِ عالم کا مخالف بن چکا تھا۔ کاسکوں میں اُسے ایک بھی معاون نہ مل سکا تھا۔ اُسے اپنی سیاسی کم علمی کا احساس تھا اس لیے پھونک پھونک کر قدم رکھتا تھا۔ جنگ کے دوران میں احتیاط کی پالیسی پہ سختی سے کاربند رہا تھا۔ ہر اقدام میں سٹاک مین کو رہبر بناتا تھا۔ "اگر سٹاک مین ہوتا تو کیا کرتا؟" پھر اپنے خیال کے مطابق کہ اگر سٹاک مین ہوتا تو اس وقت وہ یوں کرتا، یوں آمادہ اقدام ہو جاتا۔ گرمیوں میں جب مجوزہ آئینی اسمبلی وجود میں آئی تو بھی اُس نے یہی کیا تھا۔ پہلے پہل تو اس تخیل نے اُسے مسحور کر دیا تھا پھر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اُسے سٹاک مین کے الفاظ یاد آ گئے تھے" ان لوگوں کا ہرگز اعتبار نہ کرو جو عوام کے نام پر بڑھ چڑھ کر باتیں بناتے ہیں۔ اصل میں وہ خدامِ عوام نہیں ہوتے بلکہ سرمایہ داروں کے محافظ ہوتے ہیں اور یہ دورنگی سیاست سے انقلاب کی تحریک کو کمزور بنا دیتے ہیں۔" ان الفاظ کے یاد آتے ہی اُس نے نئے تخیل سے مُنہ موڑ لیا تھا۔ بالشویکوں کے ایک اخبار میں اپنے تصفیے کے مطابق ایک مضمون دیکھ کر وہ بے حد مسرور ہوا تھا۔

اس نئی صورتِ حال میں بھی وہی بات تھی۔ جرنیل کارنیلف کے اعلان سے قبل ہی اُسے یقین ہو چکا تھا کہ کاسکوں کا راستہ اَور ہے اور جرنیل کارنیلف کا اَور ــــ ساتھ ہی وہ کرینسکی کا بھی مددگار نہ تھا۔ اُس نے صورتِ حال کا جائزہ بار بار لیا تھا۔ آخر وہ اسی فیصلے پر پہنچ سکا تھا کہ کمپنی کو ہرگز ہرگز پیٹرو گراڈ نہ جانے دے گا۔ اگر کسی سے تصادم ہوا تو وہ کارنیلف ہو گا۔ لیکن جماعت کے اس تصادم سے کرینسکی کو فائدہ نہ ہونا چاہیے بلکہ فائدہ اس حکومت کو ہونا چاہیے جو ان دونوں کے بعد نمودار ہو گی۔ گرمیوں میں پیٹرو گراڈ میں اُس نے جماعت کی انتظامی کمیٹی کے اجلاس میں شرکت بھی کی تھی۔ اُس نے جماعت کے نظام کا مطالعہ کیا تھا۔ اُس نے بالشویک ساتھیوں سے بات چیت کی تھی اور سوچا تھا "ہماری جماعت کے کارکنوں کے ایثار پر نئی حکومت کی عمارت کھڑی ہو گی۔ ایوان! پروا نہیں، جان چلی جائے لیکن جماعت سے لپٹے رہو

—— جس طرح بچّہ ماں کی چھاتیوں سے چمٹا رہتا ہے۔"

تریال لیٹے ہوئے وہ بار بار محبت اور پیار سے اُس شخص کی بابت سوچ رہا تھا جس کی رہنمائی میں اُس نے اپنی منزل پالی تھی۔ شٹاک مین نے جو کچھ کاسکوں کے متعلق کہا تھا اُسے یاد تھا" کاسک بڑے کٹر ہیں۔ یاد رکھو جب تم انھیں بالشویکوں کے تخیلات کی صداقت کا یقین دلانے لگو تو تیزی سے کام نہ لینا، رفتہ رفتہ حالات کے مطابق عمل کرنا۔ ابتدا میں وہ مزاحمت پیش کریں گے لیکن ہرگز نہ گھبرانا، بڑھتے رہنا، آخر میں جیت ہماری ہوگی۔"

۳

ایوان کا خیال تھا کہ جب وہ کاسکوں کو پیٹرو گراڈ کی طرف بڑھنے سے روکے گا تو اُس کی مخالفت کی جائے گی۔ لیکن جب اُس نے اپنے ڈبّے کے کاسکوں پر خیال ظاہر کیا اور انھیں بتایا کہ پیٹرو گراڈ جانے کے بجائے محاذ پر جانا زیادہ قرینِ مصلحت ہے تو وہ سب متفق ہو گئے۔ وہ اپنے بھائیوں کا خون بہانے کے لیے قطعاً تیار نہ تھے۔ زاخر اور تورولن، ایوان کی حمایت میں پیش پیش تھے۔ انھوں نے ہر ڈبّے میں جا کر کاسکوں کو ہم خیال بنا لیا۔ شام کو، جب گاڑی ایک گمنام سٹیشن میں داخل ہو رہی تھی، ایک حوالدار کود کر ایوان کے ڈبّے میں داخل ہوا۔

"پہلے ہی پڑاؤ پر کمپنی کو ریل گاڑی سے اُتارا جا رہا ہے" وہ ایوان سے مخاطب ہوا "کمیٹی کے اچھے صدر ہو جب تمھیں اس کا علم ہی نہیں کاسکوں کے مطالبات کیا ہیں۔ ہم ہرگز آگے نہیں بڑھیں گے۔ افسر تو ہمارے گلے میں پھندا ڈال رہے ہیں مگر تم خاموش ہو۔ کیا اسی لیے ہم نے تمھیں اپنا صدر منتخب کیا تھا۔"

"پہلے کیوں نہیں میرے پاس آئے؟" ایوان مسکرایا۔

پہلے قیام پر اپنے ڈبّے سے ایوان کود پڑا۔ تورولن اُس کے عقب میں تھا۔ دونوں سٹیشن ماسٹر کے پاس گئے۔

"گاڑی روک لو! اسے یہاں سے چلنے نہ دینا!"

"وہ کیوں ـــ میرے نام تو ہدایت موصول ہوئی ہے کہ گاڑی زیادہ دیر نہ روکوں!"

"خاموش رہو" ٹورولن خشمگیں لہجے میں بولا۔

اُلحضوری نے سٹیشن کے حکام سے بات کی اور انجن ڈرائیور نے اُن کا مشورہ تسلیم کر لیا۔ تھوڑی ہی دیر میں انجن ڈبوں سے الگ کر لیا گیا۔

کاسکوں نے بعجلت گھوڑے ڈبوں سے اُتارنے شروع کیے۔ ایوآن انجن کے پاس کھڑا تھا جب کمانڈار اُس کی طرف دوڑتا ہُوا آیا "کیا کر رہے ہو؟ جانتے ہو......؟"

"جانتا ہوں" ایوآن نے قطع کلام کیا "کپتان! ہمارے راستے میں کوئی دیوار نہ کھڑی کرو۔"

کمانڈار کا رنگ فق ہو گیا۔ اُس کے نتھنے پھڑ پھڑانے لگے۔

"حد سے زیادہ گزرتے جا رہے ہو۔ حکم دینا ہمارا کام ہے تمھارا نہیں" افسر چلّایا "میں سالارِ اعظم کا تیلیف......" کمانڈار سانس لینے کے لیے رُکا۔ ایوآن اُس کے بوٹوں پر پڑی ہوئی مٹی دیکھ رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ ہلا کر افسر کو جملہ پورا کرنے سے روکا اور بولا "اپنی گردن میں لٹکا لو کارنیلف کو اگر کوئی صلیب نہیں ملتی۔ ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔"

افسر اُلٹے پاؤں واپس چلا گیا۔ ایک گھنٹے کے بعد کمپنی بغیر کسی افسر کے جنوب مغرب کی طرف روانہ ہو گئی۔ پہلے دستے کے آگے ایوان تھا اور کمپنی کی قیادت اس کے ہاتھ میں تھی۔ ٹورولن اُس کے نائب کے فرائض انجام دے رہا تھا۔

کمپنی کے کمانڈار سے چھینے ہوئے نقشے کے مطابق رات کو وہ ایک گاؤں میں ٹھہرے۔ عام اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ محاذ پر واپس پہنچ جانا چاہیے اگر کسی نے انھیں روکا تو شمشیر بکف ہو جائیں گے۔ گھوڑوں پر پہرا بٹھا کر کاسک صبح کا انتظار کرنے لگے۔ اُن میں سے بیشتر پر کم حوصلگی طاری تھی۔ وہ ایک دوسرے سے اپنے خیالات چھپاتے ہوئے مصروفِ گفتگو تھے۔

"کیا ہے گا اگر محاذ پر پہنچ کر ان لوگوں نے حکام کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے؟" ایوان سوچ رہا تھا۔ ابھی وہ سوچ سے عہدہ برآ نہ ہوا تھا کہ تورولن آپہنچا "سو گئے ایوان؟"

"ابھی نہیں۔"

تورولن ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر اس کے پاس بیٹھ گیا اور سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا:

"کاسک اس وقت بڑی تشویش میں ہیں۔ آگ میں کود پڑے ہیں اور اب خوفزدہ ہیں۔ میرے خیال میں ہم نے بھی مصیبت مول لے لی ہے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"

"دیکھا جائے گا" ایوان نے سکون سے جواب دیا "تم تو نہیں ڈر رہے ہو؟"

تورولن سر کھجانے لگا۔

"اگر سچ پوچھو تو میں ڈرتا ہوں۔ پہلے تو نہیں ڈر رہا تھا لیکن اب میں مضطرب ہوں۔"

دونوں خاموش ہو گئے۔ چراگاہ میں بھی سکوت سینے پر پھیلا رکھے تھے۔ گھاس پر شبنم گرنے لگی تھی۔ ہوا گھاس کی بو جھونیاں بھر کر لا رہی تھی۔ کبھی کبھی گھوڑے کی لگام بج اٹھتی تھی پھر سکوت طاری ہو جاتا تھا۔ مغرب میں بادل گرہ کی شکل میں جمع ہو گئے تھے لیکن افق کے پاس ایک دودھیا راستہ نمودار تھا۔

۴

سویرا ہوتے ہی کمپنی پھر چل پڑی۔ وہ گاؤں سے گزرے۔ عورتوں اور بچوں کی سرد نگاہیں ان سے دوچار ہوئیں جو اپنے اپنے مویشی چراگاہ میں لے جا رہے تھے۔ سورج کی روشنی میں چٹان گلرنگ ہو گئی تھی۔ تورولن نے مڑ کر دیکھا۔ اس نے ایوان کی لگام تھام کر کہا "دیکھو ــــ گھڑسوار ہمارے تعاقب میں آ رہے ہیں۔"

ایوان نے مڑ کر دیکھا تین گھڑسوار گرد و غبار کا طوفان اٹھاتے ہوئے آ رہے تھے۔

"ٹھہرو۔۔ رک جاؤ" ایوان نے حکم دیا۔

کاسکوں نے حسب معمول اپنے آپ کو ایک مربع کی شکل میں ترتیب دے دیا۔ آدھ میل

تک گھڑسوار ڈلکی چال چلتے رہے۔ اُن میں سے ایک افسر تھا۔ اُس نے سفید رومال نکال کر لہرایا۔ کاسکوں نے آنے والوں کی طرف سے نظریں نہ ہٹائیں۔ کاسک افسر سب سے آگے تھا۔ اس کے پیچھے دو اور افسر تھے۔ ایوان اُن سے ملنے کے لیے آگے بڑھا۔

"کیا چاہتے ہو؟"

"ہم آئے ہیں کہ آپس میں بیٹھ کر مصالحت کریں۔ کمپنی کا کمانڈر کون ہے؟" افسر نے ٹوپی کو ہاتھ سے چھو کر سلام کرتے ہوئے کہا۔

"میں ہوں۔"

"میں ڈان کاسک ڈویژن کی طرف سے سفیر بن کر آیا ہوں۔ یہ دو افسر مقامی ڈویژن کے ہیں۔" افسر نے گھوڑے کی گردن پر تھپکی دیتے ہوئے کہا "اگر تم مصالحت کے لیے تیار ہو تو کمپنی کو گھوڑوں سے اُترنے کا حکم دے دو۔ میں میجر جنرل گریکیف کا زبانی پیغام لے کر آیا ہوں اور تمھیں سُنانا چاہتا ہوں۔"

کاسک گھوڑوں پر سے اُتر پڑے۔ اور ایک منظم مجمع کی شکل اختیار کر گئے۔ افسر وسط میں کھڑا ہو کر تقریر کرنے لگا "کاسکو۔۔۔ میں تمھیں بتانے آیا ہوں کہ صورتِ حال پر اطمینان سے غور کرو اور دیکھو کہ تم کیا کر رہے ہو اور اس کے کیا نتائج ہو سکتے ہیں۔ کل حکّام کو معلوم ہوا کہ تم نے مجرمانہ قدم اُٹھایا اور اپنی مرضی سے گاڑی کے ڈبے چھوڑ کر چل دیے۔ ہم آج حکّام کی طرف سے یہ ہدایات لے کر آئے ہیں کہ تم واپس سٹیشن چلے چلو۔ مقامی ڈویژن اور دُوسرے رسالے کے دستوں نے پیٹروگراڈ کو گھیر لیا ہے۔ ان فوجوں کے ہراول دستے شہر میں داخل ہو گئے ہیں۔ تمام سرکاری دفاتر اور عمارات پر فوج کا قبضہ ہو چکا ہے۔ صوبائی حکومت بھاگ چکی ہے۔ کاسکو۔۔۔ سوچو اگر تم ڈویژنل حکّام کا حکم نہ مانو گے تو مسلح فوجیں تمھارے خلاف کارروائی کریں گی۔ تمھارا یہ رویّہ باغیانہ قرار دیا جائے گا۔ اور اگر تم ہتھیار ڈال دو گے تو خونریزی سے بچ جاؤ گے۔"

ایوان سوچ رہا تھا اگر وہ مذبذب ہو گیا تو اُس کی تمنا کبھی بر نہ آئے گی۔ اُس کے عزائم کو تحلیں

لگے گی۔ اُس نے ڈرورٹن کو آنکھ کا اشارہ کیا۔ کاسک نگاہیں جھکائے بکھڑے تھے اور کپتان کے الفاظ افسردہ خاطری و پژمردگی سے سُن رہے تھے۔ ایوان کے ہم خیال بھی کسمسا رہے تھے۔ دُوسری قطاریوں سر اُٹھائے کھڑی تھی جیسے کوئی دُعا پڑھ رہی ہو۔

ایوان دیکھ رہا تھا کہ کاسک مطیع ہونا ہی چاہتے ہیں۔ اگر چند لمحے اور ضائع کیے گئے تو افسر اُنھیں مغلوب کرے گا۔ کچھ بھی ہو اُس کا پیدا کیا ہوا تاثر ختم ہو جائے گا۔ ایوان نے ہاتھ اُٹھایا۔

"بھائیو ۔۔۔! انتظار کرو ۔۔۔ ذرا دم لو" وہ چلّایا "تمھارے پاس تار ہے؟"

"کیسا تار؟"

"وہ تار جس میں لکھا ہے کہ پیٹروگراڈ مسخر ہو چکا ہے۔"

"تار سے تمھیں کیا لینا ہے؟"

"نہیں اُس کے پاس نہیں" کمپنی نے اطمینان کا سانس لیا۔ کاسکوں نے سر فخر سے بلند کر لیا اور نگاہیں ایوان کے چہرے پر گاڑ دیں۔ اُس نے طنزیہ لہجے میں کہا "چلو ہم اعتبار کیے لیتے ہیں کہ تمھارے پاس تار ہے لیکن ہمیں اتنی آسانی سے بیوقوف تو نہیں بنایا جا سکتا"

"یہ کوئی چال ہے" کمپنی نے بھی اتفاق کیا۔

"تار ہمارے نام نہیں تھا۔ کاسکو!" افسر نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

لیکن اُنھوں نے اس کی ایک نہ سُنی۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ اُس نے دوبارہ کمپنی کا اعتماد حاصل کر لیا ہے اُس نے موثر الفاظ کا بم پھینکا "اگر تار تمھارے پاس ہے بھی تو ہمیں کیا۔ ہمارے اور تمھارے راستے جُدا جُدا ہیں۔ ہم اپنے ساتھیوں کو گولی کا نشانہ نہ بنائیں گے۔ ہم ہم وطنوں کے خلاف ہتھیار نہیں اُٹھاتے۔ بیوقوفوں کو منظرِ عام پہ لایا گیا ہے۔ ہم جرنیلوں کی حکومت نہیں بننے دیں گے ۔۔۔ سمجھے۔"

کاسکوں نے ہاں میں ہاں ملائی "شاباش ۔۔۔ ایوان تم ٹھیک کہتے ہو۔ اُنھیں اُلٹے پاؤں واپس بھیج دو۔"

ایوآن نے سفیروں کی طرف دیکھا۔ کاسک افسر بُت بنا کھڑا تھا۔ دُوسرے دونوں کندھے سے کندھا ملا کر استادہ تھے۔ اُن میں سے ایک خوبصورت نوجوان ہاتھ باندھ کر کھڑا تھا۔ دُوسرا بوڑھا افسر کاسکوں کی طرف تحسین آمیز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ ایوآن گفتگو ختم کرنے ہی والا تھا کہ کاسک افسر کرخت لہجے میں بولا "کاسکو ـــ! کیا تم مقامی ڈویژن کے افسروں کو بولنے کی اجازت نہ دو گے؟"

اجازت کا انتظار کیے بغیر خوبصورت افسر بول اُٹھا "کاسک بھائیو! اگر تمھیں جنرل کا نیلف ناپسند ہے ـــ اور جنگ چاہتے ہو۔ تو ہم تمہیں جنگ میں جھونک دیں گے۔ ہم ڈرتے نہیں۔ قطعاً خوفزدہ نہیں۔ ہم تمھارے پرخچے اُڑا کر رکھ دیں گے اور آج ہی ـــ دو پلٹنیں تیار کھڑی ہیں۔"

پھر اُس نے سکون سے کام لیا۔ لیکن اس کے الفاظ میں آگ تھی۔ اُس نے ایوآن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ رہا وُہ کاسک جو تمھیں موت کے مُنہ میں لے جا رہا ہے۔ یہ بالشویک ہے اور تم اس کا ساتھ دے رہے ہو۔ اسے پکڑ لو ـــ ہتھیار چھین لو۔"

افسر کا ساتھی خاموش تھا۔ پہلا افسر تلوار کی پیٹی سے کھیل رہا تھا۔ کاسک خاموش تھے لیکن اضطراب کی لہر ان میں تلملاتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ ایوآن پچھتا رہا تھا کہ اُس نے کاسکوں کو در غلانے کا موقع کیوں دیا۔ وُہ ایک لفظ سے گفتگو توڑ سکتا تھا۔ ٹوروٹلن آڑے وقت میں کام آیا۔ وُہ دوڑتا ہوا وسط میں پہنچ گیا۔

"سانپو، بدمعاشو ـــ! دیکھتے نہیں یہ تمھیں ڈھور ڈنگروں کی طرح ہانک لیتے ہیں۔ افسر تم سے حسب منشا کام لیں گے ـــ کیا کر رہے ہو۔ انھیں کاٹ کر رکھ دو۔ کیوں ان کی تقریر سنتے ہو۔ ان کے سر اُڑا دو ـــ خون بہا دو۔ تم کھڑے کھڑے سوچ رہے ہو اور اِدھر ہمارے گرد گھیرا ڈالا جا رہا ہے۔ مشین گن سے تمھیں دانوں کی طرح بھون کر رکھ دیں گے۔ اس وقت سوچ بھی نہ سکو گے جب مشین گن نے دانے بھوننے شروع کر دیئے۔ تمھاری آنکھوں پر یہ لوگ پٹی باندھ رہے ہیں ـــ بھاڑے کے ٹٹو نہ بنو۔"

"گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ۔" ایوآن نے حکم دیا۔

اُس کی چیخ مجمع پر چابک کی طرح پڑی۔ کاسک گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ لمحہ بھر میں کمپنی قطار اندر قطار کھڑی تھی۔

"کاسکو! اسنیو!" کپتان چلّایا۔

ایواَن نے قرابین کندھے پر رکھ لی۔ قرابین کی لبلبی پر اُس کی اُنگلی پہنچ چکی تھی۔ وہ بولا "گفتگو سے مصالحت ٹوٹ چکی ہے۔ اگر اب تم نے ایک لفظ بھی زبان سے نکالا تو اس سے جواب دیا جائیگا۔" اُس نے قرابین کھڑکھڑائی۔

کمپنی قطار اندر قطار سڑک پر چل دی۔ اُنھوں نے مڑ کر دیکھا کہ سفید گھوڑوں پر سوار ہوتے اور باہم مشورہ کرنے لگے۔ اَنکُش بار بار ہاتھ ہلا ہلا کر غیظ و غضب سے بحث کر رہا تھا۔ اس کے کفوں کی کناری سفید برف کی طرح چمک رہی تھی۔ جب ایوَان نے آخری مرتبہ نظر گھُما کر دیکھا تو اُسے آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر دینے والی ریشمی دریائی کنارے کی جھلک دکھائی دی اور دفعۃً اس کی آنکھوں کے آگے دریائے دُان کا ہوا زدہ سبزہ، اُس کی جھاگ اُچھالتی ہوئی سفید فام موجیں اور اُن پر چکّر لگاتے ہوئے مُرغابیوں کے سفید پَر رقصاں نظر آنے لگے۔

جرنیل کارنیلف نے فوج کے جو مختلف دستے پیٹرو گراڈ کے محاصرے کے لیے جمع کیے تھے وہ ریل کی آٹھ لائنوں پر رواں دواں تھے۔ فوج جنوب، مشرق اور مغرب سے مسلسل آ رہی تھی۔ ہر بڑا اسٹیشن ہر بڑا پڑاؤ اس کی فوجوں سے معمور تھا۔ فوج میں تنظیم کا نام و نشان تک نہ ملتا تھا۔ ان کی اخلاقی ثابت قدمی بھی متزلزل ہو چکی تھی۔ کمپنیوں کا تعلق باہم ٹوٹ چکا تھا۔ انتشار عام تھا۔ ہر لمحہ نئی ہدایات دی جاتی تھیں۔ زیادہ افراتفری اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ فوجوں کے پہلے ہی سے ضبط شکن طور طریق پر ضرب کاری لگی۔ ریلوے مزدوروں کی مزاحمت کا سامنا کرتی ہوئی جرنل کارنیلف کی افواج پیٹرو گراڈ کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

سرخ ڈبوں میں بھوکے ننگے کاسک اپنے بھوکے گھوڑوں کے قریب کھڑے تھے۔ سٹیشن پر گاڑیاں گھنٹوں تک کھڑی رہتیں۔ ڈبوں سے نکل کر مرد پلیٹ فارم پر چہل قدمی کرتے۔ کھانے کی بچی کھچی چیزوں پر ٹوٹ پڑتے۔ مقامی باشندوں کی غذا تک چرا لینے اور رسد خانے پر خوب ہاتھ صاف کرتے۔ کمپنی کے کمانڈر ڈبوں سے باہر قدم نہ رکھتے۔

۲

پہلی ڈان کاسک ڈویژن جس میں لسنگی کمانڈر رہ چکا تھا۔ وہ بھی پیٹرو گراڈ میں جھونک دی گئی۔ نزوا اسٹیشن پر دو کمپنیاں ۸ ستمبر کو پہنچیں۔ کمانڈر کو پتا چلا کہ ان کا آگے بڑھنا غیر ممکن ہے۔ کیونکہ نزوا کا مستقل راستہ تباہ کر دیا گیا تھا۔ اگر وقت پر پٹڑی درست نہ کر دی گئی تو گاڑی صبح سے پہلے روانہ نہ ہو سکے گی۔ بحالت مجبوری کمانڈر کو یہ بات ماننی ہی پڑی۔ وہ کڑھتا ہوا اپنے

ڈبے میں چلا گیا۔ اُس نے دُوسرے افسروں کو بھی راستے کی دشواری سے آگاہ کیا اور چائے پینے میں مصروف ہو گیا۔

رات اندھیری اور مطلع ابر آلود تھا۔ خلیج فن لینڈ کی طرف سے سرد اور تیز ہوا چل رہی تھی، کاسک بھی خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ گاڑی کے آخری ڈبے میں ایک نوجوان کاسک نے گیت گانا شروع کر دیا۔ اس کے گیت میں ایک لطیف شکایت تھی۔ تاریکی میں خدا جانے وُہ کس سے شکوہ سرا تھا۔

ایک مرد مال گودام سے نکلا اور کھڑا ہو کر گیت سننے لگا۔ دُور سٹیشن کی زرد روشنی میں پٹڑیاں جھلملا رہی تھیں۔ پھر وُہ ڈبوں کی طرف بڑھا۔ آخری ڈبے کے قریب پہنچا تو کاسکوں نے اس کی طرف دیکھا اور گیت جاری رکھا۔ "کون ہے؟" ایک کاسک نے سوال کیا۔

"کیوں ۔۔۔ تمھیں کون چاہیے؟" مرد نے جواب دیا۔

"رات کے وقت کہاں آوارہ گردی کر رہے ہو۔ ہم تم آوارہ گردوں کی خوب پٹائی کریں گے۔"

مرد چلتا رہا۔ وسط میں آ کر اُس نے ڈبے میں جھانکا اور بولا "کون سی کمپنی ہے یہ؟"

"کمپنی کہاں ہے ۔۔۔ قیدی ہیں ۔۔۔ ہم قیدی ہیں۔"

"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔"

"یہ دُوسری کمپنی ہے۔"

"چوتھی کمپنی کہاں ہے؟"

"پہلی سے چھٹی گاڑی میں۔"

چھٹی گاڑی کے ڈبوں میں کاسک سگرٹ پی رہے تھے اور آسمان کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہے تھے۔ جب وہ شخص اُن کی طرف بڑھا تو وُہ سب چوکنے ہو گئے۔

"کاسکو ۔۔۔ خدا تمھیں خوش رکھے۔" اُس نے انھیں مخاطب کیا۔

"خدا تمھیں بھی خوش رکھے" ایک نے جواب دیا اور اجنبی چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

"زنجیا ڈوگن زندہ ہے ؟"

"ہاں ۔۔۔ میں زندہ ہوں" اندر سے آواز آئی "لیکن میں تمھیں نہیں جانتا۔ تم کون ہو ؟"
اُس نے اندر بیٹھے بیٹھے اجنبی کو پہچاننے کی کوشش کی۔ پھر یکایک اُس نے اپنی ڈاڑھی مٹھی میں لیکر کہا" ایلیا بنچک ۔۔۔ ! کہاں سے آٹپکے تم ۔۔۔ ؟"
بنچک کے بالوں والے ہاتھ کو وہ اپنے ہاتھ میں لے کر بولا" گھبراؤ نہیں۔ یہ سب اپنے آدمی ہیں ۔۔۔ یہاں کیونکر پہنچ گئے ؟ کچھ تو بتاؤ "
بنچک نے دوسرے کاسکوں سے بھی ہاتھ ملایا اور شکستہ آواز میں بولا" میں چیرو گیاڈ سے آرہا ہوں۔ تمھیں دیکھتا ہوا یہاں آپہنچا ہوں۔ کام کا وقت آگیا ہے ۔۔۔ تم زندہ ہو' یہ دیکھ کر بیحد خوشی ہوئی آؤ ڈبے میں چلیں "
دونوں ڈبے میں داخل ہو گئے۔ ڈوگن نے کسی کو جگاتے ہوئے کہا" معزز مہمان آیا ہے ۔۔۔ اُٹھو ۔۔۔ اور تھوڑی سی جگہ دو "
سویا ہوا کاسک اُٹھ بیٹھا۔ دو بڑے بڑے ہاتھوں نے بنچک کے چہرے کا جائزہ لیا اور بول اُٹھا" بنچک ۔۔۔ !"
"ہاں ۔۔۔ اور تم چیکا ناسف ہو ؟"
"ہاں، تمھیں دیکھ کر بیحد مسرت ہوئی۔ کیا میں دوڑ کر تیسری کمپنی کے دوستوں کو بھی بلا لاؤں ؟"
"بُلا لاؤ تو بہت اچھا ہے "
تیسری کمپنی کا ہر فرد آپہنچا۔ صرف دو آدمی گھوڑوں کی رکھوالی کے لیے رہ گئے۔ کاسکوں نے باری باری بنچک سے ہاتھ ملایا۔ اُس پر سبھی جھک گئے۔ ہر شخص لال ٹین کی روشنی میں اس کی صورت دیکھنے لگا۔ اس علیک سلیک اور گرم جوشی میں دوستانہ محبت کی جھلک تھی۔
اُنھوں نے اس کا مُنہ لال ٹین کی طرف کر کے بٹھا دیا۔ کاسکوں نے اُس کے گرد گھیرا ڈال دیا۔ ڈوگن کھانسا۔

"ہمیں تمھارا خط کل مل گیا تھا۔ لیکن تمھیں دیکھنے کو جی چاہتا تھا۔ ہمیں تمھارے مشورے کی سخت ضرورت ہے۔ حکام ہمیں پیٹروگراڈ بھیج رہے ہیں۔"

"بھیا بنچک! بات یہ ہے" ایک کاسک بولا۔ اُس کے کان میں بالی جھول رہی تھی۔ یہ وہی کاسک تھا جسے لسنتسکی نے ایک دفعہ آہنی چادر پہ پانی آبا لینے سے منع کرکے مشتعل کیا تھا۔ "ہر قسم کے سازشی اور باغی ہمارے پاس آتے ہیں اور ورغلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو ہمیں پیٹروگراڈ جانے سے روکتے ہیں۔ ہم ان کی باتیں خاموشی سے سُن لیتے ہیں لیکن ہمیں ان پر اعتماد نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وُہ ہمارے آدمی نہیں۔ کہیں وُہ ہمیں سبز باغ نہ دکھا رہے ہوں۔ اگر پیٹروگراڈ جانے سے انکار کرتے ہیں تو جرنیل کارنیلف ہمارے خلاف مقامی ڈویژن کے سپاہی استعمال کرے گا اور خونریزی و ہلاکت پھر بھی پھیلے گی۔ تم بھی ہماری طرح کاسک ہو۔ ہمیں تم پر کامل اعتماد ہے۔ ہم تمھارے شکرگزار ہیں کہ تم نے ہمیں خط لکھا اور اخبار بھی بھیجا..... سگرٹ کا کاغذ بھی ختم ہو رہا تھا۔ شکریہ۔"

"جھوٹ کیوں بولتے ہو!" ایک نے دخل اندازی کی "پڑھنا آتا نہیں اور ایسی باتیں بنا رہے ہو۔ مگر ہم تو تمھاری طرح نہیں۔ تمھارا کیا خیال ہے کہ ہم نے اخبار کے سگرٹ بنا کر پی لیے ہیں۔ اُن اخباروں کی تو ہم نے ایک ایک سطر پڑھی تھی بنچک!"

بنچک کاسکوں کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ بیٹھے بیٹھے اُس کے لیے بولنا مشکل تھا۔ اس لیے وُہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے پشت لالٹین کی طرف کر لی اور بولا "پیٹروگراڈ میں تمھارے لائق کوئی کام نہیں۔ وہاں تو کوئی ہنگامہ نہیں جانتے ہو تمھیں وہاں کس لیے بھیجا جا رہا ہے؟ عبوری حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لیے تمھاری قیادت کون کر رہا ہے؟ زار جرنیل کارنیلف! کرینسکی کو نکالنے کا مقصد کیا ہے جانتے ہو؟ تاکہ اُس کی جگہ لے سکے۔ کاسکو! سنو وہ تمھاری گردن سے لکڑی کا پھندا نکال کر لوہے کا پھندا پہنانا چاہتے ہیں۔ دو خرابیوں میں سے ہلکی خرابی کا انتخاب کرلو۔ کیا خیال ہے تمھارا؟ ذرا سوچو۔ زار کے ماتحت بھی جرنیل تمھیں جنگ پر آمادہ کرتا رہا۔ کرینسکی کے ماتحت بھی وُہ تمھیں جنگ

میں مصروف دیکھنا چاہتا ہے ۔۔۔۔ میں تمھیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ بالشویکوں کے عہدِ حکومت میں تمھاری حالت سُدھر جائیگی۔ تم خوش حال ہو جاؤ گے۔ بالشویکوں کے برسرِ اقتدار آنے کی دیر ہے۔ چاروں طرف امن قائم ہو جائیگا۔ میں کرینسکی کا ساتھی نہیں۔ خدا اُسے غارت کرے۔ ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں یہ لوگ" وہ مسکرایا، ابروؤں سے پسینہ پونچھتا ہوا پھر گویا ہوا "مزدوروں کا خون نہ بہاؤ اور فی الحال صوبائی حکومت کا بچاؤ کرو۔ اسے اس لیے بچاؤ۔ اگر کارنیلف برسرِ اقتدار آگیا تو مزدوروں اور کسانوں کے خون کی ندیاں بہ جائیں گی۔ اُس کے ہاتھوں سے طاقت چھین کر مزدوروں کو دے دینا محال ہو جائیگا۔"

"لمحہ بھر کے لیے ٹھہرو بیچک!" ایک پست قامت کاسک پچھلی قطار سے آگے بڑھا۔ وہ کھانسا اور ہاتھ ملنے لگا۔ بیچک کی طرف مسکراتا ہوا دیکھنے لگا اور بولا "ابھی ابھی تم نے پھندے کا ذکر کیا تھا۔ بالشویکوں کے برسرِ اقتدار آنے پر کون سا پھندا ہمارے گلے میں ڈال دیا جائے گا؟"

"کیا کہہ رہے ہو ــــ اپنے گلے میں کیا آپ پھندا ڈال لوگے؟"

"اپنے گلے میں آپ پھندا ڈال لینے سے کیا مطلب ہے تمھارا؟"

"بات یہ ہے کہ بالشویکوں کے زیرِ نگیں حکومت کس کی ہو گی؟ حکومت تمھاری ہو گی۔ تم سب حکومت کے نمائندے ہو گے۔ تم سب حکمراں ہو گے ــــ سمجھتے ہو؟"

"لیکن چوٹی پر کون ہو گا؟"

"اگر عوام تمھیں منتخب کریں گے تو تم ہو گے!"

"واقعی ــــ جھوٹ تو نہیں بولتے ہو بیچک؟"

کاسکوں نے قہقہہ لگایا حتیٰ کہ گھوڑوں کا پہریدار بھی جگہ چھوڑ کر اُن میں آملا۔

"مگر زمینوں کا کیا ہو گا؟"

"وہ ہم سے زمین چھین لیں گے" دوسرے کاسک نے جواب دیا۔

"کیا جنگ بند ہو جائے گی؟ یا اُن کے لیے بھی ہمیں لڑنا ہو گا؟" چوتھے کاسک نے

سوال کیا۔

"ہمیں تاریکی میں نہ رکھو۔ صاف صاف بتا دو۔"

بنچک نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ کاسکوں کے چہروں کا جائزہ لیا۔ اور اس وقت تک اُس نے انتظار کیا جب تک وُہ سب خاموش نہ ہو گئے۔ اُسے اپنی کامیابی معدوم ہوتی دکھائی دی۔ کاسکوں پر بددلی کا عالم طاری تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ نزدا سٹیشن پر گاڑی ٹھہرالی جائے گی۔ دو چار دن ہوئے اُس نے پیٹروگراڈ کی کمیٹی کو یقین دلایا تھا کہ اگر کاسکوں میں یہ تحریک پھیلائی گئی تو بعید کامیابی ہو گی۔ اُسے اپنی فتح کا یقین تھا لیکن نزدا پہنچ کر اُس کا یقین گمان میں تبدیل ہو چکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کاسکوں کو انھیں کی زبان میں سمجھایا جا سکتا ہے۔ اُسے ڈر تھا کہ شاید وُہ اس میں ناکام رہے۔ محاذ سے واپس آنے کے بعد اُس نے زیادہ وقت مزدوروں میں گزارا تھا اور انھیں کی عادات و خصائل اور زبان کا عادی ہو چکا تھا۔

کاسکوں سے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے اُس کا اندرونی خوف عود کر آیا تھا۔ دماغ پر زور دے رہا تھا تاکہ موزوں الفاظ تلاش کر سکے۔ لیکن صابن کے بلبلوں کی طرح بے اثر الفاظ اُس کے لب تک آکر بہے جاتے تھے۔ وُہ پسینے میں نہا چکا تھا۔ سوچ رہا تھا "مجھے یہ عظیم کام سونپا گیا ہے اور میں ہوں کہ گھبرا کر اپنے مقصد کا گلا گھونٹ رہا ہوں۔ مجھ سے تو ایک جاہل نے زیادہ اچھی تقریر کی ہوتی۔ میں کس قدر بیوقوف ہوں!"

اس کاسک نے، جس نے پھندے کے متعلق سوال کیا تھا، اُسے خواب سے جگا دیا تھا اور جواب جو اُس نے دیا تھا اُس سے اُس کا حوصلہ بڑھ چکا تھا۔ اس میں طاقت آ گئی۔ اُس کے دل کی دھڑکن ہموار ہو گئی۔ گمان ایک دفعہ پھر یقین میں بدل گیا۔ اُس کا لہجہ پُر شکوہ ہو گیا۔ اُس کی حالت اس شہسوار کی سی تھی جس نے بگڑے ہوئے گھوڑے کو سیدھے راستے پر لگا دیا ہو۔

سوالات ابھی تک جاری تھے۔

"ہمیں بتاؤ کہ آئین ساز اسمبلی کیوں خراب ہے؟ تمہاری حکومت اور تمہارے لینن ہی نے اسے یہاں بھیجا تھا۔ کیا نہیں؟ بنچک! تم اپنی مرضی سے یہاں آئے ہو کر بھیجے گئے ہو؟"

"ہماری اپنی فوجی عدالت ہے یعنی عوام کی حکومت۔ ہمیں مزدوروں کی پنچایتوں سے کیا غرض؟"

اُس نے ہر سوال کا جواب نہایت اطمینان سے دیا۔ یہ چھوٹی سی مجلس آدھی رات کو برخاست ہوئی۔ فیصلہ کیا گیا کہ دونوں کمپنیوں کا ایک خاص اجلاس صبح کو ہو گا۔ بنچک نے رات تو تبے ہی میں بسر کی۔ وہ چیکاماسف کے کمرے میں سویا۔ ایک کاسک نے اُسے خبردار کیا۔

"کسی قسم کے خطرے کے بغیر تم یہاں سو تو سکتے ہو لیکن جونکیں بہت ہیں کہیں بیزار نہ ہو جانا۔ جونکیں اتنی بڑی اور اتنی موٹی ہیں کہ مرغی کا انڈا معلوم ہوتی ہیں۔" وہ ایک لمحے کے لیے خاموش رہا اور بولا "لینن کس نسل سے ہے؟ میرا مطلب ہے کہ وہ کہاں پیدا ہوا تھا؟"

"لینن؟ وہ روسی ہے۔"

"نہیں؟"

"یہ صحیح ہے وہ روسی ہے۔"

"نہیں، میرے دوست! تم غلطی پر ہو۔ تمہیں اس کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں" چیکاماسف نے اپنی برتری کا اظہار کیا "جانتے ہو کہ اُس کا وطن کون سا ہے؟ وہ ہمارے خون سے ہے۔ کاسکوں کی اولاد۔ ڈان کے کاسکوں کی اولاد! سالسکف کے صوبے میں پیدا ہوا تھا۔ ویلی کوک نیز وضلع میں۔ سمجھے ــــ؟ سُنا ہے کہ وہ فوج میں توپچی تھا۔ جنوبی کاسکوں کی طرح خط و خال ہیں۔ اُس کے ــــ گالوں کی ہڈیاں اُبھری ہوئی اور چندھی آنکھیں ــ!"

"تم کیونکر جانتے ہو؟"

"کاسک آپس میں ہر روز یہی باتیں کرتے ہیں۔ میں نے بھی اُنھیں سے سُنا ہے۔"

"نہیں، چیکاماسف! وہ روسی ہے اور سمبرسک کے صوبے میں پیدا ہوا تھا۔"

"مجھے تم پر اعتبار نہیں آتا۔ اس لیے کہ پگاچیف بھی تو ہے۔ دیکھو وہ کاسک ہے۔

سٹینکا رزن، تموفی وِرچ پراک یہ سب کاسک ہیں۔ آج تک کوئی آدمی ایسا نہیں گزرا جس نے عوام کو بیدار کیا ہو۔ زار کی بھی مخالفت کی ہو اور وُہ کاسک نہ ہو۔ اور تم کہتے ہو کہ وہ سائبیریا کے ضلع کا ہے۔ مجھے تو ایسے الفاظ سُن کر شرم آرہی ہے۔"

بنچک نے مسکرا کر پوچھا "اچھا تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ وُہ کاسک ہے؟"

"ہاں، وہ ایک کاسک ہے۔ وُہ ابھی یہ بتانا نہیں چاہتا کہ وُہ کاسک ہے۔ اُس کی حکومت دیکھتے ہی میں بتا دوں گا کہ وہ کون ہے۔" چپکا ماسف نے سگرٹ سلگایا اور دھوئیں کا بادل بنچک کے منہ پر چھوڑ دیا۔ وُہ سوچتے ہوئے کھانسنے لگا "یہ ایک معجزہ ہے۔ ہم تو اس بات پر ٹھٹھکی پڑے تھے۔ ایک نے کہا تھا کہ اگر لینن کاسک ہے تو اسے اتنی معلومات اور اس قدر علم کہاں سے حاصل ہوا۔ دوسرے نے جواب دیا کہ جرمنوں نے اُسے قیدی بنا لیا تھا۔ یہ سارا علم اُس نے وہیں سے حاصل کیا۔ پھر جرمنی کے مزدوروں کو بغاوت پر آمادہ کرنا شروع کر دیا۔ جرمنوں نے اُسے روس واپس بھیج دیا کیونکہ اُنھیں خدشہ تھا کہ وُہ ان کے مزدوروں کو باغی بنا دیگا۔ بہت بڑا باغی ہے لینن!" چپکا ماسف نے آخری الفاظ بڑے یقین سے ادا کیے اور جی کھول کر ہنسا۔ "تم نے اُسے دیکھا ہے؟" "نہیں، افسوس ہے۔ سُنا ہے کہ اُس کا سر بہت بڑا ہے۔" وہ کھانسا اور نتھنوں سے دھواں نکالتا ہوا بولا "اُس نے کسی بھی زار کو اپنے سامنے بولنے نہیں دیا۔ بنچک! مجھ سے بحث نہ کرو۔ میں جانتا ہوں لینن کاسک ہے۔ تمھیں اس میں کیوں شک ہے؟ ایسے آدمی سائبیریا کی سرزمین میں پیدا نہیں ہوتے۔"

بنچک خاموش رہا۔ تبسم نے اُس کا چہرہ جگمگا دیا تھا۔ وہ سونا چاہتا تھا لیکن جونک اُس کا خون چوس رہی تھی۔ چپکا ماسف نے جمائی لی اور خراٹے لینے لگا۔ بنچک کروٹیں بدلتا رہا اور کل کی مجلس کے متعلق سوچتا رہا۔ لیکن بغیر ارادی طور پر اُسے ۱۹۱۵ء کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ اُس کی یاد داشت کام کرنے لگی اور داستان کے بکھرے ہوئے اوراق یکجا ہونے لگے، مُردہ روسی اور جرمن سپاہیوں کے خوفناک چہرے اور مسخ شدہ اجسام کا وحشتناک انداز، اُجڑی ہوئی خشک اور بنجر زمین، توپوں کے گولوں کے دھماکے، مشین گن کا نغمہ، پھر ان مصائب میں کسی سپاہی کا افسردہ گیت۔ ایک عورت

کی دھندلی دھندلی صورت جسے اُس نے کبھی چاہا تھا پھر جنگ کی ہولناکیاں۔ ایک پہاڑی پر اُس کے ساتھیوں کی ان گنت قبریں۔۔۔۔۔

وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا اور دل میں سوچنے لگا۔ شاید یہ سوچ اُس کا عزم بالجزم تھی" مرتے دم تک یہ یادیں میرا ساتھ نہ چھوڑیں گی۔ مجھ پر کیا موقوف ہے۔ ہر شخص کو یاد رہیں گی جو اس جنگ میں حصہ لے چکا ہے۔ ہماری زندگیاں تباہ کر دی گئی ہیں۔ خدا انھیں غارت کرے۔ موت بھی اُن کے اس جرم کا بدل نہیں ہو سکتی۔"

نفرت کی شدت سے اُس کا دل دھڑکنے لگا۔ اُس نے دانت کٹکٹائے۔ بیٹھا ہُوا بالوں بھرا سینہ ہاتھ سے مَلتا رہا۔ جیسے نفرت کو اُس کے سینے میں اُبال آ گیا ہو۔ اُس کے دل میں ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔

۳

وہ صبح تک بالکل نہ سویا۔ پھر وہ اندھیرے مُنہ اُٹھ کر ریلوے کے مزدوروں کی کمیٹی میں گیا اور اُنھیں مجبور کیا کہ کاسکوں کی گاڑی کو زرواسے آگے نہ بڑھنے دیں۔ ہر طرف سے مطمئن ہو کر وہ آٹھ بجے گاڑی میں واپس آیا۔ ارادے کی امکانی کامیابی پر مسرور تھا۔ سُورج لکڑی کے مال گودام پر ہنستا ہوا بلند ہو رہا تھا۔ دُور سے ایک عورت کے گانے کی دلکش آواز آ رہی تھی۔ رات کو بارش ہوئی تھی۔ ریتلی زمین گیلی اور بھیگی ہوئی تھی۔ بارش کے قطروں کے نشان اس پر ابھی تک موجود تھے جیسے اُسے چیچک نکل آئی ہو۔

جب وہ ڈبوں کے پاس سے گزرا تو ایک افسر کیچڑ سے لتھڑے ہوئے بوٹوں میں اور لمبا کوٹ پہنے اُس کی طرف آیا۔ بنچک نے کپتان کالمیکف کو پہچان لیا اور قدم آہستہ کر لیے کالمیکف نزدیک آ کر رکا" بنچک! کیا تم ابھی تک آزاد ہو؟ معاف کرنا میں ہاتھ نہیں ملا سکتا۔"

"معاف کرنا کہ میں بھی تمھیں ہاتھ نہ پیش کر سکا۔"

"یہاں کیا کر رہے ہو؟ ڈر کے مارے چھپے ہو کیا؟ کہیں تم پیٹرو گراڈ سے تو نہیں آئے؟

دوست کرینسکی کی طرف سے تو نہیں آ رہے ہے؟"

"سچ سچ کہہ رہے ہو؟"

"نہیں یہ تو میرا استعجاب ہے میں اس معزز کا حال جاننا چاہتا ہوں جو کبھی ہمارا ساتھی تھا۔"
بنچک نے کندھے جھٹکائے "میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ میں کرینسکی کی طرف سے نہیں آیا۔"
"یہاں تمھاری موجودگی تمھارے لیے خطرناک ہو سکتی ہے۔ افسر کی وردی کہاں گئی۔ سپاہیوں کا لمبا کوٹ پہنے ہوئے ہو؟" کالمیکف نے بنچک کے سراپا کا جائزہ لیا "سیاسی کارکن! میرا اندازہ ٹھیک ہے نا؟" اس نے سوال کے جواب کا انتظار کیے بغیر رخ پھیر لیا اور چل دیا۔

بنچک نے دیکھا کہ ڈوگن اس کا منتظر تھا۔

"اجلاس شروع ہو چکا ہے۔"

"شروع ہو چکا؟"

"ہاں — ہمارا کمپنی کا کمانڈر کالمیکف پیٹروگراڈ گیا تھا۔ آج صبح واپس آیا ہے۔ اس نے بھی کاسکوں کا اجلاس بلایا ہے۔" ڈوگن اور بنچک جلسہ گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کاسکو کا جم غفیر افسروں کے سامنے استادہ تھا۔ کالمیکف ایک پیپے پر کھڑا تھا۔ اور چلا رہا تھا۔

"......نہایت کامیابی سے انجام کو پہنچانا چاہیے۔ انھیں ہم پر اعتماد ہے۔ ہم یہ اعتماد کھو نہیں گے نہیں۔ کرینسکی کے جاسوس اور بالشویک فوجوں کی نقل و حرکت میں مزاحمت کر رہے ہیں۔ سالار اعظم نے ہدایت کی ہے کہ اگر ریل کے ذریعے سے نقل و حرکت بند کر دی جائے تو گھوڑوں پر سوار ہو کر پیٹروگراڈ پہنچ جاؤ۔ ہم آج ہی چل پڑیں گے۔ گھوڑے ڈبوں سے نکال لو۔" انتظار کیے بغیر بنچک ہجوم کو چیرتا ہوا وسط میں جا پہنچا اور چلایا "کاسکو! میرے ساتھیو! مجھے پیٹروگراڈ کے مزدوروں اور سپاہیوں نے تمھارے پاس بھیجا ہے۔ تمھارے افسر تمھیں تمھارے بھائیوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے جا رہے ہیں۔ انقلاب کو ناکام بنانے کے لیے قدم اٹھا رہے ہیں۔ اگر تم عوام کا خون بہانا، شہنشاہی کو بحال کرنا اور جنگ جاری رکھنا چاہتے ہو تو ضرور جاؤ — لیکن پیٹروگراڈ کے مزدور اور سپاہی تم سے متوقع ہیں

کہ تم اُن کے بھائی ثابت ہوگئے۔ اُنھوں نے تمھیں پیغام بھیجا ہے۔ وہ تمھیں دوست دیکھنا چاہتے ہیں دشمن نہیں.....“ وہ سلسلۂ کلام جاری نہ رکھ سکا۔ ناقابلِ بیان شور بلند ہوا۔ کالمیکف پہیے سے اُتر کر بنچیک کی طرف بڑھا اور کاسکوں کی طرف مڑ کر گویا ہوا ”کاسکو! پچھلے سال بنچیک فرار ہوگیا تھا۔ تمھیں معلوم ہے۔ کیا ہم اس بزدل کی بات سننے کے لیے تیار ہونگے۔ غدّار کی بات مان لیں گے؟“

چھٹی کمپنی کا کمانڈار میجر کالمیکف سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھ گیا ”اسے پکڑ لو۔ اس کی کھال اُتار دو۔ ہم خون بہانے نہیں آئے ہیں اور یہ گھر میں بیٹھا مزے اُڑاتا رہا ہے۔ پکڑ لو۔“

”ذرا ٹھہر و——“ ”بولنے دو اسے۔“ ”ہمیں کوئی مفرور نہیں چاہیے۔“ ”بولتے جاؤ بنچک! بولتے جاؤ۔“ ”جہنّم میں جائیں یہ افسر۔“ ”بنچیک! انھیں منہ توڑ جواب دو۔“ ہر طرف سے آوازیں آ رہی تھیں۔ کاسک مشتعل ہو چکے تھے۔

ایک ننگے سر کاسک مجمع کو چیرتا ہوا بڑھا۔ اُس کا گنجا سر سانپ کے سر کی طرح گردن پر چاروں طرف گھوم رہا تھا۔ وہ پلٹن کی انقلابی جماعت کا رکن بھی تھا۔ اُس نے کاسکوں کو جرنیل کارنیلف کا ساتھ دینے سے روکا۔ اُسے غدّارِ انقلاب کا خطاب دیا۔ تقریر کے آخر میں وہ بنچیک سے مخاطب ہوا ”رفیق! افسروں کی طرح ہم تم سے نفرت نہیں کرتے۔ ہم تم سے بہت خوش ہیں۔ تمھاری عزت کرتے ہیں۔ جب تم افسر تھے تو تم نے کاسکوں پر کبھی ظلم نہ کیا تھا۔ تم نے ہم سے بھائیوں کا سا سلوک کیا تھا۔ تم نے کبھی کوئی سخت لفظ استعمال نہ کیا تھا مگر کبھی یہ خیال نہ کرنا کہ ہم ان پڑھ لوگ عزت کرنا نہیں جانتے۔ مویشی بھی پیار کی قدر کرتے ہیں۔ ہم زمین پر جھک کر قسم کھاتے ہیں —— جاؤ اور پیٹرد گراڈ کے مزدوروں سے کہ دو کہ ہم اُن پر ہاتھ نہ اُٹھائیں گے۔“

اس پر تائیدی نعرے اس طرح بلند ہوئے جس طرح نقّارے پر چوبیں پڑتی ہیں۔ شور غیر معمولی حد تک پہنچا، کم ہوا اور آخر ختم ہوگیا۔

کالمیکف ایک دفعہ پھر پہیے پر چڑھ گیا۔ وہ ہاتھ ہلا رہا تھا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ چہرہ زرد تھا۔ اُس نے ڈان کے کاسکوں کی داستانِ شجاعت سُنائی۔ ایک کاسک نے کبھی

اُس کا ساتھ دیا۔ اُس کے گلے میں سفید رومال لہرا رہا تھا۔ اُس نے بنچک کے خلاف نہایت غلیظ الفاظ استعمال کیے۔ کاسکوں نے اُسے پیپے سے اتار لیا زمین پر پٹک دیا۔ دفعتاً چکاماسف پیپے پر چڑھ گیا اور ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا :

"ہم گاڑی سے نہیں اتریں گے۔ ہم پیٹروگراڈ نہیں جائیں گے۔ کالمیکف کہتا ہے کہ کاسکوں نے کارنیلف کی مدد کا وعدہ کیا تھا۔ یہ غلط ہے۔ ہم نے کارنیلف سے کوئی وعدہ نہیں کیا۔ افسروں کی جماعت نے وعدہ کیا تھا' وہ جائے' ہم نہیں جائیں گے۔"

ایک کے بعد دُوسرا مقرر پیپے پر چڑھ کر اظہارِ خیال کر رہا تھا۔ بنچک سر جھکائے کھڑا تھا۔ اُس کے گالوں پر سُرخی دوڑ گئی تھی۔ چہرے اور گردن کی رگیں جلد جلد حرکت کر رہی تھیں۔ فضا میں برقی رَو دوڑ گئی تھی۔ ایک غلط قدم خوں ریزی اور ہلاکت کا آغاز کر سکتا تھا۔ محفوظ فوج کے دستے آگئے اور کاسک افسروں نے جلسہ ختم کر دیا۔

آدھ گھنٹے کے بعد ڈوگن بنچک کے پاس دوڑتا ہوا آیا :

"کیا کریں ـــــ ہم کیا کریں بنچک! کالمیکف کی نیت خراب معلوم ہوتی ہے۔ وہ مشین گنیں اتار رہے ہیں۔ انھوں نے دو گھڑ سواروں کو کہیں بھیج بھی دیا ہے۔"

"غم نہیں ـــــ بیس کاسکوں کو لے کر آجاؤ۔ ہم ابھی اُن کے ہوش ٹھکانے لگا دیں گے۔"

افسروں کے ڈبے میں کالمیکف اور دُوسرے تین افسر گھوڑوں پر مشین گنیں لاد رہے تھے۔ بنچک ان تک گیا۔ اُس نے پیچھے کاسکوں کی طرف نگاہ کی۔ اپنے لمبے کوٹ میں ہاتھ ڈال کر اُس نے ریوالور نکال لیا۔

"کالمیکف! تم زیرِ حراست ہو" اُس نے اعلان کیا "ہاتھ سر سے اُوپر کر لو . . . ."

کالمیکف جھٹ گھوڑے سے کود کر کھڑا ہو گیا اور جھکا کر ریوالور کا ٹھی سے کھول سکے لیکن گولی سیٹی بجاتی ہوئی اُس کے سر سے گزر گئی۔ بنچک نے ڈراؤنی آواز میں پھر کہا "ہاتھ سر سے اُوپر کر لو۔" کالمیکف نے کنکھیوں سے اُس کا ریوالور اُٹھتے ہوئے دیکھا اور آہستہ آہستہ ہاتھ اوپر

کر دیے۔ افسروں نے ناخوشی سے ہتھیار اُن کے حوالے کر دیے۔ کاسکوں نے گھوڑوں پر سے مشین گنیں اُتار لیں اور دوبارہ اُنھیں ڈبوں میں رکھ دیا۔

"ان ڈبوں پر پہرہ لگا دو" بنچک نے ڈودگن سے کہا "چکاماسف! ان افسروں کو گرفتار کر لو اور دوسروں کو بھی لے آؤ۔ ڈودگن اور میں کالمیکف کو انقلابی جماعت کی فوج کے حوالے کر کے ابھی آتے ہیں۔ کپتان کالمیکف! آگے آ جاؤ"

"ہمارے ساتھ کبھی خوب ہوتی خوب ہوئی" ایک افسر بولا اور بنچک اور ڈودگن کو کالمیکف کے ہمراہ جاتے ہوئے تعریفی نگاہوں سے دیکھا گیا۔

"شرم آنی چاہیے تمھیں، شرم آنی چاہیے ہم نے بچوں کا سا رویہ اختیار کیا ہمیں اس بدمعاش کو وہیں ڈھیر کر دینا چاہیے تھا۔ جب وہ ریوالور سے کالمیکف کو دھمکا رہا تھا معاملہ طے ہو گیا ہوتا" میجر عمکن نے افسروں کی طرف ملامت آمیز نگاہوں سے دیکھا۔ افسر خاموش بیٹھے سگرٹ پیتے رہے۔ بنچک نے جس سُرعت کا اظہار کیا تھا اس سے وہ ہکا بکا رہ گئے تھے۔

کالمیکف تھوڑی دیر تک تو کچھ کہے بغیر چلتا رہا۔ وہ مونچھوں کا ایک سرا چبا رہا تھا۔ اس کا بایاں رخسار جل رہا تھا جیسے اُس پر مُرشن پھیر دیا گیا ہو۔ راہگیر کھڑے ہو کر حیرت سے اُنھیں دیکھنے اور سرگوشیوں میں مصروف ہو جاتے۔ شہر میں شام کو مطلع ابر آلود تھا۔ سڑکوں پر شاخوں سے جھڑتے ہوئے پتے بکھرے ہوئے تھے۔ سٹیشن سے پرے کھیتوں میں رات مسلط ہو کر سرد آہیں بھر رہی تھی۔ لیکن جنوب میں بادلوں کے سفید سفید ٹکڑے محوِ خرام تھے۔

سٹیشن کے قریب کالمیکف مڑا اور اُس نے بنچک کے منہ پر تھوک دیا "بدمعاش!"

بنچک نے بھویں تانیں۔ وہ ریوالور ہاتھ میں لیے ہوئے تھک چکا تھا۔ اُس نے شائستگی سے افسر کو بڑھتے رہنے کا حکم دیا۔

کالمیکف چل رہا تھا اور بنچک کو بُری طرح کوس رہا تھا۔ جنگ کے اس عرصے میں جو مصیبتیں بنچک نے اٹھائیں وہ اور رنج ہوا تھا وہ اس کی قسمیں کھا رہا تھا۔

"غدار ہو ــــ تمہیں اس کے لیے جواب دہ ہونا پڑیگا۔ تمہیں اس کا صلہ دینا ہوگا۔"

"میں کہتا ہوں ــــ بڑھتے جاؤ..... " بنچک نے جواب دیا۔

کالمیکف مٹھیاں کس کر چلتا رہا۔ سٹیشن کی ٹنکی کے قریب پہنچ کر وہ پھر چلایا "تم جماعت کے رکن کہاں ہو؟ سماج کے لیٹرے ہو۔ تمھارا رہنما کون ہے؟ جرمن تمھارے رہنما ہیں ــــ بالشویک! ہا ہا، ہا ہا' شیطان' ڈاکو ــــ تمھاری جماعت بیسواؤں کی طرح خریدی جاسکتی ہے۔ انھوں نے وطن سے غداری کی ہے۔ میں تم سب کو ایک ہی درخت سے پھانسی پر لٹکا دونگا۔ وقت آنے دو ــــ کیا تمھارے لینن نے روس کو چاندی کے تیس ٹکوں کے عوض نہیں بیچ دیا تھا؟ اس نے رشوت لی، اور ساتھ ہی اپنی راہ لی....."

"دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ" بنچک نے حکم دیا۔

ڈوگن مضطرب ہوگیا۔ اس کے جسم پر تشویش طاری تھی "بنچک! کیا کر رہے ہو؟ ٹھہرو" اس نے بنچک کو خوفناک اقدام سے باز رکھتے ہوئے کہا۔

بنچک کا چہرہ غصے سے لال پیلا ہو چکا تھا۔ گھوڑے سے اتر کر اس نے افسر کی کنپٹی پر مکا مارا۔ ٹوپی اس کے سر سے دور جا پڑی اور قیدی کو دیوار کے قریب لے گیا۔

"دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ......"

"کیا کرنا چاہتے ہو ــــ؟ تم..... ہرگز اتنی جرأت نہ کر سکو گے۔ مجھے گولی سے نہ اڑا سکو گے"

کالمیکف غرایا۔ بنچک نے اس کی پیٹھ دیوار سے لگا دی۔ اب وہ سمجھ چکا تھا۔

"اچھا تو مجھے ہلاک کر دو گے؟" وہ ایک قدم آگے بڑھ کر کھڑا ہو گیا۔

"گولی چلا ــــ سور کے بچے چلا گولی۔ اور دیکھ ایک روسی افسر کس طرح جان دیتا ہے۔ موت کے منہ میں......"

گولی اس کے منہ پر لگی اور جملہ پورا نہ کر سکا۔ کالمیکف نے بائیں ہاتھ سے سر پکڑ لیا۔ دانت ٹوٹ کر اس کے سینے پر گر پڑے۔ وہ لڑکھڑایا اور گر پڑا۔ اس نے ٹانگیں سینے سے لگا لیں

اس کی کمر ابھی بھیگی ہوئی زمین سے لگنے بھی نہ پائی تھی کہ بنچک نے دوبارہ گولی چلا دی۔ کالمیکیف ایک لمحے کے لیے تڑپا اور ٹھنڈا ہو گیا۔

بنچک مڑا۔ ڈوگن اس کے پیچھے دوڑتا ہوا آیا "اسے گولی سے کیوں اڑا دیا بنچک؟"

بنچک نے اسے کندھوں سے پکڑ لیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا "سنو۔ یا تو ہمیں رہیں گے یا وہ ــــ ادھر یا ادھر ـــــ بیچ میں لٹکنے کی گنجائش نہیں۔ اس جنگ میں قیدی نہیں بنائے جائیں گے۔ خون کا بدلہ خون ہے ــــ سمجھے ــــ کالمیکیف ایسے اشخاص کو نیست و نابود کرنا ہوگا۔ اور جو ہمدردی کا اظہار کریں گے انھیں بھی جان سے مار ڈالا جائیگا۔ تم کیوں بچپنا رہے ہو؟ اگر کالمیکیف کو اختیار ہوتا تو اس نے منہ سے سگرٹ نکالے بغیر ہمیں گولی سے اڑا دیا ہوتا...... اور تم آنسو بہا رہے ہو!"

ڈوگن خاموش ہو گیا۔

دونوں سنسان گلی میں سے گزرتے رہے۔ انھوں نے ایک دوسرے سے بات تک نہ کی۔ بنچک نے مڑ کر دیکھا۔ مشرق کی طرف بڑھتے ہوئے بادل کف آلود ہو چکے تھے۔ چاند ایک لاش کی کھلی ہوئی آنکھ بنا ہوا تھا۔ گلی کے نکڑ پر ایک فوجی اور ایک عورت ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے کھڑے تھے۔ فوجی نے عورت کے گرد ہاتھ ڈال رکھے تھے۔ اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا اور نہ جانے کیا کچھ کہہ رہا تھا لیکن عورت اسے پرے دھکیلتی ہوئی کہہ رہی تھی "جھوٹے کہیں کے۔ مجھے اعتبار نہیں آتا۔" پھر اس نے ایک جوان قہقہہ لگایا اور اپنے محبوب سے چمٹ گئی۔

۴

کرمنسکی نے ستمبر میں تیرھویں جرنیل کرنیف کو جب پیٹروگراڈ بلوایا تو اس نے راستے میں ریوالور سے خودکشی کر لی۔

کرنیف کی فوج کے افسر اور نمائندے پیٹروگراڈ میں حاضر ہوئے اور ہتھیار ڈالنے لگے۔ انھوں نے اطاعت قبول کر لی۔ یہی وہ لوگ تھے جو کچھ دن پہلے عبوری حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے بڑھے

تھے۔ اب کرنیلکی کے آگے سرنگوں تھے۔ وفاداری کا حلف اٹھا رہے تھے۔ اطاعت گزاری کا یقین دلا رہے تھے۔

کرنیف کی فوج اخلاقی طور پر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی۔ اس فوج کا مقصد فوت ہو چکا تھا۔ اور نیا حاکم کرنیلکی ۔۔۔ نپولین کی طرح چمک رہا تھا۔ اور مختلف اجلاس میں۔ روس کے سیاسی استحکام کی ٹہ باندھ رہا تھا۔

کرنیف کی خودکشی کے ایک دن پہلے جرنیل الیگزیف کو سالار اعظم بنا دیا گیا تھا۔ الیگزیف نے حالات کی رو کا اندازہ کرتے ہوئے یہ عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا کیونکہ کارنیلف کا انجام اس کے سامنے تھا۔ الیگزیف نے ٹیلیفون پر اس سے بات چیت بھی کی تھی۔

۱۴ ستمبر کو الیگزیف صدر مقام میں داخل ہوا۔ اسی شام کو صوبائی حکومت کی ہدایات کے مطابق کارنیلف کو اس نے گرفتار کر لیا۔ لوکمفسکی اور رومانوفسکی کو بھی۔ جنوب مشرقی فوجوں کے سالار اعظم جرنیل ڈینی کن، دوسرے جرنیلوں مارکوف، والوفسکی اور اردیلی کو بھی پابہ زنجیر کر لیا گیا۔ کارنیلف کی شاندار بغاوت اس طرح کچل دی گئی۔ لیکن ایک نئی بغاوت کا آغاز ہوا۔ خانہ جنگی کی ابتدا ہو چکی تھی۔ اسی خانہ جنگی کی ابتدا جس کی بنا جرنیل کارنیف کے عہد میں رکھی گئی تھی۔

چھٹا باب

نومبر کے آغاز میں کپتان لسنکی کو ہدایات موصول ہوئیں کہ اپنی کمپنی کو لے کر کرملنکی کے محل میں جا پہنچے۔ اس نے سارجنٹ میجر کو ضروری ہدایات دیں اور جلد جلد وردی پہننے لگا۔ دوسرے افسر بھی گالیاں دیتے ہوئے آ گئے۔ کمپنی کو قطار میں کھڑا کر دیا گیا۔ لسنکی انھیں تیز تیز چلاتا ہوا گلیوں اور سڑکوں پر سے گزارنے لگا۔ محل کا چوک سنسان پڑا تھا۔ دور سے کبھی کبھی گولی چلنے کی آواز آجاتی تھی۔ صحرا کی سی خاموشی چاروں طرف مسلط تھی۔ کمپنی کو محل کی سیڑھیوں پر چوتھی کمپنی کے کاسک مل گئے۔ ان کی کمپنی کا کمانڈر لسنکی کو ایک طرف لے گیا۔

"کیا تم پوری کمپنی لے کر آئے ہو؟"

"ہاں — کیوں؟"

"دوسری اور چھٹی کمپنی نے جانے سے انکار کر دیا ہے۔ لیکن مشین گن کا دستہ ہمارے ساتھ ہے۔ تمھارے کاسکوں کا کیا حال ہے؟"

لسنکی نے ہاتھ ہلایا اور جواب دیا "مگر — مگر پہلی اور چوتھی پلٹن کا کیا ہوگا؟"

"وہ یہاں نہیں اور آئیں گی بھی نہیں۔ آج بالشویکوں کے حملے کا خطرہ ہے۔ خدا جانے کیا کچھ ظہور میں آنے والا ہے" اس نے سرد آہ بھری "میں بہت خوش ہوں گا اگر مجھے ڈان بھیج دیا جائے۔"

لسنکی اپنی کمپنی کو محل میں لے آیا۔ کاسکوں نے اپنے ہتھیار ایک جگہ جمع کر دیے اور احاطے میں چہل قدمی کرنے لگے۔ افسر ایک کونے میں کھڑے ہو کر سگرٹ پینے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوابازوں کی فوج اور عورتوں کی فوج کی ایک کمپنی بھی آگئی۔ ہوابازوں نے مشین گنوں کے پاس قطار بندھ لی اور

عورتیں احاطے میں جمع ہو گئیں۔ کاسک ان سے فحش مذاق کرنے لگے۔ ایک حوالدار نے ایک عورت کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا "تمھارا کام بچے جننا ہے چچی! مردوں کے کام میں تمھیں دخل نہ دینا چاہیے۔"

"اب تم بچے پیدا کرو" خشمگیں چچی نے جواب دیا۔

کاسکوں نے قہقہہ لگایا لیکن دوپہر تک اُن کی ساری شگفتگی رفو چکر ہو گئی۔ عورتیں قطاریں توڑ کر دروازے کے قریب کھڑی ہو چکی تھیں۔ ایک بھاری بھرکم عورت، مردانہ جسم کی ساخت کی عورت، جس کے سینے پر سینٹ جارج کا تمغہ لٹک رہا تھا، ان کی کماندار تھی۔ آہنی گاڑی احاطے میں چکر لگا رہی تھی۔ دوسری مسلح آہنی گاڑیاں قطاروں میں کھڑی تھیں۔

مگوکن کے اردگرد اُس کے گاؤں کے لوگ جمع تھے اور دوسرے ٹولے بھی۔ افسر غائب ہو گئے تھے۔ کاسکوں اور عورتوں کے سوا احاطے میں کوئی نہ تھا۔ کچھ لاوارث مشین گنیں پھاٹکوں میں پڑی تھیں اور ان کی ڈھالیں چمکا رہی تھیں۔

شام کے وقت دھند پڑنے لگی۔ کاسک بھوکے پیاسے تھے اور بڑبڑا رہے تھے۔

"ہمیں ضرور کسی کو فوجی باورچی خانے کے لیے بھیجنا چاہیے" کسی نے مشورہ دیا۔

دو آدمی بھیجے گئے لیکن دو گھنٹے گزر گئے۔ نہ باورچی خانہ سے کوئی آدمی آیا اور نہ وہ بھیجے ہوئے آدمی ہی لوٹے۔ شام کے وقت عورتوں کی پلٹن بیٹ گئی اور دریچوں میں گولیاں برسانے لگی۔ کاسکوں نے کوئی حصہ نہ لیا۔ سگرٹ پیتے پیتے وہ اُکتا چکے تھے۔ آخر مگوکن نے کمپنی کو دیوار کے پاس جمع کیا اور محل کی کھڑکیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "دیکھا کاسکو! جو ہماری حالت ہے۔ اب ہمارا یہاں کوئی کام نہیں۔ ہمیں باہر جانا چاہیے ورنہ خواہ مخواہ تکلیف ہو گی۔ اگر اُنھوں نے محل پر حملہ کر دیا تو ہماری کیا گت بنے گی جانتے ہو؟ ہم یہیں مر جائیں گے۔ افسر غائب ہو چکے ہیں۔ آؤ ہم بھی چلیں۔ کیا دیوار سے پیٹھ رگڑتے رہیں۔۔۔۔؟ جہاں تک صوبائی حکومت کا تعلق ہے اس نے ہمارے لیے کیا کیا ہے؟ کیا خیال ہے تمہارا کاسکو؟"

"اگر ہم احاطے سے باہر نکلے تو بالشویک ہمیں بھون کر رکھ دیں گے" ایک کاسک نے اعتراض کیا۔

"تو یوں کیوں نہیں کرتے؟ ایک ایک کر کے کھسک چلو۔"

"نہیں ـــ ہم آخر تک یہیں رہیں گے۔"

"ہم تو مذبح کی بھیڑیں ہیں اور قصاب کا انتظار ہے۔"

"چلتے ہو ـــ ہمارا دستہ تو جا رہا ہے۔ جو تمھارے جی میں آئے کرو۔"

"تو پھر ہم بھی چلتے ہیں۔"

"دو تین آدمی بالشویکوں کے پاس بھیج دو۔ وہ ہمیں کچھ نہ کہیں اور ہم انھیں کچھ نہ کہیں گے۔"

پہلی اور چوتھی کمپنی کے کاسک بھی آ گئے اور مجلس میں شریک ہو گئے۔ بحث و مباحثے کے بعد ایک ایک کاسک ایک ایک کمپنی سے پھاٹک کی طرف روانہ ہوا۔ کچھ دیر کے بعد وہ واپس آ گئے۔ ان کے ساتھ تین سمندری سپاہی بھی تھے۔ پھاٹک میں سے سیٹتے آتے ہوئے سمندری سپاہی کاسکوں سے آ ملے۔ ان میں سے ایک، جو خوبصورت نوجوان تھا، وسط میں آ گیا "رفیق کاسکو! ہم بحیرۂ بالٹک کے انقلابی سمندری بیڑے کی فوج کے نمائندے تمھیں یہ مشورہ دینے آئے ہیں کہ محل چھوڑ کر چلے جاؤ۔ تم سرمایہ دار حکومت کا ساتھ کیوں دو؟ سرمایہ داروں کے بیٹوں کو میدان میں آنے دو۔ ہوا بازوں کو ان کی حفاظت کرنے دو۔ صوبائی حکومت کا حامی ایک بھی سپاہی انھیں نہیں مل سکا۔ پہلی اور چوتھی پلٹنوں کے سپاہی تمھارے بھائی ہم سے مل چکے ہیں۔ تم میں سے جو ہمارے ساتھ جانا چاہیں وہ بائیں طرف قطار باندھ لیں۔"

"ذرا ٹھہرو بھائیو!" پہلی کمپنی کا ایک حوالدار آگے بڑھ کر بولا "ہم خوشی سے تمھارے ساتھ جانے کے لیے تیار ہیں مگر فرض کرو کاسک ہم پر گولیاں برسانے لگتے ہیں؟"

"رفیق کاسکو! پیٹروگراڈ کی انقلابی اور فوجی جماعت کے نام پر میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم میری حفاظت میں ہو گے اور میں تمھیں سلامتی کا یقین دلاتا ہوں۔ کوئی تمھیں چھیڑ بھی نہ سکے گا" سمندری سپاہی نے جواب دیا۔ کاسک ہچکچانے۔ عورتوں کی پلٹن کی چند عورتیں یہ تقریر سنتی رہی تھیں۔ ان میں سے ایک بولی "عورتو ـــ ہمارے ساتھ چلتی ہو؟"

عورتوں کو رضامند دیکھ کر لگوشن نے کہا "اپنی اپنی بندوق اُٹھا لو اور چلو۔"

کاسکوں نے بے چون وچرا بندوقیں اُٹھا لیں اور قطار باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

"مشین گنیں بھی لے چلیں؟" اُن میں سے ایک نے اجازت چاہی۔

"ہاں لے چلو ـــــ ہوا بازوں کے لیے انھیں چھوڑ کر نہ جاؤ۔"

کاسک جانے کے لیے تیار ہوتے تھے کہ افسر دروازے میں نمودار ہوئے۔ کاسک سمندری سپاہیوں کی طرف دیکھنے لگے اور قطار باندھ کر چل پڑے۔ مشین گن کا دستہ سب سے آگے تھا۔ بھیگے ہوئے پتھروں پر پیتے کھڑ کھڑا رہے تھے۔ پہلا سمندری فوجی پہلی کمپنی کے ہمراہ ہو گیا۔ ایک طویل القامت کاسک نے اُسی سے سوال کیا "بھائی ہم عوام کے خلاف ہو سکتے ہیں کبھی یہ خیال بھی نہ کرنا۔ اُنھوں نے ہمیں دھوکا دے کر یہاں پہنچا دیا تھا۔ ورنہ ہم کبھی نہ آتے۔ مجھ پر اعتبار کرو! میں سچ کہتا ہوں کہ ہم کبھی نہ آتے! خدا کی قسم!"

کاسکوں نے پھاٹک کی طرف دیکھا جہاں عورتوں کی پوری پلٹن صف آرا تھی۔ ایک کاسک ایک لمحے کے لیے جھجکا پھر اُس نے اعلان کیا "سنو ہم تو جا رہے ہیں اور تم نسوانی بیوقوفی سے کام لیتی ہوئی یہیں جم کر کھڑی ہو۔ تمھیں اتنا بتا دوں کوئی شرارت نہ کرنا۔ اگر تم نے ہماری پیٹھ پر گولیاں برسائیں تو ہم تمھارے ٹکڑے اُڑا دیں گے ـــــ سمجھیں ـــــ اچھا خدا حافظ!"

وہ ابھی وسط ہی میں پہنچے ہوں گے کہ ایک کاسک نے مڑ کر دیکھا۔ وہ چلایا "دیکھو دوستو ـــــ ایک افسر ہماری طرف دوڑتا آرہا ہے۔"

کاسکوں نے مُڑ کر دیکھا۔ چوراہے کے پاس ایک طویل القامت افسر بھاگتا آرہا تھا۔ ٹوپی اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی۔ اور وہ ہاتھ ہلا رہا تھا۔

"دوستو ـــــ تیسری کمپنی سے اتاریتکیف آرہا ہے۔"

"وہ بھی ہمارے ساتھ جانے کے لیے آرہا ہے ـــــ یقیناً۔"

"بڑا دلیر اور بہادر نوجوان ہے۔"

انار چیکیف تیز دوڑتا ہوا آرہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر تبسم تھا۔ کاسک بھی ہاتھ ہلا رہے اور ہنس رہے تھے "کپتان — دوڑو — دوڑو — اور تیز — اور تیز۔"

محل کے پھاٹک سے گولی چلنے کی آواز آئی۔ انار چیکیف ہاتھ پھیلا کر لڑکھڑایا اور ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ وہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا پوری کمپنی نے رخ پھیر لیا۔ مشین گن کے دستے نے پھاٹک پر آگ برسانی شروع کر دی۔ دنادن گولیاں برسنے لگیں۔ محل میں ایک بھی متنفس موجود نہ تھا۔ دو کاسک انار چیکیف کی طرف لپکے۔ انھوں نے اسے اٹھا کر کہا "دوستو — بائیں شانے کے نیچے گولی لگی ہے — مر چکا ہے بیچارہ!"

کمپنی تیار کھڑی تھی۔ کالی مونچھوں والے سمندری سپاہی نے حکم دیا "بایاں قدم اٹھا کر — آگے بڑھو۔" کاسک سنسان محل چھوڑ کر چلے گئے۔

ساتواں باب

بارھویں کاسک پلٹن دو دن سے پسپا ہو رہی تھی۔ وہ لڑ تو ضرور رہے تھے لیکن آہستہ آہستہ پیچھے بھی ہٹ رہے تھے۔ روسی اور رومانوی فوجیں اپنی رسد کی گاڑیاں اونچی نیچی سڑک پر سے جا رہی تھیں۔ جرمن اور آسٹروی فوجیں اُن کے تعاقب میں تھیں۔

شام کو یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی کہ رومانوی اور روسی فوجوں کے گھر جانے کا اندیشہ ہے۔ رات کو بارھویں پلٹن کے نام ہدایات موصول ہوئی کہ وہ وادی کے عقبی حصے میں پناہ گزیں ہو جائے۔ پلٹن بڑھتے ہوئے دشمن کے مقابلے کے لیے تیار تھی۔

اُسی رات کو مشا کاشوفائی اور اس کا ساتھی بیشیاگ خفیہ پہرے پر متعین کیے گئے۔ وہ ایک دیوار سے لگ کر کھڑے رہے، ہنسوں کے جھنڈ کے جھنڈ آسمان میں اڑتے ہوئے نظر آتے تھے ـــــ مشا کاشوفائی جھنجلا رہا تھا کیونکہ سگرٹ پینے کا حکم نہ تھا۔ اُس نے ساتھی سے کہا "بیشیاگ ـــــ لوگ اندھوں کی طرح چل رہے ہیں۔ متحد ہوتے ہیں پھر علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کو روند رہے ہیں۔ یہاں موت کس قدر نزدیک ہے۔ لیکن کیا کبھی تم نے اپنے آپ سے سوال کیا ہے۔ کہ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ میرے خیال میں انسان کے سوا دنیا میں مظلوم اور کوئی نہیں جا ہے کچھ بھی کرو۔ کائنات کے اسرار پیچیدہ ہیں گہرے ہیں ..... مجھے دیکھو اس وقت میں تمھارے برابر پڑا ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ تم کیا سوچ رہے ہو مجھے یہ بھی خبر نہیں کہ تمھاری گزشتہ زندگی کیا تھی اور تمھیں میرا کچھ پتا نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میں تمھیں قتل کرنا چاہتا ہوں اور تم مجھے لبکٹ دے رہے ہو۔ تمھیں میرے ارادے کا کوئی علم نہیں ..... لوگوں کو ایک

دُوسرے کا حال معلوم نہیں۔ میں گرمیوں میں ایک ہسپتال میں تھا۔ میرے پہلو میں ایک سپاہی کا بستر تھا جو ماسکو سے آیا تھا۔ وہ ہر وقت مجھ سے یہی پوچھتا رہتا تھا کہ کاسک زندگی کیونکر بسر کرتے ہیں۔ اور نہ جانے وہ کیا کیا سوال کرتا تھا۔ ان کا خیال ہے کہ کاسک چابک کے بغیر اور کچھ سوچ ہی نہیں سکتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کاسک وحشی ہوتے ہیں۔ روح کے بجائے ان کے جسم میں پتھر کا ٹکڑا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ہم بھی اُن کی طرح انسان ہیں، عورتوں اور دوشیزاؤں کے اُتنے ہی شائق ہیں۔ ہم اپنے دُکھ پر روتے ہیں، اور دُوسرے کے غم پر ہنستے ہیں۔ کیا خیال ہے تمہارا بیشناک! میں ابھی نوجوان ہوں لیکن زندگی کا تجربہ کار ہوں۔ جب مجھے پتا چلتا ہے کہ دنیا خوبصورت عورتوں سے لبریز ہے تو میرا دل تڑپنے لگتا ہے۔ میں عورتوں کے بارے میں کچھ اتنا نرم دل ہو گیا ہوں کہ میرا جی چاہتا ہے اُن سب کے ساتھ اکیلا سو جاؤں۔ دُبلی پتلی، موٹی، ناٹی اور لمبی، جوان اور ادھیڑ سب کے ساتھ سو کر دیکھوں لیکن زندگی ایک وقت میں تمہیں ایک عورت کے ساتھ سونے کی اجازت دیتی ہے اور مرتے دم تک تمہیں اس کا ساتھ دینا پڑتا ہے......"

وُہ زمین کے ساتھ کمر لگا کر سو گیا اور بیشناک خاموش پڑا آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ ان کا پہرا بدلنے سے ایک گھنٹہ پہلے جرمنوں نے آنھیں آ لیا۔ بیشناک نے گولی چلانی چاہی لیکن دانت کٹکٹاتے ہوئے گر پڑا۔ اُس پر نزع کا عالم طاری ہو گیا۔ ایک جرمن نے سنگین سے اُس کا قیمہ بنا دیا۔ میشاکا کو بندوق کے دستے سے زمین پر پچھاڑ دیا۔ جرمنوں نے اُسے قیدی بنا کر گھوڑے پر لاد لیا۔ وہ بیہوش تھا، تھوڑی دُور جا کر اُسے ہوش آ گیا۔ گھوڑے سے نیچے کود گیا اور تاریکی میں دوڑ کر گم ہو گیا۔ جرمنوں نے اُس کے پیچھے گولی چلائی لیکن اندھیرے نے اُن کی مدد نہ کی اور وُہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

۲

جب پسپائی کامیاب ہو گئی اور روسی و رومانوی فوجیں گھیرا توڑ کر نکل آئیں تو بارھویں فوج کو عقب میں بھیج دیا گیا۔ راستوں پر چوکیاں بٹھا دی گئیں تاکہ کاسک فرار نہ ہو سکیں۔ اگر ضرورت پڑے تو مفروروں کو گولیاں برسا کر روکا جائے۔ بھاگتا ہوا جو کوئی پکڑا جائے اُسے صدر مقام بھیج دیا جائے۔ اُنھیں

یہ ہدایات موصول ہو چکی تھیں۔

سب سے پہلے میشا کاشوفائی کو حفاظتی چوکی پر بھیجا گیا۔ وُہ اور تین دوسرے کاسک گاؤں سے روانہ ہوئے۔ سڑک جنگل کے ساتھ ساتھ گزرتی تھی۔ اور وادی میں جا کر بل کھانے لگتی تھی۔ وہ پہرا دینے لگے۔ جنگل کے پاس پہنچ کر اُس نے سگرٹ سلگایا۔ دس سپاہیوں کا ایک گروہ اُن کی طرف آ رہا تھا۔

"کیا ہم انھیں آواز دیں؟" مشا کاشوفائی نے مشورہ طلب کیا۔

"ان کے سروں پر گولیاں چلاؤ۔"

"کھڑے ہو جاؤ۔"

سپاہیوں نے مُڑ کر دیکھا۔ انھوں نے کاسکوں کی آواز سُن لی تھی۔ وُہ ایک لمحے کے لیے کھڑے ہوئے پھر چل دیے۔

"کھڑے ہو جاؤ" کاسکوں میں سے ایک نے ہوا میں گولی چلاتے ہوئے کہا۔ بندوقیں لٹکا کر وُہ سپاہیوں کے پیچھے دوڑنے لگے۔

"تم رُکے کیوں نہیں؟ کہاں سے آئے ہو؟ کہاں جاؤ گے؟ کاغذات دکھاؤ" کاسک حوالدار نے سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

سپاہی رُک گئے۔ اُن میں سے تین سپاہیوں نے کندھوں سے بندوقیں اُتار لی تھیں۔ اُن کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور جسم سے بُو آ رہی تھی۔ انھوں نے رات جنگل میں بسر کی تھی۔ ان کے لمبے کوٹوں پر تنکے ابھی تک چپکے ہوئے تھے۔ ایک طویل القامت سپاہی نے کپکپاتے ہوئے تند لہجے میں کہا "تمھیں کیا چاہیے؟ کیا ہم نے تمھیں کوئی نقصان پہنچایا ہے۔ ہمارا تعاقب کیوں کر رہے ہو؟"

"کاغذات دکھاؤ" حوالدار نے پھر مطالبہ کیا۔

نیلی آنکھوں والے سپاہی نے دستی بم نکال لیا اور حوالدار کی طرف اُسے اُچھالتا ہوا بولا "یہ ہیں ہمارے کاغذات۔ سمجھے؟ اگر میں نے اُسے پھینک دیا تو تمھارا نام و نشان بھی نہ ملے گا۔ سمجھے؟"

"کیوں مذاق کرتے ہو؟" حوالدار نے اُس کے سینے پر انگلی چھوتے ہوئے کہا "مذاق چھوڑ دو اور ہمیں خوفزدہ کرنے کی کوشش نہ کرو۔ اگر تم مفروریں میں سے ہو تو ہمارے ساتھ آؤ۔ انھیں تم جیسے آدمیوں کی ضرورت بھی ہے۔"

آپس میں نگاہوں سے باتیں کرتے ہوئے اُنھوں نے کندھوں سے بندوقیں اتار لیں۔ اُن میں سے ایک کے بال سیاہ تھے۔ وہ بولا "چلے جاؤ۔ ورنہ سنگینوں سے بھر کس نکال دیں گے۔ بخدا گولی تمھارے سینے میں اُتار دوں گا' چلے جاؤ۔"

نیلی آنکھوں والا سپاہی دستی بم اپنی گردن تک لے جا چکا تھا۔ ایک نے پست قامت سپاہی کو پکڑ لیا تھا اور اُسے جھنجھوڑ رہا تھا لیکن مڑ کر دیکھتا بھی جاتا تھا کہ کوئی پیچھے سے حملہ تو نہیں کر رہا۔ جنگل کی شاخیں سرسرا رہی تھیں۔ وادی کے پرے پہاڑوں کا سلسلہ نیلگوں ہو چکا تھا۔ گاؤں کے پاس چراگاہ میں بھوری بھینسیں دوڑتی پھرتی تھیں۔ نومبر کا دن خاموش اور اُداس تھا۔ دیہاتی علاقے پر روشن خاموشی مسلط تھی۔

فساد کا جوش ختم ہو چکا تھا۔ کاسک اور سپاہی اب امن پسندانہ گفتگو کر رہے تھے۔

"ابھی ہمیں محاذ سے آتے ہوئے تین دن ہوئے ہیں۔ عقب میں پہنچے بھی نہیں کہ تم بھاگ رہے ہو۔ تمھیں شرم آنی چاہیے۔ ساتھیوں کو چھوڑ کر جا رہے ہو۔ محاذ پر کون رہے گا؟ میرا ساتھی میری آنکھوں کے سامنے سنگین سے ہلاک کر دیا گیا اور تم کہتے ہو کہ ہم نے جنگ کا مزہ نہیں چکھا۔ ہماری طرح جنگ کا مزہ چکھ کر دیکھو۔"

"کیوں ضد کرتے ہو؟ سیدھی طرح ہمارے ساتھ چلو۔" دوسرے کاسک نے کہا۔

"کاسکو! ہٹ جاؤ ورنہ گولی سے اُڑا دیں گے تمھیں" ایک سپاہی تیز ہو کر بولا۔

"کیا کریں بھائیو!" حوالدار نے ہاتھ پھیلا دیے "ہمیں قتل کرنا چاہتے ہو تو کر دو لیکن تم بھی زندہ نہ جا سکو گے۔ سامنے گاؤں میں ہماری کمپنی موجود ہے۔"

دراز قد سپاہی کبھی خوفزدہ ہو جاتا اور کبھی دلیر۔ وہ ایک مخمصے میں گرفتار تھا۔ اُس نے

جیب سے ایک بوتل نکال لی اور کاشو فائی سے مخاطب ہوا " ہم تمہیں روپے دیں گے ۔ یہ دیکھو جرمن واڈکا تمہیں کچھ اور بھی دے دیں گے ۔ ہمیں جانے دو ۔ خدا کے لیے جانے دو ۔ ہمارے بچے بھی ہیں ۔ ہم ان کے فراق میں تڑپ رہے ہیں ۔ تمہارے بھی بچے ہوں گے ۔ ہم دل شکستہ ہو چکے ہیں ۔ کتنی دیر تک صبر و تحمل سے کام لیں ۔ مجھے امید ہے کہ تم ہمیں نہیں روکو گے " اس نے بوتلوں میں سے ٹبوانکالا اور کرنسی کی تصویر کے نوٹ نکالنے لگا " انہیں لے لو ۔۔۔ لے لو دوستو ! گھبراؤ نہیں ۔ ہم کسی نہ کسی طرح بچ نکلیں گے ۔ روپیہ کیا چیز ہے ؟ لے لو "

کاشو فائی نے ندامت کے مارے گردن جھکا لی ۔ وہ سوچنے لگا " بیشاک کی مونٹے مجھے پاگل بنا دیا ہے ۔ میں خود جنگ کا مخالف ہوں ۔ میں کیا کر رہا ہوں ۔ ان سپاہیوں کو گرفتار کر رہا ہوں ۔ مجھے ایسا کرنے کا کیا حق ہے ؟ میں کمینہ ہوں ، سؤر ہوں "

وہ حوالدار کے پاس گیا اور اس سے کچھ مشورہ کرنے لگا " کیوں نہیں چھوڑ دیتے ؟ جانے دو بچاروں کو ۔ خدا کے لیے جانے دو " منتا بولا ۔

اس کی نگاہیں ادھر ادھر دوڑ رہی تھیں ۔ حوالدار نے جواب دیا " چھوڑ دو ۔ ہم انہیں کہاں لے جائیں گے ۔ کل شاید ہمیں بھی فرار ہونا پڑے ۔ ہم کیوں یہ راز چھپائیں " سپاہیوں کی طرف مڑ کر اس نے خشم آگیں لہجے میں کہا " جاؤ شیطانو ! ہم تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور تم ہمیں روپے دے رہے ہو ۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ ہمارے پاس روپے نہیں ۔ بوتلیں بوتلوں میں رکھ لو ورنہ ابھی کان سے پکڑ کر لے جائیں گے ۔"

کاک پیچھے ہٹ گئے ۔ سپاہیوں نے اپنی راہ لی ۔ گاؤں کی سنسان سڑکوں کی طرف دیکھتے ہوئے کاشو فائی نے کہا " بیوقوفو دن کے وقت کیوں اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہو ۔ جنگلوں میں چھپ جاؤ ۔ رات کو سفر جاری رکھنا ورنہ اگلی چوکی پر پکڑے جاؤ گے "

سپاہی بھیڑیوں کی طرح جنگل میں گھس گئے ۔

۴

نومبر کے وسط میں پیٹروگراڈ کے انقلاب کی افواہیں کاسک فوجوں میں پھیلنی شروع ہو گئیں۔ پلٹن کے حلقۂ حکام کو معلوم تھا کہ صوبائی حکومت امریکہ کو بھاگ گئی ہے۔ کرینسکی کو سمندری فوج نے گرفتار کر لیا تھا جس نے اُس کے بال سر سے پاؤں تک مونڈ دیے تھے۔ اُس کے چہرے پر بیسوا کی طرح کا ناک مل دی تھی اور دو دن تک اُسے پیٹروگراڈ کی گلیوں میں پھرایا گیا تھا۔

تھوڑے دنوں کے بعد سرکاری طور پر بھی صوبائی حکومت کی معزولی کی تصدیق ہو گئی۔ اب عنانِ حکومت بالشویکوں کے ہاتھ میں آ گئی تھی۔ کاسکوں پر خاموشی طاری تھی۔ اُن میں سے بیشتر مسرور تھے کیونکہ انھیں جنگ کے بند ہو جانے کی توقع تھی لیکن اس خبر نے ان میں کچھ امید پیدا کی تھی کہ کرینسکی اور جرنیل کلیاڈن کی پلٹن لیے ہوئے جنوب سے پیٹروگراڈ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اس خبر نے محاذ کو توڑ کر رکھ دیا۔ اکتوبر میں سپاہی منتشر حالت میں فرار ہوتے تھے لیکن دسمبر کے آغاز میں باقاعدہ کمپنیاں اور پلٹن بنا کر فرار ہونے لگے۔ کبھی اُن کے ساتھ ہلکا اسباب اور کبھی بھاری سامانِ حرب و ضرب ہوتا۔ سپاہی افسروں کا خون بہاتے، مال گوداموں کو لوٹتے ہوئے گھروں کو واپس جا رہے تھے۔

نئی صورتِ حال میں بارھویں پلٹن کے لیے مزید رن کا روکنا محال ہو گیا۔ فوجی چھاؤنی کے بنائے ہوئے شگاف کو پُر کرنے کے لیے اُنھیں دوبارہ محاذ پر بلوایا گیا مگر دسمبر میں اُنھیں محاذ سے ہٹا دیا گیا۔ اُنھیں نئے سرے سے سامانِ حرب و ضرب سے لیس کرنے کے بعد فساد کی آگ سے جلتے ہوئے روس کے وسط میں بھیج دیا گیا۔

یوکرین سے گزر کر فوجی گاڑیاں ڈان کی طرف بڑھنے لگیں۔ کیمنکا کے مقام پر بالشویکوں نے اُن سے ہتھیار چھین لیے۔ آدھ گھنٹے تک بات چیت ہوئی اور اس کے بعد وہ غیر مسلح تھے۔ کاشوڈنڈی، دوسرے پانچ کاسکوں اور کمپنی کی انقلابی کمیٹی کے صدر نے اُن سے مسلح حالت میں گزر جانے کی اجازت طلب کی۔

"ہتھیار کس لیے چاہییں تمھیں؟" مزدوروں کی پنچایت کے ایک رکن نے پوچھا۔
"اپنے بورژوا جرنیلوں کو قتل کرنے کے لیے جرنیل کلیڈن کی دُم کاٹنے کے لیے" کاشوفاتی نے جواب دیا۔

انھیں ہتھیار لوٹا دیے گئے۔ کرمین چگ کے مقام پر انھیں غیر مسلح کرنے کی ایک دفعہ اور کوشش کی گئی۔ کمپنی نے ڈبوں میں مشین گنیں لگا دیں اور وہ دو دو ہاتھ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ لیکن ازراہ تاسف میں تو دو فوجوں کے تصادم میں ایک گولی کا بھی تبادلہ نہ ہوا۔ پلٹن کا معمولی سا حصہ غیر مسلح کیا گیا۔ مشین گن اور سو کارتوس بھی اُن سے چھین لیے گئے تھے۔ کاسکوں نے افسروں کو گرفتار کرنے سے انکار کر دیا۔ ساری مسافت میں انھیں صرف ایک افسر کا نقصان اٹھانا پڑا۔ اُسے بھی کاسکوں نے خود سزائے موت دی تھی۔

چاپلین کے مقام پر کاسکوں کو اتفاقاً نبرد آزما ہونا پڑا کیونکہ یوکرینیوں اور انقلاب پسندوں میں جنگ چھڑ گئی تھی۔ کاسکوں کو تصفیے کے لیے فساد میں حصہ لینا پڑا۔ نتیجۃً تین آدمی ہلاک ہو گئے۔ بڑی مشکل سے ریل کی پٹڑیوں کو انسانوں سے صاف کیا گیا۔

۴

ملا فو سٹیشن پر پلٹن کو اُترنا پڑا۔ آدھے کاسک تو گھروں کو روانہ ہو گئے، باقی فوج کارگن گاؤں میں پہنچ گئی۔ وہاں اُنھوں نے آسٹرویوں سے چھینے ہوئے گھوڑے فروخت کیے۔ پلٹن کا خزانہ اور ساز و سامان آپس میں تقسیم کر لیا۔

کاشوفاتی اور دُوسرے کاسک جو تاتارسک گاؤں کے تھے، شام کو روانہ ہوئے۔ کارگن شمالی ڈان کا حسین ترین گاؤں تھا۔ چمنیوں سے دھواں رقص کرتا ہوا اٹھ رہا تھا۔ کلیسا کی گھنٹیاں ایک پابند نظم کے مصرعے بن چکی تھیں۔ کارگن کی ڈھلانوں کے بڑے بید کے درختوں میں کھیافسکی کا گاؤں ڈھکا ہوا تھا۔ اور اس گاؤں سے دُور جنگل تھا۔ اُفق پر ڈوبتا ہوا سورج خون میں نہایا ہوا تھا۔

اٹھارہ گھڑ سوار، جن کے زین چرچرا رہے تھے، سیب کے درختوں میں سے ہوتے ہوئے

شمال مشرق کی طرف جا رہے تھے۔ پہاڑیوں پر دھندلے سبز زرد رنگت ہوئی پھیلتی جا رہی تھی۔ کاسک لمبے کوٹوں میں چہرے چھپاتے سرپٹ دوڑتے جا رہے تھے۔ سخت سڑک پر گھوڑوں کی ٹاپیں ڈھول پر پڑتی ہوئی ضربوں کی طرح بج رہی تھیں۔ دونوں طرف برف کی چادر بچھی ہوئی تھی اور چاندنی میں بجلی کی طرح چمک رہی تھی۔

کاسک گھوڑوں کو دم نہ لینے دیتے تھے۔ سڑک جنوب کو دوڑتی جا رہی تھی۔ جنگل اُفقِ مشرق کو چھپائے ہوئے تھا۔ خرگوشوں کے ننھے ننھے پاؤں کے نشان برف پر مرتسم تھے۔ میدان پر پھیلا ہوا آسمان کاسک کی رنگیلی پیٹیوں کی طرح مزین تھا۔

آٹھواں باب

۱۹۱۷ء کی خزاں میں کازک محاذ سے گھر آنے شروع ہو گئے۔ بوڑھا کرسٹونیا اور تین دوسرے کازک جو بارہویں پلٹن میں فوجی خدمت انجام دے چکے تھے، گھر آ گئے۔ چھینے کانوں والا انیکشکا بھی آ گیا۔ توپچی ایوان، ٹومیلن اور یعقوب پاڈکووا بھی۔ ان کے بعد مارٹن شامیل، ایوان الیگزی وچ، زاخر کورلیف اور سب سے زیادہ لمبا ایسچین بھی آ پہنچے۔ دسمبر میں مشکا کاشوفی غیر متوقع طور پر حاضر ہو گیا۔ ایک ہفتے کے بعد بارھویں پلٹن کی پوری جماعت گھر آ گئی۔ میشا کاشوفائی پراخور زیکوف، یپی فون میکاسف، آندرے کاشولن اور جاکر سفینین۔ فیوڈت اپنی پلٹن سے جدا ہو چکا تھا لیکن وارانیز سے سب دھاگوں ہموار گھر آ گیا۔ اس کے بعد اس نے بھی اپنی طویل مسافت کی کہانیاں سنانی شروع کر دیں۔ کیونکہ وہ انقلابی حصوں سے جان بچاتا اور انقلاب پسندوں کی سرگرمیوں کا نظارہ کرتا ہوا صحیح سلامت آ پہنچا۔ پھر مرکولاف، پیوترا اور نکولائی کاشوفائی پہنچے۔ یہ خبر لائے کہ گریگریا بالشویکوں میں شامل ہو کر کمینکا کے گاؤں میں رہ گیا ہے۔ میکسیم گریازنف گھوڑا چرا کر بھی وہ پیچھے چھوڑ آئے تھے کیونکہ بالشویکوں کی سرگرمیوں نے اُسے بھی مسحور کر دیا تھا۔ اُنھوں نے بتایا کہ گریازنف نے ایک کھونڈی شکل کا گھوڑا حاصل کر لیا تھا لیکن اس کی ایال چاندی کی طرح سپید تھی۔ اُنھوں نے گریگر کے متعلق کوئی بات نہ بتائی۔ وہ خاموش اس لیے تھے کہ گریگریا کا راستہ گاؤں کے راستے سے مختلف تھا۔ انھیں یقین تھا کہ وہ پھر کبھی آپس میں نہ مل سکیں گے۔

کازک جب جھونپڑوں میں واپس آئے تو وہ مسرت سے گونج اٹھے۔ اس مسرت سے ان کو

دُکھ اور بھی اُجاگر ہو گیا جنھیں جانی نقصان پہنچا تھا۔ بیشتر کاسک غائب تھے۔ گلیشیا، یکانیا، مشرقی پرشیا، کارپیتھیا اور رومانیہ کے میدانوں میں محوِ استراحت تھے۔ اب تو اُن کی قبروں پہ سبزہ اُگ آیا تھا۔ اُن پہ بارش کے چھینٹے پڑتے اور برف اُن پہ چاندی برساتی۔ کاسک عورتیں ہر روز ہاتھوں کی لکیریں دیکھا کرتی تھیں۔ پھر بھی اُن کے کاسک گھر نہ لوٹے۔ ان کے گالوں پہ آنسو بہتے رہے۔ لیکن وُہ ان کا غم نہ دھو سکے۔ ہر تقریب پہ وُہ سسکتی اور کراہتی رہیں لیکن ہوا ان کی چیخیں گلیشیا اور مشرقی پرشیا تک نہ لے جا سکی۔

قبروں پہ گھاس اُگتی ہے لیکن وقت غم کو ڈھانپ لیتا ہے۔ ہوا جدا ہونے والوں کے نشان بھی اُڑا کر لے گئی۔ وقت تکلیف اور رنج و الم کا مداوا بن جاتا ہے۔ ان لوگوں کی یاد جو اپنے پیاروں کے دیکھنے کے لیے زندہ نہ تھے، وقت کے ہاتھوں مٹ چکی تھی۔ انسانی زندگی مختصر ہے۔ کوئی کب تک قدموں میں بچھی ہوئی گھاس پہ چل سکتا ہے کوئی نہیں کہہ سکتا۔

پروخور شامیل کی بیوی نے سر پیٹ لیا، بال نوچ لیے اور دوہتڑ مار مار کر چھاتی سرخ کر لی جب اُس نے اپنے دیور کو اپنی حاملہ بیوی سے ہم آغوش ہوتے دیکھا۔ وہ فرش پہ لیٹ کر تڑپتی رہی۔ اُس کے بچے بھیڑوں کے گلے کی طرح اُس کے گرد جمع تھے۔ ان کی آنکھوں میں خوف کی تحریر تھی۔

قمیص پھاڑ ڈے۔ اے معصوم دل! بال نوچ لے۔ زندگی کے مصائب کی تاب نہ لاتے ہوئے۔ اُس وقت تک ہونٹ کاٹتا رہ جب تک اُن سے خون نہ بہہ نکلے۔ کھردرے ہاتھوں سے سینے کو دہکتا ہوا انگارہ بنا لے ـــــ گھر کا مالک جھونپڑے میں نہیں۔ تیرا شوہر جھونپڑے میں نہیں۔ تیرے بچے یتیم ہو چکے ہیں۔ یاد رکھ اب انھیں کوئی پیار نہ کرے گا۔ رات کو تجھے چھاتی سے کوئی نہ لگائے گا۔ جب تو تھک کر گر پڑے گی تو تجھے کوئی نہ کہے گا" پیاری اکسینیا پروا نہیں! خدا دے گا۔ کیوں گھبراتی ہے؟ کیوں جان ہلکان کرتی ہے؟" تجھے اب دوسرا شوہر بھی نہ مل سکے گا کیونکہ تیرے بچوں کی تعداد زیادہ ہے۔ تو مرجھا چکی ہے۔ تیرے ننگے بچوں کا اب کوئی دوسرا باپ نہ ہوگا۔ تجھے خود ہل چلانا ہوگا۔ گھاس بھی تجھی کو کاٹنی ہوگی۔

تیرا پیٹ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ تیرا پاؤں بھاری ہے لیکن ان باتوں کے باوجود تجھے کام کرنا ہوگا۔ پھر تجھے تکلیف ہو گی اور ایک نیا یتیم تیرے گھر آئے گا۔

الیکسی بیشناک کی ماں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے جب اُس نے اُس کا زیر جامہ دیکھا۔ مشا کا شوفائی اُس کا ایک قمیص ساتھ لایا تھا۔ اُس میں سے اس کے بیٹے کے عرق بدن کی بُو آ رہی تھی۔ اُس نے سر اُس سے لگا دیا اور قمیص کو آنسوؤں سے بھگو دیا۔

میڈنکف، آزر لیف، کالینن، سکھا یدف، یہ موکف کے خاندان اور بہت سے دوسرے خاندان یتیم ہو گئے۔

سٹیپن استاخوف کے لیے کوئی بھی نہ رویا کیونکہ اُس کا کوئی نہ تھا۔ اُس کا جھونپڑا گر گیا تھا۔ ایکسینا یوگا دنو میں رہتی تھی۔ وہ گاؤں نہ آئی تھی اس لیے اس کے متعلق کسی کو کچھ پتا نہ تھا۔

۲

ڈان کے شمالی حصے کے کاسک بھی رفتہ رفتہ اپنے دیہات میں آ پہنچے تھے۔ ضلع وشنیکا کے تمام کاسک دسمبر تک اپنے اپنے گھر آ پہنچے تھے۔ رات دن گھڑ سواروں کے گروہ تاتارسک سے گزرتے اور ڈان کے بائیں کنارے کی طرف جاتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔

بوڑھے اُن سے سوال کرتے "کس گاؤں کے ہو سپاہیو؟"

"چار نار میچیکا کے" ... "نافنوکے" ... "دبرا فکوکے" ... "گورانسکو کے" یہی اُن کا جواب ہوتا۔

"جنگ ختم کر آتے ہو؟" کوئی بڈھا پوچھ لیتا۔

وہ فوجی جو امن پسند اور ایماندار ہوتے جواب دیتے "بہت لڑ چکے ہیں اب! ہمیں ختم ہو گئے۔"

تند مزاج اور بد مزاج جواب دیتے "بڈھے! گھر جاؤ۔ تمہیں اس سے کیا؟"

سردیوں کے اختتام تک خانہ جنگی کا آغاز ہو چکا تھا۔ نافوچرکاسک کے علاقے میں خانہ جنگی

شدت سے برپا ہو چکی تھی۔ مگر شمالی ڈان کے دیہات میں قبرستان کی سی خاموشی تھی۔ جھونپڑیوں میں اندرونی منافرت پائی جاتی تھی۔ لیکن وہ منافرت منظر عام پر نہ آئی تھی۔ برف سے محاذ سے آنے والے کاسکوں سے زیادہ دیر تک نباہ نہ سکتے تھے۔

سموبہ ڈان کے دارالسلطنت میں جس جنگ کی ابتدا ہوئی تھی وہ ایک تسکین دہ خبر تھی۔ سیاسی جماعات کئی قسم کے تھے۔ اس لیے ہر خبر کا خیر مقدم کیا جاتا تھا۔ ہر شخص واقعات کا احادثات کا منتظر رہتا تھا

جنوری تک تاتارسک کے گاؤں میں زندگی کی روانی ایک نرم رو دھارے کی سی تھی۔ محاذ سے آنے والے خوب کھاتے اور رات کو بیویوں سے ہم خواب ہوتے تھے جن عورتوں کے کاسک گھر نہ آئے تھے وہ راتیں جاگ کر اور آنسو بہا کر بسر کر رہی تھیں۔

نواں باب

جنوری ۱۹۱۷ء میں گریگری کو افسر کے عہدے پر فائز کر دیا گیا تھا کیونکہ اُس نے میدانِ جنگ میں قابلِ قدر خدمات انجام دی تھیں۔ اسے دوسرے ہنگامی دستے کا کمانڈار بنا دیا گیا تھا۔ آنے والے ستمبر میں اُسے گھر جانے کی رخصت ملی۔ اُس کے پھیپھڑوں میں درد ہو رہا تھا۔ اس لیے اُسے چھ ہفتوں کی چھٹی ملی وہ چھ ہفتے اُس نے گھر پر گزارے پھر ضلع کے ڈاکٹر نے اُسے مکمل طور پر صحت مند قرار دیا۔ اور وہ پلٹن میں واپس چلا گیا۔ نومبر کے انقلاب کے بعد اُسے کمپنی کا کمانڈار بنا دیا گیا۔ اسی دوران میں اُس کے خیالات میں انقلاب آچکا تھا کیونکہ اُس کے اردگرد دردِ فرسا واقعات ظہور میں آرہے تھے۔ دوسرے کپتان ازدارین نے بھی اُس کے نظریے بدل کر رکھ دیے تھے۔

چھٹی سے واپسی پر کپتان ازدارین سے اُس کا تعارف کرا دیا گیا تھا۔ پھر تو وہ آپس میں اکثر ملتے رہتے۔ ازدارین ایک کھاتے پیتے کاسک کا بیٹا تھا۔ اُس نے نافوچرکاس کے سکول میں فوجی تربیت حاصل کی تھی۔ اور وہاں سے سیدھا ڈان کاسک کی دسویں پلٹن میں بھیج دیا گیا تھا۔ ایک سال تک اسی پلٹن میں رہا تھا۔ اُس کے جسم میں دستی بم کے چودہ ٹکڑے گھس گئے تھے۔ اس موقع پر شجاعت کے صلے میں اُسے سینٹ جارج کا تمغہ بھی ملا تھا۔ اس کے بعد اُسے محفوظ فوج میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔

ازدارین تعلیم یافتہ اور بہت ذہین و قابل تھا۔ متوسط درجے کے افسروں سے بہت اونچا تھا۔ ازدارین ایک نہایت اچھا قوم پرست تھا۔ مارچ کے انقلاب نے اُس کے ذہنی ارتقا میں اضافہ کر دیا تھا۔ وہ عیر جانب داروں کے گروہ میں شمار ہوتا تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو اس تحریک سے

وابستہ کر لیا تھا جو ڈان کے کاسکوں میں وہی حکومت بحال کرنا چاہتی تھی جو کاسکوں کی زار بت کی غلامی سے قبل رائج تھی۔ ازوارین ماہر تاریخ تھا۔ اس کا ذہن بھی صاف تھا۔ وہ نہایت دیانتداری سے ڈان کے کاسکوں کے مستقبل کی تصویر کھینچا تھا کہ ان کی اپنی حکومت ہوگی۔ اس صوبے میں جب کوئی روسی نہ رہے گا اور کاسک سرحدوں پہ پہرہ بٹھا دیں گے تو روسی کاسکوں کو اپنے برابر تسلیم کریں گے اور اُن سے لین دین بھی شروع ہو جائیگا۔ ازوارین نے سادہ لوح کاسکوں اور غریب فردوں کے ذہنوں کو متاثر کر کے رکھ دیا۔ گریگر پہ بھی اس کا جادو چل گیا۔ پہلے پہل توان میں گرما گرم بحث ہوتی رہی کیونکہ گریگر کی حیثیت ایک نیم ملا کی سی تھی۔ اس لیے وہ ازوارین کا اچھا مدِ مقابل نہ ثابت ہو سکا۔ بارک کے ایک کونے میں مباحثہ شروع ہوتا۔ سامعین ہمیشہ ازوارین کا ساتھ دیتے۔ کاسکوں کے دل و دماغ میں وہ اپنی تعلیمات بھر رہا تھا۔

"باقی روس کے تعاون کے بغیر ہم کاسک زندہ کیونکر رہ سکیں گے؟ ہمارے پاس گندم کے سوا کیا رکھا ہے؟" گریگر سوال کرتا۔

ازوارین نہایت اطمینان سے جواب دیتا" میں ڈان کا علاقہ کاملاً روس سے علیحدہ کرنا نہیں چاہتا۔ ہم کیوبان، ٹیرک اور کاکیشیا سے الحاق قائم کریں گے۔ کاکیشیا معدنیات کے اعتبار سے ایک فارغ البال صوبہ ہے۔ وہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔"

"کوئلہ بھی ہے؟"

"ڈان کا دایاں کنارہ بھی ہے۔"

"لیکن وہ روس کا ہے۔"

"یہ کس کا ہے اور کس کے علاقے پہ آباد ہے۔ یہی تو فساد کی بنا ہے۔ اگر ڈان کا دایاں کنارہ روس بھی لے جائے تو ہمیں اتنا نقصان نہیں ہوتا۔ ہمارے وفاقی اتحاد کا انحصار صرف صنعت و حرفت پہ نہ ہوگا۔ ہم زراعت پیشہ ہیں۔ ہم اپنی اس قلیل صنعت کو روس سے کوئلہ خرید کر دور دور بھیجیں گے۔ کوئلہ ہی نہیں اور بہت سی چیزیں ہمیں روس سے لینی ہونگی۔ لکڑی، دھاتیں وغیرہ اور ان کے عوض میں ہم انھیں نہایت اچھے گیہوں اور تیل دیں گے۔"

"لیکن علیحدہ ہونے سے ہمیں کیا فائدہ پہنچے گا ؟"

"بہت سادہ سوال ہے تمہارا۔ سب سے پہلے ہم ان کے سیاسی تحفظ سے آزاد ہوں گے۔ روسی زار کے پیدا کردہ انتشار کو دُور کر سکیں گے۔ امن قائم کریں گے اور بدیسیوں کو اپنے صوبے سے نکال دیں گے۔ دس سال کے اندر مشین کی درآمد سے ہم زراعت کو اس قدر فروغ دیں گے کہ آج سے دس گنا امیر ہو جائیں گے۔ زمین ہماری ہے۔ اسے ہمارے آبا کے خون نے سینچا ہے ہمارے آبا کی ہڈیوں نے اسے زرخیز بنایا ہے۔ لیکن چار سو برس سے ہم روس کی رعایا ہیں۔ اس کے مفاد کی حفاظت کرتے ہیں اور اپنے آپ سے غافل ہیں۔ ہمارے پاس سمندر میں داخل ہونے کے لیے راستہ بھی ہے۔ ہماری فوج سب سے زیادہ مضبوط فوج ہوگی۔ یوکرین اور روس کبھی ہماری آزادی غصب نہ کر سکیں گے۔ زندگی پریوں کی طرح دلآویز ہو جائے گی ——"

ازوارین قد و قامت اور شکل و شباہت کے اعتبار سے نہایت حسین کاسک تھا۔ سنہرے گھنگریالے بال تھے۔ پکے رنگ کا چہرہ تھا۔ سفید اور چوڑا ماتھا۔ گالوں پر دھوپ کی جلن نمایاں تھی۔ اس کی آواز میں مٹھاس تھی اور شگفتگی۔ چال میں جوانی تھی۔ خود اعتمادی اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس کی کالی آنکھوں کی نگاہیں سورج کی کرنیں تھیں جو اسے دوسرے افسروں سے ممیز کرتی تھیں۔ کاسک اس کا احترام کرتے تھے اور رجمنٹ کے حاکم سے بھی زیادہ اس کی قدر کی جاتی تھی۔ وہ اور گریگر دونوں طویل گفتگو میں مصروف رہا کرتے تھے۔ گریگر کے لیے وہی فضا پیدا ہو رہی تھی جو کبھی ماسکو کے ہسپتال میں گرانژا کی معیت میں رونما ہوئی تھی۔ وہ گرانژا اور ازوارین کے خیالات کا موازنہ کر کے حقیقت کی تلاش کرتا لیکن اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا۔ غیر ارادی طور پر اس نے نئے عقیدے کے سامنے سر جھکا دیا۔

نومبر کے انقلاب کے فوراً بعد ایک دن ازوارین اور اس میں طویل گفتگو ہوئی۔ تردیدی احساسات سے دل گرفتہ ہو کر اس نے بالشویکوں کے متعلق اس کی رائے طلب کی۔

"مجھے بتاؤ ازوارین —— بالشویک حق پر ہیں کہ غلطی پر۔"

"روسی مزدوروں کی اشتراکی جماعت ــــ! سمجھتے ہو مزدوروں کی جماعت! اس وقت وُہ کسانوں اَوْر کاسکوں کو ساتھ ملائے ہیں۔ وقت آنے پر وُہ صرف مزدور پارٹی کے رہ جائیں گے۔ مزدوروں کی نجات اس جماعت کا مطمحِ نظر اَوْر کسانوں کی تسخیر اس کا آدرش ہے۔ حقیقی زندگی میں مساوی حصوں کا نظریہ ناقابلِ عمل ہے۔ اگر بالشویک غالب آگئے تو مزدور سرخرو ہو جائیں گے اَوْر باقی یونہی سسکتے رہیں گے۔ اگر شخصی حکومت برسرِ اقتدار آگئی تو زمیندار اَوْر سرمایہ داروں کو فائدہ ہوگا۔ ہمیں دونوں میں سے کوئی بھی حکومت نہ چاہیے۔ ہمیں اپنی حکومت کی ضرورت ہے۔ ہمیں اپنے محافظوں سے نجات حاصل کر لینی چاہیے۔ چاہے وُہ کارنیلف ہو یا کرنسکی یا لینن! خدا ہمیں دوستوں سے بچائے۔ دشمنوں سے خود نپٹ لیں گے۔"

"تمہیں شاید معلوم نہیں کہ کاسکوں کی اکثریت بالشویکوں کی شیفتہ ہے۔"

"گرگیرا، میرے دوست! خوب سمجھ لو کہ اس کی حقیقت ایک بنیادی اصول کی سی ہے۔ اس وقت کسانوں اَوْر کاسکوں کی منزل وہی ہے جو بالشویکوں کی ہے۔ یہ صداقت ہے میں تسلیم کرتا ہوں اَوْر جانتے ہو یہ یکسانی اَوْر ہمواری کیوں ہے؟ اس لیے کہ بالشویک امن کے طالب ہیں۔ امن کے لیے نبرد آزما ہیں۔ فی الحال کاسکوں کے یہی مطالبات ہیں اس لیے ان کا ساتھ دے رہے ہیں اَوْر بالشویکوں کے ہم سفر ہیں لیکن جونہی بالشویکوں کو کامیابی ہو گئی اَوْر انھوں نے کاسکوں کی جائدادوں تک ہاتھ بڑھایا، میرے دوست! راستے الگ الگ ہو جائیں گے۔ تاریخی اعتبار سے ایسا ہونا ناگزیر ہے۔ بالشویکوں کے انقلاب کی آخری غرض وغایت اَوْر کاسکوں کی اشتراکیت میں ایک نہایت گہری خلیج حائل ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میری سمجھ میں تو خاک نہیں آتا۔ مَیں تو کوئی نتیجہ نہیں نکال سکتا۔ میں تو میدان میں چٹختی ہوئی برف کی طرح آوارہ سرگرداں ہوں۔ ان اُلجھی ہوئی راہوں پر بھٹکتا پھر رہا تھا۔"

"اِس آوارگی سے یوں نجات نہ ملیگی۔ زندگی تمھیں خود ادھر یا اُدھر کر دے گی" اندر آ رہیں لو۔

۲

یہ گفتگو نومبر کے آغاز میں ہوئی تھی۔ اِس مہینے کے آخر میں گریگری کی ملاقات ایک اور کازک سے ہوئی جس نے ڈان کی تاریخ انقلاب میں نمایاں حصّہ لیا تھا۔ دوپہر سے ریفلی بارش ہو رہی تھی شام کو مطلع صاف ہو گیا اس لیے گریگری نے درازدف سے ملنے کا تہیّہ کر لیا۔ اُس نے دیکھا کہ درازدف کے ہاں ایک مہمان آیا ہوا تھا۔ ایک کازک سارجنٹ میجر، مضبوط و توانا ٹانگ پہ ٹانگ رکھے سفری بستر پہ بیٹھا ہوا تھا۔ وردی اُس کے جسم پہ بیحد موزوں معلوم ہوتی تھی۔ دروازے میں سے اُس نے گریگری کی طرف نہایت بددلی کے ساتھ دیکھا۔

"آؤ گریگری میں تمھارا تعارف کرادوں۔ یہ ہے میرا پڑوسی پوٹلیکف۔"

دونوں نے خاموشی سے ہاتھ ملایا۔ گریگری بیٹھ گیا۔ اُس نے اپنے نئے واقف کو سگرٹ پیش کیا۔ پوٹلیکف خاصی دیر تک سگرٹ کی ڈبیا میں انگلیاں ہلاتا رہا۔ آخر ایک سگرٹ نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ اُس نے مسکرا کر گریگری کی طرف دیکھا۔

"کون سا گاؤں ہے تمھارا؟"

"کرودلوفاسکی لیکن ایک مدّت سے است کلنفاسکی میں رہتا ہوں۔ کرودلوفاسکی کے متعلق تو سنا ہوگا تم نے؟"

پوٹلیکف کے چہرے پر چیچک کے ہلکے ہلکے داغ تھے۔ مونچھیں مڑی ہوئی تھیں۔ وہ بہت وجیہہ ہوتا اگر اُس کی ناک موٹی نہ ہوتی۔ پہلی نگاہ میں اُس کی آنکھوں کے متعلق کوئی خاص بات معلوم نہ ہوتی تھی لیکن بعد میں اُن کی گہرائی کا اندازہ ہوتا تھا۔

گریگری نے اچھی طرح پوٹلیکف کا جائزہ لیا۔ جب وہ بولتا تھا تو آنکھیں جھپکے بغیر سامعین کو دیکھتا رہتا تھا۔

گرگیچ نے گفتگو کا آغاز کیا "ایک خوش خبری سنو دوستو. جنگ ختم ہو جائے گی اور ہم دوبارہ دیہاتی زندگی بسر کریں گے۔ یوکرین کی حکومت علٰحدہ ہو گی۔ فوجی جماعت وہاں پر حکومت کرے گی۔"

"تمہارا مطلب اٹامن کیڈن سے ہے؟" پوٹیلگف نے اُس کی تصحیح کی۔

"ایک ہی بات ہے۔ ہم نے مادرِ روس کو خدا حافظ کہہ دیا ہے" گرگیچ نے رزوآدین کا نام یہاں استعمال کیا اور دیکھنے لگا کہ سامعین پر کیا اثر ہوا ہے "ہماری اپنی حکومت ہو گی۔ جو ہماری زندگی اور طور طریق کے مطابق ہو گی۔ یوکرینیوں کو کاسک سرزمین سے نکال دیا جائے گا۔ سرحدوں پر نگران چوکیاں قائم کر دی جائیں گی اور جو خولوں کو سرزمین ڈان پر قدم نہ رکھنے دیا جائے گا۔ ہم اپنے آبا کی طرح زندگی بسر کریں گے۔ انقلاب نے ہمیں بیحد فائدہ پہنچایا ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے ——— درازدف؟"

درازدف مسکرایا "ٹھیک کہتے ہو۔ ایسا ہی کرنا مناسب ہو گا۔ کسانوں نے ہماری آسائش چھین لی ہے۔ ہم ان کے زیرنگیں ہرگز نہ رہیں گے۔ ہر ایک اٹامن جرمن تھا۔ فان ٹابے، فان گرابے اور خدا جانے کیا کیا۔ انھوں نے ہماری زمین فوجی افسروں میں تقسیم کر دی تھی۔ اب ہم آرام کا سانس لے سکیں گے۔"

"کیا روس ہمارا یہ مطالبہ منظور کر لے گا؟" پوٹیلگف نے سوال کیا۔

"اُسے ماننا پڑے گا۔"

"کچھ بھی ہو وہی پرانا دستور رہا ہو گا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ پہلے سے زیادہ گاڑھا ہو گا۔"

"وہ کیونکر؟"

"اٹامن یونہی رہیں گے اور لوگوں پر وہی ظلم توڑیں گے۔ کسی 'حضور' کے آگے سر جھکانا ہی پڑے گا۔ کتنی اچھی ہو گی زندگی۔ گلے میں پھانسی کا پھندا ہو گا۔"

گرگیچ نے اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیا۔ آخر وہ رکا اور اُس نے پوٹیلگف سے سوال کیا۔

"بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"بڑھتے رہو"

"بڑھتے رہو سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

"تم نے ہل چلانا شروع کر دیا ہے۔ اب فصل کاٹ کر ہی دم لو۔ زار کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا گیا ہے۔ مخالفتِ انقلاب کھل دی گئی ہے۔ بڑھتے رہو جب تک حکومت عوام کے ہاتھوں میں نہیں آتی۔ پرانے زمانے کی کہانیاں دہرانا خواب دیکھنے کے مترادف ہے۔ اگلے وقتوں میں زار ہم پر ظلم ڈھاتا تھا۔ اب اگر وہ نہیں رہا تو اُس کی جگہ لینے کے لیے کوئی اور آ جائے گا۔"

"اس مصیبت سے نجات کا کوئی راستہ بھی تو بتاؤ پوشیلکف؟"

"عوام کی نمائندہ جماعت! اگر تم نے اپنے آپ کو جرنیلوں کے سپرد کر دیا تو جنگ پھر چھڑ جائے گی۔ اگر تمام روئے زمین پر عوام کی حکومت کا قیام ممکن ہو جائے تو جنگ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی۔ اب ہمارے پاس کیا ہے؟ اگر تم ایک پرانی پتلون اُلٹا لو تو سوراخ بند نہیں ہوتے۔ وہ اپنی جگہ قائم رہتے ہیں۔ پرانے دنوں کی واپسی کی تمنا کرنا حماقت ہے۔ ہم زار کے عہد سے بھی زیادہ مظلوم ہو جائیں گے۔"

گریگر نے افسردگی کے انداز میں پوچھا "کیا ہمیں اپنی زمین دوسرے کے حوالے کر دینی ہو گی تاکہ سب میں تقسیم کر دی جائے۔۔۔۔؟"

"نہیں ۔۔۔ وہ کیوں ۔۔۔ ہم اپنی زمین نہیں دیں گے۔ ہم اسے آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ سب سے پہلے زمینداروں کی زمین لے لی جائے گی۔ ہم اسے کسانوں کو نہیں دیں گے۔"

"ہم پر حکومت کون کرے گا؟"

"ہم خود۔ ہماری اپنی حکومت ہو گی۔ کلیڈن کو ذرا ٹھنڈا ہو لینے دو۔ پھر ہم اسے جلد گھٹنوں کے بل گرا لیں گے۔"

گریگر کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا اور سڑک کی طرف دیکھنے لگا۔ بچے کوئی کھیل کھیل رہے تھے۔ مکانوں کی بھیگی ہوئی چھتوں اور شاخوں پر اُس کی نگاہیں جھولتی رہیں۔ اُس نے پوشیلکف اور ورازدف کی گفتگو پر کوئی توجہ نہ دی۔ وہ ان پریشان کن خیالات میں سے، جو اسے سخت دکھ پہنچا رہے تھے

نہایت درد و کرب سے اس روشنی کے حصول کے لیے جدوجہد کر رہا تھا جس سے وہ کسی صحیح فیصلے پہ پہنچ سکے۔

کوئی دس منٹ تک وہ اُنگلی سے کھڑکی کے شیشے پہ کل کل کا نشان بناتا رہا۔ کھڑکی کے پرے غروبِ آفتاب کی زرد روشنی اُفق پہ پگھلا ہوا سونا برسا رہی تھی۔ چھت کے کنارے پر سورج اس طرح لٹکا ہوا تھا جیسے گیند کی طرح ابھی لڑھک جائے گا۔ سرسراتے اور گرتے ہوئے پتے سڑکوں پہ بکھرتے جا رہے تھے۔ یوکرین کی طرف سے آتی ہوئی تند اور تیز ہوا گاؤں پہ بار بار حملہ آور ہو رہی تھی۔

چوتھا حصّہ

پہلا باب

نا فوچرکاس کا قصبہ ان لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گیا جو بالشویک انقلاب سے جان بچا کر آئے تھے۔ مشہور جرنیل، جو پہلے روسی فوج کے کرتا دھرتا تھے، اب جنوبی ڈان کو سولانگاہ بنا رہے تھے کیونکہ انھیں وہاں اپنی سرگرمیوں سے لوگوں کے تعاون کی توقع تھی۔ ڈان کے کاسکوں میں انھیں رجعت پسند عنصر مل سکتا تھا اور اُسے بالشویک رُوس کے خلاف صف آرا کیا جا سکتا تھا۔

۵ ار نومبر کو جرنیل الکزیف قصبے میں وارد ہوا۔ کلیڈن سے مشورہ کرنے کے بعد اُس نے رضاکار فوج کو منظم کرنا شروع کر دیا۔ آئندہ کے لیے رضاکار فوج کے لیے آدمی دینے کا وعدہ سرمایہ داروں نے کیا۔ تین ہفتوں میں اس فوج کی تعداد بڑھ گئی۔ جن میں طالب علم، سپاہی اور رجعت پسند کاسک جوق در جوق شامل ہو گئے۔ بیشتر فوجی ایسے بھی تھے جو بڑی بڑی تنخواہوں کے لالچ میں آ گئے تھے۔

دسمبر کے آغاز میں کچھ اور جرنیل تشریف لائے۔ ۱۹ دسمبر کو کارنیلف خود بھی آ پہنچا۔ اسی اثنا میں کلیڈن رومانیہ کے محاذ سے کاسکوں کی پلٹنیں واپس لانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ ڈان کے صُوبے میں اُس نے یہ پلٹنیں تقسیم کر دی تھیں۔ لیکن کاسک، جو تین سال کی مسلسل خونریزی سے تنگ آ چکے تھے، جو جنگ سے بیزار تھے اور جن پر انقلاب کا عالم طاری تھا، بالشویکوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار نہ تھا۔ پلٹنیں روز بروز خالی ہوتی جا رہی تھیں اور کاسک گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ گھر کی کشش ان کے دلوں پر غالب آ چکی تھی۔ دُنیا کی کوئی طاقت انھیں اس اقدام سے باز نہ رکھ سکتی تھی۔

کلیدان نے جب پہلی مرتبہ راستوف میں بالشویکوں کے خلاف ایک مہم روانہ کی تو کاسکوں نے لڑنے سے انکار کر دیا۔ تھوڑی دُور جا کر واپس آ گئے لیکن جرنیلوں کی تنظیم رفتہ رفتہ رنگ لانے لگی۔ وسط دسمبر تک کلیدان کے پاس ایسی فوج جمع ہو گئی جس پر اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ بالشویکوں کے دستے تین طرف سے صوبے پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ خارکوف اور دلاتیز میں مخالفینِ انقلاب پر ضرب شدید لگانے کے لیے افواج جمع کی جا رہی تھیں۔ ڈان کے صوبے پر تاریک بادل چھا رہے تھے اور یوکرین کی طرف سے آنے والی ہوا میں توپوں کی سی گرج تھی۔ ڈان پر مصیبت نازل ہونے والی تھی۔

۲

نافوچر کاس پر سفیدی مائل زرد بادل منڈلا رہے تھے۔

نومبر کی ایک صبح کو بنچک ماسکو سے آنے والی گاڑی میں نافوچر کاس پہنچا۔ سب سے آخر میں گاڑی سے اُترا۔ وہ شہری لباس میں اجنبی سا دکھائی دیتا تھا۔ قصبے میں اپنا سستا اور پھٹا پرانا سوٹ کیس ہاتھ میں لٹکائے پہنچا۔ سڑک پر اُسے کوئی نہ ملا۔ آدھ گھنٹہ چلتے رہنے کے بعد وہ ایک بوسیدہ مکان کے سامنے رُکا۔ برسوں سے اس کی مرمت نہ کی گئی تھی۔ وقت نے اطمینان سے اُس پر ہاتھ صاف کیا تھا۔ مشقِ ستم کی تھی۔ دیواریں ٹیڑھی تھیں۔ دروازے کی درزیں چوڑی ہو گئی تھیں۔ کھڑکیاں سکڑ گئی تھیں۔ بنچک مکان پر نظریں دوڑا رہا تھا۔ ایک چھوٹا سا احاطہ پار کرنے کے بعد بنچک گھر میں داخل ہوا۔

گھر میں داخلے کا تنگ راستہ شہتیروں سے اٹا پڑا تھا۔ اندھیرے میں اُس کا گھٹنا شہتیر سے ٹکرایا۔ لیکن وہ آگے بڑھتا گیا۔ نیچے کے کمرے میں کوئی نہ تھا۔ اُس نے دوسرے دروازے کا رُخ کیا۔ دہلیز پر کھڑا ہو گیا۔ کمرے میں ایک نہایت مانوس نکہت پھیلی ہوئی تھی۔ اُس نے جھانک کر دیکھا۔ بستر، میز، ایک چھوٹا سا آئینہ، دیواروں پر چند تصویریں،

دو چار کرسیاں، کپڑے سینے کی مشین اور ٹھنڈی انگیٹھی۔ اُس کی نظر کمرے میں دوڑتی رہی
اُس کا دل دھڑک رہا تھا۔ اُس نے سوٹ کیس فرش پر پھینک دیا اور اضطراب
میں باورچی خانے کی طرف دیکھنے لگا۔ کمرے کی ہر چیز اُس کا خیر مقدم کرتی ہوئی دکھائی
دے رہی تھی۔ پردے کے پیچھے سے بلی کی چمکتی ہوئی آنکھوں نے اُس کی خیریت پوچھی۔
ایک گتہ، ہتن میز پہ پڑا تھا۔ اُون کا ایک گولا اور چار سلائیاں بھی کرسی پر پڑی تھیں۔
ایک ادھوری جراب بھی اُن کے ساتھ تھی۔

وہ سیڑھیوں پر چڑھ گیا۔ شیڈ کے دروازے سے ایک بوڑھی عورت اُس کی طرف
آتی دکھائی دی "ماں ــــ کیا واقعی میری ماں ہے ــــ کیا وہی ہے؟" اُس کے ہونٹ
کپکپا اُٹھے۔ وہ دوڑتا ہوا اُس سے ملنے کے لیے بڑھا۔ اُس نے سر سے ٹوپی اُتار لی۔

"کس سے ملنے آئے ہو؟" بوڑھی عورت نے متعجب ہو کر پوچھا۔

"ماں! کیا مجھے بھول گئیں؟ اپنے بیٹے کو بھی نہیں پہچان سکتیں؟" یہ الفاظ زور
کے ساتھ اُس کے حلق سے نکلے۔

وہ لڑکھڑاتا ہوا ماں کی طرف بڑھا۔ بڑھیا دوڑنا چاہتی تھی لیکن ڈگمگا کر رہ گئی
جیسے کوئی شاخ ہوا میں جھول رہی ہو۔ وہ بازو پھیلا کر ماں سے لپٹ گیا اور اُس کے
جھریوں بھرے گالوں پر بوسہ دیا۔ اُس کی آنکھیں مسرت اور خوف سے لبریز تھیں۔
اور بنجک کی آنکھیں بے طرح جھپک رہی تھی۔

"میرے ننھے سے بیٹے ــــ بنجک ــــ میں نے تمھیں پہچانا نہیں ــــ میرے
خدا! کہاں سے آئے ہو تم؟" بڑھیا نے سوال کیا۔

دونوں گھر کے اندر چلے گئے۔ اُس نے لمبا کوٹ اُتار دیا، اطمینان کا سانس
لیا اور میز کے گرد بیٹھ گیا۔

"یہ بات میرے خواب و خیال میں بھی نہ تھی کہ میں زندگی میں تمھیں دیکھ سکوں گا

گی........ کتنے ہی سال گزر چکے ہیں میرے بچے ــــ میں تمھیں پہچان بھی کیونکر سکتی ہوں جب تم اتنے بڑے ہو چکے ہو؟"

"کیسی ہو اماں؟" اُس نے مسکرا کر پوچھا۔

اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ میز صاف کرتی اور کمرے میں اِدھر اُدھر گھومتی رہی۔ پھر سماوار میں کوئلے ڈالنے لگی۔ بار بار بھیگی ہوئی آنکھوں سے بیٹے کے قریب آجاتی۔ اور اُس کا سر چھاتی سے لگا لیتی۔ اُس نے پانی اُبالا اور اُسے کچھ کھانے کو دیا۔ اُس کا سر دبایا۔ صندوق میں سے صاف ستھرا زیر جامہ نکال کر اُسے پہننے کو دیا۔ وہ سر ہلا کر اُس سے سوالات کرتی رہی۔

رات کے دو بج گئے اور بچک سونے کے لیے لیٹ گیا۔ اُسے فوراً نیند آگئی اور وہ خواب دیکھنے لگا۔ اُسے وُہ زمانہ یاد آیا جب وہ ایک صنعتی سکول میں ابھی طالب علم تھا۔ کتابوں پر اُونگھتا ہوا تھا اور اُس کی ماں باورچی خانے میں سے آواز دیتی تھی "بیٹا! سبق یاد کر لو۔" اُس کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔ رات کو اُس کی ماں ایک سے زیادہ مرتبہ اُٹھ کر اُس کے پاس گئی۔ اُس نے کئی مرتبہ اُس کا کمبل سیدھا کیا۔ اُس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور چپکے چپکے آکر لیٹ گئی۔

اُس نے گھر میں صرف ایک دن بسر کیا۔ صبح کو اُس کا ایک فوجی ساتھی لمبا کوٹ اوڑھے ہوئے آپہنچا اور دبی زبان میں اُس سے گفتگو کرتا رہا۔ ساتھی کے چلے جانے کے بعد وُہ کمرے میں اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔ اُس نے عجلت سے سوٹ کیس بھرنا شروع کیا اور لمبا کوٹ پہن لیا۔ جلدی سے ماں کو الوداع کہی اور اُس سے پھر ملنے کا وعدہ کر کے باہر آگیا۔

"اب کہاں جا رہے ہو؟" ماں نے پوچھا۔

"راستوف ـــ ماں! راستوف جا رہا ہوں۔ بہت جلد واپس آؤں گا۔ ڈرو نہیں

ماں! اُس نے اُس کی حوصلہ افزائی کی۔

ماں نے گردن سے ایک چھوٹی سی صلیب اُتاری اور جب وہ بیٹے کا مُنہ چوم رہی تھی تو معاً صلیب کی ڈوری اس کے گلے میں پہنا دی۔ پھر کانپتی ہوئی اُنگلیوں سے ڈوری درست کرتے ہوئے آہستہ سے کہا:

"بنچک بیٹا! اسے پہنے رہنا۔ خدایا اس کی حفاظت کرنا۔ اپنے پروں میں چھپا لے اسے حضرت مسیح!۔ دُنیا میں میرا اب یہی سب کچھ ہے......" وہ بیٹے سے لپٹ گئی۔ اُسے اپنے آپ پر قابو نہ رہا۔ اُس کے ہونٹوں کے کنارے ہلنے لگے۔ بنچک کے ہاتھوں پر آنسوؤں کے قطرے برسنے لگے۔ اُس نے ماں کے ہاتھوں سے گردن چھڑائی اور اُداس چہرہ لیے احاطے میں سے دوڑتا ہوا باہر چلا گیا۔

۳

راستوف کے سٹیشن پر انسانوں کا جم غفیر تھا۔ فرش سگریٹوں کے ٹکڑوں سے اٹا پڑا تھا۔ سٹیشن پر سپاہی ساز و سامان فروخت کر رہے تھے۔ تمباکو اور چُرائی ہوئی اشیا کا بیوپار کر رہے تھے۔ ہر نسل اور ہر قوم کے افراد سٹیشن پر خراماں تھے۔ بنچک ہجوم میں سے راستہ بناتا ہوا بڑھ رہا تھا۔ جماعت کے کمرے کی تلاش میں تھا۔ ایک پہریدار نے اُسے روکا۔ پہریدار نے اپنا چھُرا سنگین کے بجائے بندوق میں پھنسا رکھا تھا۔

"کیا چاہتے ہو ساتھی؟"

"میں ساتھی ابراہم سن سے ملنا چاہتا ہوں۔ کیا وہ یہیں ہے؟"

"بائیں طرف کا تیسرا کمرہ۔"

بنچک نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ ایک بڑی ناک کا، چھوٹے قد کا اور سیاہ بالوں والا شخص ریلوے کے ایک افسر سے باتیں کر رہا تھا۔ اُس نے بایاں ہاتھ جاکٹ میں ڈال رکھا تھا اور دایاں ہاتھ ہوا میں لہرا رہا تھا۔

"یہ ٹھیک نہیں" سیاہ بالوں والے نے اعلان کیا "یہ تنظیم تو نہ ہوئی! اگر تم نے اپنی تحریک یونہی جاری رکھی تو جو نتائج ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں کبھی میسر نہ آسکیں گے۔"

ریلوے کے افسر کا چہرہ مجرمانہ رنگ اختیار کر گیا تھا۔ وہ اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن سیاہ بالوں والا شخص اُسے بولنے نہ دیتا تھا۔

"اسے زیادہ دیر برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی اجازت نہیں دے سکتے۔ ویرخانکی کو اس کا جواب دہ ہونا پڑے گا۔ کیا اسے گرفتار کر لیا گیا ہے؟ ہاں؟ میں اُسے گولی سے اڑا دینے کے لیے بضد ہوں........" اُس نے بنچک کی طرف منہ موڑا۔ "کیا چاہتے ہو؟"

"کیا آپ ساتھی ابرآم سن ہیں؟"

"ہاں۔"

بنچک نے اُس کے ہاتھ میں بطرز وگراڈ کی اشتراکی جماعت کے کاغذات دے دیے۔

ابرآم سن نے نہایت اطمینان سے تمام کاغذات پڑھے اور مسکراتے ہوئے بولا "کچھ دیر انتظار کرو۔ پھر بات چیت کریں گے۔"

اُس نے ریلوے افسر کو رخصت کر دیا۔ پھر باہر سے ایک افسر کو ساتھ لے آیا جس کے بائیں گال پر تلوار کی کاٹ کا نشان تھا۔

"یہ ہیں فوجی انقلابی جماعت کے رُکن ــــ!" بنچک سے اُس کا تعارف کراتے ہوئے ابرآم سن بولا۔

"اور آپ ساتھی بنچک مشین گن والے ہیں ــــ ہیں نا؟"

"ہاں۔"

"ہمیں تمہاری سخت ضرورت ہے۔" افسر بولا۔

"کیا تم مشین گن کے دستے منظم کر سکتے ہو اور جلد ہی؟" ابرآم سن نے پوچھا۔

"میں کوشش کروں گا لیکن وقت ضرور لگے گا۔"

"کتنا وقت لگے گا؟ ایک ہفتہ، دو ہفتے، تین ہفتے......" دوسرا آدمی ہنستا ہوا بیچک کی طرف جھک گیا۔

"چند دن۔"

"بہت خوب۔"

براہم سن پیشانی ملنے لگا اور بولا "فوج کا بُرا حصہ بداخلاق ہو چکا ہے۔ اس لیے اُس کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ باقی جگہوں کی طرح یہاں بھی ہماری تمام اُمیدیں مزدوروں سے وابستہ ہیں۔ سمندری سپاہی بھی قابلِ اعتماد ہیں۔ مگر دُوسرے سپاہی"...... اُس نے ڈاڑھی کھجاتے ہوئے کہا "رسد کا انتظام ہمارے ہاتھ میں ہے، تمھارے پاس آج کچھ کھانے کو ہے؟ میرے خیال میں کچھ نہیں؟"

"ٹھونک کر ایک ہی نگاہ میں پہچان لیتا ہے؟" بیچک دل میں سوچنے لگا۔ ابراہم سن کا گائیڈ جب اُسے دُوسرے کمرے میں لے گیا تو وہ سوچنے لگا "ابراہم سن بہادر ہے۔ سچا بالشویک ہے۔ ایک سازشی کی موت کا حکم صادر کرتے ہوئے دوبارہ نہیں سوچتا لیکن ساتھیوں کا کس قدر خیال رکھتا ہے۔"

ابراہم سن کی قیام گاہ میں اُس نے کھانا کھایا۔ پھر بستر پر دراز ہو کر سوچنے لگا اور جلد ہی سو گیا۔

۴

اگلے چار دنوں میں صبح و شام تک وہ اپنی جماعت کے انتخاب کردہ مزدوروں کے ساتھ مصروف رہا۔ وہ تعداد میں سولہ تھے۔ ہر نسل، ہر قوم اور ہر پیشے کے مرد اس میں شامل تھے۔ دو مرد شیسفو وڈ کے علاقے کے تھے۔ ایک یوکرینی تھا جس کا نام نوٹچکو تھا۔ ایک یونانی الاصل روسی متخالدٹزی تھا۔ ایک پیرس کا مزدور سٹیفنی تھا۔ آٹھ آہن گر تھے۔ ایک کان کن

زیلنکف تھا۔ ایک ارمنی نانبائی گیفاڑکیانز تھا۔ ایک ماہر فن قفل ساز ریبانڈر تھا۔ دو مزدور ریلوے ورکشاپ کے تھے۔ سترھویں جگہ پر کرنے کے لیے ایک عورت آئی، فوجی لمباکوٹ اور پاؤں میں بڑے بوٹ پہنے ہوئے۔ اُس نے ایک سربمہر لفافہ بنچک کو دیا۔

"واپسی پر دفتر میں مجھ سے ملوگی؟"

وُہ مسکرائی اور گھبراہٹ کے عالم میں بولی "مجھے تمھارے پاس بھیجا گیا ہے۔" پھر اُس نے گھبراہٹ پر قابو پاکر جواب دیا "میں بھی مشین گن والے کی حیثیت سے آئی ہوں۔"

بنچک غصّے سے آگ بگولا ہو گیا۔

"کیا وُہ دیوانے ہو گئے ہیں؟ کیا عورتوں کی فوج مجھے منظم کرنی ہو گی؟ معاف کرنا، یہ کام تمھارے لائق نہیں۔ یہ بہت مشکل کام ہے۔ یہاں مردانہ طاقت کی ضرورت ہے۔ مَیں تمھیں نہیں لے سکتا۔"

غصّے کے عالم میں اُس نے خط کھولا اور اُس کا مضمون پڑھنے لگا۔ خط میں لکھا تھا کہ جماعت کی رُکن آنا پوگوڈکو کو مشین گن کے دستے میں لے لیا گیا ہے۔ ابرامسن نے لکھا تھا:

"پیارے ساتھی بنچک!

ہم تمھارے پاس آج ایک نہایت اچھی ساتھی آنا پوگوڈکو کو بھیج رہے ہیں۔ یہاں اُس کے مطالبے کے سامنے جھکنا پڑا۔ ہمیں اُمید ہے کہ تم اُسے ایک نہایت اچھی مشین گن والی بنادوگے ــــ میں اس لڑکی کو جانتا ہوں۔ میں اس کی پُرزور سفارش کرتا ہوں۔ ایک نہایت گراں قدر کارکُن ہے۔ صرف ایک بات کا خیال رکھنا۔ ذرا تُند مزاج ہے کیونکہ ابھی پوری طرح جوان نہیں ہوئی۔ اس کی حفاظت کرنا۔

تربیت کا کام ذرا اور تیز کردو کیونکہ ہم سُن رہے ہیں کہ کلیڈن حملے کی

تیاریاں کر رہا ہے ــــــ

رفیقانہ سلام کے ساتھ

ابرام تسن "

بنچک نے اپنے سامنے کھڑی ہوئی لڑکی کا جائزہ لیا۔ اُس کا چہرہ سایے میں تھا کیونکہ جو دفتر اُس کے لیے وقف کیا گیا تھا اُس میں اندھیرا رہتا تھا" اچھا اگر تم خوشی سے آئی ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے "

وہ سب مشین گن کے گرد جمع ہو گئے اور بنچک کے ماہر فن ہاتھوں کے اندر اُسے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے دیکھا کیے۔ بنچک نے مشین گن کا پُرزہ پُرزہ علیحدہ کر دیا۔ اُس نے ایک مرتبہ ــــ مشین گن کو پھر الگ الگ کر دیا اور دوبارہ جوڑ دیا۔ ہر حصے کے متعلق اُس نے انھیں گُر بتایا۔ اُن کے استعمال کرنے کا طریقہ بتایا۔ ہر حصے کا جو عمل تھا وُہ بھی اُن پر واضح کر دیا۔ پھر اُس نے انھیں بتایا کہ بچاؤ کس طرح کیا جاتا ہے۔ مشین گن کس انداز میں رکھی جاتی ہے۔ اُس نے لیٹ کر مشین گن اسی انداز میں رکھ دی۔

نانبائی گیفار کیانز کے سوا سب نے مشین گن کا طریقِ عمل جلد سیکھ لیا۔ بنچک نے بار بار اُسے مشین گن علیحدہ کر کے اور جوڑ کر بتایا لیکن اُس کی سمجھ میں خاک نہ آیا۔

"خدا جانے میری سمجھ میں کیوں نہیں آتا۔ یہ ٹکڑا ہونا چاہیے ــــ یہ یہاں ــــ نہیں نہیں، میں سمجھ نہیں سکتا۔"

"کیونکہ تم بیوقوف ہو"۔ ۔ ۔ ۔ باگوفائی نے اُس کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔

"بہت بڑا بیوقوف ہے" ریبانڈر نے بھی اتفاق کیا۔

سٹیپنف چلایا " اگر ساتھی کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی تو اُسے بتا دینا چاہیے ' مذاق نہ اُڑانا چاہیے۔ دوستی اسی کا نام ہے۔"

کرتو گارف نے بھی اُس کا ساتھ دیا ــــ "انقلاب خطرناک صورت اختیار کرتا جا رہا

ہے اور تم کھڑے کھڑے ہنستے ہو۔ بیوقوف تو تم ہو جو تاخیر پیدا کر رہے ہو۔۔۔۔۔" اُس نے مُکا گھمایا۔

انا پوگوڈکو وا ایک ایک بات نہایت غور سے پوچھتی۔ بنچک کے ساتھ ہر وقت لگی رہتی۔ اُس کی آستین پکڑ کر سوال کر دیتی جو مشین گن کو ایک لمحے کے لیے ہاتھوں سے جدا کرتا۔

"اگر پانی کے تھیلے میں پانی جم جائے تو پھر کیا کرنا چاہیے؟ تیز ہوا میں کتنا دباؤ ڈالنا چاہیے؟" وہ سوالات کا انبار لگا دیتی۔

اُس کی موجودگی میں بنچک مضطرب سا رہتا۔ یونہی گھبراہٹ اس پر طاری رہتی۔ اسے بیحد غصہ آتا۔ اُس کی طرف سے برہم برہم سا رہتا لیکن جب ہر صبح سات بجے وہ شیڈ میں داخل ہوتی تو اُس کے دل میں اضطراب کی لہر دوڑ جاتی۔ وہ اس سے کشیدہ قامت تھی۔ اس کا جسم گٹھیلا تھا مگر صحت مند ـــــ شانے گول تھے۔ آنکھیں خوبصورت تھیں لیکن چہرہ عام عورتوں کا سا تھا۔ وہ حسین نہ تھی۔

پہلے چار دنوں میں بنچک کو وقت نہ ملا تھا کہ اُسے اچھی طرح دیکھ سکے کیونکہ شیڈ میں روشنی کا انتظام اچھا نہ تھا۔ جب کبھی اُس کے چہرے کا جائزہ لینے کا وقت ملتا وہ گھبرا جاتا۔ پانچویں دن کی شام کو وہ دونوں اکٹھے باہر نکلے۔ وہ آگے آگے تھی اور مڑ مڑ کر اُسے دیکھتی جاتی تھی۔ اُس کی نگاہوں میں سوال ہوا کرتا تھا۔ جواب کی ہمیشہ منتظر رہتی تھی۔ آج اُس کی آنکھیں اُس پر جم گئی تھیں۔ آج جواب لینے پر تُلی ہوئی معلوم ہوتی تھیں لیکن وہ اُس کا سوال سمجھنے سے قاصر تھا۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ایک سوال اُسے تنگ کر رہا تھا۔ اُس سوال کا اُسے تجربہ ہو چکا تھا۔ اس سوال کی اہمیت اُسے معلوم تھی۔ اس سوال سے وہ زندگی میں کئی دفعہ دوچار ہو چکا تھا۔ آج جب اُس نے اُس لڑکی کے شرم سے تمتماتے ہوئے گال کی طرف دیکھا تو ایک دفعہ وہی سوال اس پر مطالب واضح کرتا ہوا دکھائی دیا۔ بنچک کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے پا کر رومال میں اُس سے بال بھی درست نہ ہو سکے۔ اُس

کے گلابی نتھنے پھڑپھڑانے لگے۔ اُس کے ہونٹ مضبوط تھے لیکن نہایت نرم۔ اُوپر کا ہونٹ خمیدہ تھا۔ وہ پریوں کے قصّے کی ایک پری کے مانند اُس کے سامنے کھڑی تھی۔ اُس کا محراب نما ابرُو کانپ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ محبت بھرے ایک ہی فقرے پر وُہ پگھل کر رہ جائے گی۔

بنچک کے دل میں مسرّت کا طوفان موج زن ہونے لگا۔ اُس نے سر جھکا کر کہا "اناّ پڑگوڑکرو تم تو کسی کی مسرّت کی طرح حسین ہو۔"

"واہیات !ــــ مَیں تو پُوچھ رہی ہوں کہ کل مشین گن چلانے کی مشق کرنے کے لیے تم کس وقت جا رہے ہو؟"

اُس کے تبسم نے اُسے اور بھی حسین بنا دیا۔ بنچک اُس کے پہلو میں آ گیا اور سڑک کی طرف یُونہی دیکھنے لگا۔

اُس نے خاموشی سے جواب دیا "کل آٹھ بجے ــــ کس راستے سے جاؤ گی ــــ؟ کہاں رہتی ہو؟"

اُس نے کسی چھوٹی سی گلی کا نام لیا جو قصبے کے نکڑ پر واقع تھی۔ آخر اُس نے کنکھیوں سے اُسے دیکھتے ہوئے پوچھا "تم کاسک ہو؟"

"ہاں۔"

"افسر بھی رہ چکے ہو؟"

"ہاں۔"

"تمھارا ضلع کونسا ہے؟"

"نافوچرکاس۔"

"راستوف میں کیا بہت دن رہے ہو؟"

"چند دن۔"

"اس سے پہلے ـــــ ؟"

"پیٹروگراڈ میں تھا۔"

"جماعت کی رکنیت کب اختیار کی تھی ؟"

"۱۹۱۳ء میں۔"

"تمھارا کنبہ کہاں ہے ؟"

"نافوچرکاس میں۔" اُس نے تیزی سے جواب دیا اور بولا "ذرا ٹھہرو ـــــ اب مجھے کچھ سوالات کر لینے دو۔ کیا تم راستوف میں پیدا ہوئی تھیں ؟"

"نہیں ، یکتارینا سلف کے صوبے میں لیکن یہاں ایک عرصے سے رہتی ہوں۔"

"کیا یوکرینی ہو ؟"

ایک لمحے کے لیے وہ ہچکچائی پھر بولی "نہیں۔"

"یہودن ہو ـــــ ؟"

"ہاں مگر تمہیں کیونکر معلوم ہُوا ؟ کیا میری زبان سے ؟"

"نہیں۔"

"تو پھر تمھیں کس طرح معلوم ہُوا کہ میں یہودن ہوں۔"

اُس نے قدم چھوٹے کرتے ہوتے کہا "تمھارے کان، تمھاری آنکھیں ـــــ ان کے علاوہ تم میں تمھاری قومیت کی سی کوئی بات نہیں" لمحہ بھر سوچنے کے بعد اُس نے کہا "بہت اچھا ہُوا کہ تم ہمارے ساتھ ہو۔"

"کیوں ؟"

"کیونکہ یہودی دو چار باتوں کے لیے بہت مشہور ہیں۔ میں نے مزدوروں سے سُنا ہے خدا جانے وہ کہاں تک سچے ہیں۔ میں بھی ایک مزدور ہوں۔ سُنا ہے کہ یہودی حکم دیتے ہیں اور آگ میں خود نہیں کودتے مگر آج یہ نظریہ غلط ثابت ہوتا نظر آتا ہے۔ تم میں تو ایسی کوئی

بات نہیں۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتے رہے۔ اُس نے جان بُوجھ کر گھر پہنچنے کا لمبا راستہ اختیار کیا اپنے متعلق کچھ اور باتیں بتا کر وہ کارینیف۔ کے بارے میں پھر سوالات کرنے لگی۔ پیٹروگراڈ کے مزدوروں کے باب میں اور نومبر کے انقلاب کے باب میں ــــ! دُور سے گولی چلنے کی آواز آئی اور ایک مشین گن نے سکوت توڑا۔ پوگوڈکو نے فوراً پوچھا "اس مشین گن کی ساخت کیا ہے؟"

"کتنی گولیاں چل چکی ہیں؟"

اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ آسمان پر پھیلتی ہوئی روشنی دیکھ رہا تھا۔ وہ دونوں سنسان قصبے کے گرد تین گھنٹوں تک گھومتے رہے۔ آخر اُس کے گھر کے پھاٹک پر ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔

بنچک دل میں ہزاروں فروزاں جذبات لیے ہوئے گھر کو لوٹا۔

"وہ کتنی اچھی رفیق اور سمجھ والی لڑکی ہے۔ اس سے بات چیت کا مزہ آگیا۔ میں پچھلے برسوں میں زاہد خشک ہو گیا ہوں۔ لوگوں سے دوستانہ تعلقات رکھنا کس قدر لازم ہے ورنہ ایک شخص فوجیوں کے کرم خوردہ بسکٹ کی طرح ہو جاتا ہے" وہ سوچ رہا تھا۔

ابرام سن فوجی انقلابی جماعت کے اجلاس سے حال میں ہی واپس آیا تھا۔ وہ سوالات کرنے لگا۔ اُس نے مشین گن کے دستے کی رفتار ترقی کا حال پوچھا پھر آنا کے متعلق سوال کیا۔

"کیسی ثابت ہو رہی ہے آنا پوگوڈکو؟ ـــ اگر وہ اس قابل نہیں تو ہم اُسے کسی دُوسرے کام پر بڑی آسانی سے لگا سکتے ہیں۔"

"اوہ ـــ نہیں، بڑی قابل ہے وہ لڑکی۔ بہت سی صلاحیتوں کی مالک ہے" بنچک نے خوفزدہ ہو کر جواب دیا۔

وہ چاہتا تھا کہ اُنّا کے متعلق باتیں کرتا چلا جائے لیکن اُس نے بڑی مشکل سے اس خواہش پر قابو پا لیا۔

۵

۸ دسمبر کو کلیڈآن نے راستوف کے حملے میں پلٹنوں کے بعد پلٹنیں جھونکنی شروع کر دیں۔ جرنیل الیگزیف کے افسروں کا دستہ ریل کی پٹڑیوں کے ساتھ ساتھ بڑھتا رہا۔ ایمرزادے بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ دُوسری طرف جرنیل پوپَیف کا دستہ تھا۔

سُرخ فوج کا دستہ، جو قصبے کی بیرونی حدود پر متعین کیا گیا تھا، اضطراب سے لرز رہا تھا۔ بہت سے مزدور، جنھوں نے بندوقیں زندگی میں پہلی مرتبہ ہاتھوں میں لی تھیں، کیچڑ سے بدن چمٹا کر لیٹے ہوئے تھے۔ دُوسرے سر اُٹھا کر آتے ہوئے دشمن کو دیکھ رہے تھے۔

شدتِ انتظار سے گھبرا کر اور کماندار کے حکم کا انتظار کیے بغیر سُرخ فوج نے گولہ باری شروع کر دی — جب پہلی بار گولی چلی تو بنچک اُچھل پڑا اور کھڑا ہو کر بولا — "گولی چلانا بند کر دو۔"

لیکن اُس کی چیخ گولیوں کے شور میں گم ہو گئی۔ آخر اُس نے باگوفاتی کو مشین گن چلانے کا حکم دیا۔ باگوفاتی نے مسکراتے ہوئے مشین گن پر ہاتھ رکھ دیا۔ مشین گن کی آشنا آواز بنچک کے کانوں میں سرایت کرنے لگی۔ اُس نے دُشمن کی جانب دیکھا۔ فاصلے کا اندازہ کرنے کے بعد وہ دُوسری مشین گنوں کی طرف دوڑا۔

"گولی چلاؤ۔" وُہ چِلّایا۔

"بہت اچھا" خیوی پلچوو کے چہرے پر مسرت پھیل گئی۔

وسط کی تیسری مشین گن کے آدمی ناتجربہ کار اور ادھورے سے تھے۔ بنچک ان کی طرف دوڑ پڑا۔ دُور گولیوں کے پھٹنے کی بنگلوں روشنی پھیلتی جا رہی تھی۔ وہ لیٹ گیا اور اُس نے دیکھا کہ تیسری مشین گن بالکل غلط طریقے پر آگ اُگل رہی تھی۔

"ادھر نیچے ۔۔۔ مشین گن کا منہ اُدھر نیچے کر دو شیطانو ۔۔۔!" بنچک چلّایا۔ گولیاں اُس کے سر پر سے سیٹیاں بجاتی ہوئی گزر رہی تھیں۔ دشمن گولیاں چلانے میں مہارت کا ثبوت دے رہا تھا۔ یونانی مُفت میں بارود اور کارتوس ضائع کر رہا تھا۔ اُس کے ساتھ ہی خوف زدہ سٹیفینو تھا اور اُس کے پیچھے کیکڑے کی طرح سمٹا ہوا ریلوے کا مزدور تھا۔ بنچک اُنھیں علٰحدہ کر کے مشین گن پر خود مصروف ہو گیا۔ اس دفعہ جو گولیاں نکلیں اُنھوں نے اثر دکھایا۔ امیر زادوں کا ایک گروہ، جو بھاگتا ہوا آ رہا تھا، مڑا اور ڈھلان میں غائب ہو گیا۔ اُن میں سے ایک زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا۔

بنچک وہ مشین گن ان کے حوالے کر کے اپنی مشین گن کی طرف آ گیا۔ باگوفاتی بائیں پہلو پر لیٹا ہوا اپنے گھٹنے پر پٹی باندھ رہا تھا۔ یباندڑ نے اُس کی جگہ لے لی تھی اور نہایت مستعدی و مہارت سے گولیاں برسا رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر اضطراب کے آثار بھی نہ تھے۔

بائیں بازو پر نانبائی گیفار کیانز خرگوش کی طرح اُچھلتا ہوا آیا۔ سر پر سے جب گولی گزرتی تو وہ زمین پر لیٹ جاتا اور چلّاتا "میں نہیں برداشت کر سکتا۔ مجھ سے مشین گن نہیں چلتی۔ میری مشین گن جمی پڑی ہے۔"

بنچک ناکارہ مشین گن کی طرف بھاگا۔ انّا گھٹنوں کے بل جھکی ہوئی اور آنکھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے دشمن کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"لیٹ جاؤ ۔۔۔ لیٹ جاؤ!" خوف سے بنچک پر کپکپی طاری ہو گئی۔ اُس نے انّا کو آواز دی "میں کہتا ہوں لیٹ جاؤ!"

انّا نے اُس کی طرف دیکھا اور لیٹ گئی۔ بحروتوگارف ہاتھ میں کارتوسوں کی لڑی لیے ہوئے کہہ رہا تھا:

"اب یہ نہیں چلے گی۔ تھک گئی ہے بچاری!" پھر گیفار کیانز کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "بھاگ گیا ہے سؤر ۔۔۔ بہت بزدل اور کُند ذہن ہے۔ وہ تو دو مردوں کو بھی کام

کرنے نہیں دیتا۔"

گیفار کیا تیز رینگتا ہوا آپہنچا۔ گرونگف نے اس کی طرف ایک لمحے کے لیے دیکھا اور بولا "کارتوسوں کی لڑیاں کہاں رکھ دی ہیں تم نے؟ بنچک! اسے لے جاؤ ورنہ میں اسے جان سے مار دوں گا۔"

بنچک نے مشین گن کا معاینہ کیا۔ ایک گولی مشین گن کی نالی پر آکر لگی۔ اس کا ہاتھ گرم ہو گیا۔ اُس نے مشین گن درست کر دی اور خود اُسے چلانے لگا۔ الکزلیف کے سپاہیوں کو اُس نے رینگنے پر مجبور کر دیا۔ پھر آڑ لینے کے لیے وہ بھی رینگنے لگا۔

دشمن کی قطاریں نزدیک آگئیں۔ گولہ باری اور بھی تیز ہو گئی۔ مرتے ہوئے انسانوں کے ہتھیار اُن کے ساتھیوں نے چھین لیے کیونکہ مُردوں کو ہتھیاروں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ انا اور بنچک کی آنکھوں کے سامنے ایک سُرخ سپاہی کے گولی لگی اور وہ کچلے ہوئے کیڑے کی طرح تڑپنے لگا۔ بنچک نے انا کی طرف کنکھیوں سے دیکھا۔ اُس کی موٹی موٹی آنکھوں میں خوف رینگ رہا تھا اور وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مرے ہوئے ساتھی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ گرونگارف چلا رہا تھا "لڑکی — لڑکی — کارتوسوں کی لڑی۔"

کلیڈن کی فوج نے دباؤ ڈال کر سُرخ دستوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ پسپا ہونے والے مزدوروں کے کالے اور لمبے کوٹ آس پاس کی گلیوں میں بکھرنے لگے۔ دائیں طرف کی مشین گن دشمن کے ہاتھ پڑ گئی تھی۔ امیرزادوں کے ایک دستے نے یونانی کو ہلاک کر دیا تھا۔ ایک اور مشین گن والے کو سنگین سے ہلاک کر دیا گیا۔ سٹیپ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

پسپائی رُک گئی۔ سمندری فوجوں نے گولہ باری شروع کر دی تھی۔ سُرخ فوج رُک گئی اور دوبارہ کلیڈن کے دستوں پر ٹوٹ پڑی۔ بنچک نے انا، گرونگارف اور گیفار کیا نے

کو اپنے گرد جمع کر رہا تھا۔ دفعتہً کردتگارف چلایا "وہ رہا دشمن!" بنچک نے مشین گن کا منہ دشمن کی طرف کر دیا۔ آنا بیٹھ گئی اور اُس نے دیکھا کہ دشمن کی نقل و حرکت بند ہو گئی تھی۔

چند لمحوں کے سکوت کے بعد یوکرینوں نے گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ گولیاں ان کے سروں سے گزرنے لگیں۔ سمندری فوجوں کے گولے بلندی پر سے اُڑتے ہوئے دشمن کو جھلس رہے تھے۔ ایک گولہ اُن کے عین اُوپر پھٹا اور آدمی بھیڑوں کی طرح بکھر گئے۔ آنا نے دُوربین نیچے گرا دی اور سسکیاں بھرنے لگی۔ اُس نے خوفزدہ آنکھیں ہتھیلیوں سے ڈھانپ لیں۔

"کیوں کیا ہُوا؟" بنچک نے سوال کیا۔

اُس نے لب بھینچتے ہوئے کہا "میں زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتی۔"

"بہادر بنو پوگوڈوکودو ۔۔۔ انا سنتی ہو؟ تمھیں ایسا نہ کرنا چاہیے۔" اُس کا پُرتحکم لہجہ اُس کے کانوں سے ٹکرایا۔

دائیں طرف دشمن جمع ہو چکا تھا۔ بنچک مشین گن اُٹھا کر موزوں جگہ آ کر لیٹ گیا۔ اُس نے وادی میں آگ ہی آگ پھیلا دی۔

شام کے وقت برف پڑنے لگی۔ ایک گھنٹے کے اندر برف نے مُردوں کے ڈھیروں کو ڈھانپ لیا۔ کلیڈن کی فوج پسپا ہو گئی۔

بنچک نے رات مشین گن کی چوکی پر بسر کی۔ کردتگارف سخت گوشت چبا چبا کر نگلنے لگا ۔۔۔ احاطے کے پھاٹک پر بیٹھ کر گیفارکیانز سگرٹ کے کش لگا رہا تھا۔ بنچک بارود کے بکس پر بیٹھا تھا اور اس نے اپنے لمبے کوٹ میں آنا کو لپیٹ رکھا تھا۔ اپنی آنکھوں سے بھیگے ہوئے ہاتھ اُٹھا کر اُنھیں چوس رہا تھا۔ بنچک بڑی مشکل سے پیار کے الفاظ ادا کر رہا تھا ۔۔۔

"آنا! حوصلہ کرو ۔۔۔ جلد ہی تم اس کی خوگر ہو جاؤ گی۔ ایک مُردے کی طرف یوں نہ

دیکھنا چاہیے۔ دیکھا تم کہتی تھیں کہ تم بہت دلیر ہو لیکن تم پر عورت پن غالب آگیا ہے۔"

اتا خاموش تھی۔ اس کے ہاتھوں میں نسوانی گرمی تھی۔ گرتی ہوئی برف نے آسمان کو دھندلکے میں غائب کر دیا۔ احاطہ، کھیت اور قصبہ غنودگی کے عالم میں جھکولے کھانے لگے۔

۶

کچھ دنوں تک راستقوف میں میدانِ کارزار گرم رہا۔ گلیوں میں بھی لڑائی ہوتی رہی۔ دو دفعہ سُرخ فوج نے ہتھیار ڈالے اور دو دفعہ دشمن کو قصبے سے باہر نکال دیا۔ ان چھ دنوں میں دونوں طرف سے کوئی آدمی قیدی نہ بنایا گیا۔

ایک دوپہر کو اتا اور بنچک مال گودام سے گزر رہے تھے کہ انھوں نے دیکھا۔ سُرخ فوج کے دو سپاہیوں نے ایک قیدی افسر کو گولی کا نشانہ بنا دیا۔

بنچک اتا سے گویا ہوا۔ "یہ ہے عقلمندی کا ثبوت ـــ انھیں ہلاک کر دینا ہی مناسب ہے۔ یہ بھی تو ہم پر کوئی رحم نہیں کرتے اس لیے ہم کیوں ان پر رحم کریں۔ زمین کو اس گندگی سے پاک ہی کرنا ہو گا۔ جذبات کا اس میں کوئی دخل نہ ہونا چاہیے۔ انقلاب کے مستقبل کا انحصار انھیں باتوں پر ہے ـــ مزدوروں نے نہایت مناسب قدم اٹھایا ہے۔"

لڑائی کے تیسرے دن بنچک بیمار ہو گیا لیکن کسی نہ کسی طرح اس نے اپنے آپ کو اپنے پاؤں پر کھڑا رکھا۔ اس کا جسم ہر گھڑی کمزور ہوتا جا رہا تھا۔ اس کا سر دفنی ہو گیا تھا۔

۵ اردسمبر کو سُرخ فوجوں نے قصبہ خالی کر دیا۔ اتا اور کرد تگارف نے بنچک کو سہارا دیا۔ وہ ان کے سہارے گاڑی کے پیچھے چل رہا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے اپنا جسم آگے بڑھا رہا تھا۔ اس کے پاؤں سمٹتے جا رہے تھے۔ اتا کہ رہی تھی "گاڑی میں لیٹ جاؤ۔ سنتے ہو؟ گاڑی میں بیٹھ جاؤ، تم بیمار ہو۔"

لیکن تپ محرقہ نے اُسے مفلوج کر دیا تھا۔ بخار کی حرارت نے اُسے بہرا بنا دیا تھا۔ اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس کی آنکھوں سے خون برس رہا ہو۔ اس کے پاؤں تلے سے زمین نکلی جا رہی تھی۔ آخر کر وتنگارف نے اُسے گاڑی میں لٹا دیا۔ اُس پر بحران طاری ہو چکا تھا۔

"کون ہو تم ۔۔ ٹھہرو ۔۔ آتا کہاں ہے۔ اسے تباہ کر دو۔ میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ مشین گن کا رُخ اُن کی طرف کر دو..... رُک جاؤ۔ یہ بہت گرم ہے" وُہ چلا رہا تھا۔

اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔

دُوسرا باب

برف کے گالے چنگاریوں کی طرح آسمان سے جھڑ رہے تھے۔ گاؤں کے جوہڑوں میں برفاب جمع ہو رہا تھا۔ مویشی نتھنوں سے پھنکاریں مارتے ہوئے گلیوں میں دوڑ رہے تھے۔ چڑیاں اس طرح چہچہا رہی تھیں جیسے بہار آ گئی ہو۔ مارٹن شامیل اپنے گھوڑے کے پیچھے بھاگتا پھر رہا تھا۔ کیونکہ وہ اصطبل سے رسا تڑوا کر آزاد ہو گیا تھا۔ وہ دم کھڑی کیے اور ایال لہراتے ہوئے سڑکوں پر دوڑتا پھر رہا تھا۔ اس کی ٹاپوں کی رگڑ سے برف پگھل رہی تھی۔ کلیسا کی دیوار کے پاس آ کر گھوڑا رک گیا اور اینٹیں سونگھنے لگا۔ اس نے موقع دیا جس سے اس کا مالک خاصا قریب آ گیا۔ گھوڑے نے کنکھیوں سے اس کے ہاتھ میں لگام دیکھی اور سرپٹ دوڑ گیا۔
جنوری زمین کو ابر آلود موسم سے پچکار رہی تھی۔ کاسک ڈان کو متلاطم دیکھ رہے تھے۔ میرن کارشنف اپنے احاطے کے پچھواڑے کھڑا برف سے ڈھکے ہوئے کھیتوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ برف پہلے کی طرح گرنے لگی ہے۔ ہر طرف برف ہے۔ برف ہی برف ہے! زمین اس کے بوجھ سے سسک رہی تھی۔

مشکا خاکی کوٹ پہنے مویشی خانہ صاف کر رہا تھا۔ اس کے بالوں میں پسینے کے قطرے جھلملا رہے تھے۔ اس کے ابرو بھیگے ہوئے تھے جنہیں وہ میلے کچیلے ہاتھوں سے پونچھتا جاتا تھا۔ پھاٹک میں گوبر کا ڈھیر پڑا تھا۔ بھیڑ کا بچہ اس میں لتھڑا جا رہا تھا۔ باڑ کے قریب بھیڑوں کا جھمگٹا لگا ہوا۔ بھیڑ کا ایک اور بچہ اپنی ماں سے زیادہ تند آور تھا، اس کے تھنوں تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مڑے ہوئے سینگوں والا ایک سیاہ مینڈھا کمر بل سے

رگڑ رہا تھا۔

میرآن اناج پھٹکنے کے فرش تک گیا اور مشاق آنکھوں سے سوکھی گھاس کی قیمت کا اندازہ کرنے لگا۔ اُس نے جَو کا بھوسا، جو بکریوں نے اِدھر اُدھر منتشر کر دیا تھا، فراہم کرنا شروع کیا لیکن کچھ نامانوس آوازیں اسے سنائی دیں اور وہ صحن میں چلا گیا۔

مشکا ٹانگیں پھیلائے سگرٹ بنا رہا تھا۔ اُس کی دو انگلیوں میں ایک نفیس کڑھی ہوئی تھیلی تھی جو اُسے ایک گاؤں کی محبوبہ نے بطورِ تحفہ دی تھی۔ اُس کے پاس کرستونیا اور ایوآن الگزی وچ بھی کھڑے تھے۔ کرستونیا سگرٹ کا کاغذ ٹوپی سے نکال رہا تھا۔ ایوآن باڑ سے کمر کی ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اُس کے چہرے پر گہرا سوچ جلوہ گر تھا۔ شاید وہ کوئی چیز گھر بھول آیا تھا۔

"رات اچھی تو کٹی میرآن گرگیری وچ ـــــ؟" کرستونیا نے میرآن کا شفقت کا خیر مقدم کیا۔

"خدا کا فضل ہے۔"

"سگرٹ پیو گے؟"

"نہیں، میں نے ابھی ابھی پیا تھا۔"

میرآن نے کاسکوں سے ہاتھ ملائے۔ تکونی ٹوپی سر سے اُتار لی اور مسکرایا:

"بھائیو! آج ہمارے ہاں کیا لینے آئے ہو؟"

کرستونیا نے اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور جلد جواب نہ دے سکا۔ اُس نے کاغذ پر تھوکا اور اُس پر زبان پھیری۔ سگرٹ بنانے کے بعد گویا ہوا "مشکا سے کام ہے۔"

بوڑھا گریشا کا اُن کے پاس سے گزرا۔ اُن کے کندھوں پہ مچھلیاں پکڑنے کا جال تھا۔ ایوآن اور کرستونیا نے اپنی اپنی ٹوپی سر سے اُتار لی۔ بوڑھا جال سیڑھیوں تک لے گیا۔ پھر اُس نے مُڑ کر دیکھا۔

"سپاہیو! گھر میں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ اپنی بیویوں کے ساتھ گلچھرّے اُڑا رہے ہو؟"

"کیوں کیا ہوا؟" کرسٹونیا نے پوچھا۔

"خاموش رہو کرسٹونیا۔ جیسے تم جانتے ہی کچھ نہیں۔"

"بخدا مجھے تو کچھ خبر نہیں بڑھے آبا! صلیب کی قسم مجھے کوئی خبر نہیں۔"

"کل ایک شخص وارانیز سے آیا تھا۔ کوئی سوداگر تھا، یا ماخوف کا رشتہ دار۔ وہ عجیب عجیب باتیں سنا رہا تھا۔ کہتا تھا کہ بالشویک اجنبی سپاہی پوتکف میں آ پہنچے ہیں۔ روس ہم پر ٹوٹ پڑنے والا ہے ۔۔۔ اور تم ۔۔۔ گھروں میں بیٹھے ہوئے مزے اُڑا رہے ہو۔ سنتے ہو مشکا؟ کیا تم کچھ نہ کہو گے۔ تمھارا کیا خیال ہے؟"

"ہمارا کوئی خیال نہیں۔" ایوان نے جواب دیا اور مسکرایا۔

"تمھیں شرم آنی چاہیے۔ وہ ہمیں جال میں پھنسا لیں گے۔ کسان تمھیں قیدی بنا کر لے جائیں گے اور مارے کوڑوں کے تمھاری کھال اُدھیڑ کر رکھ دیں گے۔"

میرن بھی ہنسا۔ کرسٹونیا نے گالوں پر ہاتھ پھیرا۔ ایوان سگرٹ پیتا رہا۔ مشکا کی آنکھیں چمک رہی تھی۔ یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ وہ ہنس رہا تھا، یا غصّے سے جل رہا تھا۔

تھوڑی دیر بات چیت کرنے کے بعد ایوان اور کرسٹونیا نے میرن سے رخصت چاہی اور مشکا کو پھاٹک تک چلنے کا اشارہ کیا۔

"تم کل جلسے میں کیوں نہیں آئے تھے؟"

"مجھے وقت نہ مل سکا۔"

"لیکن تمھیں میلیخوف کے کنبے کے ہاں جانے کا وقت مل گیا تھا؟"

مشکا نے سر ہلایا اور ناراض ہو کر بولا "ہاں میں نہیں آیا تھا۔ تم بھی تو باتوں میں وقت ضائع کرتے ہو۔"

"محاذ سے جس قدر بھی آدمی آئے ہیں جلسے میں شریک ہوئے تھے۔ لیکن تم اور

پیوتڑا نہ آئے۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اپنے نمائندے کمینکا کے گاؤں میں روانہ کریں کیونکہ وہاں محاذ کے فوجیوں کی کانگرس ۲۳ر جنوری کو ہو رہی ہے۔ ہم نے قرعہ اندازی کی تھی۔ مجھے' کرسٹونیا کو اور تمہیں جانا ہوگا۔"

"میں نہیں جاؤں گا"۔ مٹکا نے اعلان کیا۔

"کیا ارادے ہیں تمھارے؟" کرسٹونیا برہم ہُوا۔ اُس نے اُس کا کوٹ بٹن سے پکڑ لیا" کیا تم ساتھیوں سے علیحدگی اختیار کرنا چاہتے ہو؟"

"آج کل پیوتڑا اور اس کی گاڑھی چھنتی ہے" ایوان بولا۔ اُس نے کرسٹونیا کو آستین سے پکڑ کر کھینچا" آؤ چلیں' یہاں کیا رکھا ہے۔ اچھا تو مٹکا! تم نہیں جاؤ گے؟"

"نہیں' مَیں کہ تو چکا ہُوں کہ نہیں جاؤں گا" مٹکا نے ہاتھ ہلا کر انھیں خدا حافظ کہا اور باورچی خانے کی طرف چل دیا۔

"سانپ!" ایوان بڑبڑایا" سانپ!" اُس نے زور سے کہا۔

گھر جاتے ہوئے اُنھوں نے ساتھیوں کو بتایا کہ مٹکا اُن کے ساتھ نہیں جا رہا۔ اس لیے وہ دونوں ہی کانگرس میں شمولیت کے لیے دُوسرے دن روانہ ہو جاتے ہیں گے

۲

دونوں ۲۱ر جنوری کو صبح سویرے ٹاٹار سک روانہ ہوئے۔ یعقوب پوڈکوف نے اُنھیں کمینکا تک لے جانے کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اُس کے گھوڑوں کا جوڑا مضبوط اور توانا تھا۔ گاڑی تیزی سے ڈھلوانوں میں سے گزرنے لگی۔ برف سے سڑک چکنا رہی تھی۔ گاڑی کے پہیے زمین میں دھنسے جاتے تھے۔ گاڑی جھٹکے کھاتی ہوئی چل رہی تھی۔ گھوڑے زور لگا رہے تھے۔ کاسک گاڑی کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ نسیم صبح کی وجہ سے پوڈکوف کے رخسار شعلہ گوں ہو چکے تھے۔ کرسٹونیا چڑھائی پہ زور زور سے سانس لینے لگا' بالکل اُسی طرح جس طرح ڈوبنو میں ۱۹۱۶ء میں اُس کے پیچھے پڑے

زہریلی گیس سے بھر گئے تھے۔

پہاڑی کی چوٹی پر ہوا تیز تھی۔ کاسک خاموش تھے۔ ایوان نے چہرہ بھیڑ کی کھال میں چھپا لیا۔ وہ جنگل کے قریب آ گئے جس میں سے سڑک گزرتی تھی۔ ندی میں کھنور ڈالتی ہوئی ہوا چل رہی تھی۔ برگد کے پیڑوں پر سبز سبز کائی جمی ہوئی تھی۔ ایک بگلا پر پھڑپھڑاتا ہوا سڑک پر سے گزرا۔ ہوا سے دھکیل رہی تھی جیسے وہ اور زور لگا کر چیر رہا تھا اور اس کے پنکھڑے پر سائیں سائیں کر رہے تھے۔

پوڈکوف جس نے گاؤں سے باہر نکل کر بات نہ کی تھی، ایوان کی طرف مڑ کر بولا "کانگرس میں ہر بات کا فیصلہ جنگ کے بغیر ہونا چاہیے۔ جنگ میں کوئی رضاکار نہ جائے گا۔"

"ہاں، ہاں" کرسٹونیا نے اقرار کیا۔ وہ بگلے کی برق پروازی پہ نگاہ جما کر چلتا رہا اور ذہن میں پرندوں کی پُرمسرت زندگی اور انسانوں کی تلخ زندگی کا موازنہ کرتا رہا۔

۲۳ جنوری کی شام کو تاتارسک کی مختصر جماعت کمینکا پہنچ گئی۔ کاسکوں کے ہجوم قصبے کی گلیوں میں سے قصبے کے مرکز کی طرف جا رہے تھے۔ ہر طرف ایک نمایاں ہلچل تھی۔ ایوان اور کرسٹونیا نے گریگر کی اقامت گاہ تلاش کرنی شروع کر دی۔ بوڑھی عورت نے جو منتظمہ خانہ تھی، بتایا کہ وہ کانگرس میں شمولیت کی غرض سے روانہ ہو چکا ہے۔

جب وہ پہنچے تو کانگرس کا اجلاس شروع ہو چکا تھا۔ بے شمار کھڑکیوں والا کمرہ تمام نمائندوں کے لیے ناکافی تھا۔ کاسک سیڑھیوں پر کھڑے تھے اور دوسرے کمرے بھی بھرے ہوئے تھے۔

"میرے پیچھے رہو۔" کرسٹونیا نے ایوان کو کہنی سے اشارہ کیا۔ کاسک مسکرا کر کرسٹونیا کی طرف، جو ان سب سے طویل القامت تھا، نگاہ تحسین سے دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے گریگر کو دیوار سے لگ کر کھڑے ہوئے دیکھا۔ وہ سگرٹ پیتے ہوئے ایک اور نمائندے

سے گفتگو کر رہا تھا۔ جب اُس نے اپنے گاؤں کے دیہاتیوں کو دیکھا تو اُس کے ہونٹوں پر تبسم آ گیا۔

"کون سی ہوا تمھیں یہاں اُڑا کر لے آئی... کہو ایوان — کیسے ہو؟ اچھے تو ہو بابا کرسٹونیا؟"

"اچھا ہوں" — کرسٹونیا ہنسنے لگا اور اُس نے گریگر کا ہاتھ اپنے بڑے بڑے ہاتھوں میں لے لیا۔

"گاؤں کے لوگ کیسے ہیں؟"

"سب اچھے ہیں۔ اُنھوں نے تمھیں سلام بھیجا ہے۔ تمھارے باپ نے تمھیں بلا بھیجا ہے۔"

"پیوترا کا کیا حال ہے؟"

"پیوترا؟" — ایوان مسکرایا "پیوترا ہم سے بلا جُلا نہیں کرتا۔"

"میں جانتا ہوں۔ نتالیا کیسی ہے اور بچے کیا کرتے ہیں؟ کیا کبھی تم نے اُنھیں دیکھا ہے؟"

"سب اچھی طرح ہیں۔"

کرسٹونیا نے میز کے گرد بیٹھے ہوئے اشخاص کی طرف دیکھا۔ پیچھے کھڑے رہ کر بھی وُہ اُنھیں آسانی سے دیکھ سکتا تھا۔ گریگر ابھی تک سوالات کر رہا تھا۔ ایوان نے اُسے گاؤں کی خبریں سنائیں۔ اُن آدمیوں کا ذکر بھی کیا جنھوں نے اُسے کمینکا بھیجا تھا۔ اُس نے پھر کمینکا کے حالات پُوچھے۔ دفعتہً میز کے گرد بیٹھا ہوا ایک شخص چِلّایا "کامریڈ! کان کنوں کا ایک نمائندہ تقریر کرے گا۔ میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ اُس کی تقریر غور سے سُنو اور خاموش رہو۔"

موٹے ہونٹوں والے میانے قد کے ایک مزدور نے بولنا شروع کر دیا۔ آوازوں کا

شور دب گیا۔

مزدور کے ابتدائی الفاظ اور اس کے لب و لہجہ نے گرگیگو اور دوسرے کاسکوں کو مسحور کر دیا۔ اُس نے کلیڈن کی غدارانہ حکمتِ عملی کا تذکرہ کیا جو کاسکوں کو جنگ کی آگ میں جھونک رہا تھا۔ روس کے کسانوں کے خلاف اُنھیں صف آرا کر رہا تھا۔ بالشویکوں کے بلند عزائم پر پانی پھیر رہا تھا۔

"ہم کاسک مزدوروں کی طرف دستِ تعاون بڑھاتے اور امید کرتے ہیں کہ موجودہ کشمکش میں کاسک بھی ہمارے اتحادی ثابت ہوں گے۔ زار اور جرمنی کی جنگ میں ہم دوش بدوش لڑتے رہے ہیں۔ ہم نے سر جوڑ کر خون بہایا ہے۔ اب سرمایہ داروں کے خلاف بھی ہمیں ایک ساتھ ایثار کرنا چاہیے۔ ہم ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر، کندھے سے کندھا ملا کر جنگ میں جائیں گے اور اُنھیں تلواروں کی نوکوں پر رکھ لیں گے جنھوں نے صدیوں سے دُنیا کے مزدوروں کو پابہ زنجیر کر رکھا ہے۔"

"ٹھیک ہے ـــ بالکل ٹھیک ہے۔" ایوان بڑبڑا رہا تھا اور ادھ کھلے مُنہ سے تقریر سُن رہا تھا۔

جب بہت سے مقرر حضرات بول چکے تو چوالیسویں پلٹن کا ایک نمائندہ اُٹھا۔ اُس کی تقریر میں بے جوڑ باتیں تھیں۔ اُس کے فقرے بے مقصد تھے لیکن کاسک اُس کی باتیں ہمدردی سے سُن رہے تھے اور اُنھیں اُس کی ہر بات سے اتفاق تھا۔

"بھائیو ـــ! کانگرس کو کچھ ایسا فیصلہ کرنا چاہیے جو سب کو قبول ہو اور کسی کے لیے شرمناک نہ ہو ـــ میرا مطلب ہے کہ ہمیں اس خونی جنگ سے کسی نہ کسی طرح نجات حاصل کرنی چاہیے۔ ساڑھے تین سال سے ہم خندقوں میں مدفون رہے ہیں۔ اگر جنگ یونہی جاری رہی تو کاسک فنا ہو جائیں گے۔"

"سچ کہتے ہو!"

"ہمیں جنگ نہ کرنی چاہیے۔"

"بالشویکوں اور فوجی کونسل سے ہمیں صاف طور پر کہہ دینا چاہیے۔"

پوشلیکف صدرِ جلسہ تھا۔ اُس نے منبر پر مکا مارا اور شور بند ہو گیا۔ چوالیسویں پلٹن کا نمائندہ آگے بڑھا۔

"نا فوجہ کاس ہیں ہمیں نمائندے بھیجنے چاہئیں اور رضاکاروں سے کہنا چاہیے کہ وہ ہمارا صوبہ خالی کر جائیں۔ بالشویکوں کو بھی یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔ ہم مزدوروں کے دشمنوں سے خود نپٹ لیں گے۔ ہمیں دوسرے لوگوں کی امداد کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اگر ضرورت پڑی تو ہم اُن سے کہہ دیں گے۔ کہ ہماری مدد کرو۔"

لگوٹن جو سنگی کی پلٹن میں رہ چکا تھا، چوالیسویں پلٹن کے نمائندے کے بعد تقریر کرنے کو اُٹھا۔ اس کی تقریر ایک لاواتھی۔ شور و غل سے بارہا اس میں مداخلت کی گئی۔ تجویز ہوئی کہ جب اس دس منٹ تک ملتوی کر دیا جائے۔ جب خاموشی ہو گئی تو پوشیلکف نے اعلان کیا۔ "کاسک بھائیو ۔۔۔ ہم یہاں بیٹھے بحث کر رہے ہیں اور اُدھر مزدوروں کے دشمن غافل نہیں۔ نکلیڈن کے ارادے نیک نہیں۔ اُس کے حکم کی ایک نقل ۔۔۔ ہمارے ہاتھ آ گئی ہے جس پر اُس کے دستخط موجود ہیں اور جس میں شہر کا سے اجلاس کو گرفتار کر لینے کا فوری حکم ہے۔ میں تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں۔"

جب وہ حکم نامہ پڑھ رہا تھا تو کاسکوں میں اضطراب اور غیظ و غضب کی لہر دوڑتی جا رہی تھی۔ اب تو ہنگامہ پہلے سے بھی ترقی پذیر تھا۔ آخر آوازوں کی گرج تھم گئی۔ سٹیج سے ایک کاسک کریلفا شلیکف چھتی ہوئی آواز میں گویا ہوا:

"کلیڈن مردہ باد ۔۔۔ ! کاسک فوجی انقلابی پنچایت زندہ باد !!"

ہجوم نے بھی اُس کے ساتھ نعرہ لگایا۔ ہر ایک نے پسندیدگی کا اظہار کیا۔ کریلفا شلیکف کانپ رہا تھا۔ ابھی شور و غل اچھی طرح مٹنے نہ پایا تھا کہ اُس نے دوبارہ کہا "حاضرین

اجلاس میں سے ابھی ابھی کاساک فوجی انقلابی پنچایت کے عہدیدار منتخب کیے جائیں گے۔ کلیڈن کے خلاف جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا جائے گا۔"

"خوب ۔۔ خوب ۔" ایک آواز آئی۔

ارکانِ اجلاس نے عہدیداروں کے انتخاب کا آغاز کر دیا۔ چوالیسویں پلٹن کے نمائندے اور دوسرے کاسکوں نے کلیڈن سے پُرامن تصفیہ کرنے کا خیال ظاہر کیا لیکن اُسے اکثریت کی حمایت حاصل نہ ہوئی۔ کاساک کلیڈن کا حکم پڑھ کر برانگیختہ ہو چکے تھے اور اُس کی مزاحمت کرنا چاہتے تھے۔

گریگر ختمِ اجلاس تک وہاں نہ ٹھہرا کیونکہ پلٹن کے حکام کی طرف سے بلاوا آ گیا تھا جب وُہ واپس جانے کے لیے مڑا تو اُس نے ایوان اور کرسٹونیا سے کہا "میرے کمرے میں آ کر اطلاع دے دینا کہ کون کون منتخب کیے گئے ہیں۔"

رات پڑ چکی تھی جب ایوان اُس کے کمرے میں داخل ہوا۔

"پوٹیلکف عہدِ رہے اور کریفاشکیف سیکرٹری" ایوان بولا۔

"اور دُوسرے ممبر ۔۔۔ ؟"

"ایوان لگوٹن، گولوتوچف، مذیاف، کودنف، دو چار اور ۔۔۔۔"

"مگر کرسٹونیا کہاں ہے ؟"

"وُہ دوسرے کاسکوں کے ساتھ کمینسکایا کے حکام کو گرفتار کرنے چلا گیا ہے۔ اُس نے منصوبہ مکمل کر لیا تھا۔ اس لیے میں اسے روک نہ سکا۔"

۴

کرسٹونیا خود سحر تک واپس نہ آیا۔ صبح کے فوراً بعد جب وُہ آیا تو زور زور سے سانس لے رہا تھا۔ گریگر نے لیمپ جلایا اور دیکھا کہ اُس کا چہرہ خون آلود تھا۔ ماتھے پر گولی کی خراش کا نشان تھا۔

"یہ کیا ہوا؟ کیا میں اسے باندھ دوں؟ ایک منٹ ٹھہرو جب تک کوئی پٹی ڈھونڈتا ہوں" گریگری بستر سے اٹھا۔

"تم کیوں تکلیف کرتے ہو، بہت جلد آرام ہو جائیگا" کرسٹونیا بڑبڑایا" پلٹن کے حاکم نے مجھ پر گولی چلا دی تھی۔ ہم ان کے پاس مہمانوں کی طرح گئے تھے۔ اس نے اپنا آپ بچانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے اس کے جسم سے روح کھینچ لی ہوتی۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ افسروں کی روح کیسی ہوتی ہے مگر دوسروں نے مجھے ایسا نہ کرنے دیا"...

۵

گریگری کا دوست لفٹنٹ ازوارین پلٹن چھوڑ کر بھاگ گیا قبل اس کے کہ کاسک فوجی انقلابی پنچایت کے سپاہی آکر اسے گولی کا نشانہ بناتے۔ جانے سے پہلے وہ ایک رات گریگری کے پاس آیا۔

"ان حالات میں میرا پلٹن میں رہنا محال ہے" ازوارین نے کہا۔ "کاسک دو منزلوں میں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ شخصی حکومت کے مداحوں اور بالشویکوں کے آلۂ کار بنتے جا رہے ہیں۔ کوئی بھی کلیڈن کی حکومت کی حمایت نہیں کرتا کیونکہ اس کا رویّہ کھلونوں سے کھیلنے والے بچّے کا سا ہے۔ ہمیں ایک مضبوط اور قوی ارادے کے انسان کی ضرورت ہے جو بدیسیوں کو ٹھکانے لگا سکے۔ میرا خیال ہے کہ فی الحال ہمیں کلیڈن کی امداد کرنی چاہیے ورنہ ہم بازی ہار جائیں گے" اس نے سگرٹ سلگایا اور سوال کیا "میرا خیال ہے کہ تم نے سُرخ عقیدہ اپنا لیا ہے۔ بالشویکوں کے عقائد تسلیم کر لیے ہیں"

"ہاں"۔

"سچ کہتے ہو؟ یا تم بھی گولوباف کی طرح ہو جو کاسکوں میں ہر دل عزیز بننا چاہتا ہے"

"مجھے ہر دلعزیزی اور شہرت کی قطعاً ضرورت نہیں۔ میں کسی راستے کی تلاش میں ہوں"

"تم ایک اندھیری گلی میں بھٹک رہے ہو اور ابھی تک تمھیں کوئی راہِ نجات نظر

نہیں آئی۔"

"دیکھا جائے گا۔۔۔۔۔"

"مجھے خدشہ ہے کہ گریگر! اب ہماری تمہاری ملاقات دشمنوں کی طرح ہوگی۔"

"دشمن میدانِ جنگ میں کسی کے دوست نہیں ہوتے" گریگر مسکرایا۔

از دار یین تھوڑی دیر اور بیٹھا پھر رخصت ہو گیا۔ دوسری صبح وہ پانی میں گرنے والے پتھر کی طرح غائب ہو گیا۔

۹

دوسرے دن کلیڈن نے دسویں ڈان کا سک پلٹن کانگرس کے ارکان کو گرفتار کرنے کے لیے روانہ کی۔ انھیں حکم تھا کہ انقلابی جماعت کا ہر شخص، جو کمینسکا میں داخل ہو چکا ہے، غیر مسلح کر دیا جائے۔ وہ فوج گاڑی سے اتری تو اجلاس انتہائی سرگرمی کے عالم میں تھا۔ نووارد کاسک بھی، جو دوسری پلٹنوں سے آئے ہوئے تھے، بطور تفریح اجلاس میں شامل ہو چکے تھے۔ بالشویک مداحوں نے ان کے دلوں میں جوش و خروش بھر دیا تھا۔ کلیڈن کی فوج کے سپاہی بھی جذبات کی رَو میں بہ گئے اور وہ بھی کانگرس کے اجلاس میں شریک ہو گئے۔ جب پلٹن کے کماندار نے انھیں کلیڈن کے فرمان کی تعمیل کا حکم دیا تو انھوں نے صاف انکار کر دیا۔

اسی اثنا میں کمینسکا سرگرمیوں کی بدولت گرم ہو چکا تھا۔ کاسکوں کے گروہ ریل کی پٹڑیوں پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجے گئے۔ کاسکوں کے افسروں کا چناؤ کیا گیا۔ وہ کاسک، جو جنگ میں شریک نہ ہونا چاہتے تھے، چپکے سے کھسک گئے اور ہر طرف سے ہر گاؤں کے نمائندے ابھی تک کمینسکا میں آ رہے تھے۔ کمینسکا کی سڑکوں پر انسانوں کا اس قدر ہجوم کبھی نہ دیکھا گیا تھا۔

۲۶ جنوری کو ڈان کی فوجی حکومت کے نمائندے مصالحت کی غرض سے کمینسکا

آئے۔ سٹیشن پر زبردست ہجوم تھا۔ ڈاک خانے کی عمارت میں فوجی حکومت کے نمائندوں کو جگہ دی گئی۔ مصالحت کی گفتگو رات کا بہت زیادہ حصہ گذر جانے تک جاری رہی۔

کانفرنس میں کوئی تصفیہ نہ ہو سکا۔ مصالحت کی گفت و شنید ٹوٹ گئی۔ کوئی دو بجے شب کو جب گفت و شنید ناکام ہونے والی تھی، فوجی حکومت کے نمائندوں میں سے ایک نے تجویز پیش کی کہ فوجی انقلابی پنچایت اپنے مصالحتی نمائندے نافوچرکاس روانہ کیسے تاکہ آخری فیصلہ آسان ہو سکے۔ یہ تجویز منظور کر لی گئی۔

فوجی حکومت کے نمائندے رخصت ہو گئے۔ ان کی روانگی کے فوراً بعد فوجی انقلابی پنچایت کے نمائندے نافوچرکاس روانہ ہوئے۔ پوڈٹیلکف اُن کا سرغنہ تھا۔ اٹامن کی فوج کے افسروں کو بطور یرغمال کمینکا میں رکھ لیا گیا۔

⁂

گاڑیوں کی کھڑکیوں میں برفیلی ہوا کا طوفان آرہا تھا۔ برف کے گالے پڑتے دکھائی دے رہے تھے۔ ریلوے کے کوارٹر، تار کے کھمبے برف سے ڈھک چکے تھے۔ گاڑی کے ڈبے میں سگرٹوں کا دھواں پھیلا ہوا تھا پھر بھی وہ سرد تھا۔ مجلسِ مندوبین کو کامیابی کا پورا یقین تھا۔ پوڈٹیلکف نے اظہارِ خیال کیا "میرے خیال میں کوئی نتیجہ نہ نکلے گا۔ ہم کسی فیصلے پر نہ پہنچ سکیں گے۔"

پھر خاموشی طاری ہو گئی۔ نافوچرکاس نزدیک آ گیا۔ ملینف نے ایک داستان سنائی "پرانے وقتوں میں جب اٹامن کی پلٹن میعادِ خدمت ختم کر چکی تھی تو اُسے گھر بھیجنے کا انتظام کیا جاتا تھا۔ وہ سامان سے صندوق بھرنے شروع کر دیتے۔ گھوڑے اور سارا سامان گاڑی میں رکھ دیتے۔ گاڑی چل پڑتی۔ ڈان پر پہنچ کر گاڑی نہایت آہستہ چلتی کیونکہ انجن ڈرائیور کو علم ہوتا تھا کہ اُس کے آگے کیا ہے ــــ "ڈان ــــ ہمارا بوڑھا ابا ڈان ــــ شریف النفس ڈان ــــ اُن داتا ڈان!" کاسک پاگل

ہو جاتے۔ پرانی ٹوپیاں، پرانی پتلونیں اور پرانے کوٹ دریا کی سطح پر تیرنے لگتے۔ وہ ڈان کے لیے تحائف بھی ساتھ لاتے..... مگر یہ ایک پرانا رواج تھا...."

گاڑی آہستہ ہو گئی پھر رک گئی۔ کاسک اٹھے اور اپنے اپنے کوٹ کے بٹن لگانے لگے۔ کریلنا شلیکف مسکرا کر بولا "لیجیے آخر آ ہی پہنچے"۔

"وہ اپنے مہمانوں کا کوئی شاندار خیر مقدم نہیں کر رہے — !" سکا چیف نے مذاقاً کہا۔

ایک طویل القامت کپتان نے دروازہ کھولا اور کمرے کے اندر آ گیا۔ اس نے ہر چہرے کا جائزہ لیا۔ اس کی آنکھوں میں عناد کی جھلک تھی اور نہایت کرخت لہجے میں بولا "مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ میں تمھیں ساتھ لے چلوں۔ جس قدر جلد ہو سکے ڈبا خالی کر دو — بالشویکو! — میں تمھاری حفاظت کا ذمہ نہیں لے سکتا"۔

"یہ ہیں شیطان! — دغاباز — کاسکوں کے دشمن" — پلیٹ فارم پر ہجوم بڑبڑا رہا تھا۔ پوٹیلکف زرد پڑ گیا۔ اس نے کریلنا شلیکف کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔ افسروں کا ایک زبردست دستہ جماعت مندوبین کی حفاظت کے لیے متعین تھا۔ حکومت کے دروازوں تک ہجوم نے ان کا تعاقب کیا۔ ہجوم مشتعل تھا۔ وہ پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ انھیں یہیں ڈھیر کر دو۔ افسر اور امیرزادے ہی نہیں۔ عورتیں اور طالب علم بھی اسی رائے کا اظہار کر رہے تھے۔ کاسک بھی انھیں گالیاں دے رہے تھے۔

دفتر حکومت کا کمرہ وسیع نہ تھا۔ اس میں ہجوم سما نہ سکتا تھا۔ جماعت مندوبین جب اپنی جگہ بیٹھ چکی تو حکومت کے نمائندے بھی آ گئے۔ باگوفسکی اور کلیڈن بھی ان میں شامل تھے۔ وہ کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ گیا۔ اس نے سر کے بالوں پر ہاتھ پھیرا اور کوٹ کا بٹن لگایا۔ پھر وہ باگوفسکی کے قریب جھک گیا اور نہ جانے اس سے کیا سرگوشی

کی۔ اس کی ہر نقل و حرکت میں تیقن اور اعتماد کی جھلک تھی۔ باگوفسکی مضطرب دکھائی دیتا تھا۔ وہ سرگوشیاں کرتا رہا۔ اُس کی ترچھی آنکھیں عینک کے پیچھے چمک رہی تھیں۔ اُس کی نقل و حرکت اضطراب کی غمازی کر رہی تھی۔ اُس نے ٹھوڑی کھجاتے اور ابرو کھینچتے ہوئے قمیص کا کالر درست کیا۔ حکومت کے دُوسرے نمائندے اُن کے پیچھے بیٹھ گئے جرنیل نے پوٹیلیکف کی طرف دیکھا اور بولا "میرے خیال میں ہمیں آغاز کر دینا چاہیے۔"

پوٹیلیکف مسکرایا اور اُس نے زوردار آواز میں اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔ کریلفا شلیکف نے بھی فوجی انقلابی پنچایت کا مطالبہ پیش کر دیا۔ کلیڈن نے اُسے سفید ہاتھ ہلا کر مسترد کر دیا۔

"تضیعِ اوقات کی ضرورت نہیں۔ بجائے اس کے کہ ہر شخص فرداً فرداً تمہارا یہ مطالبہ پڑھے۔ براہِ کرم سب کو اسے پڑھ کر سُنا دو۔"

کریلفا شلیکف اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس نے نسوانی آواز میں اپنی جماعت کے مطالبات پڑھنے شروع کیے۔ لکھا تھا کہ فوجی حکومت اور فوجی اٹامن کو دست بردار ہو جانا چاہیے۔

"کن فوجوں نے تمہیں یہ مطالبہ کرنے کی اجازت دی ہے؟" کلیڈن نے سوال کیا۔

پوٹیلیکف اور کریلفا شلیکف کی نگاہیں آپس میں ملیں اور اُنھوں نے پلٹنوں کے نام گننے شروع کر دیے "اٹامن کی حفاظتی فوج ـــ کاسکوں کی حفاظتی فوج، چھٹی اور تینتیسویں توپچی پلٹنیں، چوالیسویں پلٹن ....." جب وُہ پلٹنوں کے نام گنوا رہا تھا تو ہجوم مسکرا کر تمسخر انگیز فقرے کس رہا تھا۔ اس نے بالوں سے بھرا ہوا ہاتھ میز پر زور سے مارا اور سلسلۂ کلام جاری رکھا "اٹھائیسویں پلٹن، اٹھائیسواں توپ خانہ، ستائیسویں پلٹن، چودھویں پلٹن ....."

جب وُہ جملہ ختم کر چکا تو کلیڈن نے چند اور غیر ضروری سوالات کیے۔ اس نے پوڈٹیلکف کی طرف دیکھتے ہوئے مطالبہ کیا "تم بالشویکوں کی حکومت تسلیم کرتے ہو؟"

پوڈٹیلکف نے پانی کا گلاس پیا اور اُسے میز پر رکھ دیا۔ بھیگی ہوئی مونچھیں آستین سے پونچھیں اور بولا :

"اس کا جواب ہر طبقہ دے سکتا ہے۔"

کریفا شنکیف نے مداخلت کی۔ کیونکہ اُسے ڈر تھا کہ پوڈٹیلکف کہیں کوئی زیادتی نہ کر جائے۔

"کاسک کسی بھی ایسی حکومت کے مخالف نہیں جو عوام کی بہتری چاہتی ہو۔ ہم کاسک ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری اپنی حکومت ہو۔"

"ہم اس فقرے سے کیا مراد لیں جب برونشٹین اور ایسے ہی دوسرے اشخاص اس پنچایتی حکومت کے صدر رہوں؟"

"دوسرے روس نے ایسے اشخاص پر اعتبار کیا ہے اس لیے ہم بھی اُن پر اعتبار کریں گے۔"

"اُن سے تعلق بھی رکھو گے؟"

"ہاں۔"

کلیڈن نے اُنگلی اُٹھا کر سوال کیا "تم میں اور بالشویکوں میں کون سی مطابقت ہے؟"

"ہم کاسکوں کی خود مختار حکومت چاہتے ہیں۔ سارے ڈان کے صُوبے میں۔"

"ہاں ہاں مگر کیا تمھیں معلوم ہے، ارفوروی کو فوجی کونسل بلوائی جارہی ہے؟ اور ممبروں کا دوبارہ انتخاب ہوگا۔ کیا تم مخلوط قبضے پر رضامند ہو جاؤ گے؟"

"ہرگز نہیں" پوڈٹیلکف نے آنکھیں اُٹھائیں اور فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا "اگر ہم

اقلیت میں ہوں گے تو تم سے تعاون کے لیے کہیں گے۔"

"یہ حکومت تو پھر متشدد ہوئی!"

باگوفسکی نے پوٹیلیکف اور کریفاشیلیکف کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا" فوجی کونسل کو تسلیم کرتے ہو؟"

"اس صورت میں کہ ڈان فوجی انقلابی پنچایت کے فوجی نمائندے بھی اس میں لیے جائیں۔ اگر ہماری کانگرس مطمئن نہ ہوگی تو ہم فوجی کونسل کو تسلیم نہ کریں گے۔"

"لیکن ان معاملات کا منصف کون ہوگا؟" کلیڈن نے سوال کیا۔

"عوام"۔۔۔ پوٹیلیکف نے غرور سے سر اٹھا کر کہا۔

چند لمحوں کے توقف کے بعد کلیڈن بولا۔۔۔ ہال کا شور ختم گیا:

فوجی حکومت طاقت سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں۔ اس لیے وہ ڈان فوجی انقلابی پنچایت کا مطالبہ ماننے سے انکار کرتی ہے۔ موجودہ فوجی حکومت ڈان کی آبادی نے منتخب کی ہے۔ انفرادی مطالبے کے پیش نظر وہ طاقت سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں۔ تم بالشویکوں کے ہاتھوں میں اندھے ہتھیار ہو۔ تم جرمنی کی مدد کر رہے ہو اور کاسکوں کی ذمہ داری سے بے بہرہ ہو۔ میں تمہیں دوبارہ اس فیصلے پر غور کرنے کا مشورہ دیتا ہوں۔ تم ایسی حکومت سے ٹکر لے کر، جو عوام نے انتخاب کی ہے، کاسکوں کی اور صوبے کی مصیبت کا باعث بن رہے ہو۔ میں اپنے اس اقتدار سے چمٹا رہنا نہیں چاہتا۔ جلد ہی ایک فوجی کونسل بلائی جائے گی اور وہ ملک کے مقدر کا فیصلہ کر دے گی۔ جب تک فوجی کونسل کا اجلاس منعقد نہیں ہوتا۔ میں اپنے عہدے پر متمکن رہونگا۔ میں آخری دفعہ تم سے صورت حال پر غور کرنے کا مطالبہ کرتا ہوں۔"

پوٹیلیکف نے کرسی پیچھے ہٹادی اور اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ تقریر کے الفاظ ڈھونڈنے لگا:

"اگر فوجی حکومت قابلِ اعتبار ہوتی تو میں بے جھجک اپنے مطالبات ٹھکرا دیتا لیکن عوام کو اس حکومت پر اعتبار نہیں۔ خانہ جنگی کے موجب ہم نہیں تم ہو۔ تم نے معزور جرنیلوں کو ہماری سرزمین میں پناہ کیوں دی ہے؟ ــــ اسی لیے تو بالشویک چڑھائی کر رہے ہیں۔ ہمارے شریف النفس ڈان کو مجروح کر رہے ہیں۔ میں تمہارا مطیع نہ ہوں گا۔ تمہیں سب سے پہلے میرے مُردہ جسم پر سے گزرنا ہوگا۔ مجھے اعتبار نہیں کہ فوجی کونسل بھی ڈان کی تباہی سے محفوظ رکھ سکے۔ مجھے بتاؤ کیا فوجی حکومت ذمہ لے سکتی ہے کہ وہ خانہ جنگی کو روک لے گی؟ عوام اور میدانِ جنگ کے سپاہی ہمارے ساتھ ہیں۔"

ہال قہقہوں سے گونج اُٹھا۔ ہجوم پوشیلیف کے خلاف بھڑک چکا تھا۔ اُس نے تمتایا ہوا چہرہ ان کی طرف کر دیا۔

"اب تم ہنس رہے ہو لیکن جب تم سے بُرا سلوک کیا گیا تو رو دو گے" ــــ وہ کلیڈن کی طرف مڑا ــــ "ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ حکومت ہمارے ہاتھوں میں دے دو۔ ہم مزدور عوام کے نمائندے ہیں اور سرمایہ داروں کی رضاکار فوج کو اس صوبے سے نکال دو۔"

کلیڈن کی اجازت سے ڈان فوجی حکومت کے کئی مقررین نے ڈان فوجی انقلابی پنچایت کو سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات نکلا۔ ہال دھوئیں سے بھر چکا تھا۔ کھڑکی میں سے نظر آتا ہوا سورج سفر کے اختتام تک پہنچ چکا تھا۔

لگوٹن اب زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکا۔ اُس نے ایک مقرر کا قطع کلام کرتے ہوئے کلیڈن سے کہا "کوئی فیصلہ ہونا چاہیے۔ یہ گفت و شنید ختم ہو جانی چاہیے۔"

بافسکی نے نفی میں سر ہلایا "جلدبازی سے کام نہ لو لگوٹن!۔ پانی کا گلاس پی لو۔ مشتعل ہونا ٹھیک نہیں۔ کسی مقرر کا قطع کلام بھی نہ کرنا چاہیے۔ یہ بالشویکوں کی مجلس نہیں۔"

ایک لمحے کے بعد کلیڈن اُٹھا۔ اُس نے جواب پہلے ہی سے تیار کر لیا تھا۔ فوجوں کو پہلے سے کمینسکایہ پر دھاوا بولنے کا حکم دے دیا تھا۔ وہ وقت کے حصول کے لیے

ایسی باتیں کر رہا تھا۔ اُس نے کانفرنس کو اس جملے پر ختم کر دیا:

"ڈان کی فوجی حکومت ڈان کی فوجی انقلابی پنچایت کے مطالبات پر غور کرے گی اور جواب کل دس بجے کمینسکا بھیج دے گی۔"

۸

فوجی حکومت کا جواب دُوسرے دن فوجی انقلابی جماعت کے سپرد کر دیا گیا جس میں انقلابی کمیٹی کی تجویز مسترد کر دی گئی تھی۔ فوجی انقلابی کمیٹی کو ہتھیار ڈال دینے کی ہدایت کر کے اطاعت قبول کرنے پر زور دیا گیا تھا۔ ان الفاظ کا مزید اضافہ کیا گیا تھا کہ فوجی انقلابی جماعت کو فوجی حکومت سے تعاون کرتے ہوئے بالشویک فوج کے خلاف جنگ کا اعلان کر دینا چاہیے۔ ورنہ بالشویک حکومت کے پاس مصالحت کے لیے جانے والے وفد میں شریک ہو جانا چاہیے۔ آخری شرط کو مندوبین کی جماعت نے قبول کر لیا۔ لگوٹن اور سکاچکف تاگن راگ کو جانے والے وفد کے رُکن بن گئے۔ پوڈٹیلکف اور دوسرے ممبروں کو نا فوچر کاس میں رکھ لیا گیا تھا۔ اسی اثنا میں کلیڈن کی افواج نے کرنل چرنٹسف کے زیرِ سرکردگی سٹیشن لیکھی پر قبضہ کر کے کمینسکا کی طرف پیش قدمی کا آغاز کر دیا اور ۱۷ جولائی کو اس قصبے پر قابض ہو گئیں۔

انقلابی فوج کو کمینسکا چھوڑنا پڑا۔ پسپا شدہ کاسک منتشر صورت میں ریل گاڑی پر سوار ہونے لگے۔ ہر اس چیز کو وہیں چھوڑ آئے جس کا ساتھ لے جانا محال تھا۔ تنظیم کی قلت اور لائق افسروں کی کمی ان کی شکست کا موجب بنی۔ منتخب کمانداروں میں سے کپتان گولوباف کا نام بڑی شدومد سے لیا جا رہا تھا۔ اُس نے ستائیسویں پلٹن کی کمان ہاتھ میں لے کر تنظیم بحال کر دی۔ کاسکوں نے اُس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا کیونکہ انھیں اُس کی استعداد کا علم تھا جب کاسک کمینسکا خالی کر رہے تھے تو وہ چلایا "کیا کر رہے ہو؟ آنکھ مچولی کھیل رہے ہو؟ میں انقلاب کے نام پر تمھیں مطیع ہو جانے

کا حکم دیتا ہوں ـــ کون ہے وہ بدمعاش ؟ میں اسے گولی سے اڑا دوں۔ خاموش ہو جاؤ۔"
کاسک مطیع ہو گئے۔ اُن میں رجعت پسندانہ عنصر ابھی باقی تھا۔ پرانے دقتوں میں اسی کو بہترین کمانڈر سمجھا جاتا تھا جو سخت گیر ہو اور ظالم بھی۔ انھوں نے کپتان گولوباف کو بہترین کمانڈر تسلیم کیا۔

۹

فوجی انقلابی جماعت کی افواج گولابکا کے قصبے تک پسپا ہو گئیں۔ اب گولوباف اس فوج کا کرتا دھرتا تھا۔ دو دن کے اندر اس نے بکھری ہوئی فوج دوبارہ منظم اور متحد کر دی۔
اس کی خواہش پر گریگر میلیخوف نے ایک ڈویژن کی سرکردگی منظور کر لی۔
۲ر فروری کو، جب چاندنی کھلی ہوئی تھی، گریگر نے سرحدی چوکیوں کا چکر لگایا۔
رات کو دھند پڑنے کے آثار پائے جاتے تھے۔ مشرق کی طرف سے ہوا چلنی شروع ہو گئی تھی۔ آسمان صاف تھا۔ برف اُس کے قدموں میں چرمرا رہی تھی۔ چاند آہستہ آہستہ بلند ہو رہا تھا، ایک بیمار کی طرح سیڑھیاں چڑھتے ہوا۔ گھروں کے پرے میدان میں دھواں دھواں تھا۔ دور کی ہر چیز دُھندلکے میں چھپ گئی تھی۔
چکر لگانے کے بعد وہ اپنی قیام گاہ پر واپس آ گیا۔ اس کا میزبان، جو ریلوے کا مزدور تھا، سماوار گرم کر رہا تھا۔
"کیا حملہ کرنے کا ارادہ ہے ؟" اس نے پوچھا۔
"کوئی خبر نہیں" گریگر نے جواب دیا۔
"کہیں دشمن کی آمد کا انتظار تو نہیں کر رہے ہو ؟"
"دیکھا جائے گا"
"اب تمھارے پاس مقابلے کے لیے ہے بھی کیا ؟ ا... یے انتظار کرنا ہی بہتر ہے۔ میں بھی جرمنی کی جنگ میں گیا تھا۔ مجھے جنگ کے ہتھکنڈے خوب معلوم ہیں۔ تمھاری فوج بھی

تو تھوڑی سی ہے۔"

"خاصی ہے۔" گرنگیہ اصل میں گفتگو کو نظر انداز کرنا چاہتا تھا۔

لیکن اس کا میزبان سوالات کرنے پر تلا بیٹھا تھا۔

"تو خزانہ خاصا ہے — توپیں بھی اور مشین گنیں بھی بڑی تعداد میں ہونگی؟"

"تم بھی فوج میں رہ چکے ہو۔ کیا تمھیں ایک سپاہی کے فرائض کا بھی علم نہیں؟"

گرنگیہ نے غضب آلود ہو کر کہا "تمھیں کیا حق ہے کہ ہماری فوج کے متعلق سوال کرو۔ میں تمھیں ابھی گرفتار کرا دوں گا۔"

میزبان کا رنگ زرد پڑ گیا "میرے خدا — ! پیارے افسر — !! میں بیوقوف ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔"

جلد ہی دوسری محافظ فوج کے چھ کاسک بھی آ کر چائے پینے لگے۔ گرنگیہ اونگھ رہا تھا مگر وہ ان کی گفتگو بھی سنتا جا رہا تھا۔

"میں وہاں موجود تھا جب یہ واقعہ ہوا۔ گرد لاذ کا سے نین کان کن آتے اور کہنے لگے کہ انھوں نے فوج جمع کر لی ہے لیکن اُن کے پاس ہتھیار نہ تھے۔ اس لیے انھوں نے ہم سے کہا کہ فالتو ہتھیار ہمیں دے دو۔ پوٹیلکف .... میں نے خود کانوں سے سُنا ...... ان سے کہنے لگا 'جاؤ کہیں اور سے مانگو' ہمارے پاس کچھ نہیں' لیکن اُسے کیونکر پتا ہے کہ ہمارے پاس کچھ نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ ہمارے پاس بندوقیں محفوظ پڑی ہیں   اصل میں پوٹیلکف کسانوں سے خار کھاتا تھا ..."

"کسانوں سے حسد ہونا ہی چاہیے" دوسرا بولا "ہتھیار دینے کے بعد بھی ان کا کیا بھروسا' لڑیں یا نہ لڑیں لیکن جونہی زمین کا معاملہ درپیش ہو گا وہ آ دھمکیں گے۔"

پہلے بولنے والے نے میز پر چچہ مارتے ہوئے جواب دیا "نہیں' ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ بالشویک ہم سے انصاف کریں گے۔ اب ہم بھی تو ایک طرح بالشویک —

ہیں۔ سب سے پہلے ہمیں کلیڈن کو نیچا دکھانا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"لیکن میرے دوست! ــ تم دیکھ رہے ہو کہ ہمارے پاس دینے کے لیے کچھ نہیں ہمارے پاس تین ایکڑ زمین کام کی ہے اور باقی ناکارہ ہے اس لیے ہم انھیں دے ہی کیا سکیں گے؟"

"تم سے وہ کچھ نہ لیں گے لیکن دوسرے بھی تو ہیں جن کے پاس بےشمار اراضی ہے۔"

غنودگی کے عالم میں اس نے دیکھا کہ کاسک چٹائی پر لیٹ گئے تھے اور ابھی تک زمینوں کے بٹوارے کے متعلق بحث کر رہے تھے۔

۱۰

صبح کو وہ کھڑکی میں گولی لگنے سے جاگ پڑے۔ گریگر نے جلد جلد قمیص پہنا اور دوڑتا ہوا بوٹ اور کوٹ پہننے لگا۔ سڑک پر گولیوں کی تڑتڑ سنائی دے رہی تھی۔ ایک گاڑی کھڑکھڑاتی ہوئی گزری۔ اس میں سے کوئی بولا "ہتھیار سنبھال لو ــ ہتھیار سنبھال لو۔"

چرنتسف کی فوجیں تعاقب کرتی ہوئی قصبے میں داخل ہو گئی تھیں۔ گھوڑسوار دوڑ رہے تھے۔ آدمی سڑکوں پر زور زور سے بوٹ پٹکتے ہوئے بھاگ رہے تھے۔ سڑک کے کونے پر مشین گن لگائی جا چکی تھی۔ تین کاسک سڑک روکے کھڑے تھے۔ دوسرا گروہ سڑک کی دوسری طرف دوڑتا جا رہا تھا۔ توپخانے کی گرج سنائی دی۔ مشین گنیں تڑتڑانے لگیں۔ دوسری سڑک پر فوجی باورچی خانہ الٹ گیا۔

بڑی مشکل سے گریگر اپنی کمپنی کو مجتمع کر کے سٹیشن کی طرف لپکا۔ کاسک پہلے ہی سے پسپا ہونے شروع ہو گئے تھے "کہاں جا رہے ہو؟" گریگر نے پہلے ہی آدمی کی بندوق پکڑ کر سوال کیا۔

"جانے دے ــ چھوڑ دے سور۔ دیکھتا نہیں کہ ہم پسپا ہو رہے ہیں۔ تو یہاں رو کنے

والا کون ہوتا ہے؟

"ایک تھپڑ رسید کر اس کے۔ بیوقوف کو مار کر نیچے گرا دے!" پیچھے سے کسی نے پہلے کاسک کو آواز دی۔

مال گودام کے پاس گریگر نے اپنی کمپنی کو ٹھہرا دیا لیکن پسپا ہونے والے کاسکوں کی دوسری قطار نے بھاگنا شروع کر دیا۔ کمپنی کے کاسک بھی ان میں شامل ہونے لگے "ٹھہرو ورنہ گولی چلا دوں گا" لیکن انھوں نے ایک نہ سنی۔ مشین گن کی گولیاں سڑک پر برسنی شروع ہو چکی تھیں۔ کاسک زمین پر گر کر رینگنے لگے۔

"گریگر میلیخوف! اب انھیں روکنا بہت دشوار ہے" ایک افسر چلایا۔ گریگر نے اس کا ساتھ دیا۔ کاسکوں میں ہراس پھیل چکا تھا اس لیے انھیں گولا بارود بھی چھوڑنا پڑا اور سامان کا بیشتر حصہ وہیں رہ گیا۔ صبح کے وقت دوبارہ کمپنیوں کو منظم کر کے جوابی حملے کی تیاری کی گئی۔

بھیڑ کی کھال پہنے ہوئے اور سینے میں شرابور کپتان گولوباف ستائیسویں پلٹن کی قطاروں میں حیران و پریشان پھر رہا تھا "آگے بڑھو آگے —— آج لیٹنا نہیں —— بڑھتے جانا۔"

جنگ چھڑ گئی۔ کاسکوں کی ملی جلی فوج —— اور وادا نیز سے آتی ہوئی سرخ فوج قطار اندر قطار بڑھتی جا رہی تھی۔ رگوں میں خون کو جما دینے والی ہوا چل رہی تھی۔ ہوا کے اڑتے ہوئے بادلوں کے پیچھے آسمان خون رنگ ہو چکا تھا۔ گریگر اٹامن فوج کی نصف کمپنی کو چودھویں توپخانے میں بھیج کر باقی فوجوں کے ہمراہ حملہ کر چکا تھا۔ پہلا گولہ چرنتسف کی فوج سے دور گرا۔ دوسرا ان کے سر پر پھٹا۔ دشمن کی فوج لیٹ گئی۔ گریگر نے آنکھیں سکیڑ کر دیکھا اور خیال کیا "پہل ہمارے ہاتھ رہی ہے۔"

دائیں بازو پر چوالیسویں فوج کی کمپنیاں تھیں۔ گولوباف ان کی کمان کرتا ہوا مرکز کی

طرف بڑھ آ جا رہا تھا۔ گرِیگر بائیں بازو پہ تھا اور بیچ میں سُرخ فوج تھی۔ گرِیگر کی کمپنی کو تین مشین گنیں دی گئی تھیں۔ مشین گن کے دستے کا کمانڈر انھیں نہایت خوش اسلوبی سے چلا کر دُشمن کے ہراول دستوں کو نشانہ بازی سے مفلوج کر رہا تھا۔ وُہ ہر وقت مشین گن کے دستے کے ساتھ رہتا۔ گرِیگر نے دیکھا کہ اُن میں ایک عورت بھی تھی "عورت اور جنگ میں حصّہ لے رہی ہے۔ ایسا کونسا کمانڈر ہے جو اپنی عورت سے جُدا نہیں ہو سکتا۔ بچوّں کو ساتھ کیوں نہ لے آیا" گرِیگر سوچ رہا تھا۔

مشین گن کے دستے کا کمانڈر نزدیک آ گیا۔

"اس کمپنی کے کمانڈر تم ہو؟"

"ہاں" گرِیگر نے جواب دیا۔

"میں اتامن کمپنی کے محاذ میں گولیاں برسانے لگا ہوں کیونکہ دُشمن اس کی پیش قدمی میں مزاحم ہو رہا ہے۔"

"بہت اچھّا"۔ گرِیگر نے ہاں میں ہاں ملائی۔

مشین گن آگ اُگلنے لگی۔

"بنچیک! ــــ اتنی جلد بازی سے کام نہ لو کہیں مشین گن کی نالی نہ پگھل جائے۔"

عورت، جو سپاہیوں کی وردی پہنے ہوئے تھی، مشین گن پہ جُھک گئی۔ اُس کی سیاہ آنکھیں اور سر پہ سفید رومال ــــ گرِیگر کو اکسینیا یاد آ گئی۔ ایک لمحے کے لیے وہ اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

۱۱

دوپہر کو ایک اردلی گولوبوف کی طرف سے آیا۔ جس میں گرِیگر کو اپنی دو کمپنیاں محاذ سے ہٹا لینے کی ہدایت کی گئی تھی اور حُکم دیا تھا کہ دائیں بازو سے دُشمن کو گھیرے میں لے لو۔ اُسے فوراً ہی دُشمن کے دائیں بازو پہ ضرب لگانی تھی۔ گرِیگر دو کمپنیاں ہٹا کر ایک وادی میں

انھیں آٹھ میل دُور لے گیا۔ گھوڑے گہری پڑی ہوئی برف پر لڑکھڑا رہے تھے۔ گرگیر گولی چلنے کی آواز پر کان لگائے ہوئے گھڑی پر مضطربانہ نگاہ ڈال رہا تھا۔ یہ گھڑی اُس نے ایک مُردہ جرمن افسر کی کلائی سے اُتاری تھی۔ اُس نے قطب نما کی مدد سے کمپنیوں کو ان کی منزل بتائی۔ وہ گھوم پھر کر ایک کھلے کھیت میں آ گئے۔ گرگیر نے انھیں گھوڑوں سے اُتر جانے کا حکم دیا۔ گھوڑے وادیوں میں چھوڑ دیے گئے۔ کاسک اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے ادھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ اُس نے مڑ کر دیکھا۔ کاسک دُور دُور تک پھیل چکے تھے۔ اسے کامیابی کا یقین ہو گیا۔

جنگ کا اندازہ کرنے اور صورتِ حال کو بھانپتے ہوئے اُس نے سوچا کہ اُسے نصف گھنٹے کی دیر ہو چکی ہے۔ گرداف نے نہایت دلیری سے چرنشیف کی فوجوں کا عقبی حصّہ چیر کر رکھ دیا تھا اور اب سامنے سے اُن پر حملہ آور ہو رہا تھا۔ بندوق کی گولیاں نرسے پر پھڑکتے ہوئے گھی کی طرح تڑپ کر دُشمن کی شکست خوردہ قطاروں میں ابتری پھیلا رہی تھیں۔

"آگے بڑھو۔" گرگیر چلّایا۔

اُس نے ساتھیوں کی معیّت میں دُشمن پر دباؤ ڈال دیا۔ کاسکوں نے اندھا دُھند پیش قدمی کی۔ چرنشیف کی مشین گن جوہر دکھانے لگی۔ کاسک لیٹ گئے مگر ان کے تین آدمیوں کا جانی نقصان ہوا۔

دوپہر کو گرگیر کے گھٹنے پر گولی لگی۔ خون بہنے کی وجہ سے وہ دانت کٹکٹا رہا تھا۔ وُہ رینگتا ہوا قطار سے باہر آ گیا۔ اُس کے سر میں بے پناہ درد ہو رہا تھا۔ گولی اُس کے گوشت میں ابھی تک موجود تھی اور وہاں چبھن سی ہو رہی تھی۔ تکلیف نے نقل و حرکت دشوار کر دی۔ اُسے بازخیریں لیفین کا وہ حملہ یاد آ گیا جس میں اُس کے بازو پر گولی لگی تھی۔

گرگیر کے نائب نے کمپنیوں کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی اور اُس نے دو کاسکوں کو حکم دیا کہ گرگیر کو گھوڑوں پر ڈال کر واپس جائیں۔ اُنھوں نے اُسے گھوڑے پر بٹھا کر اس کا زخم باندھ

دیا۔ گرگیگر زین پر بیٹھ چکا تھا۔ وہ اردلیوں کے ہمراہ وادی کے راستے میں سے گزرتا ہوا
اُسی جگہ پہنچ گیا جہاں سے جوابی حملے کی ابتدا ہوئی تھی۔ غنودگی کے عالم میں اُس نے برف پر
پڑے ہوئے گھوڑوں کے نقشِ پا دیکھے اور گر لی لگنے کے واقعے کو جیسے مدت گزر چکی تھی'
وہ اب اور ہی باتیں سوچ رہا تھا۔

دو میل تک وادی میں چلتے رہے۔ گھوڑے چڑھائی کی وجہ سے تھکے ہوئے تھے "کھلے
میدان میں چلو۔" گرگیگر نے حکم دیا اور اس نے اپنا گھوڑا ڈھلان کی طرف کر لیا۔ دُور
فاصلے پر اُجلی لاشیں ہی لاشیں بکھری ہوئی نظر آئیں۔ جیسے کترے جم کر بیٹھے ہوئے ہوں۔
اُفق پر ایک چھوٹا سا بے سوار گھوڑا سرپٹ دوڑ رہا تھا۔ گرگیگر نے دُشمن کی فوج کو ابتری
کی حالت میں دیکھا۔ دُشمن گرلابکا کی طرف پسپا ہو رہا تھا۔ اُس نے اپنی گھوڑی کے ایڑ لگا دی۔
تھوڑی دُور کاسکوں کے بکھرے ہوئے دستے تھے۔ جب گرگیگر اُن کے قریب پہنچا تو
اُس نے گرتوباف کو پہچان لیا۔ کمانڈر زین پر مطمئن بیٹھا تھا۔ اُس کا بھیڑ کی کھال کا کوٹ کھلا
ہوا تھا۔ ابرو پسینے میں بھیگے ہوئے تھے۔ اُس نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا: ۔
"میلیخوف! ۔۔۔ بہادر دوست ۔۔۔ کہاں زخم آیا؟ کیا ہڈی ٹوٹ گئی ۔۔۔؟" اور جواب
کا انتظار کیے بغیر بولا "ہم نے اُن کا سر توڑ دیا ہے۔ افسروں کے ڈویژن کا تو قلع قمع کر
دیا ہے۔ اب وہ کبھی مجتمع ہو کر حملہ نہ کر سکیں گے۔"

گرگیگر نے سگرٹ طلب کیا۔ میدان میں کاسکوں اور سُرخ فوج نے دھارے کی شکل اختیار
کر لی۔ ایک کاسک ہجوم میں سے گھوڑے پر سوار برق رفتاری سے اُن کے قریب آیا "چالیس افسر
گرفتار ہو چکے ہیں گرتوباف! چالیس افسر ۔۔۔ جرنیل سف بھی اُن میں ہے۔"

"جھوٹ بولتے ہو۔" گرتوباف مضطربانہ لہجے میں بولا۔ اُس نے گھوڑے پر چابک
برسایا اور ہوا ہو گیا۔ ایک لمحے کے لیے گرگیگر ہچکچایا پھر وہ بھی دُلکی چال چلنے لگا۔

گرفتار شدہ افسروں کے گروہ کو تیس کاسک گھیرے میں لیے ہوئے تھے۔ جرنیل سف

اُن کے آگے آگے تھا۔ فرار ہونے کے لیے اُس نے بھیڑ کی کھال کا کوٹ اُتار دیا تھا مگر اُسے کوئی راہ نجات نظر نہ آئی تھی۔ اُس کے بائیں کندھے سے افسری کا نشان پھٹ چکا تھا۔ بائیں آنکھ سے خون بہ رہا تھا۔ وہ آہستہ خرام تھا۔ چال میں متانت اور وقار تھا۔ پروں والی ٹوپی سر پہ ترچھی رکھی ہوئی تھی۔ اُس کے سُرخ گالوں پر خوف کا عکس تک نہ تھا کئی دن سے اُس نے حجامت بھی نہ بنائی تھی۔ وہ اپنی طرف آتے ہوئے کاسکوں کا جائزہ لیتا ہوا ناک بھوں چڑھا رہا تھا۔ اُس نے دیا سلائی جلا کر سگرٹ سلگایا۔ پھر اُسے پتلے ہونٹوں میں دبا لیا۔

افسروں کی اکثریت نوجوانوں پر مشتمل تھی۔ ایک دو کے بال سفید تھے۔ ایک کی ٹانگ میں گولی لگی تھی اور اُسے چیچک کے داغوں والا ایک کاسک سہارا دیے ہوئے تھا۔ چرنٹسف کے دائیں ہاتھ پر ایک طویل القامت کپتان تھا۔ وہ ہاتھوں میں ہاتھ دیے مسکراتے ہوئے جا رہے تھے۔ ایک اور افسر نے کندھے پر سپاہی کا کوٹ اوڑھ رکھا تھا۔ ایک ننگے سر تھا اور خوبصورت آنکھیں ٹوپی میں چھپائے ہوئے تھا۔

گولوباف اُن کے پیچھے گھوڑے پر سوار آ پہنچا۔ اُس نے کاسکوں سے کہا "سنو تمہیں فوجی انقلابی جماعت کے اُن اصولوں پہ کاربند رہنا ہوگا جو قیدیوں کی سلامتی کی خاطر وضع کیے گئے ہیں۔ صدر مقام تک انہیں حفاظت اور سلامتی سے لے جانے کے ذمّہ دار تم ہو۔"

اُس نے ایک گھڑ سوار کاسک کو پاس بلایا۔ ایک نوٹ لکھا اور اُسے پوڈتیلکف کو دینے کے لیے ہدایت کی۔ پھر وہ گریگر کی طرف مُڑا "کیا صدر مقام کی طرف جا رہے ہو۔ گریگر؟ پوڈتیلکف سے کہہ دینا کہ چرنٹسف کے لیے جواب دہ میں ہوں گا ——— سمجھے ——؟ اچھا تو اب جاؤ۔"

گریگر انقلابی جماعت کے صدر مقام کو روانہ ہو گیا جو گاؤں کے پاس تھا۔ اُس نے دیکھا کہ پوڈتیلکف افسروں میں گھوم رہا ہے۔ پوڈتیلکف اور منیف ابھی ابھی نافوچر کا س سے آئے تھے۔ گریگر، پوڈتیلکف کو ایک طرف لے گیا۔ "قیدی ابھی ایک لمحے میں یہاں پہنچ جائیں گے۔

کیا تمہیں گورتاف کا رقعہ ملا ؟"

وہ آگ بگولا ہو گیا اور چابک لہرا کر بولا" گورتاف جانتے ہیں ہم میں۔ اس کا مطالبہ مضحکہ خیز ہے۔ چرنشف کو وہ اپنی حفاظت میں رکھے گا۔ اُس مخالفِ انقلاب کو حفاظت میں لے گا۔ میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ ایسا نہیں ہو گا۔ میں ان سب کو گولی سے اُڑا دوں گا۔"

"گورتاف نے کہا ہے کہ اُس کے لیے ذمّہ دار وہ ہوگا " گرگیر نے اعتراض کیا۔

"میں اُسے نہیں چھوڑوں گا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ میں اُسے نہیں چھوڑوں گا۔ اُس پر انقلابی جماعت میں مقدمہ چلایا جائے گا اور سزا اُسی وقت دی جائے گی تاکہ دوسروں کو عبرت ہو" سیکھے — ؟" قیدی قریب آ گئے تھے۔ وہ بولا" جانتے ہو اُس نے کس قدر خون بہایا ہے؟ خون کا سمندر — اُس نے کتنے انسانوں کو گولی سے اُڑایا ہے۔ جانتے ہو؟ میں اُسے نہیں چھوڑوں گا۔"

"چلّانے کی کوئی بات نہیں" گرگیر نے بلند آواز سے کہا۔ وہ دل میں خوفزدہ تھا "تمہارے پاس منصفوں کی خاصی تعداد ہے۔ تم وہاں واپس جاؤ" اُس کے نتھنے پھڑپھڑا رہے تھے۔ "تم جیسے اور بھی بہت سے ہیں جو قیدیوں سے نپٹنا چاہتے ہیں۔"

"پوڈٹیلکف واپس چلا گیا۔ وُہ دور سے وہ چلّایا۔" میں وہاں سے ہو آیا ہوں۔ تم خاموش رہو گرگیر! تمہیں معلوم نہیں کہ تم کس سے بات کر رہے ہو؟ یہ اپنے حاکمانہ ہتھکنڈے چھوڑ دو۔ انقلابی جماعت ان کا فیصلہ کرے گی۔"

گرگیر نے اُس پر گھوڑا چڑھا دیا۔ وُہ اپنے زخم کو بھی بھول گیا۔ ٹیس اُٹھی اور وہ سر کے بل گر پڑا۔ ٹانگ سے خون بہنے لگا۔ سہارے کے بغیر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر گاڑی تک جا کر اُس میں لیٹ گیا۔

قیدی آ پہنچے۔ کاسک اور اردلی اُن کے ساتھ تھے۔ اُن کی آنکھوں میں ابھی تک جنگ کی آگ تھی۔ وُہ ایک دوسرے سے نہایت فطری انداز میں جنگ کے متعلق اظہارِ خیال کر رہے تھے۔

پوٹیلیکف گہری برف پر نذر و نڈر دستے قدم رکھتا ہُوا قیدیوں کی طرف بڑھا چرنشف' جو ابھی کچھ دُور تھا۔ اُس کی طرف گھورنے لگا۔ اُس کا جبڑا بھینچا ہُوا تھا۔ آنکھیں شعلہ بار تھیں۔ پوٹیلیکف کپکپا رہا تھا۔ اُس کی پھٹی پھٹی آنکھیں برف پر آوارہ تھیں۔ اُس نے آنکھیں اُٹھائیں جن میں بیخوفی اور نفرت تھی۔

"آخر تمہیں پکڑ ہی لیا ــــ اژدھے؟" اُس نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ اُس کی سُرخ نگاہ اُس کے چہرے پر تیز تلوار کی طرح پڑی۔

"کاسکروں کے غدار! ــــ شکاری کتّے! ــــ دغاباز ــــ!" چرنشف نے تھوکتے ہوئے کہا۔

پوٹیلیکف نے سر اُٹھایا جیسے ضرب کاری سے اُس نے بچاؤ کیا ہو۔ اُس کا چہرہ سیاہ پڑ گیا۔ مُنہ کھُلے کا کھُلا رہ گیا۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا۔ وہ اس قدر تیزی سے ہُوا کہ سب ہکا بکا رہ گئے۔ چرنشف ہونٹ بھینچ کر زرد چہرہ لیے مُٹھیاں بند کیے اور زنجیریں چھاتی پر باندھے ہوئے پوٹیلیکف پر ٹوٹ پڑا۔ اُس کے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے مغلظات کی بارش ہو رہی تھی۔ پوٹیلیکف پیچھے ہٹا اور اُس نے تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھ دیا۔ برف اُس کے قدموں کے نیچے چرمرانے لگی۔ آدھ درجن کے قریب سپاہی پوٹیلیکف کو روکنے کے لیے بڑھے لیکن وہ بھیڑیے کی طرح کرنل پر ٹوٹ چکا تھا۔ اُس نے دائیں طرف گھوم کر شمشیر بے نیام کر لی اور پوری طاقت سے چرنشف پر حملہ آور ہوا۔

کرنل نے ضرب کو روکنے کے لیے ہاتھ بلند کیا۔ تلوار اُس کی کلائی پر پڑی اور وہ یوں کٹ گئی جیسے کاغذ کا ٹکڑا۔ تلوار کلائی کو کاٹتی ہوئی کرنل کے سر پر لگی۔ پر دار والی ٹوپی اُس کے سر پر سے گر پڑی۔ چرنشف گر پڑا۔ اُس کی آنکھوں کی چمک مدھم پڑ گئی۔ کرنل کے گرتے ہی پوٹیلیکف نے تلوار کا دوسرا وار کیا۔ تلوار خون میں بھری ہوئی

تھی۔ اسے لہراتے ہوئے اُس نے حکم دیا "کاسکو! — انھیں تلواروں پر رکھ لو۔ ہم کسی کو قیدی نہ بنائیں گے۔ ان کے ٹکڑے اُڑا دو — ان کا خون پی جاؤ۔"

گولیاں چلیں۔ افسر حواس باختہ ہو کر دوڑنے لگے۔ ایک دو زمین پر گر پڑے۔ خوبصورت آنکھوں والا افسر ٹوپی اُٹھا کر بھاگا لیکن گولی اُس کی پیٹھ پر لگی اور وہ بے حس و حرکت ہو کر گر پڑا۔ دو کاسکوں نے طویل القامت کپتان کو تلوار سے زخمی کر دیا۔ اُس کی آستین سے خون بہ رہا تھا۔ وہ بچے کی طرح چیخنے لگا۔ گھٹنوں کے بل گر پڑا۔ شمشیر نے ایک دفعہ پھر اُس کے چہرے پر رقص کیا۔ اُس نے ایک سسکی سی بھری اور ختم ہو گیا۔ ایک امیرزادہ گھیرے سے آزاد ہو کر بھاگا جا رہا تھا۔ ایک کاسک نے اُسے بھی جا لیا۔ تلوار سے اُسے کاٹ کر رکھ دیا۔ سفید بالوں والے لیفٹیننٹ کو پہلے ہی وار میں ختم کر دیا گیا۔ گریگیہ گاڑی میں بیٹھا اس قتلِ عام کا نظارہ کر رہا تھا۔ گاڑی سے کود کر وہ پستول لیے ہوئے پوڈتیلکف کی طرف لپکا۔ لیکن منیف نے اُسے پکڑ لیا اور اُس کے ہاتھ سے پستول چھین لیا۔ اُس نے اُس کی طرف سرد نگاہوں سے دیکھتے ہوئے سوال کیا "کیا کر رہے ہو۔ . . . کون سا کھیل کھیل رہے ہو؟"

تیسرا باب

دھوپ کے دمکتے ہوئے طوفان میں بادلوں سے صاف آسمان کی نیلاہٹ میں پہاڑ پر پڑی ہوئی برف نقرئی سپید کی طرح جھمجھا رہی تھی۔ پہاڑ کے دامن میں بیٹھے ہوئے کمل کی طرح ایک گاؤں پھیلا ہوا تھا۔ دائیں طرف جرمنوں کی تکمیلی ٹولیاں مورچوں میں نظر آ رہی تھیں۔ گاؤں کے مشرق میں پہاڑی کی دوسری اترائی تھی۔ جس کے تھم پر ٹیلیفون کے کھمبے قطار باندھے اُفق کی طرف جا رہے تھے۔ دن صاف اور برفیلا تھا۔ کُہرے کی ہفت رنگ دھاریاں سُورج کے گرد کھچتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ شمال سے ہوا آ رہی تھی اور میدان سے برف اُڑتی جا رہی تھی۔ اُفق پر برف کی وسعت چمک رہی تھی لیکن مشرق میں کُہرے کا پردہ سُورج کے آگے پڑا ہوا تھا۔

پینٹیلیمون مدافوے گاؤں میں گریگو کو گھر لانے کے لیے آیا ہوا تھا۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ وہاں نہیں ٹھہرے گا بلکہ کاشارا کے گاؤں میں جا کر رات بسر کرے گا۔ گریگو نے تار دیا تھا اور اُس کے جواب میں وہ تاتارسک سے چل پڑا تھا۔ کسانوں کی سرائے میں اُس کا بیٹا اُس کا منتظر تھا۔ گلوباکا کی جنگ میں مجروح ہونے کے بعد گریگو فوجی ہسپتال کی گاڑی میں ایک ہفتے تک سفر کرتا رہا تھا۔ جب اُس کی ٹانگ کا زخم ذرا بھر آیا تو اُس نے گھر جانا چاہا۔ اُس کے دل میں مسرت اور بے اطمینانی کے ملے جلے جذبات موجزن تھے۔ بے اطمینانی اس لیے کہ اُس نے پلٹن کی ملازمت ترک کر دی تھی اور اُس وقت جب ڈان میں حصولِ طاقت کی جنگ انتہائی منزل پر تھی۔ مسرت اس لیے کہ کنبے کے افراد

سے مل سکے گا۔ وہ اکیسنیا کو دیکھنے کی تمنا اپنے آپ سے بھی چھپا رہا تھا۔ اُس نے دل پر جبر کیا لیکن اُسے بھلا نہ سکا۔

باپ سے اُس کی ملاقات کشیدگی لیے ہوئی تھی۔ پینٹیلیون جس کے کان پہ پوڑتا بھر آ رہا تھا، خاموشی سے گریگر کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں اضطراب اور تردد کی جھلک تھی۔ شام کو اُس نے ڈان میں رونما ہونے والے واقعات کے متعلق سوالات کیے۔ بیٹے کے جواب سے اُس کا اطمینان نہ ہوا تھا۔ وہ ڈاڑھی کے بال مُنہ میں لیے بوٹوں پر گرد جمی ہوئی دیکھ کر غُرّایا۔ اُس نے بحث چھیڑ دی۔ کلیسٹن کی حمایت کا راگ الاپنا شروع کر دیا۔ اپنی پُرانی عادت کے مطابق گریگر کو خاموش کرنا چاہا اور اپنی ٹانگ کو بُری طرح فرش پر ٹپکتا رہا۔

' مجھے بہکانے کی کوشش نہ کرو۔ کلیڈن خزاں میں ٹاٹارسک آیا تھا۔ چوک میں ایک مجلس منعقد ہوئی تھی۔ وہ میز پر چڑھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اُس نے بوڑھوں سے باتیں کی تھیں۔ انجیل کی طرح اُس نے پیش گوئی کی تھی کہ کسان ڈان پر حملہ کریں گے اور بھیانک جنگ لڑی جائے گی۔ اگر ہم نے تیاری نہ کی تو وہ آ کر ہماری زمین پر قابض ہو جائیں گے ——— اور گریگر ——— دیکھ لو اس کے کہنے کے مطابق کسان ہم سے برسرِ جنگ ہیں۔ تُو رُک کے نیچے! ——— کیا خیال ہے۔ کیا تمہاری جماعت سے وہ کم علم ہے؟ کیا وہ تم سے حالات کا بہتر اندازہ نہیں کر سکتا؟ اُس جیسا تعلیم یافتہ جرنیل، جس نے فوج کی قیادت کی ہے بیوقوف ہو سکتا ہے؟ کمینگا کے لوگ تمہاری طرح اَن پڑھ اور جاہل ہیں ——— تمہارا پوڈشیلکف ——— کون ہے وہ؟ ——— ایک معمولی حوالدار میجر ——— اور وہ آدمی جو کبھی میرا سپاہی ہوا کرتا تھا۔"

گریگر غیر ارادی طور پر مرضی کے خلاف بحث میں کُود پڑا۔ اُسے پہلے ہی خبر تھی کہ اُس کے باپ کا رویہ کیا ہو گا۔ اُس کے خیالات میں ایک نئی کشمکش نمودار ہو چکی تھی۔ چرنتسف اور دوسرے قیدی افسروں کے قتل نے اس کے خیالات پر گہرا نقش چھوڑا تھا۔ قیدیوں کو مقدمہ چلائے

بغیر ہلاک کر دینا اس کے نزدیک وحشی پن تھا۔

وہ بڑی آسانی سے گھوڑا گاڑی کھینچ رہے تھے۔ گر ہگر کا گھوڑا گاڑی کے پیچھے بندھا ہوا تھا۔ ڈان کے قہرہ آفاق دیہات سڑک کے کنارے پھیلے ہوئے تھے۔ گر ہگر راستہ بھر سوچتا رہا تھا۔ گزشتہ واقعات کا جائزہ دے رہا تھا اور اپنے لیے نئے راستے کی تلاش میں تھا لیکن اُس کا ذہن گھر کے سوا کچھ نہ سوچ سکتا تھا۔ "گھر پہنچ کر آرام کروں گا۔ زخم بھرنے تک گھر رہوں گا اور اس کے بعد"۔ . . . . اُس نے توقف کیا "دیکھا جائے گا' وقت ہی خضرِ راہ بنے گا۔"

تھکن نے اُس کی کمر توڑ دی تھی۔ جنگی درماندگی نے اُس کے حوصلے مفلوج کر دیے تھے۔ وہ پُرعنا دونیا سے مُنہ موڑ لینا چاہتا تھا۔ اُس کے پیچھے ژولیدگی تھی' تردید تھی۔ اُس نے بڑی مشکل سے بس ایک راستہ وضع کیا تھا۔ جونہی اس نے اپنے جادے پر قدم رکھا تھا اُس کے پاؤں تلے کی زمین اُس کی راہ میں حائل تھی اور منزل ایک دھندلکے میں تبدیل ہو کر رہ گئی تھی۔ دو اعتماد کھو بیٹھا تھا۔ وہ بالشویکوں کی طرف کھنچ گیا تھا اور اُس نے دوسروں کو بھی اپنے پیچھے لگا لیا تھا۔ پھر وہ جھجک گیا تھا' سرد پڑ گیا تھا' بے حس ہو چکا تھا۔

"کیا ازواد میں راستی پر ہے؟ کس کا اعتبار کیا جائے؟" یہی سوالات اُس کے ذہن پر سخت ضرب کی طرح پڑ رہے تھے۔ اب اُس کے خیالات ایک اور راستے پر گامزن ہو گئے۔ اُسے بہار آتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ زمین ننگی ہو جائے گی۔ اُس پر ہل چلایا جائے گا۔ اُس کے محنت کے عادی ہاتھ پھڑپھڑانے لگے۔ اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے ہل پر اُس کی گرفت مضبوط ہو چکی تھی۔ وہ تر و تازہ گھاس کی خوشبو سونگھے گا' گھر جائے گا' ہل چلائے گا' محنت کرے گا۔ اس خیال کے آتے ہی اُس کی آنکھوں میں گرم گرم خون دوڑنے لگا اور ڈھور ڈنگر چرانے کی تمنا عود کر آئی۔ وہ گر ہر کی بُو سونگھنے لگا۔ وہ امن چاہتا تھا' سکون

اور قناعت —— ان خیالات کے آتے ہی اُس کی آنکھوں میں مسرت جھلکنے لگی۔ اُس نے پہلے میدان کی طرف اور پھر گھوڑے کی جانب دیکھا۔ ان چیزوں سے گھومتی ہوئی اُس کی نگاہ باپ کی کمر پر آکر رُک گئی —— ہر چیز اُسے اُس کی ابتدائی زندگی کی یاد دلا رہی تھی۔ بھیڑ کی کھال کی بُو، باپ کے کوٹ میں بسی ہوئی پسینے کی بُو، نا صاف گھوڑوں کا جسم اور دُور ایک مُرغا بولتا ہوا اُسے گھر کی یاد دلا رہا تھا۔ گھر کی پُر سرور زندگی —— کیف آور ماحول —— وہ گھر پہنچنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔

۲

شام کے وقت وہ تاتارسک میں داخل ہوئے۔ پہاڑی سے گریگر نے ڈان کی طرف دیکھا۔ اس کے پانی میں سرکنڈوں کا جال بچھ چکا تھا۔ کنارے پر ایک سہی قد درخت مرجھا چکا تھا۔ ڈان پر سے گزرنے کا راستہ اب وہاں نہ تھا جہاں ہوا کرتا تھا۔ گاؤں اور وہی جانی پہچانی جھونپڑیاں —— کلیسا اور چوراہا۔ جب اُس نے اپنے کھیت پر نگاہ دوڑائی تو اُس کی رگوں میں خون دوڑنے لگا۔ یادوں کا ایک طوفان اس کی آنکھوں کے سامنے اُٹھنے لگا۔

کنوئیں پر پڑی ہوئی بوجھ اُٹھانے والی چرخی کی بانہیں اُسے ہم آغوشی کی دعوت دے رہی تھیں۔

"تھکی ہوئی آنکھوں کے لیے ایک فرحت بخش نظارہ ہے —" پنٹیلیمون نے مڑتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ گریگر نے جذبات کو چھپانے کی کوشش نہ کرتے ہوئے کہا —"ہاں . . . . ."

"آدمی کے لیے گھر بھی کیا چیز ہے!" بوڑھے نے سرد آہ بھری۔

بوڑھا گاڑی کو گاؤں کے مرکز کی طرف دوڑانے لگا۔ پہاڑی سے گاڑی کھڑکھڑاتی ہوئی اُترنے لگی۔ گریگر نے باپ کا ارادہ بھانپ لیا تھا۔ وہ بولا "گاؤں کی طرف کیوں جا رہے ہو؟ اپنے گھر کی طرف کیوں نہیں چلتے؟"

پنتیلیمون نے مڑ کر آنکھ دبائی اور مسکرانے لگا۔ "میں نے اپنے بیٹوں کو بطور سپاہی جنگ میں ٹاٹارسک سے بھیجا تھا لیکن اب وہ افسر ہیں۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ گاؤں میں سے تمھیں سے جاکر مجھے فخر ہوگا۔ انھیں دیکھنے اور فرط رقابت سے جلنے دو۔ میرا کلیجا تو ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

بڑی گلی میں اس نے گھوڑوں کو سنکارا اور چابک مارا۔ گاڑی تیزی سے بھاگ رہی تھی جیسے آج گھوڑوں نے پچیس میل کا سفر ہی نہیں کیا۔ گزرتے ہوئے کاسک جھک کر سلام کرنے لگے۔ عورتیں ابروؤں پر ہاتھ رکھ کر جھانکنے لگیں۔ سڑک پر مرغیاں کڑکڑانے لگیں۔ ہر شے گھڑی کی سوئی کی طرح بات عدہ صفائی سے گزر گئی۔

اب وہ چورا ہے سے گزر رہے تھے۔ گریگر نے ماخوف کے مکان کے آگے بندھی ہوئی گھوڑی کی طرف دیکھ کر نتھنے پھلائے۔ گاؤں کا آخری کنارہ اور راستا خوف کا جھونپڑا نظر آنے لگا۔ لیکن پہلے ہی موڑ پہ ایک چھوٹا سا حادثہ ہو گیا۔ ایک سؤر کا بچہ گھوڑوں کی ٹاپوں نیچے آگیا۔ گاڑی کا پہیا اس کی کمر پر سے گزر گیا اور اس کی کمر ٹوٹ گئی۔

"تجھے موت آجائے" ——— بوڑھا پنتیلیمون چیخا اور چابک سے سؤر کی پیٹھ پر خراش ڈال دی۔

بدقسمتی سے سؤر کا بچہ اینوشکا کا تھا جو بیوہ ہو چکی تھی اور بڑی بدزبان تھی۔ وہ احاطے سے دوڑتی ہوئی آئی۔ اس نے گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔

"چپ رہو۔ غراتی کیوں ہو؟ تمھیں اس کے دام دے دیں گے"۔ . . بوڑھا بولا۔

"بدتمیز ——— شیطان! ——— لنگڑے کتے ——— ! ابھی تمھیں آتامن کے پاس لے جاؤنگی۔"

بیوہ اینوشکا نے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا "تمھیں ایک بیوہ کے معصوم حیوان کو ہلاک کرنے کا مزہ چکھا دوں گی۔"

پنتیلیمون بہت کچھ سن چکا تھا۔ اب اس سے نہ رہا گیا "بدزبان!"

"بدمعاش ترک!" بیوہ نے جواب دیا۔

"کتیا!"

"بدیسی — چور — بھیڑیا۔ آوارہ!" عورت جیسے گالیوں کی گردان کر رہی تھی

"چپ رہ بیسوا نہیں تو چابک سے کھال اُدھیڑ دوں گا" بوڑھا چلّایا۔

اب ابیوتنکن نے ایک ایسی گالی دی کہ بوڑھے نے عمر بھر نہ سنی تھی۔ اُسے اتنا غصہ آیا کہ پسینے چھوٹ گئے۔

"چلتے جاؤ۔ کھڑے کیوں ہو گئے تھے؟" گریگر نے خشم آلود ہو کر باپ سے سوال کیا کیونکہ اب لوگ جمع ہونے شروع ہو گئے تھے اور گالیوں کی تکرار سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"کیسی زبان ہے اس عورت کی۔ گز بھر لمبی — ان گھوڑوں کی لگاموں سے بھی لمبی"

پنٹیلیون نے تھوکا۔ گھوڑوں پر چابک برسایا اور چل پڑا۔ ان کے جھونپڑے کی نیلی کھڑکیاں نظر آ رہی تھیں۔ پیوترا ننگے سر اور کھلا قمیص پہنے ہوئے پھاٹک کھولنے آیا۔ سفید رومال لہرایا اور ڈونیا چمکتی ہوئی آنکھوں سے سیڑھیوں پر آ گئی۔

پیوترا نے بھائی کو پیار کیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

"اچھے تو ہو؟"

"زخمی ہو گیا تھا۔"

"کہاں؟"

"گلوباکا میں۔"

"کیا وہاں خون بہائے بغیر رہ نہ سکے۔ تمہیں بہت پہلے گھر آ جانا چاہیے تھا۔" اُس نے زور سے اُس کا ہاتھ ہلایا اور ڈونیا کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ گریگر اپنی بہن سے لپٹ گیا اور اُس کی آنکھوں اور ہونٹوں کو پیار کیا۔ پھر حیرت زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا "ڈونیا تو پہچانی بھی نہیں جاتی۔ ذرا اپنی حالت تو دیکھ، کیسی لڑکی بن گئی ہے۔ مجھے تو یہ سان گمان

بھی نہ تھا کہ تو ایسی خوبصورت نکل آئے گی۔"

"بس — بس — بھیّا —!" اور وہ گھر کے اندر دوڑ گئی۔

الپنجنا پوتوں کے ساتھ گھر سے باہر آئی اور نتالیا سب آ گئے تھی۔ گرگیر کی بیوی نے خوبصورتی اور صحت میں بڑی ترقی کی تھی۔ وہ کنول کے پھول کی طرح شگفتہ ہو گئی تھی۔ اُس کے نہایت احتیاط سے سنوارے ہوئے ہموار و سیاہ بال چمک رہے تھے اور بھاری جوڑا اُس کے گالوں کی سُرخی میں اور بھی اضافہ کر رہا تھا۔ وہ گرگیر سے چمٹ گئی۔ اُس نے اپنے رخساروں کو اُس کی مونچھوں سے کئی بار رگڑا۔ اپنے بیٹے کو الپنجنا کی گود سے چھین کر بولی "دیکھو — تمہارا بیٹا کس قدر حسین ہے!" اُس کے لہجے میں غرور و مسرت کی جھلک تھی۔

الپنجنا نے اُسے ایک طرف ہٹا کر کہا۔" اور مجھے اپنے بیٹے کو دیکھنے دو۔" اُس نے گرگیر کا سر جھکا کر اُس کے ابرو پر بوسہ دیا۔ اپنے کھردرے ہاتھ سے اُس کے گالوں پر تھپکی دی اور مسرت کے آنسو بہانے لگی۔ "یہ رہی تمہاری بیٹی گرگیر!" — اُس نے بچی کو اُس کے آگے کر دیا۔

نتالیا نے بچی کو گرگیر کے ہاتھ میں دے دیا۔ گرگیر گھبراہٹ میں فیصلہ نہ کر سکا کہ ماں کی طرف دیکھے، نتالیا کو دیکھے کہ بچوں کو — چھوٹا سا لڑکا میلخوف کنبے کا مثالی فرزند تھا۔ وہی چھوٹی چھوٹی آنکھیں، گھنے ابرو اور سیاہی مائل کھال۔ گرگیر اپنی بیٹی کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں ہی دیکھ سکتا تھا۔ اُس کا باقی چہرہ رومال سے ڈھکا ہوا تھا۔

دونوں کو بازوؤں میں لیے ہوئے وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھا لیکن اس کی ٹانگ درد سے چل نہ سکی۔

"نتالیا انھیں لے جاؤ"۔ . . وہ مجرمانہ ہنسی ہنسا "ورنہ میں سیڑھیوں پر نہ چڑھ سکوں گا۔"

ڈاریا باورچی خانے میں کھڑی تھی۔ وُہ مسکرائی اور کوٹ سے لٹکاتی ہوئی گریگر کی طرف آئی۔ اُس نے متبسم آنکھیں بند کرلیں اور نم آلود ہونٹ اُس کے ہونٹوں سے ملا دیے۔

"تمہارے مُنہ سے تمباکو کی بُو آتی ہے" اُس نے ابرو کمان کی طرح کھینچ لیے۔

گریگر نے بھیڑ کی کھال کا کوٹ اُتار کر پلنگ کے ایک بازو سے لٹکا دیا۔ بالوں میں کنگھی کی۔ بنچ پر بیٹھ گیا اور بیٹے کو پاس بلایا "ادھر آؤ ــــ مشا ــــ مجھے پہچانتے کیوں نہیں؟"

بچہ مُٹھی منہ میں ڈالے کترا تا ہوا اُس کے پاس آگیا اور میز کے قریب کھڑا ہوگیا۔ اُس کی ماں محبت اور فخر سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اُس نے جُھک کر بیٹی کے کان میں کچھ کہا اور آہستہ سے اسے خاوند کی طرف دھکیل دیا۔ "جاؤ" اس نے کہا۔

گریگر نے دونوں بچوں کو اُٹھا کر گھٹنے پر بٹھالیا اور پُوچھنے لگا "مجھے پہچانتے نہیں؟ پولیا! کیا تم اپنے ابا کو بھی نہیں پہچانتے؟"

"تم ہمارے ابا نہیں"۔۔۔۔ لڑکے نے اپنی بہن کو قریب دیکھ کر حوصلے سے جواب دیا۔

"میں کون ہوں پھر ــــ؟"

"تم کوئی کاسک ہو۔"

"اچھا تو تمہارا ابا کہاں ہے؟"

"وہ فوج میں ہے" لڑکی بولی۔

"ہاں۔ ہاں، بچو ــــ خوب کرو۔ اس کے کان کھینچو۔ اتنے برسوں کے بعد گھر آیا ہے" ایلنیتا بولی اور گریگر کی طرف دیکھ کر مسکرائی "اب تو تمہاری بیوی بھی تمہیں چھوڑ دینے کی فکر میں ہے۔ ہم نے اس کے لیے ایک مرد تلاش بھی کر لیا تھا۔"

"کیوں نتاآیا کو چھیڑتی ہو؟" گرگیہ نے اپنے پر ہونٹا ہوا وار نتاآیا کی طرف کر دیا۔
اُس کے چہرے پر شرم کی سُرخی دوڑ گئی۔ پاس آ کر بیٹھ گئی۔ اُس کی پیاسی اور مسرور آنکھیں جیسے گرگیہ کو پی جانا چاہتی تھیں۔ اُس نے جلتے ہوئے ہاتھ خاوند کے کندھوں پر رکھ دیے۔

"ڈاآریا — میز لگا دو نا —" الیخنا نے آواز دی۔

"اُس کی اپنی بیوی جو ہے۔" ڈاآریا ہنسی اور انگیٹھی کی طرف چل دی۔

ڈاآریا پہلے کی طرح پتلی دُبلی اور نازک اندام تھی۔ اُس کے اُونی موزے اُس کی ٹانگوں سے چمٹے ہوئے تھے۔ اس کے پاؤں میں جوتی اتنی چُست تھی جیسے اُسے اُس نے خود بنایا ہو۔ اُس کا رنگین لہنگا نہایت دلآویز معلوم ہوتا تھا۔ اُس کا ایپرن دُودھ کی طرح سفید تھا۔ گرگیہ نے اب نگاہیں بیوی کی طرف موڑ لیں۔ اُس کی بیوی نے دیکھا کہ اب وُہ پہلے سے تبدیل ہو چکا ہے۔ اُس نے بھی دیکھا کہ وہ بدل چکی ہے۔ اُس نے نیلے رنگ کی جاکٹ پہن رکھی تھی جس کی آستین اُس کی کلائیوں پر پہنچ کر تنگ ہو جاتی تھی۔ اُس کے سینے کا نہایت موزوں اُبھار ساٹن کی جاکٹ میں سے جھانک رہا تھا۔ لہنگا — کاڑھا ہوا لہنگا اُس کی کمر کی دلآویزی میں اضافہ کر رہا تھا۔ گرگیہ نے اُس کی مضبوط ٹانگوں کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا "کاسک عورت ہزاروں کیا لاکھوں میں بھی چھپی نہیں رہ سکتی۔ وہ ہر لباس کچھ اس طرح پہنتی ہے جیسے جسم کا کوئی بھی حصّہ چھپانا نہ چاہتی ہو۔ اگر تم دیکھنا چاہو تو دیکھو — نہیں دیکھنا چاہتے تو نہ دیکھو۔ اُس کے لباس پر یہی جملہ لکھا ہوتا ہے اور تم کسان عورت کی کمر دیکھ کر بتا سکتے ہو کہ وہ کیا ہے۔ وہ اپنے جسم کو بُری طرح لپیٹ کر رکھتی ہے . . . . .

الیخنا نے گرگیہ کو بیوی کی طرف گھورتے ہوئے دیکھ لیا اور ٹھیک ٹھیک ٹوکنے لگی "دیکھا افسروں کی بیویاں یُوں کپڑے پہنتی ہیں۔ شہر کی کسی رئیس عورت سے کندھا ملا کر کھڑی ہو سکتی ہیں۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو ماں —!" ڈاآریا بولی "شہر کی عورتوں میں کھڑی ہو جائیں تو اُن کا

حسن ماند پڑ جاتے ہمارے سامنے۔ میری کان کی ایک بالی ٹوٹ گئی ہے۔ اب یہ بالیاں پرانی ہو گئی ہیں۔" اس نے شکایت کی۔ گریگیر نے بیوی کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا اور سوچنے لگا "میری بیوی خوش شکل ہے۔ میرے بغیر گھر رہتی کیونکر ہو گی۔ ضرور کسی اور مرد کے پیچھے بھاگتی رہی ہو گی" ــــــ اس خیال کے آتے ہی اس کا دل دھڑکنے لگا ــــــ اس نے اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ نتالیا اس کی گھورتی ہوئی نگاہ کی تاب نہ لا سکی اور شرما گئی۔

"میری طرف اس طرح کیوں گھور رہے ہو؟ ـــ مجھے دیکھ کر خوش ہو؟"

"بہت خوش" ـــ

اس نے ناخوشگوار خیال ترک کر دیا۔

پنٹیلیون کھانستا ہوا اندر داخل ہوا۔ بستر پہ بیٹھ کر بولا "خدا انھیں صحت دے۔"

"خدا رحم کرے ـــ ہم تمھارے منتظر تھے۔ کیا راستے میں جم گئے تھے؟" ایلینا نے پیچھا بجاتے ہوئے کہا۔

بوڑھے نے گلے کا سرخ رومال کھول دیا۔ کھال کا کوٹ جسم سے اتار دیا۔ ڈاڑھی سے برف کے ذرّے جھاڑے اور گریگیر کے ساتھ بیٹھ کر بولا "ہاں، سردی زیادہ تھی۔ لیکن گاؤں آتے ہی گرم ہو گئے تھے۔ ابیونتکا کے موڑ پہ گاڑی بھر گئی تھی۔ کُنیا کس طرح دوڑتی ہوئی آئی تھی۔ تم یہ ہرا لو وہ ہو۔ اس نے گالیاں دے دے کر ہمیں گرم کر دیا۔۔۔۔"

اس نے ابیونتکا کی دی ہوئی تمام گالیاں دہرائیں اور جو گالیاں اس نے خود دی تھیں ان کا نام تک نہ لیا ـــ

گریگیر ہنستا ہوا میز کے گرد بیٹھ گیا۔ بوڑھا بولتا جا رہا تھا "میں نے چابک سے اس کی خوب مرمت کی ہوتی لیکن گریگیر نے مجھے منع کر دیا۔"

گرگیر نے ہاتھ ہلا کر اسے روکنا چاہا "مجھے معلوم ہے کہ وہ لڑ رہے ہیں۔"

"بالشویک کہاں ہیں؟" پیوترا نے سوال کیا۔

"تین اطراف سے آ رہے ہیں چیخوزسک، تگان روگ اور وارانیز کی طرف سے۔"

"تمھاری فوجی انقلابی جماعت کا کیا خیال ہے؟ وہ انھیں ہماری سرزمین میں کیوں آنے دے رہے ہیں۔ کرسٹونیا اور آیوان یہاں آتے تھے اور انھوں نے ہمیں ہزاروں ہی باتیں سنائیں لیکن مجھے اُن کی باتوں پر اعتبار نہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں صورتِ حال بھی ویسی ہی ہو۔"

"فوجی انقلابی جماعت مجبور رہے کیونکہ کا سک گھروں کو بھاگ رہے ہیں۔"

"شاید یہی وجہ ہے کہ وہ بالشویکوں کی امداد کے خواہاں ہیں۔"

"بے شک یہی وجہ ہے۔"

پیوترا خاموش تھا اور وہ سگرٹ پی رہا تھا۔ اُس نے بھائی کی طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھا اور پوچھا "گرگیر! تم کس طرف ہو؟"

"میں سوویٹ حکومت چاہتا ہوں۔"

"بیوقوف ـــــ" اپنٹیلیمون غرّایا ـــــ "پیوترا اسے سب کچھ بتا دو۔"

پیوترا مسکرایا۔ اُس نے اپنے بھائی کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا "بڑا غصیلا ہے یہ آبا۔ اسے کون سمجھا سکتا ہے؟"

"مجھے بتانے کی ضرورت نہیں" گرگیر خشمناک ہو گیا "میں اندھا نہیں۔ گاؤں کے سرکردہ لوگوں کا کیا خیال ہے؟" اُس نے پیوترا سے پوچھا۔

"گاؤں کے سرکردہ لوگوں سے ہمیں کیا لینا ہے ـــــ کیا تم ابھی تک کرسٹونیا کو نہیں پہچان سکے؟ اُسے بھلا کیا سمجھ ہے۔ لوگ ہراساں اور سراسیمہ ہیں۔ استدلالی داور اک کھو بیٹھے ہیں۔ وہ دوراہے پر کھڑے ہیں اور نہیں جانتے کہ کس طرف مڑنا ہے۔ ہر طرف مصیبت اور

تباہی کا منظر ہے۔۔۔۔۔ تم خود ہی دیکھو کہ بہار میں کیا ہوا تھا۔ محاذ پر ہمیں بالشویک ہونے کی خاطر ذلیل کیا جاتا ہے لیکن اب ہوش آچکا ہے۔ ہم کسی کی چیز نہیں لینا چاہتے لیکن ہماری چیز کو بھی کوئی ہاتھ نہ لگائے۔ تمام کاسکوں کا یہی خیال ہے۔ کمینسکا میں دام تزویر بچھایا جا رہا ہے۔ وہ بالشویکوں کے ساتھ مل گئے ہیں اور انھوں نے اپنے آپ کو فراموش کر دیا ہے۔"

"گریگر! تم ایک دفعہ پھر سوچ لینا۔ تمھیں سوچنا چاہیے۔ تم کاسک ہو اور ہمیشہ کاسک رہو گے۔ ہم پر نامعقول روس کی حکومت کبھی نہ ہو گی۔ جانتے ہو اب بدیسی کیا کہہ رہے ہیں کہ ساری زمین ہم میں مساوی بانٹ دینی چاہیے۔ کیا خیال ہے تمھارا؟"

"ہم زمین ان بدیسیوں کو دیں گے جو برسوں سے ڈان کے علاقے میں بستے ہیں۔۔۔"
گریگر بولا۔

"ایک انچ بھی نہیں" پنٹیلیمون نے گالی دی۔

باہر سیڑھیوں پر قدموں کی آہٹ ہوئی۔ انی کشتکا، کرسٹونیا اور الیوآن ٹوملن داخل ہوئے۔

"ہیلو گریگر۔۔۔! پنٹیلیمون پراکیفچ بیٹے کی آمد پر شراب پلاؤ گے۔۔۔؟ اس کی آمد کا جشن نہ مناؤ گے؟" کرسٹونیا غرایا۔

اس کی بلند آواز سن کر بچھڑا، جو اونگھ رہا تھا، اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ نو واردوں کی طرف استعجاب سے دیکھنے لگا۔ خوف زدہ ہو کر اس نے زمین پر چھیڑ کا ذکر دیا۔ ڈونیا اس کے قریب آگئی اور ایک گندہ برتن اس کے نیچے رکھ دیا۔

"او بچھڑے۔۔۔۔" الینخا نے بھی گالی دی۔

گریگر نے کاسکوں سے ہاتھ ملایا اور انھیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ گاؤں کے پرلے کنارے کے لوگ بھی آپہنچے۔ باتیں کرتے ہوئے انھوں نے کچھ اس کثرت سے سگرٹ پیے کہ بچھڑے کا بھی دم گھٹنے لگا۔

"خدا تمھیں بخار چڑھا دے" الینخا مہمانوں پر برسی "جاؤ احاطے میں جا کر چمنیوں سے

دھوتی نکالو۔۔ جاؤ۔۔ گرگیر نے طویل مسافت کے بعد آرام بھی نہیں کیا۔ خدا کے لیے جاؤ۔"

۴

دوسرے دن صبح کو گرگیر سب کے بعد اٹھا۔ چڑیوں کے بھاری چہچے نے اسے جگا دیا۔ کھڑکی میں سورج کی روپہلی روشنی کمرے میں آ رہی تھی۔ کلیسا کے گھنٹے بج رہے تھے اور اسے یاد آیا کہ آج اتوار تھا۔ نٹالیا اس کے قریب نہ تھی لیکن پروں والے بستر میں اس کے جسم کی آنچ موجود تھی۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ اسے اٹھ کر گئے ہوئے دیر نہیں ہوئی۔

"نٹالیا!"۔۔ اس نے آواز دی۔

نٹالیا کی جگہ ڈونیا اندر آئی: "کیا چاہیے بھیا؟" اس نے پوچھا۔

"کھڑکی کھول دو۔۔ اور نٹالیا کو بلا لاؤ۔۔ کیا کر رہی ہے وہ؟"

"ماں کی مدد کر رہی ہے۔ ابھی آجائے گی۔"

نٹالیا بھی آگئی۔ اس نے آنکھیں گھمائیں۔ اٹھے بغیر وہ اس سے لپٹ گیا۔ اسے وہ رات یاد آگئی۔۔۔۔

"آج تم بہت سوئی ہو!"

"اوہ۔۔ اس رات بھی تو تم نے مجھے تھکا دیا تھا۔" وہ مسکرائی اور شرم کے مارے اس نے اپنا چہرہ گرگیر کی بالوں بھری چھاتی میں چھپا لیا۔

اس نے اسے زخم دھونے میں مدد دی پھر صندوق سے اس کی بہترین پتلون نکالی۔

"کیا اپنا افسری کوٹ، تمغوں سے بھرا ہوا کوٹ پہنو گے؟"

"نہیں۔۔ کیوں۔۔"

"اس لیے کہ ابا بہت خوش ہوں گے اگر تمھیں یہ کوٹ نہیں پہننا تھا تو تمغے کیوں حاصل کیے تھے؟ کیا صندوق میں رکھنے کے لیے؟"

گرگیر اُس کی التجاؤں کے آگے جھک گیا۔ وُہ اُٹھا اور اس نے باپ سے اُسترا مانگا، حجامت بنائی، مُنہ دھویا اور گردن بھی صاف کی۔

"گردن کے بال بھی تو اُڑا لو ــــ پیوتڑا نے کہا۔

"اوہ ــــ میں بھول ہی گیا تھا۔"

"بیٹھ جاؤ، میں صاف کر دیتا ہوں۔"

ٹھنڈے جھاگ نے اُس کے بدن میں جھرجھری دوڑا دی۔ اُس نے آئینے میں دیکھا کہ اُس کا بھائی اُس کی گردن اُسترے سے صاف کر رہا تھا۔

"تمھاری گردن پتلی ہو گئی ہے جس طرح بیل کی گردن ہل چلانے کے بعد ہو جاتی ہے" پیوتڑا مسکرایا۔

"فوج میں گردن موٹی نہیں ہوتی۔"

گرگیر نے افسری کوٹ پہن لیا اُس کا سینہ تمغوں سے بھرا ہوا تھا اور جب اُس نے آئینہ دیکھا تو اپنے آپ کو پہچان نہ سکا۔ ایک طویل القامت سیاہ فام افسر نے آئینے میں سے اُس کی طرف دیکھا۔

"بالکل کرنل نظر آتے ہو" پیوتڑا نے خوش ہو کر کہا۔ اُس کے لہجے میں حسد کا شائبہ بھی نہ تھا۔ گرگیر یہ جملہ سُن کر خوش ہو گیا۔ وہ باورچی خانے میں چلا گیا۔ ڈاریا نے اُس کی طرف تعریفی نگاہوں سے دیکھا اور ڈونیا بولی:

"اوہ ــــ کتنے شاندار نظر آتے ہو تم ــــ!"

یہ تعریف سُن کر الینچنا آنسو ضبط نہ کر سکی۔ اُس نے اپنے میلے پیش بند سے آنکھیں پونچھا اور ڈونیا سے بولی "خدا تجھے بھی ایسے ہی بیٹے نصیب کرے۔ میرے دو بیٹے تھے اور ان دونوں نے دنیا میں اپنے لیے جگہ بنا لی ہے۔"

گرگیر نے لمبا کوٹ کندھوں پر ڈال لیا اور احاطے کی طرف چل دیا۔ زخمی ٹانگ کے باعث اُسے سیڑھیوں سے اُترنے میں دقت ہوئی۔ ... "مجھے چھڑی استعمال کرنی

ہو گئے۔ اُس نے سوچا۔ علیانو میں اُس کی ٹانگ سے گولی نکال دی گئی تھی لیکن زخم ابھی
تک ہرا تھا۔

جھونپڑی کی دیوار سے لگی ہوئی بیل دھوپ لے رہی تھی۔ سیڑھیوں سے برف پگھل کر نیچے تالاب سا بنا رہی تھی۔ گریگر نے مسرت سے احاطے پر نظر دوڑائی۔ سیڑھیوں کے پاس ایک کھمبا تھا اور اُس پر چرخی لگی ہوئی تھی۔ اسے اپنا بچپن یاد آگیا جب اُس پر گھر کے برتن صبح کے وقت سُکھائے جاتے تھے۔ احاطے میں جو تبدیلیاں کی گئی تھیں۔ اُن پر یک لخت اُس کی نگاہ پڑی۔ غلہ گھر کو بھورے رنگ کے بجائے مٹی سے رنگ دیا گیا تھا۔ شیڈ کی چھت تبدیل کر دی گئی تھی۔ باڑ کی مرمت بھی ہو چکی تھی۔ مرغی خانے میں مرغے اور مرغیاں ایک دوسرے کے پیچھے کاٹ بیٹھے تھے۔ کھیت پر کام کرنے کے اوزار نہایت احتیاط سے ایک کمرے میں پڑے ہوتے تھے۔ اناج کاٹنے کی مشین دھوپ میں جھلملا رہی تھی۔ بطخیں گوبر پہ بیٹھی قائیں قائیں کر رہی تھیں اور ایک پھولی ہوئی بطخ نے گریگر پر جب وہ لنگڑاتا جا رہا تھا ڈچ سپاہی کی طرح بھینگی آنکھ کر کے حکم بھی چلایا۔

گریگر نے سارا احاطہ ٹہل کر ناپا پھر جھونپڑے کی طرف آیا۔ باورچی خانے میں تازہ مکھن کی میٹھی میٹھی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ڈونیا سیب کا مربہ صاف کر رہی تھی ــــ

پنٹیلیمون گرجے سے واپس آچکا تھا۔ اُس نے سب کو کیک کا ایک ایک حصہ بانٹ کر دیا۔ سب ناشتے کے لیے بیٹھ گئے۔ پیترا نے بہترین لباس پہنا۔ اُس نے مونچھوں پر چربی بھی لگا رکھی تھی۔ ان سب کے سامنے ڈاریا سٹول پر بیٹھی تلملا رہی تھی۔ سُورج کی کرنیں اُس کے سُرخ گالوں پر پڑ رہی تھیں۔ نتالیا بچوں کو تلا ہوا کدو کھلا رہی تھی۔ الشینا میز کے کنارے پر بیٹھی کھا رہی تھی۔ چھٹی کے دن وہ جی بھر کر کھایا کرتے تھے۔ گوبھی کا شوربا ــــ بھیڑ کا گوشت ــــ سویاں ــــ پھر قورمہ ــــ مرغی ــــ تلے ہوئے آلو۔ دلیا ــــ مکھن کا بالائی اور نمک لگا تربوز۔ بہت کچھ کھا لینے کے بعد گریگر پیٹ کی گرانی کے باعث

بمشکل اٹھا اور اس نے اپنے آپ کو بستر پر گرا دیا۔ پنٹیلیمون ابھی تک دلیا کھا رہا تھا۔ پیوترا کو بچوں سے بڑی محبت تھی اور وہ مشا کو کھلا رہا تھا ــــ اس نے دہی سے بچوں کی ناک اور گال بھر دیئے۔

"چچا ــــ کیا کرتے ہو؟" لڑکا بولا۔

"کیوں کیا ہوا؟"

"میرا منہ دہی سے کیوں چپڑ دیا ہے؟"

"پھر کیا ہوا؟"

"میں ماں سے کہہ دوں گا" لڑکے نے کہا۔

اس نے ان دونوں کا چہرہ پونچھ دیا۔ "نا" "ماں کو نہ بتانا" ــــ ایک دفعہ پھر بھتیجے کی ناک اور گالوں کو دہی سے چپڑ دیا۔

ڈونیا گریگر کے پاس بیٹھ گئی اور بولی "پیوترا ــــ بیوقوف ہے۔ بچوں کو ہمیشہ تنگ کرتا ہے۔ ابھی کل کی بات ہے وہ مشا کو احاطے میں لے گیا۔ لڑکا جانا چاہتا تھا۔ اس نے پوچھا 'چچا! کیا میں سیڑھیوں پر چڑھ جاؤں؟' لیکن پیوترا نے کہا "نہیں' نہ چڑھو ابھی تھوڑی سی دور اور جاؤ۔ مشا نے تھوڑی سی دور دوڑ کر پوچھا "یہاں تک؟" "نہیں' نہیں' اناج کی کوٹھی تک جاؤ"۔ اس نے اسے وہاں سے اصطبل اور اصطبل سے کھلیان تک دوڑایا۔ اس نے بیچارے کو اتنا دوڑایا کہ وہ تھک کر نڈھال ہو گیا اور شاید کو اسے وہاں سے لانا پڑا۔

گریگر نے پیوترا کو مشا کے ساتھ دیکھا اور اپنے لیے ایک سگرٹ بنایا۔ اس کا باپ قریب آ گیا ــــ

"میں آج ویشنسکا جانا چاہتا ہوں" بڈھا بولا۔

"کس لیے؟"

"میں زین ساز کے پاس جانا چاہتا ہوں" بوڑھے نے ڈاڑھی کھجاتے ہوئے کہا۔

"آج واپس آجاؤ گے؟"

"کیوں نہیں ۔۔۔ شام تک آجاؤں گا۔"

5

کچھ دیر آرام کرنے کے بعد بوڑھے نے گھوڑی کو گاڑی میں جوڑ دیا۔ دو گھنٹے کے بعد وہ دلیشنکا میں تھا۔ سب سے پہلے وہ ڈاک خانہ گیا پھر زین ساز کے پاس۔ جو چیز اسے وہاں سے لینی تھی وہ لے چکا تو اپنے ایک واقف سے ملنے کے لیے چلا گیا۔ اُس کا واقف کلیسا کے پاس رہتا تھا۔ بوڑھا گپیں ہانکنے لگا۔ اُس کا واقف چونکہ بہت مہمان نواز تھا ۔۔۔ اس نے کہا "دوپہر کا کھانا کھا کر جانا ۔۔۔ کیا ڈاک خانے گئے تھے؟" اُس نے گلاس میں کچھ ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہاں" پینٹلیمون نے جواب دیا۔ اُس نے شراب کی بوتل سے اُڑتی ہوئی بو سونگھی جیسے کوئی شکاری کتا کسی حیوان کی بو سونگھے۔

"تو پھر خبر سن کر آئے ہو گے۔"

"کیسی خبر؟"

"کلیڈن آخرت کی نیند سو گیا ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟" بوڑھا ایک لمحے کے لیے بوتل بھول گیا جو اُس کے میزبان کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی۔ اُس نے کرسی سے پیٹھ لگادی اور سننے لگا۔

"آج ہی تار آیا تھا کہ کلیڈن نے ناوچر کاس میں خودکشی کرلی ہے۔ سارے صوبے میں وہی ایک قابل جرنیل تھا۔ بہت بہادر شخص تھا۔ اُس نے جان اس لیے دے دی کہ وہ کاسکوں کو ذلیل ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔"

"ذرا ٹھہرو ۔۔۔ اب کیا ہوگا؟" پینٹلیمون نے گھبراہٹ کے عالم میں پوچھا۔ اُس نے پیش کردہ

گلاس کو ایک طرف کر دیا۔

"خدا جانے کیا ہو گا۔ بُرا وقت آ رہا ہے۔ اگر وقت اچھا ہوتا تو وہ اپنے آپ کو گولی سے کیوں ہلاک کر لیتا۔"

"لیکن کس چیز نے اُسے اس ہلاکت پر مجبور کیا؟"

پینٹلیمون کا میزبان بھی اُس کی طرح قدیم الخیال تھا۔ بولا "سرکردہ لوگوں نے اُس کا ساتھ چھوڑ کر بالشویکوں کو صوبے میں داخل کر لیا تھا۔ اسی لیے اٹامن بھی چلا گیا ہے۔ اب اس سے بہتر انسان ہمیں نہیں مل سکتا۔ اب ہماری حفاظت کون کرے گا؟ کمینہ کا بیٹا جانے کیا سازش ہو رہی ہے۔ سرکردہ کاسک بھی اس سازش میں شامل ہیں۔ کیا تم نے کچھ سُنا ہے ...... ہمیں حکم آیا ہے کہ اٹامنوں کو ان کے منصب سے برخاست کر دو اور اُن کی جگہ پنچایت کے چودھری چُن لو۔ کسانوں نے سر اُٹھانا شروع کر دیا ہے۔ بڑھئی، لوہار اور دُوسرے مزدور ویشنسکا میں خوشیاں منا رہے ہیں۔"

پینٹلیمون دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ اُس کا سفید سر جھکا ہوا تھا لیکن جب سر اُٹھایا تو نگاہیں دُرشت تھیں۔

"اس بوتل میں کیا ہے؟"

"شراب ــــ میرے ایک رشتہ دار نے کاکیشیا سے بھیجی ہے۔"

"دیکھتے کیا ہو ــــ انڈیلو ــــ ہم جرنیل کی یادگار میں شراب پئیں گے ــــ خدا اُسے بہشت نصیب کرے۔"

دونوں بیٹھے شراب پیتے رہے۔ میزبان کی بیٹی کھانا لائی۔ پینٹلیمون نے گھوڑی کی طرف دیکھا۔

میزبان بولا "گھبراؤ نہیں، تمھاری گھوڑی کو بھی پانی پلا دیا جائے گا اور گھاس بھی کھلائی جائے گی۔"

۶

سرگرم گفتگو ہوتی رہی۔ بوتل کی موجودگی میں ہنٹیمون نے اپنے آپ کو بھلا دیا اور گھوڑی کو بھی۔ گرگیر کے متعلق یونہی باتیں کرتا رہا۔ اپنے بدمست میزبان کی فضول بحث میں اُلجھ گیا۔ شام کو اُسے ہوش آیا اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میزبان نے اُسے رات ٹھہرنے کی دعوت دی لیکن اُس نے اُسے نظرانداز کرتے ہوئے گھر جانے کی ٹھانی لی۔ اُس کے دوست کے بیٹے نے گاڑی جوت دی اور اُس کے میزبان نے اُسے گاڑی پر چڑھنے میں مدد دی۔ پھر میزبان کو خیال آیا کہ وہ بوڑھے کو گاؤں سے باہر پہنچا آئے ہر موڑ پر گاڑی کسی نہ کسی چیز سے ٹکرا جاتی۔ آخر دو میدان میں نکل آئے۔ دونوں بغلگیر ہوتے۔ اُس کے میزبان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ لیٹ گیا۔ بڑی دیر تک یونہی پڑا رہا کیونکہ اُٹھ نہ سکتا تھا آخر وہ اُٹھا اور لڑکھڑاتا ہوا برف کی دُھند میں غائب ہو گیا۔ ہنٹیمون نے گھوڑے پر چابک برسایا۔

چابک کی ضربات سے گرم ہو کر گھوڑی نے دُلکی چال چلنی شروع کر دی لیکن جلد ہی بوڑھے کو نشے کی ترنگ میں نیند آ گئی۔ اُس کا سر گاڑی کی دیوار سے ٹک گیا اور وہ خاموش ہو گیا۔ اُس کے ہاتھ سے لگام چھوٹ گئی اور گھوڑی نگرانی اور سہارے سے محروم ہو کر مرنے جیسے چلنے لگی۔ چند منٹ تک تو وہ سیدھی چلتی رہی پھر سڑک سے اُتر کر ایک گاؤں میں جا پہنچی۔ گاؤں سے گزر کر وہ سڑک سے دور نکل گئی۔ گاڑی جھاڑی میں پھنس گئی اور وہ کھڑی ہو گئی۔ جھٹکا لگا تو بوڑھے کی آنکھ کھل گئی۔ وہ بولا "شیطان؟" پھر سو گیا۔ گھوڑی پھر چلنے لگی اور جنگل کی کسی چیز سے ٹکرائے بغیر گزر گئی۔ ڈوان کا کنارہ نزدیک آ چکا تھا۔ دھوئیں کی بو پا کر اُس نے گاؤں کا رُخ کیا۔

گاؤں سے آدھ میل کے فاصلے پر دریا میں ایک خلا ہے۔ اس خلا میں سے ایک ندی بہتی ہے۔ یہاں پانی کبھی نہیں جمتا اور بھنور سا بنا کر بہتا ہے۔ بہار میں جب ندی لبالب بھری ہوئی ہوتی ہے تو گرداب یہاں شور کرتا ہوا رقص کرتا ہے۔

بوڑھی گھوڑی اس گرداب کی طرف بڑھی۔ وہ ابھی پچاس گز کے فاصلے پر تھی کہ سپنٹیلیون نے نیم وا آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھا۔ تارے آسمان پر ٹمٹما رہے تھے۔

"رات ۔۔۔۔ وہ غنودگی کے عالم میں بڑبڑایا اور لگام میں ٹٹولنے لگا۔

"اوہ ۔۔ بڑھیا ۔ گھوڑی کی بچی۔ دوں گا تڑاق سے ایک نہیں تو سیدھی طرح چل۔"

گھوڑی ڈھیلی چال چلنے لگی۔ نزدیک آتے ہوتے پانی کی بو اس کے نتھنوں میں آئی۔ اس نے کان کھڑے کر لیے اور منہ موڑ کر مالک کی طرف دیکھنے لگی۔ یکایک پانی کے ساحل سے ٹکرانے کا شور اس کے کانوں میں پڑا۔ اس کے کھروں کے تلے برف چرمرانے لگی اور پاؤں پانی کی تہ چھونے لگے۔ گھوڑی نے مزاحمت کی کوشش کی لیکن وہ بے بس ہو چکی تھی۔ برف اس کے کھروں کے تلے ٹوٹنے لگی۔

بھنور نے گھوڑی کو نگل لیا۔ گھوڑی نے دولتی چلائی۔ سپنٹیلیون کو اس وقت خطرے کا احساس ہوا۔ اس نے گھوڑی کو ڈوبتے ہوئے دیکھا۔ گاڑی کا پچھلا حصہ پانی میں دھنستا جا رہا تھا پھر دوسرے لمحے وہ پانی میں تھا۔ پانی میں برف کے ٹکڑے بھی تیر رہے تھے۔ وہ گاڑی سے کود پڑا ۔۔ اور چلایا "مدد ۔۔۔ مدد، ہم ڈوبے جا رہے ہیں۔"

اس کا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔ وہ تالاب کی طرف دوڑنے لگا۔ تازہ اور شکستہ برف چاندنی میں فروزاں تھی۔ ہر طرف موت کا سا سناٹا تھا۔ گاؤں کی روشنیاں دور جھلملا رہی تھیں۔ ہوا برف کے گالے اڑا رہی تھی جس کی وجہ سے دھند پیدا ہو چکی تھی۔

سپنٹیلیون کو اب احساس ہوا کہ مدد کے لیے کسی کو پکارنا بے سود ہے۔ اس کا چابک ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ گالیاں دے رہا تھا اور پانی میں کمر تک ڈوبا ہوا تھا۔ وہ گھوڑی پر چابک برسا رہا تھا لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوتی تھی۔ جو سودا سلف وہ خرید کر لایا تھا وہ پانی کی نذر ہو چکا تھا۔ وہ تالاب کو، گھوڑی کو، اور شراب کو گالیاں

دے رہا تھا۔

"اندھی بڑھیا۔ تیری ماں گدھی تھی"..... وہ گھوڑی کو گالیاں دے رہا تھا اور گِگیا رہا تھا۔

"مجھے بھی ڈبو دیا اور خود بھی ڈوبی۔ مرنی۔ شیطان کی خالہ..... یہ لے چابک بھی ساتھ لے جا۔ اسے میں کیا کروں گا"

اُس کے دیکھتے دیکھتے گھوڑی کو اور چابک کو بھی پانی نے نگل لیا۔

چوتھا باب

بنچک کو ہوش آیا تو اُس کی نگاہوں سے جو پہلا چہرہ متصادم ہوا وہ آنا کا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں تبسم بھی تھا اور آنسو بھی تھے۔

تین ہفتوں سے اُس پر بحران طاری تھا۔ تین ہفتوں تک وہ ایک نئی دنیا میں سرگرداں رہا تھا۔ اُس کے حواس بجا ہوئے تو جنوری کی چھپّن تاریخ تھی۔ اُس نے دھندلی آنکھوں سے آنا کی طرف دیکھا لیکن اُس کا ماضی ابھی تک دھندلکے میں غائب تھا۔

"مجھے پانی دو..... " اُس نے اپنی آواز بھی دُور سے آتی ہوئی سنی اور وہ مسکرایا۔ اُس نے ہاتھ پھیلا دیا لیکن آنا نے اُس کا ہاتھ ایک طرف ہٹا دیا۔

"نہیں، میرے ہاتھوں سے پانی پیو" آنا بولی۔

اُس نے احسان مندی کی نگاہ سے آنا کی طرف دیکھا۔ اُس نے کپکپاتے ہوئے سر اُٹھا کر پانی پیا پھر تکیے کے سہارے لیٹ گیا۔ وہ دیوار کی طرف گھور رہا تھا اور کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن نقاہت اُس پر غالب آ چکی تھی اور وہ اُونگھنے لگا۔

۲

وہ بیدار ہوا تو آنا ابھی تک اُس کی نگاہوں کے سامنے تھی۔ اُس کی آنکھوں میں اضطراب کی جھلک تھی۔ اُس نے لیمپ کی زرد روشنی کی طرف دیکھا۔ دیوار پر روشنی کا سفید دائرہ نمایاں تھا۔

"آنا ــــ اِدھر آؤ۔"

اُس نے قریب آکر اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ وُہ مسرور تھی۔ اُس کے ہوش میں آنے پر خوش تھی۔

"کیسی ہے طبیعت ــــ ؟" اُس نے پوچھا۔

"میری زبان ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری نہیں کسی دُوسرے کی ہے۔ میرا سر بھی کسی اور کا ہے۔ ٹانگیں بھی ــــ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میں سو سال کا بوڑھا ہوں" ذرا دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "کیا مجھے تانفس کا بخار ہو گیا تھا؟"

"ہاں۔"

اُس کی نگاہیں کمرے میں آوارہ تھیں۔

"ہم کہاں ہیں ؟"

"زارزن میں۔"

"اور تم ..... تم یہاں کیسے ؟"

"میں تمھارے ساتھ رہی ہوں" اُس نے عجلت سے اضافہ کیا "ہم تمھیں اجنبیوں کے ہاتھ میں دے کر جانا نہ چاہتے تھے۔ امام حسن اور جماعت کے دُوسرے ساتھیوں نے مجھے حکم دیا کہ میں تمھاری دیکھ بھال کروں۔ اس لیے مجھے خلافِ توقع یہاں آنا پڑا ....."

اُس نے نگاہ سے اُس کا شکریہ ادا کیا۔

"اور کروتو گارف ....."

"وُہ لوگا فسک چلا گیا ہے۔"

"گیفار کیا نز۔"

"وُہ ..... وُہ تانفس میں مُبتلا رہ کر فوت ہو گیا ہے۔"

دونوں خاموش ہو گئے۔ جیسے متوفی ساتھی کا ماتم منانے کے لیے خاموش ہو گئے ہوں۔

"مجھے تمہاری جان کا بھی خدشہ تھا۔ تم سخت بیمار رہے ہو" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"اور بوگوفائی ؟"

"مجھے معلوم نہیں۔ میں اُن سب سے جُدا ہو چکی ہوں۔ ان میں سے کچھ کمینسکا چلے گئے ہیں کیا اس وقت، ایسی حالت میں تمہارے لیے یہ باتیں کرنا مناسب ہے؟ کیا دُودھ نہ پیو گے ؟"

بنچک نے سر ہلایا۔ اُس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اُس کی تر ہتھیلی ابرووں پر تھی۔ اس نے بند آنکھیں کھول دیں۔ ایک سوال اُسے تکلیف دے رہا تھا۔ وہ تو بیہوش تھا لیکن اس کی ضروریات کس نے پوری کیں ؟ میرے خیال میں انا نہیں ہو سکتی۔ کیا وہ میری غلاظت اُٹھاتی رہی ہوگی ـــــ ؟ ہرگز نہیں۔ شرم کی سُرخی اس کے گالوں پر آگئی اور اُس نے پوچھا "کیا تنہا تم میری دیکھ بھال کرتی رہی ہو ؟"

"ہاں"۔

۳

بخار نے اُسے تھوڑا سا بہرہ بھی بنا دیا تھا۔ زارزن کے ڈاکٹر نے انا کو بتایا تھا کہ شفایاب ہونے پر بھی اس کا یہ نقص دُور نہ ہو سکے گا۔ وہ بڑی سُست رفتاری سے رو بصحت ہو رہا تھا۔ اُسے سخت بھوک لگتی لیکن انا ڈاکٹروں کی ہدایت کے مُطابق اُسے نہایت ہلکی غذا دیتی اور اس سلسلے میں کئی مرتبہ اُن کا باہم جھگڑا بھی ہوا۔

"مجھے تھوڑا سا دُودھ اور دے دو"

"ایک قطرہ بھی نہ ملے گا"

"میں کہتا ہوں کہ تھوڑا سا دُودھ مجھے اور دے دو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کیا مجھے بھوکا مارنا چاہتی ہو ؟"

"نہیں ـــ میں حسب ہدایت تمہیں کھانے کو دُوں گی"

وہ زخم خوردہ سا ہو کر خاموش ہو جاتا۔ وہ سرد آہ بھر کر مزید گفتگو سے انکار کر دیتا۔ انا کے دل میں ایک ماں کی شفقت اُمنڈتی لیکن وہ مجبور رہتی۔ چند لمحوں کے بعد وہ بول اُٹھتا

"کیا مجھے گوبھی کا شوربا بھی نہیں مل سکتا؟" وہ التجا کرتا۔ "پیاری انّا..... میری بات سنو۔ ڈاکٹروں کی افسانہ گوئی پہ دھیان نہ دو۔ تمہیں ایسا سلوک کرنا واجب نہیں۔"

لیکن انکار کے سوا اُسے کچھ حاصل نہ ہوتا اور بعض اوقات وہ سخت الفاظ سے اُس کا نازک دل مجروح کر دیتا۔

"میری ایسی مدد کرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے سینے میں دل نہیں۔ میں تم سے نفرت کرنے لگا ہوں۔"

"میری غور پرداخت کا بہترین معاوضہ یہی ہوگا کہ تم مجھ سے نفرت کرنے لگو" وہ جھنجھلا اُٹھتی۔

"میں نے تم سے کب کہا تھا کہ میرے پاس رہو۔ مجھے اس طرح نہ جھڑکو۔ اچھا مجھے کچھ نہ دو۔ مجھے مرجانے دو۔"

اُس کے ہونٹوں پر کپکپی طاری ہوجاتی لیکن وہ اپنے آپ کو قابو میں رکھتی اور اُس کا چڑچڑا پن برداشت کر لیتی۔ ایک دفعہ جب وہ کھانے کے سلسلے میں کافی دیر تک لڑتے رہے تو اس نے دیکھا کہ اُس کے مریض کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے "تم بالکل بچے ہو" وہ بولی اور باورچی خانے سے قیمے کے سموسے اُٹھا لائی۔ ایک سموسا اس کے ہاتھوں میں دے کر کہا "کھاؤ میرے پیارے ــــ اور کھاؤ۔"

بچک بے حد رنجیدہ خاطر تھا لیکن انکار نہ کر سکا۔ اُس نے آنسو پونچھ کر سموسا پکڑ لیا اور اُس کی طرف ایک نگاہِ تشکر ڈالی۔ وہ اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہا تھا اور اُس سے خاموشی میں معذرت چاہ رہا تھا۔ وہ بولا "دیکھو ــــ بچوں سے بھی گیا گزرا ہوں ــــ میں تو روپڑا۔"

انّا نے اُس کی گردن کی طرف دیکھا جو مرجھا چکی تھی۔ قمیص میں سے اُس کا دبلا پتلا بازو نکلا ہوا تھا۔

آج فرطِ محبت سے مجبور ہو کر اُس نے اُس کے ابروؤں پر بوسہ دیا۔

۴

دو ہفتوں کے بعد وُہ اس قابل ہُوا کہ کسی سہارے کے بغیر کمرے میں چل پھر سکے۔ اُس کی بانس کی طرح پتلی ٹانگیں اُس کے لاغر جسم کے بوجھ تلے ڈگمگا جاتیں۔ جیسے وُہ چلنا سیکھ رہا ہے "آنا — دیکھو — میں اب چل سکتا ہوں" اُس نے کہا اور تیز تیز چلنے لگا لیکن ٹانگیں جواب دے گئیں۔ اُس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور جو چیز بھی اس کے سامنے آتی اُس کے سہارے سے کھڑا ہو جاتا۔ وُہ ہنسا لیکن نہایت کھوکھلی ہنسی۔ اتنی سی کوشش کے بعد وُہ تھک گیا اور بستر پر گر پڑا۔

ان کا کمرہ گھاٹ کے قریب تھا اور کھڑکی میں سے دانگا کی برفیلی وسعت نظر آتی تھی۔ اُس کے پرے جنگل تھا۔ آنا اکثر اوقات کھڑکی میں کھڑی ہو کر زندگی میں دفعۃً آتی ہوئی تبدیلی پر غور کرتی رہتی تھی۔ بنچک کی علالت نے اُنھیں ایک دُوسرے کے قریب ترین کر دیا تھا لیکن اس سے بھی پہلے — راستوف میں پہلی ملاقات کے وقت بھی اُسے اس بات کا احساس ہوا تھا کہ وُہ اسی مرد کے لیے بنائی گئی ہے۔ زندگی کی اُن بیوں بہاروں میں اُس کے جذبات نے اُس پر قابو پا لیا تھا اور وُہ بنچک کی طرف بُری طرح کھنچ گئی تھی۔ اُس کے دل نے بنچک کا انتخاب کر لیا تھا۔ جنگ میں تو وُہ بالکل اسی کی بن گئی۔ اُس نے اُسے موت کے مُنہ سے بچا لیا تھا۔ اُس کے شفایاب ہونے میں اُسی کا ہاتھ کارفرما تھا۔

پہلے پہل، جب طویل مسافت کے بعد وُہ نارذن میں آئے تھے، اُس کی زندگی غمناک ہو گئی تھی۔ اُس کی آنکھیں ہر وقت آنسوؤں سے لبریز رہتیں۔ اُس نے زندگی کے تاریک پہلو پر نگاہ نہ کی تھی۔ اُسے اُمید نہ تھی۔ کہ اُس کے محبوب کو بھی موت کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ دانت بھینچ کر اُس نے اُس کے سر سے جوئیں نکالی تھیں اور کراہت سے نظریں چراتی ہوئی اُس کا مردانہ جسم، جس کی سردی میں زندگی کی گرمی برائے نام رہ گئی تھی، دیکھتی اُس کا دل اُس سے بغاوت پر آمادہ ہو چکا تھا لیکن اندرونی جذبات بھی اُس کی روحانی پیاس نہ بُجھا سکے

کر سکے۔ محبت نفرت پر غالب آچکی تھی۔ وہ پیار کے قفس میں محبوس ہوچکی تھی۔

ایک دفعہ ہنچک نے اُس سے پوچھا:

"میں نے تمھیں گریز پر آمادہ کر دیا ہوگا؟"

"میرے لیے وہ سخت امتحان تھا؟"

"پھر؟"

"لیکن میں نے اپنے آپ کو مجبور کیا۔ مُنہ موڑنا آسان بات نظر نہ آئی۔"

اُس نے مُنہ پھیر لیا۔ اُس کے ہونٹ کپکپانے لگے تھے۔ اس دن کے بعد اُنھوں نے یہ موضوع پھر کبھی نہ چھیڑا۔ کیونکہ اب الفاظ کی ضرورت نہ تھی۔ الفاظ کی جگہ جذبات نے لے لی تھی۔ جذبات کے سامنے الفاظ یقیناً بے رنگ ہوتے ہیں۔

جب وہ کا مل صحت یاب ہوچکا تو اُن میں ذرہ بھر بدگمانی پیدا نہ ہوئی۔ اب وہ اس کوشش میں تھا کہ اپنے بُرے رویّے کی تلافی کر سکے۔ اُس کی محبت کا معاوضہ دینے کے لیے ہر وقت وہ کوشاں رہتا۔ اُس کی ہر خواہش پوری کرنے کے لیے وہ مستعد رہتا اور بے پناہ عقیدت سے اُسے ہر وقت دیکھتا رہتا۔

۵

جنوری کے آخر میں وہ دونوں وارانیز گئے۔ اُس نے جب ریل گاڑی کے ڈبے کے آخری حصّے میں کھڑی ہو کر پیچھے ہٹتے ہوئے نارازن کو دیکھا تو بے اختیار ہو کر اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور وہ گفتگو، جو کبھی ادھوری رہ گئی تھی، یوں پوری کر دی:

"ہم عجیب و غریب حالات میں ایک دوسرے سے ملے تھے۔ اگر نہ ملتے تو شاید یہ ہمارے حق میں اچھا ہوتا۔ میں یہ دل سے نہیں کہ رہی بلکہ ذہن سے کام لے رہی ہوں اور جانتے ہو میں یہ کیوں کہ رہی ہوں؟..... دیکھو....." اُس نے برف سے ڈھکے ہوئے میدان کی طرف اشارہ کیا "وہاں زندگی مچل رہی ہے..... وہاں پوری طاقت

کی ضرورت ہے۔ کتنا اچھا ہوتا اگر جنگ سے پہلے ملتے یا اس کے بعد ۔۔۔۔۔"

"نہیں"۔۔۔ اُس نے اُسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا "میں اور تم ایک ہی ہیں۔ یک جان و دو قالب۔ اب ہم زیادہ توجہ سے اپنے اپنے کام میں منہمک ہو جائیں گے۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ اس سے مجھ میں زیادہ قوت آجائیگی۔ لکڑی کی ایک شاخ توڑ دینا آسان ہے لیکن جب وہ دو ہوں اور آپس میں پیوست ہوں تو انھیں توڑنا مشکل ہے۔"

"کوئی اچھی مثال نہیں دی تم نے"۔۔۔

"شاید نہیں لیکن ایسی گفتگو کا انجام کچھ نہیں ہُوا کرتا۔"

"سچ کہتے ہو۔۔۔ اور اُس کے علاوہ میں نادم نہیں"۔۔۔۔۔ وہ گھبرا رہی تھی اور ہچکچاتی بھی تھی۔

"لیکن ابھی ہم کا ملاً رشتے میں منسلک نہیں ہوئے۔"

اُس نے اُس کی بندھی ہوئی ننھی سی مٹھی ہاتھوں میں لے لی۔

اُس کی بات سچی تھی۔ وہ ابھی جسمانی طور پر ایک دوسرے کے نہیں ہوئے تھے۔ ان کے رشتے میں ابھی بچوں کی سی معصومیت تھی۔ اپنے رشتے کی آخری حد کو پار کرنے کی تمنا ان دونوں کے دلوں میں ابھی شدت سے بیدار نہ ہوئی تھی۔ انھیں ابھی اپنے اتحاد کی تکمیل کا خیال نہیں تھا۔ اس خیال کے آتے ہی آنا کے دل میں ہلچل سی مچ گئی۔ وہ بولی "زادزن میں ہماری مالکہ مکان کا یہی خیال تھا کہ ہم میاں بیوی ہیں۔ مجھے کتنی مسرت ہوتی تھی۔ جنگ میں ہم ایک دوسرے سے پیار کرنے لگے ہیں۔ ہم نے ابھی تک اپنے آپ کو پاک رکھا ہے۔ ہم سماجی پابندیوں کے غلام ہیں۔ ہمارے جذبات میں ابھی تک دنیوی اور وحشیانہ رنگ نہیں آیا۔۔۔۔"

"رومانیت۔۔۔! رومان دوست ہوئی جا رہی ہے۔۔۔ رومانیت تم پر سوار ہو چکی ہے۔"

وہ ہنسا۔

"کیا کہا؟"

اُس نے خاموشی سے اُس کے سر پر تھپکی دی۔

اُس نے دھندلی آنکھوں سے برف کی وسعت دیکھی۔ دُور گاؤں کی طرف نگاہ کرتے ہوئے اُس نے نہایت مدھم مگر سُریلی آواز میں کہا:

"اس کے علاوہ آج کل ایک شخص کا حقیر سی مسرت کے حصول کی پروا کرنا کس قدر ذلیل اور نقصان دہ معلوم ہوتا ہے۔ اس انسانی ناقابلِ بیان مسرت سے، جو انقلاب سے حاصل ہوگی، اس کا کیا مقابلہ؟ یہی ہے نا؟ ہمیں اپنے آپ کو کاملاً آزادی کی اس جنگ میں لگا دینا چاہیے۔ اجتماعی کوشش سے مسرتِ انسانیت کی کوشش کرنی چاہیے۔ انفرادی کوشش سے نہیں" وہ مسکرائی جیسے بچہ خواب میں مسکرا اٹھے۔ اُس کے تبسم کی وجہ سے اُوپر کے ہونٹ پر سایہ پڑنے لگا "جانتے ہو نیچک ـــــ! مستقبل کی زندگی میری نگاہ میں ہے، جیسے کوئی خواب دیکھ رہا ہو، یا جیسے کوئی خواب میں مسکرا پڑے۔ اُس کے تبسم کی وجہ سے اُوپر کے ہونٹ پر سایہ پڑنے لگا "جانتے ہو نیچک! مستقبل کی زندگی میری نگاہ میں ہے، جیسے کوئی خواب دیکھ رہا ہو، یا جیسے کوئی خواب میں موسیقی کی صدا سُن رہا ہو۔ تم نے کبھی خواب میں موسیقی سُنی ہے؟ یہ موسیقی چھدری اور دففوں سے بلند ہوتی ہوئی موسیقی نہیں، یہ ایک ہم آہنگ موسیقی ہے۔ حُسن کا شیدائی کون نہیں؟ اور اشتراکیت کے عہد میں کیا زندگی حسین نہ ہوگی؟ نہ جنگ ہوگی ـــــ نہ افلاس، نہ ظلم، نہ محکومی اور نہ کوئی نسل و رنگ کا رخنہ ـــــ سر پھرے انسانوں نے دُنیا کو آلام و مصائب کی آماج گاہ بنا دیا ہے" وہ جوش میں آ کر نیچک کی طرف مڑی اور اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا "مجھے بتاؤ کیا اشتراکیت کے حصول کے لیے موت ایک حسین فعل نہیں۔ بتاؤ ـــــ ہاں، ایک انسان کس لیے زندہ رہتا ہے؟ حُسن کے حصول کے لیے۔ پھر اگر میں اس جنگ میں کام بھی آ جاؤں"..... اُس نے اُس کا ہاتھ اپنے سینے پر دبایا۔ اُس کا دِل دھڑک رہا تھا۔ اور اُس نے سرگوشی کی..... "تو بھی مرتے وقت میری نگاہوں میں مستقبل کی موسیقیت کا ساز ہوگا ـــــ

بنچک سر جھکائے سن رہا تھا۔ اُس کا شباب اُس پر جادو کر رہا تھا۔ گاڑی کے پہیوں کی ہم آہنگ موسیقی میں اسے ایک ابدی نغمہ چھڑا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ اُس پر کپکپی طاری ہو گئی۔ اُس نے ریل کے ڈبے کا دروازہ کھول دیا۔ ہوا سرسراتی ہوئی اپنے ساتھ بھاپ چھپتی ہوئی برفانی کہرا اور انجن کی مسلسل تیز آواز لے آئی۔

۶

آنا اور بنچک ۲۹ر جنوری کی شام کو وارانیز پہنچے۔ وہ دو دن وہاں رہے پھر انھیں پتا چلا کہ ڈان کی انقلابی جماعت کو کمینسکا کے گاؤں سے کرنل چرنتسف کی فوجوں نے نکال دیا ہے انھیں ملرا نومیں بھیج دیا گیا۔

ملرا نومیں لوگوں کی پُرجوش بھیڑ بھاڑ تھی۔ بنچک وہاں صرف چند گھنٹے رہ سکا اور دوسری گاڑی سے گلوبا کا چل دیا۔ دوسرے دن مشین گن کے دستے کی کمان اُس کے ہاتھ میں دے دی گئی اور اُس نے جنگ میں حصہ لیا۔ چرنتسف کی فوجوں کو بُری طرح شکست ہوئی۔ چرنتسف کی شکست کے بعد بنچک کو آنا سے جدا ہونا پڑا۔ ایک دن وہ بھاگتی ہوئی اس کے پاس آئی — "جانتے ہو ابرام سن یہاں ہے — تم سے ملنے کے لیے بیتاب ہے؟ ایک اور خبر بھی لاتی ہوں — میں جا رہی ہوں۔"

"کہاں؟" اُس نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

"ابرام سن — میں اور دوسرے متعدد ساتھی لوگانسک جا رہے ہیں تاکہ تحریک تیز کر سکیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنا دستہ چھوڑ کر جا رہی ہو۔"

وہ ہنسی اور اُس نے اپنا تمتمایا ہوا چہرہ اُس کے سینے سے لگا دیا۔

"اعتراف کرو کہ تم میرے جانے کی وجہ سے اُداس نہیں۔ میں واقعی دستے کو چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ کیا اس لیے غمگین ہو — تمھیں چھوڑ کر جا رہی ہوں یا اس لیے ملول ہو؟ — لیکن میں چند دنوں کے لیے جا رہی ہوں کیونکہ میں وہاں تم سے زیادہ کام آ سکتی

ہوں۔ مشین گن کے دستے میں رہنے کے بجائے وہاں زیادہ کام کر سکوں گی۔ میں تحریک کو مشتعل کرنے کے کام کی ماہر ہوں۔" اُس نے اس کی طرف شرارت آمیز نگاہوں سے دیکھا۔

وہ پردے کے پیچھے چلی گئی اور کپڑے بدلنے لگی۔ جب وہ وہاں سے نکلی تو اُس نے سپاہیوں کا ساخاکی کوٹ پہن رکھا تھا۔ نیچے اُس کا پھٹا ہوا مگر نہایت خوش اسلوبی سے سِلا ہوا لہنگا تھا۔ اُس نے تھوڑے دن ہوئے تھے کہ اپنے بال دھوئے تھے۔ وہ جوڑے سے باہر نکلے پڑتے تھے۔ اُس نے لمبا کوٹ بھی پہن لیا۔ وہ بولی :

"کیا آج حملے میں حصّہ لوگے ؟"

"کیوں نہیں ــــ میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تو نہیں بیٹھا رہوں گا۔"

"میں نے یُونہی پُوچھا تھا۔ . . . سُنو احتیاط سے کام لینا ـــــ اپنے آپ کا خیال رکھنا ـــ میرے لیے اپنی حفاظت کرنا۔ زیادہ جوشیلے نہ ہو جانا ـــــ میں تمہارے لیے اُونی جرابوں کا ایک فالتو جوڑا چھوڑے جارہی ہوں۔ سردی سے بچنا۔ پاؤں خشک رکھنا۔ میں لوگانسک سے تمہیں خط لکھوں گی۔"

اُس کی آنکھوں کی چمک مدھم پڑ گئی اور رُخصت ہونے سے پہلے اُس نے اعتراف کیا "میں خود تم سے جُدا ہو کر بے حد ملول ہوں۔ جب ابرامسن نے تجویز پیش کی کہ مجھے لوگانسک جانا ہو گا میں خوش ہو گئی تھی لیکن اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میں وہاں تنہا تنہا سی رہوں گی۔ . . . . . خیر ــــ مجبوری ہے ـــ اچھا تو خدا حافظ !"

اُس نے الوداع کہتے ہوئے سرد مہری کا اظہار کیا تھا لیکن اُسے معلوم تھا کہ وہ ایسا اس لیے کر رہی ہے کہ اس کا ارادہ متزلزل نہ ہو جائے۔ وہ دروازے تک اُسے چھوڑنے آیا۔ وہ تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے چلی گئی اور اُس نے مُڑ کر بھی نہ دیکھا۔ وہ اُسے واپس بلانا چاہتا تھا لیکن اُس نے اُس کی آنکھوں میں نمی دیکھ لی تھی اور اُس نے خواہش

کو دبانے کی کوشش کی لیکن اُس سے نہ رہا گیا" مجھے اُمید ہے کہ میں تم سے راستوف میں ملوں گا ۔۔۔ آنا !!"

اُس نے مڑ کر دیکھا اُور قدم اُور بھی تیز کر لیے۔

اُس کے جاتے ہی بنچک کو تنہائی کا شدید احساس ہوا۔ وُہ گھر واپس چلا آیا اُور فوراً ہی باہر نکل آیا جیسے گھر کو آگ لگ گئی ہو۔ گھر میں ہر چیز آنا کا ذکر چھیڑ رہی تھی۔ ہر کونے میں اُس کے جسم کی خوشبو تھی۔ اُس کا بھولا ہُوا رُومال ۔۔۔ تانبے کا جگ اُور ہر چیز، جسے اُس کے ہاتھوں نے چھُوا تھا، اُس کی مہک دیتی تھی۔

رات تک وُہ سٹیشن کے گرد گھومتا رہا تھا۔ ایک ایک لمحہ گزارنا مشکل ہو رہا تھا۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس کے جسم کا کوئی حصّہ کاٹ دیا گیا ہو۔ اس نئی پیدا شُدہ حالت کا مقابلہ اُس کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔ اُس نے سُرخ فوجوں کے کاسکوں کو دیکھا۔ اُس میں سے بیشتر اُسے پہچانتے اُور بیشتر کو وُہ پہچانتا تھا۔

ایک کاسک نے اُسے روکا جو جرمن روسی جنگ میں لڑتا رہا تھا۔ وُہ کاسک اُسے گھر کے اندر لے گیا اُور تاش کھیلنے کی دعوت دی۔ اُس میں سُرخ فوجوں کے بحری سپاہی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ دھوئیں میں بیٹھے ہوئے وُہ تاش کے پتے میز پر پٹک رہے تھے۔ گالیاں دے رہے تھے اُور کرینسکی کے عہد کے نوٹ جیبوں سے نکال اُور جیبوں میں رکھ رہے تھے۔ بنچک تازہ ہوا کے لیے ترس گیا۔ یہ بہانہ کر کے کہ اُسے ایک گھنٹے کے بعد جلسے میں حصّہ لینا ہے، وُہ کسی کو الوداع کہے بغیر باہر آ گیا۔

انقلاب دشمن فوجوں کی آخری امیدیں بوسیدہ لکڑی کی طرح دم توڑ رہی تھیں۔ بالشویکوں کا پھندا ان کی گردن میں اور بھی تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ اُن کا دم گھٹتا جا رہا تھا۔ انقلابی فوجیں راستوف تک پیش قدمی کرتی ہوئی پہنچ چکی تھیں۔ کارنیلف کو خطرے کا احساس ہو چکا تھا۔ اُسے معلوم ہو چکا تھا کہ راستوف میں اُس کی موجودگی خطرناک ہو سکتی ہے اس لیے اُس نے ۲۲ فروری کو پسپائی کا فیصلہ کر لیا۔

اُسی دن شام کے قریب سپاہیوں کی لمبی لمبی قطاریں راستوف چھوڑ کر جا رہی تھیں۔ ان میں سے بیشتر نے افسروں کی وردیاں پہن رکھی تھیں۔ کپتان اور کرنیل دستوں کی کمان کر رہے تھے۔ دستوں میں امیرزادے اور افسر تھے۔ مال اسباب کی گاڑیوں کے پیچھے پناہ گزینوں کی لا محدود قطاریں تھیں۔ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں بھیڑ کی کھال اور اونچی ایڑی کی جوتیاں پہنے چل رہی تھیں۔ سپاہیوں کی ایک کمپنی کی کمان کپتان لسنتکی کے ہاتھ میں تھی۔

شام کا دھندلکا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ دھند پڑنے لگی تھی۔ نمکین ہوا ڈان کے دہانے کی طرف سے آ رہی تھی۔ چلنا دشوار تھا۔ جوتوں میں نمی داخل ہو رہی تھی۔ لسنتکی چلتے چلتے مردوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ ایک افسر کہہ رہا تھا "تم نے اُسے دیکھا تھا —— روڈزیانکو، حکومت کا صدر پیدل جا رہا تھا۔۔۔"

"ہاں —— روس پر قیامت آ گئی ہے۔"

"تمہارے پاس سگرٹ ہے؟ —— ایک افسر نے لسنتکی سے سوال کیا۔ لسنتکی نے

اُسے سگرٹ دے دیا۔ اُس نے اُس کا شکریہ ادا کیا۔ اُس نے ناک صاف کی اور اُنگلیوں کو حسبِ عادت کوٹ ہی سے پونچھ لیا۔

"لفٹننٹ! تم جمہوریوں کی عادتیں سیکھتے جاتے ہو" ـــــ ایک لفٹننٹ کرنل نے طنزاً مسکرا کر کہا۔

"کیا کیا جائے ـــــ تمہارے پاس کیا اتنے ہی رومال ہیں؟"

کرنل نے کوئی جواب نہ دیا۔ برف کے ننھے ننھے گالے اُس کی ڈاڑھی میں پھنسے ہوئے تھے۔ لستنسکی اُس کی طرف دیکھ کر سوچنے لگا "روس کا گلاب؟"

چلتے چلتے اُسے لیوگا دنوں سے اپنی روانگی یاد آ گئی۔ اپنے باپ اور اکسینیا کے چہرے اُسے یاد آ گئے۔ یکایک ایک نامعلوم اشتیاق نے اُس کا حلق خشک کر دیا۔ پاؤں منوں وزنی ہو رہے تھے۔

اس کے سامنے سنگینوں کی چمک پیدا تھی۔

وہ سوچنے لگا "مجھ ایسے یہ پانچ ہزار شہر بدر افسر اس وقت نفرت اور غصے کی آگ میں جل رہے ہیں۔ سوروں نے ہمیں روس سے نکال دیا ہے اور خیال کر رہے ہیں کہ ہمیں یہیں ختم کر دیں گے لیکن کارنیلف ہمیں ماسکو تک اب بھی لے جا سکتا ہے دیکھا جائے گا۔"

۲

۲۴ مارچ تک رضا کار فوج رونگینسک کے ضلع میں پڑی رہی۔ یہ ضلع راستوف کے جنوب مشرقی حصے میں چند میل ہی کے فاصلے پر تھا۔ کارنیلف نے مزید نقل و حرکت میں تاخیر کر دی۔ اسے جرنیل پاپلف کی آمد کا انتظار تھا جو ڈان کاسک فوجوں کا نیا اٹامن منتخب کیا گیا تھا اور جو نووچرکاس سے پسپا ہوتے ہوئے کارنیلف کی فوجوں سے ملنے آ رہا تھا۔ اُس کے ساتھ سولہ سو سپاہی تھے۔ پانچ بڑی توپیں اور چالیس مشین گنیں تھیں۔ ۲۶ مارچ

کو پاتیف اپنے ادارے کے ساتھ پہنچ گیا۔ اُس نے کارنیلف کے گھر کے سامنے باگیں کھینچ لیں۔ وہ گھوڑے سے اُترا اور برآمدے کی طرف بڑھا

ہال میں نو وارد جرنیلوں کا خیر مقدم کیا گیا۔ کارنیلف نے اُن کے سفر کے متعلق غیر ضروری سوالات کیے۔ کوتوپیف بھی داخل ہوا۔ اُس کے ساتھ بھی بے شمار افسر تھے۔ کارنیلف نے اُسے کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی تھی۔

کارنیلف نے پاتیف کی طرف گھورتے ہوئے' جو اپنی نشست پہ بیٹھ چکا تھا' پوچھا

"جرنیل! تمہارے دستے کے سپاہیوں کی تعداد کتنی ہے؟"

"پندرہ سو ـــ ایک توپ خانہ' چالیس مشین گنیں۔"

"رضاکار فوج نے جن حالات میں راستوف کو خالی کیا ہے کیا اُن سے آگاہ ہو؟ ہم نے کل بھی ایک کانفرنس منعقد کی تھی۔ جس میں فیصلہ کیا گیا تھا کہ کیوبان کی طرف پیش قدمی کی جائے۔ یکاترنوڈار ہماری منزل مقصود ہو گی۔ جہاں رضاکار فوج سرگرم کار ہے۔ ہمارا راستہ یہ ہو گا۔" اُس نے پنسل کا کُند سرا نقشے پہ پھیرتے ہوئے جواب دیا "کیوبان سے گزرتے ہوئے ہم مزید کارسک حاصل کرتے جائیں گے اور راستے میں جس قدر سُرخ فوجوں کے دستے ملیں گے اُنھیں ہلاک کرتے جائیں گے تاکہ ہماری نقل و حرکت میں کوئی مزاحمت نہ کر سکے۔ ہم تجویز پیش کرتے ہیں کہ تم رضاکار فوج میں شامل ہو جاؤ اور اپنا دستہ لے کر یکاترنوڈار چلے جاؤ۔ ہم نہیں چاہتے کہ اب اپنی فوجیں ایک دُوسری سے جُدا رکھیں۔"

"لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا" پاتیف نے اعلان کیا۔

"کیوں نہیں؟ کیا میں پُوچھ سکتا ہوں؟" کارنیلف نے سوال کیا۔

"کیونکہ میں ڈان کا صوبہ چھوڑنا نہیں چاہتا۔ کیوبان کے صوبے میں میرا منتقل ہونا محال ہے۔ ڈان کے شمال میں ہم میدانی علاقے کے حالات کے منتظر رہیں گے۔ اس

وقت دشمن سے تیز رفتار حملے کی توقع نہیں کی جا سکتی کیونکہ عنقریب پالا پڑنے لگے گا۔ اور دشمن کے لیے توپخانہ یا رسالہ ڈان کے پار بھیجنا دشوار ہو جائے گا۔ جس علاقے کا ہم نے انتخاب کیا ہے اس سے گوریلا جنگ بھی نہایت کامیابی سے لڑی جا سکتی ہے۔"

وہ سانس لینے کے لیے رکا۔ کارنیلف بولنے ہی والا تھا کہ پالیف نے ہاتھ ہلا کر منع کرتے ہوئے کہا:

"مجھے بات ختم کر لینے دو۔ ایک نہایت اہم بات غور طلب ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ہم کیوبان کی طرف جاتے ہیں تو ہمارے دستے کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ کازاک شاید چلنے سے انکار کر دیں۔ تمہیں یہ بات نظر انداز نہ کرنی چاہیے کہ میرا دستہ زیادہ تر کازاکوں پر مشتمل ہے اور وہ تمہارے فوجیوں سے بھی زیادہ قابلِ اعتماد ہیں۔ میں اپنے دستے سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ معاف کرنا ـــ کیونکہ میں نے اپنا فیصلہ تمہیں صاف طور پر بتا دیا ہے۔ مانا کہ اس وقت ہمیں اپنی فوجیں ٹکڑوں میں تقسیم نہ کرنی چاہییں۔ لیکن مشکل سے نجات حاصل کرنے کا یہی ایک راستہ ہے جو میں نے بتا دیا ہے۔ رضاکار فوج کو کسی بھی حالت میں کیوبان کی طرف پسپا نہ ہونا چاہیے بلکہ ڈان کے شمال میں ڈان کی فوج میں شامل ہو جانا چاہیے۔ بہار میں مزید کمک بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔"

کارنیلف نے دوسرے جرنیلوں کی طرف دیکھا۔ وہ ان کے اقرار و انکار کا منتظر تھا۔ الگزییف جلد باز واقع ہوا تھا اور جو فیصلہ ایک دفعہ قائم کر لیتا تھا اس پر اڑا رہتا تھا۔ اس نے یکاترنودار کی طرف پیش قدمی کی حمایت کی۔

"یکاترنودار کی طرف پیش قدمی میں ہم بالشویکوں کا گھیرا آسانی سے توڑ سکیں گے۔"

"اگر ہمیں کامیابی نہ ہوئی تو ــــ؟" لوکومسکی نے پوچھا۔

الگزییف نے انگلیاں نقشے پر دوڑا دیں۔ "اگر ہم کامیاب نہ بھی ہوتے تو کاکیشیا کی طرف کامیاب پسپائی کر کے وہاں فوج تتر بتر کی جا سکتی ہے۔"

بحث خاصی دیر تک جاری رہی۔ کارنیلف نے دوسرے جرنیلوں کی حمایت حاصل کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ وہ کیوبان کی طرف بڑھے گا اور راستے میں رسالے کے گھوڑے بھی حاصل کرے گا۔ کانفرنس ختم ہوئی۔ کارنیلف نے پاپیف سے مبادلۂ خیال کیا پھر چند لمحوں کے بعد اُٹھوں نے ایک دوسرے کو خداحافظ کہا۔ کرنل سیڈورین نے اپنے محافظ کو برآمدے میں آ کر پکارا "گھوڑے کہاں ہیں؟"

ایک کاساک کپتان آگے بڑھا" کرنل کیا فیصلہ ہوا؟" اُس نے سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔

"ہم نے کیوبان کی طرف بڑھنے سے انکار کر دیا۔ ہم اسی وقت رخصت ہو رہے ہیں۔ ازوارین! کیا تم تیار ہو؟"

"ہاں گھوڑے آ رہے ہیں۔"

گھوڑے آ گئے۔ ازوارین، اگرنگیہ کا پرانا دوست گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اُس نے گھوڑوں کو سڑک پر گزارے جانے کا حکم دیا۔ پاپیف دوسرے جرنیلوں کے ہمراہ باہر نکلا۔ ایک اردلی نے پاپیف کا گھوڑا سیڑھیوں سے لگا دیا اور جرنیل کو چڑھنے میں مدد دی۔ پاپیف نے چابک لہراتے ہوئے گھوڑے کو دلکی چال پر ڈال دیا۔ اُس کے دفتر کا دستہ بھی اُس سے آملا۔

چھٹا باب

کلیڈن کی موت کے بعد نوچرکاس میں ایک فوجی کونسل کا اجلاس بلایا گیا۔ جس میں جرنیل نازروف کو صوبائی اتامن منتخب کیا گیا۔ نمائندوں کی تعداد نہایت قلیل تھی۔ اپنی مختصر سی جماعت کی حمایت حاصل کرنے کے بعد جرنیل نازروف نے سترہ سال سے پچھتر سال کے کاسکوں کی عام لام بندی کا حکم دے دیا۔ کاسکوں نے اس حکم کی تعمیل نہایت بددلی سے کی۔ ان پر دھمکیاں بھی کارگر نہ ہوئیں۔ انھوں نے اس حکم کی جبری تعمیل کے لیے فوجی دستے بھی مقرر کیے لیکن کچھ نہ بنا۔

فوجی کونسل اپنے اقدامات میں نہایت بودی ثابت ہوئی۔ ہر شخص محسوس کر رہا تھا کہ بالشویکوں کے خلاف جنگ پتھر سے سر ٹکرانے کے مترادف ہے۔ کونسل کے اجلاس میں نازروف جو ایک نہایت حوصلہ مند جرنیل تھا سر ہاتھوں میں دیے بیٹھا تھا جیسے سوچتے سوچتے تنگ آ گیا ہو۔

گولوباف کے دستے کو فوجی انقلابی جماعت کی طرف سے نوچرکاس پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ میخائل اس دستے کے ساتھ تھا۔ گولوباف نہایت تیزی سے فتح پہ فتح حاصل کرتا ہوا نوچرکاس کی طرف بڑھنے لگا۔ راستے میں ایک چھوٹا سا گاؤں آیا۔ یہ گاؤں کم و بیش خالی کر دیا گیا تھا۔ ایک بوڑھا کاسک ناند میں برف توڑ رہا تھا۔ گولوباف اس کے قریب پہنچا "بوڑھے میاں صبح بخیر۔" کمانڈار نے سلام کیا۔

بوڑھے نے ابروؤں پر ہاتھ رکھ کر نہایت روکھا جواب دیا "صبح بخیر!"

"بوڑھے آبا! کیا تمہارے کاسک نا فوچرکاس گئے ہوئے ہیں؟ کیا تمہارے گاؤں میں بھی لام بندی کی گئی ہے؟"

بوڑھے نے جواب دیے بغیر کلہاڑی اٹھائی اور احاطے کے پھاٹک کی طرف بڑھا۔

گولوباف نے حکم دیا:

"بڑھتے جاؤ۔" اور وہ بوڑھے کو گالیاں دیتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

۲

اسی دن فوجی کونسل نے نافوچرکاس کو خالی کر دینے کا فیصلہ کیا۔ ڈان کی فوج کا نیا فیلڈ مارشل پاپیف سامان رسد کے ساتھ پہلے ہی جنوب کی طرف جا چکا تھا۔ گولوباف کو کسی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ اس کا رسالہ نافوچرکاس میں داخل ہوا۔ فوجی کونسل کے صدر مقام پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ نظارگیوں کا ایک جم غفیر چوراہے میں استادہ تھا۔ صدر مقام کی سیڑھیوں کے پاس ایک اردلی جرنیل نازاروف کا گھوڑا لیے کھڑا تھا۔

بنچک دستی مشین گن لے کر گھوڑے سے اتر پڑا۔ گولوباف آگے آگے تھا۔ دروازہ کھولا گیا تو فوجی کونسل کے تمام حاضرین کے چہرے سفید پڑ گئے۔

"کھڑے ہو جاؤ۔" گولوباف نے حکم دیا۔ کاسکوں نے ہال کو گھیر لیا تھا۔ وہ میز کی طرف لپکا۔ اس کے پُرتحکم لہجے سے مرعوب ہو کر نمائندے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ لیکن نازاروف بیٹھا رہا۔

"تمہیں فوجی کونسل کے اجلاس میں دخل انداز ہونے کی جرأت کیوں کر ہوئی؟" جرنیل نے گولوباف سے پوچھا۔

"تم زیر حراست ہو اور چپ رہو۔" گولوباف خشم آلود ہو گیا۔ وہ نازاروف کی طرف لپکا۔ اس کے کوٹ سے اس کے جرنیل ہونے کے تمام نشانات اتار کر پھینک دیے اور غرایا "کھڑے ہو جاؤ۔ میں حکم دیتا ہوں اسے لے جاؤ۔"

بنچک نے دروازے میں مشین گن نصب کر دی۔ فوجی کونسل کے ارکان بھیڑوں کی طرح ایک جگہ جمع ہو گئے۔ نازروف کو دھکیلتے ہوئے کاسک بنچک کے قریب سے گزرے۔ گولوباف جرنیل کے پیچھے پیچھے تھا۔ فوجی کونسل کے ایک رکن نے گولوباف سے پوچھا "کرنل صاحب! ہمارے لیے کیا حکم ہے؟"

دوسرے نے پوچھا "کیا ہم آزاد ہیں؟"

"میری طرف سے تم جہنم میں جاؤ" پھر وہ بنچک کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "کس کا انتظار کر رہے ہو۔ دانوں کی طرح بھون دو انھیں۔"

بنچک نے وہ رات ماں کے ہاں بسر کی۔ دوسرے دن خبر آئی کہ راستوف پر بالشویکوں کا قبضہ ہو چکا ہے۔ اس نے گولوباف سے راستوف جانے کی فوری اجازت حاصل کر لی اور دوسرے دن وہ راستوف روانہ ہو گیا۔

۳

راستوف پہنچ کر اس نے دو دن تک صدر مقام میں کام کیا اور انقلابی جماعت کے دفاتر دیکھتا رہا۔ نہ ابرامسن وہاں تھا نہ آنا تھی۔ تیسرے دن وہ انقلابی جماعت کے صدر مقام میں پھر گیا۔ ابھی وہ سیڑھیاں چڑھ ہی رہا تھا کہ آنا کی آواز نے اسے پکارا۔ وہ سیڑھیوں پر رک گیا۔ پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا کمرے کی طرف لپکا۔ کمرہ تمباکو کے دھوئیں سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے آنا کو کھڑکی میں کھڑے دیکھا۔ ابرامسن بنچ پر بیٹھا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر بندھے ہوئے تھے۔ وہ ایک طویل القامت سرخ فوجی سے مصروف گفتگو تھا اور کسی تمسخر انگیز واقعے کا ذکر کر رہا تھا۔ آنا جی کھول کر ہنس رہی تھی ابرامسن کا چہرہ مسکرا رہا تھا۔

بنچک نے ہاتھ آنا کے کندھے پر رکھ لیا "ہیلو آنا ۔۔۔!"

اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ اس کے چہرے پر خون دوڑ آیا مگر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"کہاں سے ٹپک پڑے — ابرآم سن دیکھو تو بنچک بالکل نئے سکے کی طرح چمک رہا ہے اور تم اس کے متعلق اتنے فکر مند تھے۔" اُس نے ہکلاتے ہوئے کہا اور ابھی تک اُس کی آنکھیں اُس کے چہرے پر تھیں۔ جب وُہ گھبراہٹ پر قابو نہ پا سکی تو دروازے کی طرف بڑھی۔ بنچک نے ابرآم سن کا ہاتھ مروڑا۔ دو چار باتیں کیں اور آنا کے تعاقب میں نکل گیا۔ اُس نے اپنے آپ پر قابو پا لیا تھا اور وُہ اپنے آپ سے خفا معلوم ہوتی تھی۔

"کیسے ہو؟ — کب آئے؟ — نا فوجر کا س سے آ رہے ہو؟ گورلوباف کے ڈویژن میں تھے؟ کیا خبر لائے ہو؟" اُس نے سوالات کا طومار لگا دیا۔

اُس نے اُس کے ہر سوال کا جواب دیا۔ اُس نے اُس کے چہرے پر سے نگاہ نہ اُٹھائی۔

"چلو ذرا سڑک تک چلیں" اُس نے مشورہ دیا۔

وُہ چلنے کے لیے تیار ہی ہو رہے تھے کہ ابرآم سن نے دونوں کو پکار کر پوچھا "جلد آجاؤ گے کیا؟ رفیق بنچک! میں نے تمہارے لیے ایک کام ڈھونڈ رکھا ہے۔ ہم پہلے سے تمہارے لیے کام سوچ رہے تھے۔"

"میں ایک گھنٹے تک آجاؤں گا۔"

سڑک پر پہنچ کر آنا نے بنچک کی طرف جی بھر کر دیکھا۔

"بنچک — ! میں تمہیں دیکھتے ہی بے شُدھ سی ہو گئی تھی۔ ایک دوشیزہ کی طرح — وُہ بھی اس لیے کہ تم سے خلافِ توقع ملاقات ہو گئی۔ ابھی تک ہمارا رشتہ ادھورا ہے۔ کچھ بھی ہو۔ میں تو اب تمہیں اور اپنے آپ کو میاں بیوی تصوّر کرنے لگی ہوں۔ تمہیں شاید معلوم نہیں۔ لوگا نسک میں ابرآم سن نے ایک روز مجھ سے پوچھا تھا کیا تم اب بنچک کے ساتھ رہتی ہو؟ میں نے انکار کر دیا تھا لیکن اُس نے یقین نہ کیا تھا۔ ابرآم سن بڑا نظر باز ہے۔"

"مجھے اپنے متعلق کچھ بتاؤ" اُس نے آنا سے سوال کیا۔

"کچھ نہ پوچھو، لوگانسک میں ہم نے کیا کچھ کیا۔ ہمیں وہاں سے دو سو ستر سپاہی مل
گئے۔ سیاسی سرگرمیاں جاری رکھیں لیکن میں یہ تمام واقعات دو فقروں میں نہیں بتا سکتی۔ تمہارا
خلاف توقع آمد سے میں ابھی تک سراسیمہ ہوں۔ کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟ کہاں سویا کرتے
ہو؟"

"اپنے ایک دوست کے ہاں" وہ ہکلایا کیونکہ اُس نے راتیں صدر مقام کے دفاتر میں
گزاری تھیں۔

"تم آج ہی ہمارے ہاں سامان لے آؤ۔ جانتے ہو نا میں کہاں رہتی ہوں۔ ایک دفعہ تم
مجھے میرے گھر تک چھوڑنے آئے تھے۔"

"ہاں۔ میں ڈھونڈ لوں گا لیکن وہاں صحبت مجمع ہوگا۔"

"بیوقوف نہ بنو——"

غرض یہ بات طے ہو گئی۔ شام کو اس نے چیزیں اُٹھا کر سپاہیانہ تھیلے میں بند کیں اور
آنا کے گھر کی طرف چل دیا۔ اینٹوں کے مکان کی دہلیز میں اُسے ایک بوڑھی عورت ملی۔
اس کے خط و خال آنا سے ملتے جلتے تھے۔ اُس کی آنکھوں میں بھی وہی نیلاہٹ تھی
اُس کی سکڑی ہوئی کھال اس کی عمر کی غمازی کر رہی تھی۔

"تمہارا نام بنچک ہے؟"

"ہاں۔"

"آجاؤ، میری بیٹی نے تمہارے متعلق سب کچھ بتا دیا ہے۔"

وہ اسے ایک چھوٹے سے کمرے میں لے گئی۔ اُس نے اُسے چیزیں رکھنے کی جگہ بتائی
اور انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے بولی "یہاں تم سوؤ گے، یہ ہے تمہارا بستر۔" اُس کا لہجہ
یہودیوں کا سا تھا۔ گھر میں ایک اور جوان لڑکی تھی۔ وہ بھی آنا کی طرح دکھائی دیتی تھی۔

کچھ دیر بعد آنا بھی آگئی "کوئی آیا ہے؟ کیا بنچک آگیا؟"

اُس کی ماں نے یہودی زبان میں کچھ کہا اور بنچیک کے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا میں آجاؤں؟"

"ہاں، ہاں، کیوں نہیں، تمھارا اپنا گھر ہے۔" وہ کرسی سے اُٹھ کر اُس کی طرف بڑھا۔

اُس نے اُس کی طرف نہایت اطمینان سے دیکھا۔

"تم نے کچھ کھایا پیا بھی ہے؟ دوسرے کمرے میں آجاؤ۔" وہ اسے آستین سے پکڑ کر

دوسرے کمرے میں لے آئی۔ "ماں! یہ میرا ساتھی ہے" اور مسکرانے لگی۔

راستوف میں رات کو گولیاں چلنے کی آواز آتی رہتی تھی اور کبھی کبھی کوئی مشین گن تڑتڑانے

لگتی پھر آواز بالکل ڈوب جاتی اور سکوت چھا جاتا۔

بنچیک رات گئے تک اپنے چھوٹے سے مگر صاف کمرے میں بیٹھا رہا۔

"میں یہاں اپنی چھوٹی سی بہن کے ساتھ رہتی تھی۔ ہم یہاں راہبہ عورتوں کی طرح زندگی

بسر کرتے ہیں۔ نہ تصویریں ہیں نہ اور کوئی سجاوٹ ——"

"مگر تم گزارہ کس طرح کیا کرتی تھیں؟"

"میں ایک کارخانے میں کام کرتی اور پڑھاتی تھی۔"

"اور اب —— ؟"

"میری ماں کپڑے سیتی ہے۔۔۔۔۔"

اُس نے اُسے نافوچکا س پر تسلط ہونے کے تمام حالات سنائے اور اُن لڑائیوں

کا بھی ذکر کیا جن میں اُس کے چلے جانے کے بعد حصہ لیا تھا۔ آنا نے اُسے لگنک

نگان روگ میں اپنی کارگزاریوں کا حال سنایا۔ رات کو گیارہ بجے جب اُس کی ماں نے

لیمپ بجھا دیا، اس نے اُس سے رخصت لی اور اپنے کمرے میں آگئی۔

۴

بنچیک کے سپرد انقلابی عدالت کا کام کیا گیا۔ اس انقلابی عدالت کا الحاق ڈان انقلابی

جماعت سے کر دیا گیا تھا۔ عدالت کا طویل اقامت صدر بیٹھے ہوئے گاؤں والا جس نے بیشمار راتیں ان تھک سرگرمیوں میں گزاری تھیں، اسے کھڑکی کے پاس لے گیا اور پوچھنے لگا "تم نے جماعت کی رکنیت کب اختیار کی تھی؟ خوب، بہت خوب۔۔۔ تم ہمارے کمانڈار ہو گئے ہم نے کل رات اپنے گزشتہ کمانڈار کو کلیدڈن کے پاس جہنم میں بھیج دیا ہے۔ کیونکہ وہ رشوت لینے لگا تھا۔ وہ ایک سؤر تھا ہمیں ایسے افسروں کی ضرورت نہیں۔ ہم نہایت مکروہ کام کر رہے ہیں آج کل لیکن ہمیں اپنی جماعتی ذمہ داری کا مکمل احساس ہونا چاہیے۔ اچھی طرح سمجھ لو جو کچھ میں کر رہا ہوں۔ انسانیت کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیے۔ ہم مخالفین انقلاب کو تہ تیغ کرتے ہیں لیکن اس کام کو تماشا نہ بنا دینا چاہیے۔ میرا مطلب سمجھتے ہو نا؟ خوب۔۔۔ اچھا تو اب جا کر فرائض سنبھال لو۔"

بنچک اسی رات سُرخ دستے کا کمانڈار بنا دیا گیا۔ آدھی رات کو سولہ مخالفین انقلاب کو کوئی تین میل شہر سے باہر لے جا کر گولی سے اُڑا دیا گیا۔ ان میں دو کاسک تھے۔ اس کے بعد ہر رات اسی طرح سزائے موت دی جاتی۔ انقلاب کے مخالفین زیادہ تر شہری باشندے ہوتے اور وہ بھی راستوف کے۔ کبھی کبھی ان میں کاسک بھی ہوتے۔ عجلت سے قبریں کھودی جاتیں۔ سُرخ فوج کا دستہ اور بعض اوقات کمانڈار بھی قبر کھودتا۔ پھر سُرخ فوج کے دستے کی قطار باندھ دی جاتی اور بنچک لوہے جیسی کھنکھناتی ہوئی آواز میں حکم دیتا:

"انقلاب کے دشمنوں پر۔۔۔۔" وہ ریوالور ہاتھ میں لہراتا "گولیاں برساؤ۔"

۵

ان فرائض کی انجام دہی کے ایک ہفتہ بعد بنچک کا رنگ سیاہ پڑ گیا اور وہ مرجھا گیا۔ اس کی آنکھیں اندر دھنس گئیں۔ سکڑی ہوئی پلکیں آنکھوں کی سرد چمک کو چھپا نہ سکتیں۔ انا راتیں اس سے ملا کرتی کیونکہ وہ بھی انقلابی جماعت میں سرگرم کار تھی۔ رات کو دیر سے آتی لیکن وہ اس وقت تک انتظار کرتی رہتی جب تک بنچک آ کر دستک نہ دیتا۔

ایک رات وُہ حسبِ معمول آدھی رات کے بعد آیا۔ اُس نے دروازہ کھولا اور پوچھا:

"کھانا کھاؤ گے ؟"

اُس نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔ لڑکھڑاتا ہوا جیسے اُس نے شراب پی رکھی ہو ۔۔۔ وُہ کپڑوں سمیت بستر پر گر پڑا۔ انا اُس کے پاس آئی۔ اُس نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں دھندلی دھندلی تھیں۔ تائفس کے بعد اُس کے سر کے بال باریک ہو گئے تھے۔ رال اُس کے مُنہ سے ٹپک رہی تھی۔ وُہ اس کے پاس بیٹھ گئی۔ ترس اور دُکھ سے اُس کا دِل مجروح تھا۔ وُہ زیرِ لب بولی "بنجک !۔۔۔ تمھارا کام نہایت سخت ہے۔"

اُس نے اُس کا ہاتھ مروڑا، دانت کٹکٹائے، دیوار کی طرف مُنہ کر لیا اور خاموش ہو گیا۔ رات کو وُہ خواب میں تڑپتا اور بستر پر چھلانگیں لگاتا رہا۔ وُہ اُسے خوف کے عالم میں دیکھتی رہی ایک نامعلوم خوف سے کانپنے لگی۔ رات کو وُہ سوتا تو اُس کی آنکھیں آدھی کھلی رہتیں اور پلکیں سُوجی ہوئی معلوم ہوتیں۔

"راستفرف چھوڑ کر چلے جاؤ۔ محاذ پر چلے جاؤ۔ اس طرح تو تم ختم ہو جاؤ گے" اُس نے صُبح کو اُس سے کہا۔

"خاموش رہو" ۔۔۔ وُہ چلّایا۔ غُصّے کے مارے اُس کی آنکھیں رہ رہ کر جھپک رہی تھیں۔

"چلاؤ نہیں۔ میں جانتی ہوں کہ تمھیں میں نے برہم کر دیا ہے۔"

بنجک خاموش ہو گیا۔ جیسے چلّانے سے اُس کے سینے پر پڑا ہوا بوجھ اُٹھ گیا ہو۔ اُس نے زرد ہتھیلیوں کی طرف دیکھا اور بولا "انسانی غلاظت کو صاف کرنا بھی غلیظ کام ہے۔ انھیں گولی سے اُڑانا مضرِ صحت ہے۔ خدا غارت کرے۔۔۔۔" آج اُس نے پہلی مرتبہ اُس کی موجودگی میں گالی دی۔ "اس غلیظ کام کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنا حماقت ہے۔ ہم سب کچھ کو

سے بھرے ہوئے باغ میں رہنا چاہتے ہیں۔۔۔۔ پھول اور باغ لگانے کے لیے زمین صاف کرنی ہی پڑتی ہے۔ زمین میں کھاد ڈالنی پڑتی ہے۔ غلاظت صاف کرنی ہی ہو گی"۔۔۔۔۔اُس نے میز پر مکا مار دیا۔ اُس کی آنکھیں خون رنگ ہو گئیں۔

انّا کی ماں نے کمرے میں دیکھا۔ بنچک سنبھل کر بیٹھ گیا ہوا "میں یہ کام نہیں چھوڑوں گا۔ مجھے اپنا فرض انجام دینا ہے اور دوں گا۔ میں غلاظت دُور کر دوں گا۔ زمین میں کھاد ڈالونگا۔ زمین زرخیز ہو جائے گی۔ ثمر دار ہو جائے گی۔ کسی دن خوش باش لوگ اس پہ محو خرام ہوں گے۔ شاید میرا بیٹا ہی، جو ابھی میرے ہاں نہیں اس پہ چہل قدمی کرے"۔۔۔۔ وہ ہنسا اور دل کھول کر ہنسا "مستقبل کا نغمہ۔۔۔۔۔۔۔ تمہیں یاد ہے انّا؟ تمہیں معلوم ہے؟ میں کتنے سانپوں کو کچل چکا ہوں۔ میں نے درجنوں کو ان ہاتھوں سے موت کا جام پلایا ہے۔۔۔۔۔" اُس نے پتلے دُبلے، بڑھے ہوئے ناخنوں والے ہاتھ پھیلا دیئے۔ اس کے ہاتھ گدھ کے پنجے معلوم ہوتے تھے۔۔۔۔۔ "جلنے دو ــــ مرنے دو انھیں تاکہ دھواں چھٹ جائے۔۔۔۔ مگر میں تھک چکا ہوں۔ یہ سچ ہے، تم سچ کہتی ہو ــــ تھوڑے دن اور، پھر میں محاذ پہ چلا جاؤں گا"۔

اُس نے چپکے سے کہا "محاذ پر چلے جاؤ یا کوئی اور کام اپنے ذمے لے لو۔ ضرور بنچک! ضرور، ورنہ دیوانے ہو جاؤ گے"۔

"نہیں، میں مضبوط ہوں۔ کوئی آدمی لوہے کا بنا ہوا نہیں۔ ہم ایک ہی مادے سے بنے ہوتے ہیں۔ حقیقی زندگی میں کوئی ایسا شخص نہیں جو جنگ سے خوف زدہ ہو۔ اور کوئی شخص ایسا نہیں جو اخلاقاً قتل کو جائز قرار دیتا ہو۔ مجھے افسروں کی موت پر افسوس نہیں ہوتا کیونکہ ان پر بھی جماعتی رنگ چڑھا ہوا ہوتا ہے۔ وہ کسی نہ کسی جماعت سے متعلق ہوتے ہیں یہ کسی نہ کسی جماعت کے فرد ہوتے ہیں لیکن کل مجھے اُن میں سے تین کاسکوں کو بھی گولی سے اُڑانا پڑا ــ معصوم ــــ اور مزدور ــ میں نے اُسے رسّے سے باندھا۔ میرے ہاتھ اُس کے

ہاتھوں سے چھُو گئے۔ وُہ سخت اور کرخت تھے۔ اُس کے ہاتھ ایک مزدُور کے ہاتھ تھے۔ اس لیے...... اس لیے.... اچھا مَیں چلتا ہُوں۔" اُس کے حلق میں تھُوک جم گیا۔ اُس نے گلے پر ہاتھ پھیرا۔

اُس نے بُوٹ پہنے۔ دُودھ کا ایک گلاس پیا اور باہر نکل گیا۔ راستے میں آنا نے اُسے آلیا۔ وُہ دیر تک اُس کا طویل اور دزنی ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے رہی۔ اُس کے گالوں پہ سُرخی دوڑ گئی اور وُہ شعلہ ریز ہو گئے۔ وُہ مڑی اور احاطے کے اندر آ گئی۔

۶

وقت گزرتا گیا۔ دِن لمبے ہوتے گئے۔ موسم گرم ہو گیا۔ ڈان کے علاقے پر بہار دستک دینے لگی۔ اپریل کے آغاز میں سُرخ فوج کے دستے جرمنوں اور یوکرینیوں کے ہاتھوں شکست کھا کر راستوف میں آنے شروع ہوئے۔ شہر میں قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ انقلابی جماعت نے بیشمار دستے غیر مسلح کر دیے کیونکہ وُہ شکست خوردہ ذہنیت کے شکار ہو چکے تھے۔ نافوچرکاس کے نواح میں کاساک سر اُٹھا رہے تھے۔ مارچ میں رُوسی اقامت گزینوں اور کاساکوں میں تصادم ہونے لگا۔ ہر جگہ فتنہ و فساد کا بازار گرم تھا۔ مخالفینِ انقلاب نے سازشوں کا جال بچھا دیا تھا۔ مگر راستوف سرگرم زندگی بسر کرتا رہا۔ فوجیوں اور بحری سپاہیوں کے گروہ ہر شام سڑک پر خراماں نظر آتے تھے۔ ہر شام ان کے اجلاس منعقد ہوتے۔ وُہ عورتوں سے باتیں کرتے۔ پہلے کی طرح وُہ پٹڑیوں پر چلتے، کھاتے، پیتے، سوتے، مرتے، بچوں کو جنم دیتے۔ پیار کرتے، نفرت کرتے، ہوا پھانکتے اور جذبات سے مغلوب ہو جاتے۔ دہشت سے بھرپور دن راستوف کے نزدیک پہنچ رہے تھے۔

برفاب کی بُو ہوا میں شامل تھی اور خونریز جنگ کا پیغام بھی تھا۔

ایک دن جب موسم بہت خوشگوار تھا، بنچک وقت سے پہلے گھر آ گیا۔ آنا اُس سے پہلے ہی وہاں موجود تھی۔

"ہمیشہ دیر سے آتی ہو۔ آج اتنا پہلے کیونکر آگئیں؟" اُس نے پوچھا۔

"میری طبیعت خراب ہے۔"

انا اُس کے پیچھے پیچھے کمرے میں آگئی۔ اُس نے باہر کے کپڑے اُتار دیے اور مسکرایا۔

"انا! آج سے میں فوجی عدالت میں کام نہ کروں گا۔"

"کیا کہتے ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟"

"فوجی انقلابی جماعت میں کریناشکیف سے میری گفتگو ہوئی تھی۔ اُس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ مجھے کسی ضلع میں بھیج دے گا۔"

دونوں نے اکٹھے کھانا کھایا پھر لبستر پر لیٹ گیا۔ اضطراب کی وجہ سے وہ دیر تک سو نہ سکا۔ کروٹیں بدلتا رہا۔ آج وہ اپنے آپ کو فارغ سمجھ رہا تھا۔ فوجی عدالت چھوڑ دینے سے اُسے کچھ قرار سا آگیا تھا۔ اس کے ذہن سے بوجھ سا ہٹ گیا تھا۔ وہ چوتھا سگریٹ ختم کر رہا تھا کہ اُس کا دروازہ آہستہ سے چرچرایا۔ اُس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ یہ انا تھی۔ ننگے پاؤں اور شب خوابی کے لباس میں ملبوس۔ چپکے چپکے اُس کے بستر کے نزدیک آگئی۔ کھڑکی کی درزمیں سے چاندنی کی لکیر اُس کے ننگے شانوں پر پڑ رہی تھی۔ وہ اس پہ جھک گئی اور گرم گرم ہاتھ اُس کے ہونٹوں پہ رکھ دیا۔

"ذرا کھسک جاؤ اور منہ سے کوئی لفظ نہ نکالو۔"

دونوں ساتھ ساتھ لیٹ گئے۔ اُس کی جلتی ہوئی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ وہ کہنیوں کے بل اُٹھ گئی۔ اُس نے اُس کے کان میں کہا "میں تمہارے پاس آگئی ہوں۔ ۔ ۔ بس خاموش رہنا ۔ ۔ ۔ ۔ اماں سو رہی ہیں"۔ اُس نے نہایت بے صبری سے اپنی بھاری انگور کے خوشے جیسی لٹ اپنی پیشانی سے ہٹائی۔ اُس کی آنکھوں میں دھوئیں کی سی نیلی شعلگی تھی۔ اُس نے پھر سرگوشی کی "اگر آج نہیں تو کل تمہیں مجھ سے چھین لیا جائے گا ۔ ۔ ۔ ۔ میں تمہیں پوری قوت سے پیار کرنا چاہتی ہوں"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ اپنے اقدام کی شدت سے

لپک پا اُٹھی "اچھا تو جلدی کرو ......"

بنچک نے اُس کی سرسراتی اور چڑھتی ہوئی چھاتیوں پر بوسہ دیا۔ اس کے جسم پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ لیکن اُس کے دل میں خوف کی لہر دوڑ رہی تھی۔ اُس نے بڑی شرم اور حیرت سے محسوس کیا کہ وہ نامرد ہے۔ تکلیف کے مارے اُس کے رُخسار شعلہ گوں ہو گئے۔ آنا ایک لمحے کے بعد اُس سے جُدا ہو گئی۔ اُس نے کُرتے سے جسم ڈھانپ لیا اور کوستی ہوئی بولی "تم۔ تم۔ کیا نامرد ہو؟ کیا بیمار ہو؟ مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

اُس نے اُس کی اُنگلیاں بُری طرح مروڑیں۔ اُس کی آنکھیں چراغ کی طرح ٹمٹما رہی تھیں۔ "کیوں ــ کیوں ناراض ہوتی ہو۔ مجھے کوستی کیوں ہو؟ میں آج کل مُردہ ہوں۔ ختم ہو چکا ہوں۔ اگر میں اس لمحے نامرد ہوں تو کیا ہُوا۔ میں بیمار نہیں۔ سمجھیں ـــ میں بالکل تباہ نہیں ہُوا..... جلد سنبھل جاؤں گا، شاید کل ہی ....."

وُہ بستر سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے سگریٹ سُلگایا۔ آنا بھی اُٹھی۔ وُہ اس سے لپٹ گئی اور اُس نے ماں کی طرح اُس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

۷

آنا جو کچھ اُس سے چاہتی تھی جب اُسے مل چکا تو ایک ہفتے کے بعد اُس کے بازوؤں میں سر چھپا کر کہنے لگی "میں سمجھتی تھی کہ تم کسی اور کے ساتھ ...... مجھے معلوم نہ تھا کہ تمہیں کام نے ادھ موا کر دیا ہے۔"

اس کے بعد مدت تک بنچک نہ صرف اپنی محبوبہ کے سرگرم بوس و کنار ہی کا لطف اُٹھاتا رہا بلکہ گہری اور پوری طرح اُمنڈتی ہوئی مادرانہ شفقت کا بھی۔

اُسے کسی ضلع میں تبدیل نہ کیا گیا تھا۔ پوشلیکف کا اصرار تھا کہ اُسے راستوف ہی میں رکھا جائے۔ ڈان کی انقلابی جماعت سرگرمیوں کی وجہ سے بھڑک اُٹھی تھی۔ وُہ صوبہ بھر کی پنچایتوں کی کانگرس کے لیے تیاری کر رہی تھی اور انقلاب دشمنوں کو ختم کرنے کے پیشِ نظر جو ڈان کے صوبے میں سر اُٹھا رہے تھے، شدید جدوجہد سے کام لیا جا رہا تھا۔

ساتواں باب

دریا کے کنارے کی جھاڑیوں میں مینڈک ٹرا رہے تھے۔ سورج پہاڑیوں پر نور بکھیر رہا تھا۔ شام کی خنکی ستراکف کے گاؤں میں پھیلتی جا رہی تھی۔ جھونپڑیوں کے آڑے ترچھے سایے سڑک پر پڑ رہے تھے۔ گاؤں کے ڈھور ڈنگر میدان سے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے آ رہے تھے۔ کازک عورتیں انھیں ہانکتی اور باتیں کرتی ہوئی آ رہی تھیں۔ ننگے پاؤں گلیوں میں کھیل رہے تھے۔ بوڑھے جھونپڑیوں کے آگے بیٹھے تھے۔

گاؤں میں بہار کی فصل بوئی جا چکی تھی۔ اِدھر اُدھر بیج بکھرے پڑے تھے۔

کاسکوں کا ایک گروہ گرے ہوئے برگد کے تنے پر بیٹھا تھا۔ یہ برگد کا تنا ایک جھونپڑی کے احاطے میں گرا پڑا تھا۔ جھونپڑی کا مالک جو جھریوں پڑے چہرے والا توچپی تھا، روس و جرمنی کی جنگ کا ایک واقعہ سنا رہا تھا۔ سامعین جن میں ایک بوڑھا پڑوسی اور اُس کا داماد بیٹھے خاموشی سے سن رہے تھے۔ توچپی کی بیوی خوبصورت تھی۔ اُس کی گلابی رنگ کی جاکٹ اُس کے لہنگے میں نہایت خوش اسلوبی سے اڑسی ہوئی تھی۔ جاکٹ کہنیوں پر سے پھٹی ہوئی تھی اُس کے سانولے بازو ننگے ہو رہے تھے۔ اُس کے کولہے پر گھڑا رکھا تھا اور وہ میدان کی طرف سے آ رہی تھی۔ وہ مویشی خانے تک گئی۔ اُس کی چال میں کازک عورتوں کی سی تمکنت تھی۔ اُس کے بال سفید رومال سے نکلے پڑتے تھے۔ دودھ دوہنے کی آواز کاسکوں کے کانوں میں آ رہی تھی۔ گھر کی مالکن نے دودھ دوہنا بند کر دیا اور جھونپڑی میں واپس آ گئی۔ اُس کے بائیں ہاتھ میں دودھ سے بھرا ہوا

برتن تھا۔

"سیموَن! ذرا بچھڑے کا خیال رکھنا"..... اُس نے سیڑھیوں پہ سے کہا۔

"مگر مٹکا کہاں ہے؟" اُس کے خاوند نے پُوچھا۔

"خدا جانے کہاں چلا گیا ہے"۔

کاسک پھرتی سے اُٹھا اور سڑک کے کنارے جا پہنچا۔ بُوڑھا اور اُس کا داماد اُٹھ کر گھر آ گئے۔ لیکن کاسک نے بُوڑھے کو پکار کر کہا "ادھر آؤ ڈودروفی گیبرری یچ! وُہ دیکھو" دونوں کاسک کے قریب آ گئے جس نے میدان کی طرف اشارہ کیا۔ رسالے اور توپخانے کا پیدا کردہ غبار میدان پہ چھایا ہوا تھا۔ سڑک پہ گاڑیوں کی ایک لمبی قطار چل رہی تھی۔

"فوجی ہیں، فوجی" بوڑھے نے سفید ابروؤں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"مگر ہیں کون؟" کاسک نے استعجاب کا اظہار کیا

اُس کی بیوی بھی احاطے کے پھاٹک سے نکل کر آ گئی۔ وہ بھی میدان کی طرف دیکھتے ہوئے بیتابی سے چلائی "میرے خُدا! کتنی بڑی تعداد ہے ان کی!"

"یہ کسی بھلائی کے لیے گھر سے نہیں نکلے"..... کاسک بولا۔

بوڑھا جھونپڑی کی طرف بڑھا اور اُس نے داماد کو بھی اشارہ کیا۔ بوڑھے بچے اور عورتیں اپنی اپنی جھونپڑی سے نکل کر میدان کی طرف دیکھنے لگیں۔ سپاہیوں کی قطاریں بل کھاتی ہوئی گاؤں کے قریب آ رہی تھیں۔ وُہ گاؤں سے ایک میل کے فاصلے پہ پہنچ گئے تھے۔ گاڑیوں کے کھڑکھڑانے کی آوازیں آنے لگی تھیں۔

"یہ کاسک نہیں، یہ ہمارے اپنے آدمی نہیں"۔ توپچی کی بیوی نے کہا اور کندھے جھٹکنے لگی۔

"واقعی کاسک نہیں، شاید جرمن ہوں۔ نہیں، وُہ روسی ہیں۔ اُن کا جھنڈا بھی نظر آ رہا ہے"۔ ایک طویل القامت کاسک بھی آ گیا۔ وُہ موسمی بخار میں مبتلا تھا۔ اُس کا

رنگ زرد پڑ چکا تھا۔ اُس نے ٹوپی کا سایہ کرتے ہوئے کہا "ٹھنڈا نظر آ رہا ہے۔ بالشویک میں یا لشویک؟"

"واقعی تم ٹھیک کہتے ہو۔"

بیشمار گھڑ سوار قطاریں توڑ کر گاؤں کی طرف لپکتے ہوئے آئے۔ کاسکوں نے ایک دوسرے سے نگاہ ملائی اور اپنی اپنی جھونپڑی کی طرف چل دیئے۔ بچے اور لڑکیاں چاروں طرف بکھر گئیں اور ایک دو لمحے میں سڑک خالی ہو گئی۔ گھڑ سواروں کا گروہ گاؤں میں آ پہنچا۔ وہ اس برگد کے تنے کے پاس آ کر رُکے جہاں کچھ دیر پہلے کاسک گفتگو کر رہے تھے۔ تو کچی پھاٹک کے پاس کھڑا تھا۔ دستے کا سردار جو کیموبانی وردی میں ملبوس تھا اور جس کی خاکی قمیص پر سرخ رنگ کا رومال تھا اُس کے قریب آ گیا۔

"کاسک، خدا تمھیں صحت دے ـــــ پھاٹک کھول دو۔" کاسک زرد پڑ گیا۔ اُس نے سر سے ٹوپی اُتار لی۔

"کون ہو تم؟" کاسک نے سوال کیا۔

"پھاٹک کھولو!" سپاہی نے حکم دیا۔ گھوڑا باڑ پر دولتیاں چلانے لگا۔ کاسک نے بانس کا پھاٹک کھول دیا۔ گھڑ سوار احاطے میں داخل ہو گئے۔ ان کا سردار گھوڑے سے کود پڑا اور جھونپڑی کی سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ دوسرے ابھی تک گھوڑے سے اُتر رہے تھے۔ سردار نے سگرٹ سلگایا اور کاسک کو بھی پیش کیا۔

"سگرٹ نہیں پیتے؟"

"نہیں، شکریہ۔"

"تم قدیم الخیال تو نہیں؟"

"نہیں، ہم یونانی کلیسا کے پیرو ہیں اور تم؟"

"ہم انتشار کی فوج کے سرخ سپاہی ہیں۔"

دوسرے گھڑ سوار بھی سیڑھیوں تک آ گئے۔ اُنھوں نے گھوڑے جنگلے سے باندھ

دیے۔ اُن میں سے ایک نے، جس کے ابروؤں پر بالوں کی لٹیں پھیلی ہوئی تھیں، گھر کا دروازہ کھول دیا۔ جیسے جھونپڑی کا مالک وُہ ہو۔ اُس نے ایک بھیڑ کو باہر نکال دیا اور بولا "پیو تڑا! اِدھر آؤ، ہماری مدد کرو۔"

ایک سپاہی، جس نے آسٹروی کوٹ پہن رکھا تھا، اُس کے پاس آ گیا۔ کاسک ڈاڑھی کھجانے لگا جیسے وُہ کسی بیگانے کے گھر میں کھڑا ہو۔ وُہ کچھ نہ بولا۔ سیڑھیوں پر چڑھ کر گھر کے اندر داخل ہونے لگا۔ اُدھر سپاہیوں نے تلوار بھیڑ کے گلے پر پھیری اور ننھی سی جان پھڑ پھڑانے لگی۔

دو کیوبانی سپاہی، ایک چینی سپاہی اور ایک روسی سُرخ سپاہی باورچی خانے میں داخل ہو گئے اور کاسک کی طرف دیکھتے ہوئے بولے "گھبراؤ نہیں کاسک! ہم جو کچھ بھی لیں گے پائی پائی دے دیں گے۔" اُس نے جیب پر ہاتھ مارا اور زور سے ہنسنے لگا لیکن وُہ ہنسی جلد ہی مفقود ہو گئی جب اس نے کاسک کی حسین بیوی کو دہلیز میں دیکھا۔ وُہ خوفزدہ نگاہوں سے انھیں دیکھ رہی تھی۔ اُس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ پہلے سپاہی نے چینی کو اشارہ کیا "تم بڈھے کے ساتھ جا کر سوکھی گھاس لے آؤ۔" پھر وُہ کاسک کی طرف مڑا اور بولا "ہم تمھیں خاصا انعام و اکرام دیں گے۔ سُرخ سپاہی کبھی لوٹ کھسوٹ کے مرتکب نہیں ہوتے۔ جاؤ کاسک! گھوڑوں کے لیے گھاس لا دو۔"

چینی سپاہی اور ایک اور سپاہی کاسک کے ساتھ گھاس لینے چلے گئے۔ ابھی وُہ میدان میں پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ اُس نے بیوی کو روتے ہوئے سُنا۔ وُہ دوڑتا ہوا جھونپڑی کی طرف لپکا۔ سپاہی نے اُس کی بیوی کو کلائی سے پکڑ لیا تھا اور اُسے سامنے کے کمرے میں دھکیلتا ہوا لے جا رہا تھا۔ سپاہی اُس کی بیوی کی کمر میں ہاتھ ڈالنے ہی والا تھا کہ دروازہ کھلا اور کاسک اُن کے درمیان آ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کی آواز درشت تھی۔

"تم میری جھونپڑی میں مہمان بن کر آئے تھے...... اور یہ کیا کر رہے ہو؟ میری بیوی کی عزت پر حملہ کر رہے ہو؟ —— چلے جاؤ۔ میں تمھاری توپوں اور بندوقوں سے نہیں ڈرتا۔ تم جو چاہو چُرا سکتے ہو۔ جو چیز چاہو لے سکتے ہو مگر میری بیوی پر ہاتھ نہ ڈالنا۔ میری لاش پر سے

گزر کر ہی تم ایسا کر سکتے ہو۔ اور تم نُورا ۔۔۔!" اُس نے بیوی کو مخاطب ہو کر کہا "جاؤ اَبا دودنی
کے ہاں چلی جاؤ۔ تمہارا یہاں رہنا ٹھیک نہیں۔"

فوجی قمیص کا کالر درست کرتے ہوئے مسکرایا ۔۔۔ "کاسک! ۔۔۔ تم بہت جلد بگڑ
جاتے ہو۔ ایک مرد کو مذاق بھی نہیں کرنے دیتے۔ میں مسخرہ ہوں، یونہی مذاق کر رہا تھا میں
دیکھنا چاہتا تھا کہ تمہاری بیوی بیوفا ہے کہ وفادار ۔۔۔ کیا گھاس لے آئے ہو؟ میرا خیال ہے
کہ تمہارے پاس گھاس نہیں۔ تمہاری پڑوسی کے پاس ہے؟" سپاہی سیٹی بجاتا ہوا باہر نکل گیا۔

اس کے بعد پوری پلٹن گاؤں میں داخل ہوئی۔ آٹھ سو مردوں کا ایک بھاری دستہ تھا۔ اس
دستے کا ایک تہائی حصہ چینی سپاہیوں پر مشتمل تھا اور کچھ بدیسی سپاہی تھے۔ کماندار کو اپنے بے اعتماد
سپاہیوں پر بھروسا نہ تھا اس لیے وہ رات گاؤں میں بسر کرنا چاہتا تھا۔

۲

یوکرینیوں اور جرمنوں کے ہاتھوں شکست کھا کر اشتراکی فوجوں کا یہ دستہ ڈان کے راستے سے
پسپا ہو رہا تھا۔ ان کی منزلِ مقصود واراینز تھی۔ یہ دستہ شکست خوردہ تھا اور اخلاقی اعتبار سے تباہ
ہو چکا تھا۔ کماندار کی دھمکیوں کے باوجود وہ گروہ در گروہ گاؤں میں داخل ہو گئے۔ بھیڑوں کو کاٹ
کر اور پکا کر کھا گئے۔ انھوں نے گاؤں کی حد پر دو کاسک عورتوں کی بے آبروئی کی۔ چراہے میں انھوں
نے بہت سی آگ جلائی۔ شراب پی کر ساری رات ناچتے رہے۔ آپس میں بھی لڑ پڑے۔

اسی اثنا میں تین کاسک گھوڑوں پر سوار پڑوس کے دیہات میں لوگوں کو خطرے سے آگاہ کرنے
کے لیے روانہ ہو گئے۔ رات کے اندھیرے میں کاسکوں نے گھوڑوں پر زین ڈال لیے۔ اپنے
آپ کو مسلح کر لیا۔ بڑے بوڑھوں کو جمع کیا اور جوان کاسکوں کے دستے بنا لیے۔ گاؤں کے
افسروں اور حوالداروں میجروں کی کمان میں وہ اشتراکف کی طرف چل دیے۔ جھاڑیوں اور جنگلوں میں
سے چھپتے ہوئے اشتراکف پہنچنے لگے۔ اردگرد کے دیہات سے بھی کاسک اُن کے ساتھ آ کر
شامل ہونے لگے۔

آسمان پر کہکشاں فروزاں تھی۔ رات کا اندھیرا غائب ہوتا جا رہا تھا۔ پو پھٹتے ہی کاسک چاروں طرف سے سُرخ سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے۔ ایک مشین گن تڑتڑائی لیکن اُسے جلد ہی خاموش کر دیا گیا۔

ایک گھنٹے تک سارا کام ختم کر دیا گیا۔ سُرخ سپاہیوں کا دستہ کچل کر رکھ دیا گیا۔ دو سو سے زیادہ آدمیوں کو گولی سے اُڑا دیا گیا۔ بہت سا مالِ غنیمت کاسکوں کے ہاتھ لگا۔ ہزاروں بندوقیں، توپ خانے یعنی آٹھ بڑی بڑی توپیں، چھبیس مشین گنیں اور دوسرا سامان۔

دُوسرے دن سُرخ جھنڈوں والی سُرخ فوج کو دیہات میں تہ تیغ کر دیا گیا۔ دیہات لغاوت کی آگ سے جل اُٹھے۔ اشتراکی فوجیں ہر جگہ تباہ کی جانے لگیں۔ گاؤں کے نئے نئے اٹامن منتخب ہونے لگے۔ ڈان کے اُوپر کے حصّے کے دیہات نے انقلابی جماعت سے رشتہ منقطع کر لیا۔ ویشنسکا کا قصبہ نئی سرگرمیوں کا مرکز قرار دیا۔ ڈان کا شمالی حصّہ جس میں بارہ کاسک اضلاع تھے اور ایک۔ یوکرینی ضلع خود مختار ریاست میں تبدیل ہو گیا جس نے کلیتہً ڈان کے صُوبے سے تعلق توڑ لیا۔ ڈان کے صُوبے میں ایک نیا الگ تھلگ صوبہ بن گیا۔ یلانسک ضلع کا ایک کاسک جرنیل زاخر ایلیوف اس نئے صُوبے کا اٹامن منتخب کیا گیا۔ سننے میں آیا تھا کہ وُہ ایک معمولی کاسک سے جرنیل کے منصب تک پہنچا تھا کیونکہ اُس کی بیوی ایک دانشمند اور محنتی عورت تھی۔ اُس نے اُسے فوجی کالج کے امتحانات پاس کرنے میں خاصی مدد دی تھی۔ اُسے اُس وقت تک آرام نہ کرنے دیا تھا جب تک اُس نے موجودہ منصب حاصل نہ کر لیا تھا۔

جرنیل کے متعلق ان افواہوں پر کاسک توجہ نہ کرتے تھے۔ ان کے ذہن ان دِنوں کسی اور ہی مسئلے میں اُلجھے ہوئے تھے۔

آٹھواں باب

سیلاب کا پانی کھیتوں سے نکلنے لگا تھا۔ باغ کی باڑوں سے زمین کا بھورا بدن ننگا ہونا شروع ہوگیا تھا۔ اُس کے برہنہ سینے پہ سیلاب کی بہا کر لائی ہوئی درختوں کی شاخیں بکھری پڑی تھیں۔ ڈان کے قریب پیڑوں کی شاخیں سبز ہونے لگی تھیں۔ شہتوت کے درختوں کی کونپلیں پھوٹا ہی چاہتی تھیں۔ گاؤں کے کھیتوں میں بید کے درختوں کی شاخیں زمین سے لگ گئی تھیں۔ صبح اور شام کو بطخیں پر جھاڑتیں۔ دوپہر کو ہوا سے ڈولتی ہوئی ڈان کی سطح سفید پروں کی طرح پھڑپھڑاتی ہوئی دکھائی دیتی۔

اس سال بے شمار پرندے نقلِ مکان کے بعد ڈان کے کناروں پہ آگئے تھے۔ کاسک مچھیرے صبح صبح کشتیوں میں بیٹھے اُن کے گھونسلوں تک آجاتے اور بطخیں دریا کی سطح پہ تیرتی ہوئی دیکھتے۔ لیکن جو خبر کرسٹونیا اور بوڑھا کاشولن گاؤں میں لائے وہ ایک معجزہ تھی۔ وہ حکومت کے جنگل میں برگد کے دو چھوٹے پیڑ لینے گئے تھے تاکہ انھیں کھیتوں میں لگا سکیں۔ جب وہ برگد کی تلاش میں سرگرداں تھے تو انھیں ایک بکری اور اُس کا بچہ جنگل میں کھیلتے ہوئے مل گئے تھے۔ بکری اُن کی طرف حیرت سے دیکھتی رہی تھی۔ اُس نے کاسکوں کو دیکھ کر چھلانگ لگا دی تھی اور کودتی ہوئی جھاڑیوں میں غائب ہوگئی تھی۔

"یہ کیا بلا تھی؟" کاشولن نے پوچھا۔ اُس نے کلہاڑی زمین پہ پٹک دی۔

کرسٹونیا غرور کے انداز میں غرّایا "بکری تھی جنگلی بکری۔ میں نے اسے کارپیتھیا میں بھی دیکھا تھا۔"

"بھوک نے اسے میدانی علاقے میں آنے پر مجبور کر دیا ہے۔"

کرسٹونیا نے بھی بوڑھے سے اتفاق کیا "ہاں! تم نے اس کا بچہ بھی دیکھا تھا؟ ماں کے ساتھ اس کا بیٹا۔۔۔ کتنا پُر لطف منظر تھا!"

وہ راستہ بھر اس نو وارد کا ذکر کرتے رہے "اگر وہ بکری تھی تو اس کے سینگ کہاں تھے؟"

"تمھیں سینگوں کا کیا کرنا ہے؟"

"مجھے سینگوں کی ضرورت تو نہیں۔ میں نے یونہی پوچھا تھا۔ پھر بھی اگر وہ بکری تھی تو بکری کی طرح دکھائی نہ دیتی تھی؟ کیا تم نے بکری کبھی سینگوں کے بغیر بھی دیکھی ہے؟ بھیڑ ہو گی ۔۔۔ بھیڑ!"

"بوڑھے میاں" کرسٹونیا بولا "اگر تمھیں یقین نہیں آتا تو گریگر کے پاس چلے جاؤ۔ اس کا چابک بکری کی ٹانگ کی ہڈی کا ہے۔ پھر تمھیں یقین آ جائے گا۔"

اسی دن بوڑھے کاشولن کو گریگر کے ہاں جانا پڑا۔ واقعی گریگر کے چابک پر بکری کی کھال منڈھی ہوئی تھی، سرے پر بکری کا ننھا پاؤں تھا۔

۲

آخری ہفتے کے بدھ کو میتسا کا شوفانی جنگل کے ساتھ ساتھ دریا میں ڈالے ہوئے اپنے جال دیکھنے گیا۔ وہ صبح سے پہلے ہی جھونپڑی چھوڑ کر باہر چلا گیا۔ زمین پر برف کا فرش بچھا ہوا تھا اور اس کے قدموں تلے برف چرمرا رہی تھی۔ میتسا کے کندھے پر بہت بڑا چپو تھا۔ اس کی پتلون اس کے موزوں میں اڑسی ہوئی تھی۔ صبح کی ہوا اس کے پھیپھڑوں میں ٹھنڈک بھر رہی تھی۔ اس نے کشتی کنارے سے کھینچی اور اس میں سوار ہو کر زور زور سے چپو چلانے لگا۔

اس نے جال کا معاینہ کیا۔ ایک مچھلی کشتی میں ڈال دی اور جال دوبارہ دریا میں

پھینک دیا۔ اُس نے سگرٹ پینے کا ارادہ کیا۔ آسمان سُورج کی روشنی سے لال قسم ہوتا جا رہا تھا۔ دُور اُفق کے پاس آسمان کی نیلاہٹ لہو کے رنگ میں تبدیل ہو چکی تھی۔ خون اُفق سے اُمنڈ رہا تھا اور آگے بڑھ کر زنگ آلود سونا بن گیا تھا۔ درختوں کی شاخوں پر دھند بکھری پڑی تھی۔ اُس نے جال تول کر دیکھا۔ اُس کا خیال تھا کہ چار سیر مچھلیاں جال میں پھنس چکی ہوں گی۔ وُہ سوچنے لگا:

"اُس میں سے تھوڑی سی ضرور بیچ دوں گا۔ میرے خیال میں کچھ لیو کشکا ناشپاتیوں کے عوض لے لیگی اور ماں مجھے مربّا ڈال دے گی۔"

وُہ کشتی کو کنارے پر لے آیا۔ باغ کی باڑ کے پاس ایک مرد بیٹھا تھا۔ جب وُہ قریب گیا تو اُس نے دیکھا کہ دیلیٹ تھا۔ اخبار پڑھ رہا اور سگرٹ پی رہا تھا۔ اُس کے گالوں پر بال اُگے ہوئے تھے۔

"کیا چاہتے ہو؟" میتکا کاشوفاتی نے پوچھا۔

"نزدیک آجاؤ۔"

"کیا مچھلیاں لوگے؟"

"مچھلیاں لے کر کیا کروں گا؟"

دیلیٹ بُری طرح کھانس رہا تھا۔ جب وُہ کھانستا تو اُس کا سارا بدن کپکپا اُٹھتا۔ اُس کا لمبا کوٹ اُس کے جسم پر موزوں معلوم نہ ہوتا تھا۔ اُس کے پتلے پتلے کان ٹوپی سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ وُہ ابھی ابھی گاؤں واپس آیا۔ لوگ اُسے سُرخ سپاہی کے نام سے پکارتے تھے۔ کاسکوں نے اُس سے پوچھا کہ وُہ کہاں تھا اور اُس نے کب عہد سے نام کٹوایا تھا۔ دیلیٹ اُنھیں مبہم جوابات دیتا تھا۔ ایوان الیکزی وچ اور میتکا کاشوفاتی کے سامنے اُس نے اعتراف کر لیا تھا کہ اُس نے چار مہینوں تک سُرخ سپاہیوں کے دستے میں کام کیا تھا۔ یوکرین میں وُہ گرفتار کر لیا گیا تھا۔ لیکن وہاں سے بچ نکلا اور راستوف کی سُرخ فوج میں شامل ہو گیا تھا۔

خان ۔ شولوخوف کو " اور ڈان بہتا رہا "
کی تصنیف پر دنیا نے ادب کا سب سے بڑا انعام : نوبل پرائز پیش کیا گیا ہے ۔ یہ کتاب دنیا کے چند سب سے زور دار اور بے باک ناولوں میں شمار ہوتی ہے ۔ اس میں ایک ایسے معاشرے کی تصویر کشی کی گئی ہے جو مر بھی رہا تھا اور حیاتِ نو بھی پا رہا تھا ۔ شولوخوف نے جس چابکدستی سے انقلاب کی فضا اور اس میں سانس لینے والے کرداروں کو لفظوں میں ڈھالا ہے وہ جدید روسی ادب کا سب سے بڑا کارنامہ ہے ۔

شولوخوف کی فنکارانہ غیر جانبداری سے روس کی انقلابی حکومت ایک عرصہ ناراض رہی لیکن بالآخر اسے تسلیم کرنا پڑا کہ جن حقیقتوں کی چہرہ کشائی ' اور ڈان بہتا رہا ' میں کی گئی ہے ان پر پردہ ڈالنا کسی حکومت کے بس کا روگ نہیں ۔

قیمت : روپے

اب وُہ جھیتیوں پر تھا۔

ولیٹ نے ٹوپی اُتاری۔ بالوں پر ہاتھ پھیرا اُور بولا "مصیبت آ رہی ہے۔ مچھلیاں پکڑنا چھوڑ دو۔ ورنہ مچھلیاں پکڑنے کے سوا اور کوئی کام ہمارے پاس نہ رہے گا۔"

"کیوں کیا خبر لائے؟ بتاؤ کیا بات ہے؟" میشا نے ولیٹ کا ہاتھ دبایا۔ بہت دنوں سے وہ ایک دُوسرے کے دلی دوست بن چکے تھے۔

"کل رات مگولنک کے مقام پر سُرخ سپاہیوں کے پُرخچے اُڑا دیے گئے ہیں۔ بھائی! اصلی جنگ کا آغاز ہو چکا ہے۔ سر کٹنے شروع ہو گئے ہیں۔"

"کون سے سُرخ سپاہی؟ اور وہ مگولنک کس طرح پہنچ گئے؟"

"وُہ ضلع میں سے گزر رہے تھے کہ کاسک اُن پر ٹوٹ پڑے۔ قیدیوں کو کاسک کا رگن لے گئے ہیں۔ فوجی عدالت کا کام بھی شروع ہو چکا ہے۔ آج تاتارسک کے گاؤں میں عام لام بندی کی جائے گی۔"

کاشوفاتی نے بُوٹ کے فیتے کس لیے۔ بالٹی میں مچھلیاں انڈیل دیں اُور تیز تیز قدم اٹھاتا ہُوا ولیٹ کے ساتھ چلنے لگا۔ ولیٹ آگے آگے ایک گھوڑے کی طرح قدم اُٹھا رہا تھا۔

"مجھے ایوان نے ابھی ابھی بتایا ہے۔ مجھے اُس نے فارغ کر دیا ہے تاکہ میں یہ خبر سارے گاؤں میں پھیلا دوں۔ مل رات بھر چلتی رہی ہے۔ مانوخوف کے ہاں ولشینسکا سے ایک افسر آیا ہے اور اُس نے یہ اطلاع دی ہے۔"

میشا کے سرد و گرم چشیدہ چہرے پر اضطراب کی زردی پھیل گئی۔ اُس نے کنکھیوں سے ولیٹ کی طرف دیکھا۔

"ہمیں گاؤں چھوڑ کر چلے جانا چاہیے"

"مگر کہاں؟"

"کمینسکا۔"

"لیکن وہاں انقلاب دشمن کاسک ہیں۔"

"اچھا وہاں نہ سہی کہیں اور سہی، ڈان کے بائیں کنارے کی طرف سہی۔"

"لیکن وہاں پہنچو گے کیونکر؟"

"اگر تم چاہو تو یہ ناممکن نہیں۔ اگر تم رہنا چاہتے ہو تو جہنم میں جاؤ۔" دیلیٹ بولا "کہاں۔ کہاں ــــــ یہ میں کیا جانوں کہ کہاں؟ اگر تم اپنی طرف بھی دیکھو تو تمہارے اندر بھی کئی سوراخ ہیں۔ ہم بھی کسی نہ کسی طرح نکل ہی جائیں گے۔"

"ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟ کیوں خفا ہوتے ہو؟ ایوان کیا کہتا ہے۔"

"ایوان سے مشورہ لیا جا سکتا ہے۔"

دور سے نہ بولو، وہ سامنے عورت ہمیں دیکھ رہی ہے۔ انھوں نے عورت کی طرف خوفزدہ نگاہوں سے دیکھا جو ڈھور ڈنگر لیے احاطے سے نکل رہی تھی۔ پہلے ہی موڑ پر میشا مڑ گیا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" دیلیٹ نے پوچھا۔

"میں جال نکالنے جا رہا ہوں۔"

"کس لیے؟"

"میں انھیں واپس لانا چاہتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ میری غیر حاضری میں کوئی انھیں چرا لے۔"

"اچھا تو پھر چلو گے؟" دیلیٹ نے خوش ہو کر کہا۔

میشا نے چپو لہرایا اور بولا "تم ایوان کے ہاں چلو میں جال رکھ کر ابھی آیا۔"

۳

ایوان ان کی آمد سے قبل یہ خبر گاؤں میں آگ کی طرح پھیلا چکا تھا۔ اس نے اپنا چھوٹا لڑکا بھیج کر گریگر کو بھی بلا لیا۔ کرسٹونیا بغیر کسی اطلاع کے خود ہی آ گیا۔ کاشوفاتی بھی جال رکھ کر آ پہنچا گفتگو فوراً ہی شروع کر دی گئی۔

"ہمیں فوراً یہ گاؤں چھوڑ کر چلے جانا چاہیے۔ آج ہی ہمیں وہ پھر پل میں چونا چاہتے ہیں۔" ویلیٹ بولا۔

"کوئی وجہ بھی بتاؤ کہ ہم گاؤں سے کیوں چل دیں؟" کرسٹوفیانے پوچھا۔

"کیونکہ عام لام بندی کا حکم دے دیا گیا ہے۔ کیا تمھارا خیال ہے کہ تم اس لام بندی سے محفوظ رہ جاؤ گے؟"

"میں نہیں جاؤں گا۔"

"وہ تمھیں اُٹھا کر لے جائیں گے۔"

"لے جانے دو۔ میں ہل کا بیل نہیں۔"

ایوان نے اپنی جھینگی بیوی کو غصّے میں جھونپڑے سے باہر بھیج دیا۔

"وہ تمھیں لے جائیں گے۔ ویلیٹ سچ کہتا ہے۔ لیکن ہم کہاں جائیں گے۔ صرف یہی سوال درپیش ہے۔"

"میں بھی یہی پوچھ رہا تھا" میٹا بولا۔

"اچھا تو جو جی میں آئے کرو۔ کیا اپنی سلامتی کا خیال مجھ کو زیادہ ہے؟" ویلیٹ بولا "میں تو یہاں نہیں رہوں گا۔ کہاں جائیں گے۔۔۔ کہاں جائیں گے۔ بیٹھے ہوئے سوالات کر رہے ہو۔ میں بتلائے دیتا ہوں کہ تمھیں بالشویک ہونے کے الزام میں قید کر دیا جائے گا پھر وہاں تمھیں کوئی سوال نہ سوجھے گا۔"

گرنگیر نہایت اطمینان سے بیٹھا ایک زنگ آلود کیل اُلٹ پلٹ رہا تھا۔ اس نے ویلیٹ پر ٹھنڈے پانی کا گھڑا یوں پھینکا "کیوں اتنی باتیں بناتے ہو؟ تمھاری بات اور ہے۔ تم جہاں جی چاہے جا سکتے ہو لیکن ہمیں تو غور کرنا ہوگا۔ میری بیوی ہے اور دو بچے ہیں میں تمھاری طرح صورتِ حال کا جائزہ نہیں لے سکتا۔" اس نے سفید دانتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "تم جو چاہو کر سکتے ہو۔ زبان درازی کر سکتے ہو۔ راز افشا کر سکتے ہو کیونکہ تمھارے پاس صرف

کوٹ ہی کورٹ ہے 'تنہا ہو' اکیلے ہو۔"

"کیا کر رہے ہو؟" ویلیٹ بولا "حاکمانہ شان دکھا رہے ہو ــــ چلاؤ نہیں۔ میں تمھاری پروا نہیں کرتا۔" اُس کی سفید ناک فرطِ غضب سے سُرخ ہو گئی۔

گرگیکر کا غصّہ بھی شعلہ افروز ہو چکا تھا۔ اُسے سُرخ فوجوں کے شکست کھانے سے اپنا سکون بھی برہم ہوتا نظر آ رہا تھا۔ وہ لپک کر اپنی جگہ سے اُٹھا اور چاہتا تھا کہ ویلیٹ کے ایک زور دار ضرب رسید کرے لیکن اُس نے ہاتھ روکتے ہوئے کہا "چُپ رہو ــــ زہری ناگ! بچھو! بدتمیز! کس حکم سے یہ ہو۔ جہاں تمھارے سینگ سمائیں چلے جاؤ۔ نکل جاؤ تاکہ تم یہاں کوئی زہر نہ پھیلا سکو۔ زیادہ بکواس نہ کرو۔ کسی کو سلام کرنے کی بھی ضرورت نہیں ۔"

" جانے بھی دو گرگیکر ــــ کسی مسئلے پر غور یوں نہیں کیا جاتا " کاشتوفاتی بولا "کاسکوں کی یہ عادت چھوڑ دو گرگیکر! تمھیں شرم آنی چاہیے ــــ شرم کرو۔"

مجرم کی طرح کھانستے ہوئے ویلیٹ اُٹھا اور دروازے تک چلا گیا لیکن غصّہ ضبط نہ کر سکا۔ مڑ کر گرگیکر پر اِس جملے سے حملہ آور ہوا "تم بھی تو سُرخ فوج میں تھے۔ ہم نے تم جیسے کئی افسروں کو گولی کا نشانہ بنایا ہے۔"

اس پر گرگیکر بھی اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکا اور ربڑ کے پُتلے کی طرح اُچھلا۔ اُس نے ویلیٹ کو دروازے کے باہر دھکیل دیا اور بولا "چلے جاؤ یہاں سے ورنہ کھال اُدھیڑ دوں گا۔"

ایوان نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ گرگیکر نے اُس کی طرف خشم آلود نگاہوں سے دیکھا۔ میشا ہونٹ چبا رہا تھا اور خاموش تھا۔ وہ انتہائی کوشش کر رہا تھا کہ خشمگیں الفاظ مُنہ سے نہ نکالے لیکن غصّے پر قابو نہ پا سکا "وہ کون ہوتا ہے کہ ہمیں بتائے یہ کرو، وہ کرو۔ یہاں چلو' وہاں چلو۔ وہ ہم سے متفق کیوں نہ تھا۔" گرگیکر اپنے رویّے کی صفائی پیش کر رہا تھا۔ کرسٹونیا نے اُس سے اتفاق کیا۔ گرگیکر اُس کی طرف دیکھ کر زیرِ لب مسکرایا "اگر میں اس پر وار کر بیٹھتا تو اس کے جسم سے خون کے فوارے چھوٹنے لگیں گے۔"

"لیکن ہمیں کسی نتیجے پر تو ضرور پہنچنا چاہیے۔ تمھارا کیا خیال ہے؟"

ایوان نے میشا کاشوفائی کی طرف دیکھا جس نے سوال کیا تھا۔ وہ بولا "میشا!۔۔۔ گرگیر بھی درست کہتا ہے۔ ہم یکلخت بوریا بستر اُٹھا کر کس طرح جا سکتے ہیں۔ ہمارے بال بچے ہیں۔ فرض کرو کہ یہاں کچھ نہیں ہوتا۔۔۔ کون جانتا ہے کل کیا ہو۔ سترا کوف میں اُنھوں نے سُرخ فوج کا دستہ توڑ دیا تھا۔ اب اُور کوئی اس سرزمین میں آنے سے رہا۔ ہمیں کچھ دن اُور انتظار کرنا چاہیے۔ میری بھی ایک بیوی اور ایک بچہ ہے۔ ہمارے کپڑے پھٹ چکے ہیں۔ گھر میں آٹا بھی نہیں۔ میں اُنھیں اس حالت میں چھوڑ کر کس طرح جا سکتا ہوں؟ ان کی رکھوالی کون کرے گا؟"

میشا نے آہستہ آہستہ نگاہ اُٹھائی اُور مجمع کی طرف غور سے دیکھنے لگا:

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم جانا نہیں چاہتے؟" اُس نے پوچھا۔

"میں انتظار کا قائل ہوں۔ تھوڑے دن اور انتظار کرنا چاہتا ہوں۔ بھاگنے کے لیے تو ہر وقت موزوں ہو سکتا ہے۔ تمھارا کیا خیال ہے گرگیر؟ اُور تمھارا کرسٹونیا؟"

ایوان اُور کرسٹونیا کی حمایت پا کر گرگیر بولا "کیوں نہیں ۔۔۔ کیوں نہیں؟ میرا بھی یہی مطلب ہے۔ ویلیٹ سے میرا جھگڑا بھی اسی بات پہ ہوا تھا۔ کیا ہم یکلخت سب کچھ چھوڑ کر چلے جائیں۔ ایک۔۔۔۔ دو۔۔۔۔ تین ۔۔۔ اُور بھاگ کھڑے ہوں۔ فوراً گیارہ ہو جائیں۔ ہمیں سوچنے کے لیے وقت چاہیے۔"

اُس نے بولنا بند کیا ہی تھا کہ کلیسا کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ معاً لوگوں کا ہجوم چوراہے میں جمع ہو گیا۔ سڑکوں اُور گلیوں میں بھیڑ ہو گئی۔ گھنٹیوں کی آواز پہاڑ اور جنگل سے بھی ٹکرا رہی تھی۔

"ٹن ۔۔۔ ٹن ۔۔۔ ٹن ۔۔۔ ٹن ۔۔!"

"لو ۔۔۔ مصیبت ہو گئی مصیبت ۔۔۔" کرسٹونیا بولا "میں تو کشتی لے کر دریا پار

کرتا ہوں پھر دیکھتا ہوں کہ وُہ مجھے کس طرح ڈھونڈتے ہیں۔"

"بورو ۔۔ اب کیا کہتے ہو؟" کاشوفائی نے پُوچھا۔

"مَیں تو فی الحال نہیں جا سکتا" گریگر نے جواب دیا۔

میشا نے ایک دفعہ ابرؤوں پر بل ڈالے اور ماتھے سے بال ہٹاتے ہوئے بولا" اچھا تو خدا حافظ ۔۔ کیونکہ ہمارے راستے جُدا جُدا ہیں۔"

ایوان نے مُسکرا کر معذرت چاہی" میشا! تم ابھی جوان ہو اور جلد باز ۔۔ تمھارا خیال ہے کہ کاسکوں میں اور سُرخ فوجوں میں کبھی صُلح نہ ہو گی لیکن بہُت جلد کاسکوں میں اور اُن میں اتحاد ہو گا۔ میری بات یاد رکھنا۔"

کاشوفائی نے دُوسروں سے رُخصت چاہی اور باہر نکل آیا۔ وُہ احاطے سے باہر نکلا۔ ایک گڑھے میں ولیٹ بیٹھا تھا۔ میشا کو آتا دیکھ کر وُہ اُس سے ملنے کے لیے آگے بڑھا اور پوچھنے لگا" کیا خیال ہے؟"

"وُہ تو انکار کر رہے ہیں مگر میں ۔ ۔ ۔ ۔"

"مجھے معلوم تھا کہ ان میں حوصلہ نہیں۔ گریگر ۔۔ تمھارا دوست ۔۔ سؤر ہے۔ اسے تو اپنے آپ سے محبت ہے۔ خود غرض کُتا ۔۔ چُونکہ وُہ طاقتور ہے شاید اس لیے اُس نے میری بیعزّتی کی۔ اگر میرے پاس کوئی ہتھیار ہوتا تو میں اُسے ہلاک کر دیتا۔"

میشا نے اُس کے ساتھ چلتے ہوئے سوچا" میرے اللہ! اگر اس کے پاس ہتھیار ہوتا تو یہ واقعی گریگر کو قتل کر دیتا۔"

وُہ تیز تیز چل رہے تھے۔ کلیسا کی گھنٹیاں اُنھیں برق رفتاری پر مائل کر رہی تھیں۔

"میری جھونپڑی میں آ جاؤ" میشا نے ولیٹ کو دعوت دی" ہم بہت جلد چل دیں گے اور پیدل ہی۔ میں اپنا گھوڑا یہیں چھوڑ جاؤں گا۔ تمھیں تو کچھ نہیں لینا؟"

"میرے پاس ہے ہی کیا؟" ویلیٹ نے مایوسی سے کہا "ابھی میں نے جاگیر لینے کے لیے کچھ بھی جمع نہیں کیا۔ مجھے تو پچھلے پندرہ دنوں کی تنخواہ بھی نہیں ملی لیکن اس تنخواہ پر بوڑھے ماخوف کو موٹا ہونے دو۔ میری تنخواہ رکھ کر وہ مسرت سے اچھلے گا۔"

گھنٹیاں بجنی بند ہو گئی تھیں۔ سکوت میں شور وغل پیدا تھا۔ مرغیاں راکھ کے ڈھیر میں بیٹھی تھیں۔ جب وہ احاطے سے باہر نکلے تو بچھڑے ہری ہری گھاس کی تلاش میں باڑ کے ساتھ ساتھ کلیلیں کر رہے تھے۔ میشا نے مڑ کر دیکھا۔ کاسک چوراہے کی طرف لپکتے ہوئے جا رہے تھے تاکہ جلاس میں حصہ لے سکیں۔ کوٹ کے بٹن لگاتے ہوئے دوڑتے جا رہے تھے۔ ایک گھڑ سوار چوراہے کی طرف سرپٹ دوڑتا جا رہا تھا۔ سکول کے پاس جم غفیر تھا۔ عورتیں سفید لہنگوں میں کھڑی باتیں کر رہی تھیں۔ ایک عورت گڈی لیے ہوئے اُن کی راہ میں حائل ہوئی۔ وہ ان کا راستہ کاٹنا نہ چاہتی تھی۔ اس لیے بولی "چلے آؤ، چلے آؤ، میں تمہارا راستہ کاٹنا نہیں چاہتی۔"

میشا نے اسے سلام کیا اور وہ مسکرائی:

"کاسک جلسے میں جا رہے ہیں اور تم کہاں چل دیے؟ میشا غلط راستے پر جا رہے ہو۔"

"مجھے گھر میں کچھ کام ہے" اس نے جواب دیا۔

وہ پرابہ کی ایک گلی میں مڑ گئے۔ انہیں میشا کی جھونپڑی کی چھت مع ایک طوطے کے پنجرے کے جو سوکھی چیری کی لکڑی سے بندھا ہوا ہوا میں جھول رہا تھا، نظر آ رہی تھی۔ مشرق کی طرف پون چکی کی پنکھیا آہستہ آہستہ پھر رہی تھی۔ پنکھیا کا پھٹا ہوا کپڑا بھیگی ہوئی آہنی چادروں کی چھت پر تھپیڑے لگا رہا تھا۔

سورج بہت تیز تو نہ تھا لیکن گرم تھا۔ ڈان کی طرف سے تازہ ہوا سرسراتی آ رہی تھی۔ ایک احاطے میں چند عورتیں ایک بہت بڑی جھونپڑی کو مٹی سے لیپ رہی تھیں۔ ایک عورت پاؤں سے مٹی میں گوبر ملا رہی تھی۔ وہ گھوم کر دائرے میں چلتی۔ اس کا لہنگا اونچا ہو جاتا اور وہ لمبی

گوری گوری پنڈلیاں چکنے گارے سے بچاتی۔ اُس نے لہنگا دونوں ہاتھوں کی اُنگلیوں میں تھام رکھا تھا۔ اُس کے سُوتی گیٹس گھٹنے سے اوپر کھچ آتے اور گوشت میں گھس جاتے۔ دُوسری دو عورتیں رومالوں میں چہرے چھپائے دیواروں پر سفیدی کر رہی تھیں۔ اُن کی آستینیں چڑھی ہوئی تھیں اَور کپڑوں پر سفیدی کے داغ تھے۔ وُہ کام کرتے ہوئے گا رہی تھیں۔ بگا تریف کے ایک لڑکے کی بیوہ ماریا' میتشا پر دن دہاڑے چھاپا مارنا چاہتی تھی۔ اس کے جسم پر چھائیاں پڑ چکی تھیں پھر بھی عورت قبول صورت تھی۔ اُس نے دھیمی آواز میں گانا شروع کیا۔ گاؤں بھر میں اس کی مردانہ اور کڑی آواز کی شہرت تھی۔

"مصیبت زدہ ہم سا ہوگا نہ کوئی "

دُوسری عورتیں تان میں تان ملا رہی تھیں۔ گیت میں ایک نہایت لطیف شکوہ تھا۔ عشق میں مبتلا اَور فراق زدہ عورت کا شکوہ ــــ

مُصیبت زدہ میرے شوہر سے بڑھ کر نہ ہوگا کوئی بھی ــــ
وُہ ایک توپچی تھا
مری یاد اُس کو ستاتی ہے دن رات شام اَور سویرے ــــ

میتشا اَور ویلٹ باڑ کے نزدیک آگئے تھے۔ وُہ دونوں گیت سُننے کے لیے رُک گئے۔

"میرے نام پھر ایک خط آیا جس میں لکھا تھا۔
مرا پیارا شوہر لڑائی میں مارا گیا ہے۔
مرے پیارے شوہر کو موت آ گئی ہے ــــ
پڑا سو رہا ہے وُہ جنگل کی جھاڑی کے اندر ــــ

ماریا کی مسرور اَور گرم آنکھیں رومال کے نیچے چمک رہی تھی۔ اُس نے میتشا کی طرف دیکھا۔ تبسم کی روشنی اُس کے چہرے پر پھیل گئی۔ اُس کی آواز اَور بھی بلند ہوگئی۔

رو پہلے رو پہلے حسین بال اُس کے بڑے گھنگریالے

ہواؤں میں لہرائے، لہرا کے بکھرے

سیاہ اُس کی آنکھیں، محبت بھری آنکھیں

یہ گدھ ستم گار گدھ کھا گیا اُڑ گیا آسماں پہ۔۔۔

میتا نے بھی اُس کے تبسم کا جواب تبسم سے دیا۔ ماریا نے اردگرد دیکھ کر پوچھا کہاں گئے تھے پیارے؟"

"مچھلیاں پکڑنے۔"

"دُور نہ جانا۔۔۔ غلہ گھر میں ابھی ابھی ہم تم جا کر ہم آغوش ہوں گے۔"

"بے شرم کہیں کی" میتا بولا۔

ماریا نے زبان نکالی اور جھاڑو میتا کی طرف ہلایا۔ سفیدی کی چھینٹیں اس کی ٹوپی اور جاکٹ پر پڑ گئیں۔

"ویلیٹ بھیا کو چند لمحوں کے لیے ہمیں دے دو۔ ذرا جھونپڑی صاف کر دیگا" دُوسری عورت بولی۔

وُہ بھی مسکرا رہی تھی۔ ماریا نے اُس کے کان میں کچھ کہا اور وہ دونوں ہنسنے لگیں۔

"گستاخیں!" ویلیٹ بولا اور اُس نے قدم تیز کر لیے۔

"گستاخیں نہیں، خوش باش عورتیں ہیں۔ مَیں جا رہا ہوں اور اپنی محبوبہ کو چھوڑے جا رہا ہوں" اُس نے چلتے چلتے کہا۔

۴

کاشوفائی کے جانے کے بعد دُوسرے لوگ کچھ دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ کلیسا کی گھنٹیاں گاؤں پر نغمہ ریزی کر رہی تھیں۔ ایوان نے کھڑکی کی راہ سے دیکھا۔ زمین پر اُس کی جھونپڑی کی چھت کا سایہ پڑ رہا تھا۔ جوان گھاس پر ابھی تک شبنم جھلملا رہی تھی۔ شیشوں میں سے آسمان کا رنگ گہرا نیلا نظر آ رہا تھا۔ ایوان نے سرنگوں کرسٹونیا کی طرف دیکھا۔

"میرے خیال میں وہ اب اور آگے نہ آئیں گے۔ مگر لننک کے لوگوں نے سُرخ فوجوں کو منتشر کر دیا ہے اور اب وہ آگے نہ بڑھیں گے۔"

"نہیں" گریگر کا جسم دُکھ رہا تھا" آغاز ہو چکا ہے اور اب وہ پیش قدمی روکیں گے نہیں۔ کیا ہمیں چوک میں چلنا چاہیے؟"

ایوان ٹوپی لینے کے لیے کمرے کے کونے میں گیا۔ ۔ ۔ ۔ اور بولا" اب ہم ناکارہ ہو چکے ہیں۔ شاید کسی کام کے نہیں رہے۔"

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ سبھی چپ چاپ باہر نکل آئے۔ ان کا رُخ چوک کی طرف تھا۔ ایوان نگاہیں جھکا کر چل رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اُس نے غلط راستہ انتخاب کیا ہے۔ وہ ملول تھا۔ اُس نے ضمیر کا ساتھ نہ دیا تھا۔ ولیٹ اور میتّا راستی پہ تھے۔ انھیں بے سوچے سمجھے چلے جانا چاہیے تھا۔ اُس نے اقدام کی صفائی میں جو الفاظ استعمال کیے تھے وہ اب اُس کے دل میں نوکِ خنجر کی طرح کھٹک رہے تھے۔ اب اُس کا ضمیر اُسے ملامت کر رہا تھا لیکن ایک خیال اسے اب بھی حوصلہ دے رہا تھا" اُس کی ہمت بندھا رہا تھا کہ پہلے ہی موقع پر بالشویکوں سے جا ملے گا۔ اُس نے یہ فیصلہ کر لیا تھا۔ چوک تک پہنچتے پہنچتے اُس کا فیصلہ اور بھی پختہ ہو گیا تھا لیکن اُس نے اپنے نتیجے کا تذکرہ نہ گریگر سے کیا نہ کرسٹونیا سے۔ اُس کا خیال تھا کہ ان دونوں کے دلوں میں کوئی اور ہی کشمکش چھڑی ہوئی ہے، اُس کی کشمکش سے بالکل مختلف؛ اس لیے وہ اُن سے خوفزدہ تھا۔ ان تینوں نے مل کر ولیٹ کی تجویز ٹھکرا دی تھی۔ ہر ایک نے کُنبے کے بہانے کی آڑ لی تھی۔ مگر تینوں کو معلوم تھا کہ وہ خواہ مخواہ بہانہ کر رہے ہیں۔ اب ایک دوسرے کی موجودگی میں ہراساں تھے جیسے اُن سے کوئی شرمناک فعل سرزد ہو گیا ہو۔ وہ خاموش تھے۔ جب ماخوف کے گھر کے سامنے سے گزرے تو ایوان طویل خاموشی کی تاب نہ لا سکا اور بولا۔

"اب چھپانے کی کونسی بات ہے۔ ہم سب بالشویکوں کے محاذ سے واپس آئے ہیں"

اب جھاڑیوں میں چھپنے سے فائدہ؟ دُوسرے ہمارے لیے لڑیں اور ہم عورتوں سے چھپتے رہیں!"

"میں اپنے حصّے کی جنگ لڑچکا ہُوں، اب دُوسرے جائیں اور لڑیں" گرِیگر غرّایا۔

"اوہ! وُہ خود کیا ہیں ___ لٹیروں کا گروہ!" کرسٹونیا بولا "کیا ہم ان سے مل بیٹھیں؟ کیا سُرخ سپاہی اسی قسم کے ہوتے ہیں؟ عورتوں کی بے آبروئی کرتے ہیں۔ کاسکوں کو لوٹتے ہیں۔"

"کیا تُم نے اپنی آنکھوں سے انھیں ایسا کرتے دیکھا ہے؟" ایوان نے پُوچھا۔

"لوگ باتیں کر رہے ہیں...."

"لوگ ___ لوگ!"

۵

چوک پر کاسکوں کی خط دار پتلونیں عجیب نظارہ پیش کر رہی تھیں۔ گاؤں کے تمام آدمی وہاں موجود تھے۔ عورتیں نہ تھیں، مرد ہی مرد تھے۔ بوڑھے بھی تھے۔ وُہ کاسک بھی تھے جو میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دے آئے تھے۔ نوجوان بھی تھے۔ جو بہت بوڑھے تھے وُہ اگلی قطار میں کھڑے تھے۔ عدالت کے منصف، کلیسا کے پادری، اسکول کے مدرّس سب اگلی قطار میں تھے۔ گرِیگر کی آنکھیں باپ کو تلاش کر رہی تھیں۔ اُس نے اُسے میرَن کے ساتھ کھڑے ہوئے دیکھا۔ اُن کے آگے بوڑھا گرِیشکا تمغوں سے سجا ہوا کوٹ پہنے چھڑی پر جھکا ہوا تھا۔ سیتلیمون اور میرَن کے ساتھ گاؤں کے دُوسرے بزرگ بھی موجود تھے۔ ان کے پیچھے گاؤں کے جوان کاسک تھے جو گرِیگر کے ساتھ شریکِ جنگ رہے تھے۔ دُوسری قطار میں اُس نے اپنے بھائی پیوترا کو دیکھا۔ اُس کی رُوسی قمیص پر سینٹ جارج کا تمغہ جھلملا رہا تھا۔ اُس کی بائیں طرف مشکا کارشنف کھڑا تھا۔ اُس نے سگرٹ سُلگا رکھا تھا۔ ان کی پچھلی قطار میں گاؤں کے لڑکے تھے۔ حلقے کے درمیان گاؤں کی انقلابی جماعت کا صدر بیٹھا تھا۔ اُس کے ساتھ کوئی لفٹنٹ کھڑا تھا جس نے گرِیگر نا واقف

تھا۔ اُس نے خاکی قمیص اَوْر خاکی برجیس پہن رکھی تھی۔ اُس کا کوٹ چمڑے کا تھا۔ فوجی جماعت کا صدر اُس کے ساتھ مضطربانہ انداز میں گفتگو کر رہا تھا۔ افسر اُس پر جُھکا ہُوا تھا اَوْر اُس کا کان اُس کی ڈاڑھی سے لگا ہُوا تھا۔ شہد کی مکھیوں کی طرح اجلاس بھنبھنا رہا تھا۔ کازک ایک دُوسرے سے مذاق کر رہے تھے۔ لیکن ہر چہرے پر اضطراب کی جھلک تھی۔ کسی سے نہ رہا گیا اَوْر بولا :

"شروع بھی کرو۔ کس کا انتظار کر رہے ہو؟ اب تو گاؤں کا ہر باشندہ آچکا ہے۔"

افسر تن کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے سر سے ٹوپی اُتار لی اَوْر اس طرح بولنا شروع کیا جیسے اپنے کُنبے میں کھڑا ہو :

"گاؤں کے بزرگو! کازک بھائیو! تم سب سُن چکے ہو کہ استراکف کے گاؤں میں کیا کُچھ ہوا ہے؟ دو دن ہوئے سُرخ سپاہیوں کا ایک دستہ گاؤں میں وارد ہُوا تھا۔ جرمنوں نے یوکرین پر قبضہ جما لیا ہے۔ سُرخ سپاہیوں کا دستہ پسپا ہوتا ہُوا اُس گاؤں میں ٹھہرا۔ اُنھوں نے کازکوں کا مال و متاع لُوٹ لیا۔ عورتوں کی بے آبروئی کی۔ کازکوں کو خلافِ قانون گرفتار کر لیا۔ جب پڑوس کے دیہات کو اس واقعے کی اطلاع ملی تو وُہ مسلح ہو کر اُس دستے پر ٹوٹ پڑے۔ نصف دستہ تہ و بالا کر کے باقی گرفتار کر لیا گیا۔ مگولنسک اَوْر کازانسک کے ضلعوں نے بالشویکوں کو اپنے علاقے سے نکال دیا ہے۔ چھوٹا بڑا کازک ڈان کی حفاظت کے لیے کمر بستہ ہو چکا ہے۔ وشینسکا میں بھی انقلابی جماعت کی دھجیاں اُڑا دی گئی ہیں۔ ضلع کا اٹامن منتخب کر لیا گیا ہے اَوْر اب ہر گاؤں وشینسکا کے نقشِ قدم پر چل رہا ہے۔"

افسر یہاں تک پہنچا ہی تھا کہ ایک بُڈھا زور سے کھانسا۔ انقلابی جماعت کے صدر نے اُٹھ کر دیکھا پھر بیٹھ گیا :

"ہر جگہ ڈان کی حفاظت کے لیے دستے بنائے جا رہے ہیں۔ یہاں بھی کازکوں کا ایک دستہ بننا چاہیے تاکہ یہ ضلع لٹیروں کی آمد سے محفوظ کیا جا سکے۔ ہمیں اپنی حکومت قائم اَوْر اپنا آئین وضع کرنا چاہیے۔ ہمیں سُرخ حکومت کی ضرورت نہیں۔ وُہ لُوٹ کھسوٹ

قتل و غارت اور سیاہ کاری لے کر یہاں آ رہی ہے آزادی نہیں۔ ہم کسانوں کو اپنی بیویوں پر ہاتھ نہ ڈالنے دیں گے۔ ہم بہنوں اور بیٹیوں کو بے عزت نہ ہونے دیں گے۔ ہم یونانی کلیسا کے اعتقاد کا تمسخر نہ اڑانے دیں گے۔ جائداد کی لوٹ کھسوٹ کی اجازت نہ دیں گے۔ کیوں بزرگو آپ کا کیا خیال ہے؟

حاضرین اجلاس نے گرج کر کہا "ہمیں تم سے اتفاق ہے۔"

افسر نے ایک اعلان پڑھنا شروع کر دیا۔ صدر رجسٹر کا غذات بھول آیا تھا اس لیے ممبر سے اٹھ کر چلا گیا۔ بوڑھے نہایت انہماک سے اعلان سن رہے تھے اور کاسک آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔

افسر ابھی اعلان پڑھ رہا تھا کہ گریگر مجمع میں سے نکل کر گھر کی طرف جانے لگا۔ میرن نے اسے جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ اس نے پنٹیلیمون کے کہنی ماری اور بولا "تمہارا بیٹا جا رہا ہے۔"
پنٹیلیمون قطار سے لنگڑاتا ہوا باہر آ گیا اور چلایا "گریگر!"

اس کا بیٹا پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر کھڑا ہو گیا "بیٹا! آ جاؤ" بوڑھے نے کہا "کیوں جا رہے ہو؟ — آ جاؤ، واپس آ جاؤ۔"

مجمع نے بھی چلانا شروع کر دیا "گریگر! واپس آ جاؤ، آ جاؤ۔"

ہر آدمی گریگر کی طرف مڑ کر دیکھنے لگا۔

"یہ افسر تھا۔"

"یہ بالشویکوں میں بھی رہا ہے۔"

"اس نے کاسکوں کا خون بہایا ہے۔"

"سرخ شیطان۔"

گریگر کے کان میں بھی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ دانت کٹکٹاتا ہوا یہ باتیں سن رہا تھا۔ اس کے دل میں جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دوسرے لمحے وہ مڑے بغیر

چل دے گا۔ لیکن پنٹیلیمون اور پروکوفیچ نے لمبا سانس لیا جب وہ نگاہیں نیچی کیے ہجوم میں واپس آ گیا۔

آج بوڑھوں کی جیت ہو رہی تھی۔ میدان اُن کے ہاتھ تھا۔ جلدی میں میرن کو اتامن چُنا گیا اُس کا جھرّیوں والا چہرہ سفید پڑ گیا۔ وہ مجمع کے درمیان آ کر کھڑا ہو گیا۔ اُسے اُس کا منصبی اعزاز دیا گیا۔ اُس نے آج تک اتامن کے فرائض انجام نہ دیئے تھے۔ جب مجمع نے اُسے اتامن کہہ کر پکارا تو وہ ہچکچایا۔ اُس نے یہ کہہ کر اپنا اعزاز لوٹا دیا کہ وہ بڑھاپے، ان پڑھ ہے اور اس شرف کے لائق نہیں مگر بوڑھے بضد تھے۔ آخر اُس نے مجبور ہو کر یہ منصب قبول کر لیا۔
پہلے کی طرح انتخابی مہم کا آغاز نہ کیا گیا یعنی پہلے ضلع کا اتامن آتا تھا اور خاندانوں کے بزرگوں کے ووٹ سے کر گاؤں میں اتامن منتخب کر لیتا تھا بلکہ آج نیا ہی طریقہ استعمال کیا گیا۔ "جو شخص میرن کارشنف کے حق میں ہیں وہ دائیں طرف کھڑے ہو جائیں ․․․․" یہ جملہ سُن کر سارا ہجوم دائیں طرف کو ہو گیا۔ صرف لیک موچی، جسے کارشنف کے خلاف شکایت تھی، بائیں طرف کھڑا رہا۔ میرن پلک بھی جھپکانے نہ پایا تھا کہ اتامن کا منصبی عصا اُس کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔

مجمع سے شور بلند ہوا "اس اعزاز میں دعوت کب دو گے؟

"نیا اتامن ـــــ زندہ باد۔"

لیکن افسر نے بالکل کاروباری طریقے سے مداخلت کی اور گاؤں کے دستے کا کمانڈر چننے کی تجویز پیش کی۔ چونکہ اُس نے ولشینسکایں گریگر کی شجاعت کے کارنامے سُن رکھے تھے۔ اس لیے اُس کی تعریف کرتے ہوئے اُس نے آغاز کیا "یہ نہایت اچھی بات ہو گی اگر ایسا کمانڈار منتخب کیا جائے جو افسر بھی رہ چکا ہے۔ جنگ کے دوران میں اس سے نہایت کم نقصانات کا اندیشہ ہے۔ تمھارے گاؤں میں بہت سے بہادر ہیں۔ میں تم پر زور دینا نہیں چاہتا لیکن گریگر میلیخوف کا نام بطور کمانڈار تجویز کرتا ہوں۔ کیوں کا سکو! تمھارا کیا خیال ہے؟"

"نہایت اچھا آدمی ہے گرگیہ میلیخوف !"

"گرگیہ میلیخوف آہنی ارادے کا مرد ہے۔"

افسر نے گرگیہ کو آواز دی "گرگیہ میلیخوف ! درمیان میں آجاؤ تاکہ گاؤں کے بزرگ نہیں دیکھ سکیں۔"

گرگیہ قطاروں کی پشت سے درمیان میں آگیا۔ اس کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے گرد و پیش آرام سے نگاہ دوڑائی۔

"ہمارے بچوں کی رہنمائی کرو گرگیہ !" کاشوٹن نے زمین پر لکڑی ٹھونکتے ہوئے بازو ہلا کر کہا۔ "ان کی رہنمائی کرو تاکہ وہ تمہارے ساتھ ایسے لگے رہیں جیسے راج ہنس کے ساتھ بطخیں جیسے ہنس ان کی حفاظت کرتا ہے، انھیں آدمیوں اور درندوں سے بچاتا ہے تم بھی ان کی حفاظت کرو۔ چار تمغے اور حاصل کرو۔ خدا تمھیں اس لائق کرے !"

"سٹیلیمون —— بس، بیٹا تو تمھارا ہے !"

"لائق و ذہین —— اور بہادر بھی" دوسرا بولا۔

"لنگڑے شیطان ! اس خوشی میں شراب نہیں پلاؤ گے ؟"

"بزرگو ! خاموش" افسر بولا "اب لام بندی کا کام شروع ہونا چاہیے۔ رضا کار سپاہیوں کے نام لکھے جائیں گے لیکن کاسکوں کی اپنی مرضی ہے کہ وہ رضا کاروں میں نام لکھوائیں یا نہ لکھوائیں۔"

"نہیں، ہمیں رضا کار ضرور بھرتی کرنے چاہئیں۔"

"تم خود جاؤ، کس لیے نہیں جاتے ؟"

اسی اثنا میں گاؤں کے چار بزرگ تنے اٹامن سے کچھ سرگوشیاں کر رہے تھے۔ وہ پھر افسر کی طرف بڑھے۔ ان میں سے ایک ناٹے قد کا بوڑھا تھا جس کے منہ میں کوئی دانت سلامت نہ تھا۔ وہ آگے بڑھا اور ضلع کے اٹامن سے مخاطب ہو کر بولا "حضور —— ! آپ کو

ہمارے گاؤں کا حال اچھی طرح معلوم نہیں ورنہ آپ کبھی گر گیگر میلیخوف کو کماندار منتخب نہ کرتے۔ ہم گاؤں کے بزرگ آپ کے فیصلے سے مطمئن نہیں۔ ہمیں ایک شکایت ہے۔"

"کیسی شکایت؟ کیا بات ہے؟"

"بات یہ ہے کہ گر یگر سُرخ فوج کا کماندار رہ چکا ہے۔ اسے گاؤں میں آئے ہوئے دو مہینے ہوئے ہیں اس لیے ہم اُس پر کیونکر اعتبار کر سکتے ہیں؟"

افسر کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور اُس کے کانوں کی نسوں تک میں خون دوڑنے لگا۔

"کیا واقعی یہ سچ ہے۔ مَیں نے تو نہیں سُنا تھا اور نہ کسی نے مجھے یہ بتایا ہی تھا۔"

"یہ سچ ہے کہ گر یگر میلیخوف بالشویک ہے۔ ہم اس پر اعتماد نہیں کر سکتے۔" دوسرا بوڑھا بولا:

"اسے بدل دو، ہمارے نوجوان کاسک کیا کہتے ہیں؟"

"وہ کہتے ہیں کہ گر یگر پہلی ہی جنگ میں ہم سے غداری کرے گا۔"

"بزرگو!۔۔۔ بزرگو!"۔۔۔ افسر ایڑیوں پر کھڑا ہو کر چلایا "ہم نے ابھی گاؤں کے دستے کا کماندار گر یگر میلیخوف کو منتخب کیا تھا۔ کیا اس انتخاب میں کوئی خطرہ تو نہیں؟ مجھے ابھی ابھی بتایا گیا ہے کہ گر یگر سُرخ فوج کا کماندار رہ چکا ہے۔ کیا تم اپنے بیٹوں کو اس کے حوالے کر سکتے ہو۔ اور تم کاسک بھائیو! کیا تمھیں اُس کی رہنمائی پسند ہے؟"

کاسک چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئے۔ قطاروں میں کہرام بپا ہوا۔ ایک لفظ بھی سُنائی نہ دیتا تھا۔ جب شور بند ہو گیا تو بوڑھا لیگا تریف سر سے ٹوپی اُتار کر آگے بڑھا اور ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولا:

"میرا خیال ہے کہ ہمیں دستے کی رہنمائی گر یگر میلیخوف کو نہیں سونپنی چاہیے کیونکہ وہ غلط راستے پر گامزن رہا ہے اور ہم سب سُن چکے ہیں جو کچھ اُس نے کیا ہے۔ اُسے پہلے ہمارا اعتماد حاصل کر کے اپنی غلطی کا کفارہ ادا کرنا چاہیے پھر ہم اُسے کماندار بنا دیں

گے۔ سب جانتے ہیں کہ وہ ایک بہادر سپاہی ہے لیکن اگر سورج کے سامنے دھند چھا جائے تو سورج نظر نہیں آیا کرتا۔ اس وقت اس کی گزشتہ خدمات کو نگاہ میں نہیں رکھا جا سکتا۔ اس نے بالشویکوں سے مل کر کام کیا ہے۔ اس لیے یہ بات ہمیں اسے کمانڈار بنانے سے روکتی ہے۔"

"اسے رضا کار سپاہیوں میں رہنے دو۔" بوڑھا کاشولن بولا!

"اس کے بھائی پیوترا کو کمانڈار بنا دو۔"

"گرگیر کو رضا کار سپاہیوں میں رہنے دو۔"

"ہاں، کیوں نہیں؟ میں نے تم سے کب کوئی منصب طلب کیا تھا؟" گرگیر چلایا اور ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا" اگر تم مجھے منصب دو گے بھی تو نہیں لوں گا" اس نے ہاتھ پتلون میں ڈال لیے اور گردن جھکا کر چل دیا۔ آوازیں آنی شروع ہوئیں:

"اس کے اندر تنہ کی خون دورہ کر رہا ہے۔"

"یہ چپ نہیں رہے گا۔ یہ افسروں کے آگے بھی بول پڑتا تھا۔"

"آجاؤ ــــ واپس آجاؤ۔"

"جاؤ اس کے پیچھے۔ ہُو۔۔۔۔ ہو۔۔۔۔ ہُو۔"

بہت دیر کے بعد شور کم ہوا۔ بحث کے دوران میں کسی نے کسی کی ناک رگڑ دی۔ کسی کے ہونٹ سے خون نکل آیا۔ کسی کی آنکھ سوج گئی۔ جب خاموشی ہوئی تو پیوترا میلیخوف کو کمانڈار چن لیا گیا۔ غرور سے اس کے گال تمتمانے لگے۔ پروگرام کی دوسری شق پر عمل شروع ہوا۔ لیکن کوئی شخص بطور رضا کار سامنے نہ آیا۔ اب چونکہ حقیقی مصیبت کا سامنا ہوا تھا اس لیے ہر کوئی ہچکچا رہا تھا۔

"انیکی! تم کیوں نہیں جاتے؟"

"میں ابھی نوجوان ہوں، کم سن ہوں، ابھی تو میری مسیں بھی نہیں بھیگیں۔"

"مذاق نہ کرو" بوڑھا کا شولن بولا۔

"تو اپنے بیٹے کا نام کیوں نہیں لکھواتے ؟" انی کشنکا بولا۔

"پر آخر زیکیف! کیا تمہارا نام لکھ لیا جائے ؟" میز سے آواز آئی۔

"میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

مٹکا کا رشنف سینہ تان کر آگے بڑھا اور بولا" میرا نام لکھ لو۔"

"کوئی اور ؟ ــــ فیوڈوٹ! کیا خیال ہے تمہارا ؟"

"میری کمر ٹوٹ چکی ہے۔" فیوڈوٹ بڑبڑایا۔ کاسک یہ سن کر ہنسنے لگے۔

"بیوی کو بھی ساتھ لے جاؤ تاکہ تمہاری مالش کرتی رہے۔"

بوڑھے اب برہم ہو رہے تھے۔ انھوں نے خفگی کا اظہار کیا۔

"تم اتنے خوش کیوں ہو ؟"

"برسوں کے بعد آج ہی تو مذاق کرنے کا دن آیا ہے۔"

"شرم کرو لڑکو! ــــ خدا کا خوف کرو۔"

"ایوان ٹوملن تم ؟" افسر نے پوچھا۔

"ہاں، میں تو بچی ہوں۔"

"تمہارا نام لکھ لیا جائے ؟" افسر نے پوچھا۔

"اچھا تو لکھ لو" ٹوملن بولا۔

انی کشنکا اور دوسرے ٹوملن سے مذاق کرنے لگے "تمھیں لکڑی کی توپ بنا دیں گے ٹوملن! اس میں آلو بھر کر چلایا کرنا۔"

مذاق اور تمسخر کے باوجود ساٹھ مردوں نے اپنے نام لکھوا دیے۔ کرسٹونیا ان سب کے آخر میں تھا۔ وہ میز کے قریب گیا اور بولا "بڑی خوشی سے میرا نام لکھ لو لیکن میں لڑ نہ سکوں گا۔"

"تو پھر اپنا نام لکھواتے ہی کیوں ہو ؟" افسر نے جز بز ہو کر کہا۔

"میں لڑائی دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں تماشائی کی حیثیت میں جانا چاہتا ہوں۔"

افسر نے کندھے جھٹکا کر کہا "اچھا لکھ لو اس کا نام۔"

دوپہر تک اجلاس ختم نہ ہو سکا۔ فیصلہ کیا گیا کہ یہ دستہ دوسرے ہی دن مگولنسک کے گاؤں کی حفاظت کے لیے روانہ کر دیا جائیگا۔

۶

دوسرے دن صبح کو ساٹھ رضاکاروں میں سے چالیس ہی چوک میں حاضر ہوئے۔ پیوتڑا نے لمبا کوٹ پہن رکھا تھا اور لمبے بوٹ۔ اُس نے کاسکوں کا جائزہ لیا۔ بہت سے کاسکوں کے کندھے پر اُن کی پرانی پلٹنوں کا نشان تھا۔ زین کے تھیلوں میں کارتوس، ململ اور دوسری اشیا تھیں۔ اُن سب کے پاس بندوقیں نہ تھیں لیکن شمشیریں ضرور تھیں۔

عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کا اجتماع انھیں الوداع کہنے کے لیے استادہ تھا۔ پیوتڑا نے مضبوط گھوڑے پر سوار ہو کر دستے کو منصب دار قطاروں میں تقسیم کر دیا۔ گھڑسواروں نے لمبے کوٹ، برساتی کوٹ اور فوجی کوٹ پہن رکھے تھے۔ وہ فوجی دستے کو قدم بہ قدم چلاتا ہوا چٹان تک لے گیا۔ کاسک گاؤں کی طرف اُداس نگاہیں ڈال رہے تھے۔ آخری قطار میں سے کسی نے گولی چلائی۔ پیوتڑا نے سفید دستانے پہنے اور مونچھوں کو تاؤ دے کر حکم دیا "کمپنی۔ دُلکی چال!"

رکابوں میں کھڑے ہو کر چابک لہراتے ہوئے کاسکوں نے گھوڑے دُلکی چھوڑ دیے۔ ہوا چلنے لگی، تیز ہوا ــــ گھوڑوں کی دُمیں اور گردن کے بال کھڑے ہو گئے۔ بارش ہونے لگی۔ کرسٹونیا کا گھوڑا لڑکھڑانے لگا۔ اُس نے چابکوں کی بارش سے اُسے گرم کر دیا۔ گھوڑے نے گردن سیدھی کی اور سرپٹ دوڑنے لگا۔ وہ قطاروں سے آگے نکل گیا۔ کاسک ایک نہایت پُرلطف عالم میں تھے۔ کارگن تک اُن پر یہی عالم طاری رہا۔ اُن کا خیال تھا کہ جنگ نہیں ہوگی اور مگولنسک کا معاملہ معمولی تھا۔ بالشویکوں نے کاسک کے علاقے میں یونہی غلطی کی تھی۔

۷

وہ دوپہر کے بعد کارگن پہنچے۔ ضلع میں فوجی سپاہیوں کا نام نہ تھا۔ سب کا سک گمولنک چلے گئے تھے۔ پیوتڑا نے چوک میں اپنے دستے کو گھوڑوں سے اُترنے کا حکم دیا۔ اُس نے ضلع کے اٹامن سے اُن کے قیام کا انتظام کرنے کے لیے کہا۔ ضلع کا اٹامن اپنے گھر کی سیڑھیوں پر سگرٹ پی رہا تھا۔ اُس کی بے پناہ جسامت اُس کی قوت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

"کیا آپ ہی ضلع کے اٹامن ہیں؟" پیوتڑا نے پوچھا۔

دھوئیں کے بڑے بڑے حلقے بناتے ہوئے اُس نے جواب دیا "ہاں میں ہی ضلع کا اٹامن ہوں۔ مجھے کس سے باتیں کرنے کا شرف نصیب ہوا ہے؟"

پیوتڑا نے اپنا نام بتایا۔ اُس کا ہاتھ زور زور سے ہلاتے ہوئے اٹامن نے گردن جھکا کر کہا "میرا نام فیودور لیخو فیڈف ہے۔"

لیخو فیڈف ۱۹۱۸ء کی بہار میں استراکف کے حادثے کے فوراً بعد اٹامن منتخب کیا گیا تھا۔ نیا اٹامن اپنے فرائض نہایت تندہی سے انجام دے رہا تھا۔ اُس کا فرضِ اوّلین یہی تھا کہ تربیت یافتہ مردوں کو استراکف بھیجتا رہے۔ بدلیسی، جو اس ضلع کی ایک تہائی آبادی تھے، پہلے پہل نہیں جانا چاہتے تھے۔ ان میں بیشتر بالشویک تھے اور انھوں نے اس بھرتی کے خلاف صدائے احتجاج بھی بلند کی لیکن لیخو فیڈف من مانی کر رہا تھا۔ اُس نے بوڑھوں کی مرضی سے ان کسانوں کو جو اس جنگ میں شریک ہونے سے انکار کر رہے تھے، ضلع چھوڑ دینے کا حکم دے دیا تھا۔ دُوسرے دن درجنوں گاڑیاں سپاہیوں سے بھری ہوئی استراکف کو جا رہی تھیں۔ فوجی ستار اور وائلن بجاتے ہوئے جا رہے تھے اور بدلیسیوں میں سے بہت کم لوگ سُرخ فوجوں میں شامل ہونے کے لیے گاؤں چھوڑ کر گئے۔

پیوتڑا اُس کے قریب آیا تو لیخو فیڈف نے پہچان لیا کہ اُسے سپاہی سے افسر بنایا گیا ہے اس لیے اُس نے اُسے گھر میں آنے کی دعوت نہ دی مگر اُس نے نہایت بے تکلفی سے

کہا۔ میرے دوست! اب مگولنسک کے ضلع میں تمھاری ضرورت نہیں رہی۔ اُنھوں نے تمھارے بغیر حالات پر قابو پا لیا ہے۔ کل شام ہی کو ہمیں تار مل چکا ہے۔ واپس جا کر مزید احکام کا انتظار کرو۔ کاسکوں کو جھنجوڑ کر خوابِ گراں سے جگاؤ۔ ٹاٹارسک اتنا بڑا گاؤں ہے اور صرف چالیس رضاکار۔! سوروں کے ذرا کان مروڑو۔ ان کا اپنا مفاد اس وقت خطرے میں ہے۔ اُنھیں جگاؤ۔ اچھا خدا حافظ، سفر بخیر!"

وہ گھر کے اندر چلا گیا۔ پیوتر اکاسکوں کے پاس واپس چلا گیا۔ اُنھوں نے اُس پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ اُس نے مسرت کو چھپائے بغیر کہا "گھر چلو دوستو! اُنھیں ہماری ضرورت نہیں۔ ہمارے بغیر ہی اُنھوں نے سُرخ دستے کا صفایا کر دیا ہے۔"

کاسک کسمساتے ہوئے گھوڑوں کی طرف بڑھے۔ کرسٹونیا نے اطمینان کا سانس لیا جیسے اُس کی کمر پر سے بھاری بوجھ اُتر گیا ہو۔ اُس نے ٹوملن کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا "اچھا تو ہم گھر جا رہے ہیں۔"

اُنھوں نے حالات کا اندازہ کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ اُنھیں رات کارگن میں بسر نہ کرنی چاہیے اور اُلٹے پاؤں واپس ہو جانا چاہیے۔ وہ بکھرے ہوئے غیر مرتب گروہوں میں گاؤں سے نکل چلے۔ جب وہ کارگن کی طرف آئے تھے تو اُنھوں نے گھوڑوں کو سرپٹ نہ دوڑایا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُنھیں مرضی کے خلاف وہاں لے جایا جا رہا ہے لیکن اب کہ وہ گھر جا رہے تھے، اُن کے گھوڑے ہوا سے باتیں کر رہے تھے۔ گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمین دہل رہی تھی، کیونکہ بارش خاصی نہ ہوئی تھی لیکن ڈان کے قریب پہاڑی علاقے پر بجلی رہ رہ کر تڑپ رہی تھی۔

وہ ٹاٹارسک میں آدھی رات کو پہنچے۔ پہاڑی پر پہنچ کر انی کشکا نے گولی چلائی۔ گولیاں چلنے سے گاؤں کو معلوم ہو گیا کہ اُن کے بہادر سپاہی واپس آ رہے ہیں۔ گاؤں کے کتے اُن کے استقبال کے لیے بھونکنے لگے۔ گھر کی بو پا کر گھوڑے ہنہنانے لگے۔ گاؤں میں پہنچ

کہ ہر ایک مختلف راستے پہ گامزن ہو گیا۔ پیوتر اسے خدا حافظ کہتے ہوئے مارٹن شامیل بولا "جنگ ختم ہو گئی! بہت اچھا ہوا۔"

اندھیرے میں پیوتر مسکرایا اور اپنی جھونپڑی کی طرف چل دیا۔ پنٹیلیمون باہر آیا اور گھوڑے کو اصطبل میں لے گیا۔ وہ دونوں اکٹھے جھونپڑی کے اندر داخل ہوئے۔

"جنگ ختم ہو گئی!"

"خوب — خدا کرے پھر نہ چھڑے" بوڑھا بولا۔

ڈاریا اُٹھی۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ خاوند کے لیے کھانا لینے باورچی خانے میں گئی۔ گریگر باورچی خانے کے راستے باہر آیا۔ وہ جمائی کھجا رہا تھا۔ اس نے پیوتر کا مضحکہ اڑایا۔

"کیوں دے آئے انھیں شکست؟"

"ہاں، اب شوربے پر ہاتھ صاف کروں گا۔"

"کیا میں مدد کروں؟"

۹

ایسٹر کے دنوں تک جنگ کی افواہ بھی سننے میں نہ آئی لیکن ایسٹر کے ہفتے کو ایک ہرکارہ گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا ویشنسکا سے گاؤں میں آیا۔ اس نے جھاگ ڈالتا ہوا گھوڑا کارشنف کے پھاٹک ہی پر چھوڑا اور خود دوڑ کر برآمدے میں آ گیا۔

"کیا خبر لائے ہو؟" میران نے اس کا خیر مقدم کیا۔

"مجھے اتامن سے ملنا ہے۔ کیا تمھیں اتامن ہو؟"

"ہاں۔"

"کاسکوں کو ابھی ابھی مسلح کر دو۔ پوڈتیلکوف سرخ فوج کو نیگولنسک کے ضلع میں لیے آرہا ہے۔ یہ رہا حکمنامہ!" اس نے ٹوپی میں سے ایک لفافہ نکالا۔

باتیں سُن کر بوڑھا گرینیا کا بھی باہر آ گیا اور اُس نے عینک آنکھوں پر رکھ لی۔ دونوں نے مل کر صوبے کے اٹامن کا حکم نامہ پڑھا۔ ہرکارے نے کتھرے کی طرف جُھک کر چہرے کی گرد آستین سے پونچھی۔

ایسٹر کے اتوار کو روزہ کھولنے کے بعد مسلح کاسک لام بندی کر کے گاؤں سے چلے جو جنرل آفنسرف کا حکم نہایت کڑا تھا۔ اُس نے لکھا تھا کہ جو شخص جانے سے انکار کرے گا اُسے آئندہ کبھی کاسک تسلیم نہ کیا جائیگا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ دستہ پہلے کی طرح چالیس افراد پر مشتمل نہ تھا بلکہ اس دفعہ دستے میں سو سے زیادہ آدمی تھے۔ ایک بوڑھے بھی دستے میں شامل تھے جو بالشویکوں سے پنجہ لڑانے کے لیے نکلے تھے۔

گریگر میلیخوف ان سب کے آخر میں تھا۔ بارش ہو رہی تھی۔ میدان پہ بادل منڈلا رہے تھے۔ بارش سے میدان سرسبز نظر آ رہا تھا۔ پہاڑی پر ایک تنہا جھاڑی پھڑ پھڑ دیتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

جب وہ کارگن پہنچے تو اُنھیں ایک لڑکا ڈھور ڈنگر چراتا ہوا ملا۔ وہ چابک ہلاتا ہوا ننگے پاؤں جا رہا تھا۔ گھڑسواروں کو دیکھ کر وہ رُک گیا اور گھوڑوں کو کیچڑ میں لت پت دیکھنے لگا۔

"کہاں کے ہو؟" ٹوملن نے سوال کیا۔

"کارگن کا" لڑکے نے جواب دیا اور مسکرانے لگا۔

"تمہارے کاسک جا چکے ہیں؟"

"ہاں وہ چلے گئے ہیں سُرخ فوجوں کے ٹکڑے اُڑانے۔ ابا۔۔۔ سگرٹ کا تمباکو ہے؟ "تمباکو۔۔۔ اور تم سگرٹ پیو گے؟" گریگر نے گھوڑا روک لیا۔

لڑکا اُس کے قریب آ گیا۔ گریگر کی پتلون کی چمکتی ہوئی دھاریاں دیکھنے لگا اور بولا:

"اُس پہاڑی کے پار۔۔۔ تمھیں لاشیں ہی لاشیں ملیں گی۔ کل ہمارے کاسک سُرخ فوج کے قیدی لائے تھے اور اُنھیں وہاں اُس پہاڑی کے پاس ہلاک کر دیا گیا۔ میں ڈھور ڈنگر

چلا رہا تھا کہ میں نے جھاڑی میں سے اُنھیں تیغ زنی کرتے دیکھا۔ جب تلواریں لہرائیں تو وُہ غرّاتے ہوئے دوڑ گئے۔ جب وُہ چلے گئے تو میں نے اُنھیں دیکھا۔ اُن میں بیشتر چینی تھے۔ ایک کو تو کندھے سے چیر دیا گیا تھا۔ اُس کا دِل اَور گردے باہر نکل آئے تھے۔ ہولناک منظر تھا وُہ۔"

اُس نے قصّہ دُہرایا اَور حیران رہ گیا کہ کاسک وُہ کہانی سُن کر خوفزدہ نہ ہوئے تھے۔ اُس نے گریگر سے لے کر سگریٹ سُلگایا اَور بولا "شکریہ"۔ اتنا کہہ کر وُہ مویشیوں کے پیچھے دوڑتا ہوا چلا گیا۔

پہاڑی کے پار —— سڑک کے کنارے سُرخ سپاہیوں کی لاشیں پانی میں بھیگ رہی تھیں۔ اُن کے نیلے چہرے نظر آ رہے تھے۔

"اُنھیں دبا دینا چاہیے تھا۔ سوّر —— !" کرسٹونیا بڑبڑایا۔ اُس نے گھوڑے کو چابک مارا اور گریگر سے آ ملا۔

"ڈان کی سرزمین پر بھی آخر خون بہ کے رہا" کرسٹونیا بولا۔

"گریگر! کیا تم سونگھ سکتے ہو کہ کیسی خون کی بُو آ رہی ہے؟ کیا تم اسے سُونگھ سکتے ہو؟"

ٹومِلن مسکراتے ہوئے بولا۔—

نواں باب

صبح کے وقت موسم نے عجیب پلٹا کھایا۔ نو بجے بالخصوص گرمی تھی لیکن دوپہر کو جنوبی ہوا چلنے لگی۔ آسمان پر بادل چھا گئے۔ رستوف کی طرف سے دُور کے درختوں کے پتوں، بھٹے کی اینٹوں اور مٹی کی عجیب نشہ آور خوشبو آنے لگی۔

چند دن ہوئے آنا اور بنچک نے شورش پسندوں کا ایک دستہ سٹیشن پر غیر مسلح کر دیا تھا۔ چند روز سے بنچک کے ابروؤں پر بل پڑے ہوئے تھے۔ ہر وقت اُس کی تیوری چڑھی رہتی تھی۔ لیکن اب جنوبی ہوا نے اُس کی خشکی دُور کر دی تھی۔ اب وہ گھر میں بیٹھا چولہے کے کام میں مصروف نہایت سرد مہری سے آنا کے چہرے کی طرف، جو طنز آمیز تبسم سے روشن تھا، دیکھ رہا تھا۔

ناشتے سے پہلے بنچک نے اپنے کھانا پکانے کی تعریف کی تھی۔ اُس نے بتایا تھا کہ وہ چٹنی سے بھرے ہوئے کٹ لٹ بہت نفیس تل لیتا ہے۔

"کیا واقعی سچ کہتے ہو؟" آنا کو شبہ ہو رہا تھا۔

"بالکل سچ۔"

"کہاں سے سیکھا تھا تم نے کھانا پکانا؟"

"پولینڈ کی ایک عورت نے مجھے جنگ کے دنوں میں سکھایا تھا۔"

"اچھا تو بناؤ دکھاؤ کٹ لٹ ـــــ مجھے اعتبار نہیں آتا۔"

غرض اس طرح چولھے میں اس نے دخل دیا۔ جونہی بنچک کے ابروؤں پر بل

پڑے۔ انا مسکرائی اور ایسی شرارت سے مسکرائی کہ بنچک برداشت نہ کر سکا۔ اُس نے بہت بُری طرح فری پان میں آلو پھیرائے اور بیٹھ یاں پڑھا لیں۔

"بے شک اگر تم اسی طرح میرے سر پر چڑھی مذاق اُڑاتی رہیں تو خاک بن سکیں گے کٹ لٹ؟ کیا اسی کا نام چولھا ہے؟ یہ بھٹی کی آگ ہے تمھیں معلوم ہونا چاہیے۔"

انا آہستہ آہستہ بول رہی تھی "تم باورچی کیوں نہ بن گئے؟ کتنے اچھے کھانے پکا لیتے ہو تم۔ کس حق سے تم باورچی خانے پر حکم چلا رہے ہو؟ آخر تم نے باورچی خانے کے محکمے سے کیوں قطع تعلق کر لیا؟"

"دیکھو تم حد سے زیادہ بڑھتی جا رہی ہو" بنچک بولا۔

انا نے دل کھول کر قہقہہ لگایا۔ اُس نے کنکھیوں سے اُس کی طرف دیکھا اور انگلیاں چٹخاتی ہوئی بولی "میں آج ہی ساتھی سپاہیوں سے کہہ دوں گی کہ تم مشین گن والے کی حیثیت سے بالکل اُجڈ ہو۔ اور تم کسی بڑے آدمی کے گھر میں باورچی تھے۔"

اُسے بے حد شرمندگی ہوئی جب چٹنی سے بھرے ہوئے کٹ لٹوں کے بجائے جلے ہوئے آلو فری پان سے باہر نکلے لیکن انا اپنی طبیعت پر جبر کر کے اُنھیں کھا گئی اور تعریفی الفاظ بھی اُس نے ڈھونڈ لیے:

"بہت نہیں، چٹنی ذرا کھٹی ہے۔"

"نہیں بڑے مزیدار بنے ہیں"... وہ ہونٹ چوسنے لگا۔ اُس نے انا کی طرف نہ دیکھا جو منہ بنا کر کٹ لٹ نگل رہی تھی۔

ناشتے کے ختم ہونے پر انا کا چہرہ سیاہ ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اب اُس سے مزید کٹ لٹ نہیں نگلے جا رہے تھے۔ وہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی اور باہر باغ میں آ کر گھاس کا تنکا چبانے لگی۔

بنچک بھی اُس کے قریب آ گیا۔ اُس نے اُس کا سر کندھے پر ٹکا لیا اور اُس کے بالوں سے اُڑتی ہوئی خوشبو سونگھنے لگا۔

"آج اتنی چپ چپ کیوں ہو؟ کیوں کیا بات ہے؟"

وہ جھکی ہوئی پلکوں سے اُس کی طرف دیکھنے لگی۔ کبھی قمیص کے بٹن کھول دیتی اور کبھی بند کر دیتی۔

"کیا شہر چلتے ہو؟" اُس نے پوچھا اور جواب کا انتظار کیے بغیر بھنچے ہوئے لبوں سے بولی "میں جلد اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں گی بنچک!"

"کیوں؟"

وہ کندھے جھٹکنے لگی۔ چھاتی کو باڑ سے لگا کر بولی "پہلے مجھے اعتبار نہ آتا تھا۔ اب مجھے یقین ہو چکا ہے ساڑھے سات مہینے کے بعد میں ماں بن جاؤں گی۔"

سمندر سے آتی ہوئی ہوا آنا کے بالوں سے کھیل رہی تھی اور اُس کے بال اُس کا منہ چوم رہے تھے۔ اُس نے اُنہیں چہرے سے ہٹانے کی کوشش نہ کی۔ بنچک خاموش ہو گیا۔ وہ اُس کے ہاتھ پر تھپکیاں دیتا رہا۔ اُس نے اُس کے پیار کا جواب نہ دیا اور لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے گھر واپس آ گئی۔

بنچک اُس کے پیچھے پیچھے تھا۔ اُس نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور پوچھنے لگا "اب کیا چاہتی ہو؟"

"کچھ نہیں" اُس نے جواب دیا۔

سکوت قیامت خیز تھا اور تکلیف دہ بھی۔ وہ الفاظ بھی ڈھونڈ رہا تھا۔ اُس کے خیالات ژولیدہ تھے۔

"جو آتا ہے آنے دو۔ اُس وقت تک مخالفینِ انقلاب کی سرکشی بھی فرو کر دی جائے گی خاموش کیوں ہو؟ کیا بچے کا گھر میں آنا بدشگونی ہے؟" پھر اُسے گفتگو کا صحیح راستہ سجھائی دینے لگا "آنا ــــ لڑکا ہو لڑکا! ــــ موٹا اور تندرست بیٹا ــــ میں قفل ساز بن جاؤں گا۔ زندگی نہایت پُر لطف ہو گی آنا! ــــ تین سال کے اندر تم موٹی ہو جاؤ گی۔ میری بھی تو ند نکل آئے

گی۔ ہم اپنا گھر خرید لیں گے۔ اتوار کو اپنے گھر مہمان بلایا کریں گے۔ یا کسی دُوسرے کے گھر میں مہمان بن کر جایا کریں گے۔ تم کیک بنایا کرو گی اَور جب کیک اچھّی طرح نہ پھُولے گا تو رویا کرو گی پھر ہم بھتوڑے بہُت پیسے بچائیں گے۔"

پہلے پہل اَنا مسکرائی لیکن مرضی کے خلاف اَور آخر میں قہقہے مارنے لگی۔

"بھَو، خیالی پلاؤ!"

"کیا تمھیں میری بات پسند نہیں آئی؟"

"نہیں، نہیں، پسند آئی ہے۔"

۲

دونوں شہر میں اکیلے گئے۔ راستوف میں سپاہیوں کا ہجوم چہل قدمی کر رہا تھا۔ سڑکوں پر مزدور پھٹے پرانے کپڑے پہنے گھوم پھر رہے تھے۔ ہوا باڑوں کو جھولا جھلاتی ہوئی چل رہی تھی۔ شہر کی ناصاف سڑکیں گھوڑوں کی لید سے اَٹی پڑی تھیں۔ راستوف کی تبدیل ہیئت اَنا کو محسوس ہو رہی تھی۔

"دیکھو بنچک! شہر کس قدر سادہ نظر آتا ہے! امیرزادوں کی سی گول گول ٹوپیاں کہیں بھی نظر نہیں آتیں۔ ہر چیز پتھر کے سے رنگ کی ہے۔"

"سارے شہر نے گرگٹ کی طرح رنگ بدل لیا ہے۔ اگر انقلاب دشمن یہاں آ گئے تو دیکھنا یہ کیونکر کینچلی بدلتا ہے۔" وہ مسکرایا۔

دونوں خاموش ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ شام کو پوٹیلکف نے ڈان انتظامی کمیٹی کے اجلاس میں مداخلت کی۔ نافوچرکاس سے آنے والے کاسکوں کی مزاحمت کے لیے اُسے فوج کی ضرورت تھی۔ اس مقصد کے لیے فوجی دستے مجتمع کیے گئے اَور کاسکوں کے مقابلے کے لیے سُرخ فوج اُتر آئی۔

"اَنا واپس ہو جاؤ۔ گھر چلی جاؤ۔۔۔۔"

لیکن اُس نے ہونٹ بھینچ لیے اور آگے بڑھتی رہی۔

کاسکوں کے آگے سُرخ فوج صف آرا ہو گئی۔ بڑھتے ہوئے کاسکوں پر آگ برسائی گئی۔ پیٹلیکف ان کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا۔ سُرخ دستوں کے آگے کھڑا ہو کر وہ کہہ رہا تھا "دوستو! بارود بچانے کی کوشش نہ کرو، ہمارے پاس بہت ہے بلکہ فالتو ہے۔"

بنچک نے پسینے میں نہاتے ہوئے مشین گن کے لیے جگہ کھود لی۔ کارتوسوں کی پیٹی مشین گن پر چڑھا دی گئی۔ بنچک کا نشانچی ٹاٹارسک گاؤں کا کاسک میکسیم گریزنف تھا۔ اُس کا گھوڑا گم ہو گیا تھا اس لیے وہ سُرخ فوجوں سے آملا تھا۔ تاش کھیلتا تھا اور کثرت سے شراب پیا کرتا تھا۔ اُس کے گھوڑے کے گولی لگی تھی اور اُس نے اُس کے نیچے دم توڑ دیا تھا۔ اُس نے اُس کا زین اتار لیا تھا اور تین میل تک پیدل چلتا رہا تھا۔ اُسے رضاکار کاسک فوج کے ہاتھوں زندہ بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ وہ بھاگتا ہوا راسنوف پہنچا تھا۔ جوئے میں چاندی کی تلوار بھی ہار دی تھی۔ یہ تلوار اُس نے جنگ میں ایک ہلاک شدہ کپتان سے حاصل کی تھی۔ بوٹ اور کپڑے بھی قمار بازی میں ہار دیے تھے۔ جب وہ بنچک کے دستے میں شامل ہوا تھا تو نیم برہنہ تھا۔ اُس نے نقصان کا صدمہ برداشت کر لیا تھا۔ لیکن ایک گولی اُس کی آنکھ میں لگی اور اُس کی بائیں آنکھ اُس کے سینے پر آ گری۔ ٹاٹارسک کا گھوڑا چور گریزنف کاسک ایڑیاں رگڑنے لگا۔

بنچک نے اُسے تڑپتا ہوا دیکھا۔ وہ موت کے مُنہ میں تھا۔ موت اُسے نگلنا ہی چاہتی تھی۔ بنچک نے نہایت احتیاط سے مشین گن کی خون آلود نالی صاف کی۔ گریزنف نے دو تین ہچکیاں لیں اور ختم ہو گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد پسپائی کا فیصلہ کر دیا گیا۔ مشین گن پیچھے ہی رہ گئی اور گریزنف کا سانولا جسم دھوپ میں چمکتا رہا۔

۱۳

سُرخ فوج کے ایک دستے نے راستوف کے نواح میں پہلا قیام کیا۔ اب یہاں رُک کر مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔ ایک سپاہی نے بنچک کو مشین گن کے نصب کرنے میں مدد دی۔ دوسروں نے سڑک میں دُشمن کو روکنے کے لیے مورچہ بندی کر لی۔ آنا بنچک کے ساتھ مشین گن کے قریب لیٹی ہوئی تھی۔

یکایک نو سُرخ سپاہی دُوسری گلی میں سے بھاگتے ہوئے آئے اور بولے "وُہ آ رہے ہیں' وُہ آ رہے ہیں۔"

لمحہ بھر میں چوراہا سنسان ہو گیا۔ غبار کا طوفان اُٹھا۔ ایک گھڑسوار کاسک' جس کی ٹوپی میں سفید پھندنا لہرا رہا تھا' موڑ پر نمودار ہوا۔ اُس نے گھوڑے کی باگیں اس طرح کھینچیں کہ اس نے اگلی ٹانگیں اُٹھا لیں۔ بنچک نے ریوالور سے اُس پر گولی چلائی گھوڑے کی گردن سے لپٹا ہوا کاسک گھوڑا سرپٹ دوڑا کر واپس چل دیا۔ مورچے کے پیچھے سپاہی کھسک رہے تھے۔ اُن کے اضطراب سے ظاہر تھا کہ دُوسرے لمحے وُہ پسپا ہونے لگیں گے۔ سکوت خوفناک ثابت ہو رہا تھا۔

اس کے بعد جو کچھ ہُوا بنچک کو اس سارے واقعے میں سے صرف ایک حادثہ یاد تھا۔ آنا اور اُس کا رومال سر کے پیچھے لٹکا ہوا۔ بکھرے ہوئے بال۔ بندوق لے کر اُٹھی تھی اور اُس نے اُس مکان کی طرف اشارہ کیا تھا جس کے پیچھے کاسک چھپے ہوتے تھے۔ اُس نے حکم دیا تھا "میرے پیچھے آؤ۔" اور وُہ خود لڑکھڑاتی ہوئی مکان کی طرف لپکی تھی۔ بنچک بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے برابر کے ایک سپاہی سے بندوق چھینی اور آنا کے تعاقب میں بھاگ کھڑا ہوا۔ چیخ بنچک کے ہونٹوں تک آ کر دب گئی تھی۔ اُس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ اُس کے چہرے پر خوف بکھر گیا تھا۔ اُس نے اُسے واپس آنے کے لیے آواز دی لیکن اُس کا حلق مفلوج ہو چکا تھا۔ اُس کے پیچھے بے شمار آدمیوں کے سانس کا زیروبم سُنائی دے رہا

تھا۔ اُسے یقین تھا کہ اس مہم کا نتیجہ اچھا نہ نکلے گا۔

موڑ تک پہنچتے پہنچتے اُس نے اناکو جا لیا تھا۔ کاسک گھوڑوں پہ سوار اور گولیاں چلاتے ہوئے اُن کے قریب آ رہے تھے۔ گولیاں سنسناتی ہوئی ان کے کانوں کے پاس سے گزر رہی تھیں۔ اُس نے پھر اُسے دھڑام سے زمین پر گرتے ہوئے دیکھا۔ وُہ یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ کاسکوں نے پیٹھ دکھا دی تھی اور واپس جا رہے تھے۔ وُہ یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ سُرخ سپاہی اُن کا تعاقب کر رہے تھے۔ انا۔۔۔ بس انا ہی اُس کی نگاہوں میں تھی۔ وُہ اُس کے قدموں سے چمٹی ہوئی اُٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اُس کے بائیں شانے سے خُون کا فوّارہ چھُوٹ رہا تھا۔ اُس کے قمیص پر خُون کا بہت بڑا داغ اُبھر آیا تھا۔ خطرناک اور لمبی گولی اُس کے سینے میں لگی تھی۔ اُسے احساس تھا کہ وُہ مر رہی ہے اور اُس کی آنکھوں کی چمک مدھم ہوتی جا رہی ہے۔

اُس نے بجھتی ہوئی آنکھوں پر جلتا ہوا بوسہ دیا۔ اُس نے اُسے اُٹھانے کی کوشش کی شاید وُہ اُسے موت کے مُنہ سے باہر نکالنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن کسی نے اُسے پرے ہٹا دیا۔ دونوں اُسے اُٹھا کر گھر کے احاطے میں لے گئے اور اُسے ایک ٹھنڈی جگہ لٹا دیا۔

ایک سپاہی نے رُوئی کے پھاہے زخم کے سُوراخ میں رکھ کر گولی کے ٹکڑے نکالے۔ بنچک نے اپنے آپ کو بمشکل قابو میں رکھتے ہوئے اُس کے قمیص کے بٹن کھولے۔ اپنے قمیص کی ایک دھجی پھاڑی اور زخم پہ تہ کر کے رکھ دی لیکن خون بند ہونے کا نام نہ لیتا تھا۔ اُس کے ہونٹ نیلے پڑ گئے تھے، منہ کھلا ہوا تھا اور پھیپھڑے میں نہایت تیز زیر دم پیدا تھا۔ زخم سے بھی ہوا نکل رہی تھی۔ وُہ زخم کو عارضی طور پر بند کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ انا کو ہوش آ گیا۔ اُس نے بنچک کی طرف دیکھا اور اُس کی پلکیں جھُک گئیں۔

"پانی۔۔۔۔ ہائے گرمی۔۔۔ گرمی!" وُہ کراہ رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے
"بنچک۔۔۔ پیارے بنچک!۔۔۔ میں جینا چاہتی ہُوں۔ میں زندہ رہنا چاہتی ہوں۔۔۔"
بنچک نے اپنے جلتے ہُوئے ہونٹ اُس کے رُخساروں پر رکھ دیے۔ اُس کے سینے پہ

پانی انڈیلا۔ لیکن اُس کے اندر آگ لگی ہوئی تھی۔ پانی بہت جلد خشک ہو گیا۔ وہ تڑپ رہی تھی۔ "آگ۔ آگ ــــ گرمی۔" اب اُس کی طاقت زائل ہو رہی تھی۔ اُسے کچھ تسکین ہو گئی تھی۔ شمع بجھنے سے پہلے بھڑک اُٹھی تھی" بنچک ــــ بنچک ــــ دیکھا تم نے..... کتنا آسان ہے..... کس قدر سہل ہے..... میں ابھی تکلیف سے نجات پا لوں گی ــــ اور تم... اور وہ رہی ماں ــــ!" وہ خدا جانے کیا کچھ کہہ رہی تھی لیکن اب اُسے احساس ہو چکا تھا کہ اُس پر کیا گزر رہی ہے۔ وہ بولی "اوہ ــــ آگ ــــ میں مر رہی ہوں۔ میرے لیے سانس لینا دشوار ہو رہا ہے ــــ میرا سانس" ــــ وہ خاصی دیر تک بولتی رہی تھی۔ بنچک نے اُسے بتانا چاہا کہ اُس پر کیا گزر رہی ہے لیکن ہونٹ سل گئے تھے۔ وہ اُس کے بازوؤں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کی اُنگلیوں کے ناخن نیلے پڑتے جا رہے تھے اور وہ کہہ رہی تھی۔ "پانی.... پانی ــــ میرے سینے پر پانی۔ گرمی ــــ ہائے گرمی۔"

وہ پانی لانے کے لیے گھر کی طرف دوڑا۔ جب وہ واپس آیا تو انّا کے سانس کی آواز بھی نہ آ رہی تھی۔ غروب ہوتا ہوا آفتاب اُس کے چہرے پر چمک رہا تھا۔ اُس کے ہونٹ ایک دوسرے سے پیوست ہو چکے تھے۔ اُس کا بایاں ہاتھ اُس کے زخم پر تھا۔ اُس نے اُس کی گردن کے گرد باہنیں ڈال کر اُسے اُٹھایا اور ایک لمحے کے لیے نکیلی ناک کی طرف دیکھا۔ اُس کی نبضیں چھوٹ چکی تھیں۔ اُس نے آخری ہچکی لی اور ہمیشہ کی نیند سو گئی۔

اُس نے اپنے سرد ہونٹ اس کے نیم وا ہونٹوں پر رکھ دیے اور بولا "پیاری انّا!" پھر وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اپنی ہی دھن میں چلنے لگا۔ پھاٹک سے ٹکرایا اور بے سدھ ہو کر چاروں شانے چت گر پڑا۔ تین سُرخ سپاہی اُسے دیکھ رہے تھے۔ وہ انسانی اندوہ کی شدت کی تاب نہ لاتے ہوئے بے حس و حرکت ہو گئے تھے۔ ان پر سکتے کا عالم طاری تھا۔

۴

چند روز تک بنچک پر غشی کا عالم طاری رہا۔ وہ اُٹھ کر چلتا، کام کرتا، کھانا کھاتا لیکن اُسے

اپنے آپ کا ہوش نہ تھا۔ اُس پر غنودگی چھائی ہوئی تھی۔ وہ اپنے گرد و پیش نگاہ دوڑاتا تھا۔ دُنیا پر ۔۔۔ دُنیا کے لوگوں پر ۔۔۔ لیکن اپنے دوستوں کو بھی پہچان نہ سکتا تھا اور اس طرح دیکھتا جیسے نشے میں دھت شرابی دیکھا کرتا ہے۔ آنا کی موت نے اُسے ہر چیز سے بے نیاز کر دیا تھا۔ اُسے کسی چیز کی خواہش نہ تھی۔ وہ کسی چیز کے متعلق سوچ نہ سکتا تھا۔

"بنچک! کھانا کھاؤ۔" اُس کے ساتھی اُس سے کہتے اور وہ کھانے لگتا۔ سونے کا وقت آتا تو اُس کے ساتھی کہتے "سو جاؤ!" اور وہ سو جاتا۔

وہ چار دن تک حقیقت کی دُنیا سے علیحدہ رہا۔ پانچویں دن کرتیفا شلدیکف اُسے سڑک پر ملا۔ اُس نے اُس کا بازو پکڑ لیا اور بولا "آہا ۔۔۔ تم ہو۔۔۔ میں تمھیں ڈھونڈتا رہا ہوں۔" اُسے خبر نہ تھی کہ بنچک پر کیا گزری ہے۔ اُس نے اُس کے کندھے پر دوستانہ تھپڑ مارا اور مُسکرایا "کیوں کیا بات ہے؟ شراب تو نہیں پیتے رہے؟ تمھیں معلوم ہے کہ ہم شمالی ڈان کے ضلع میں ایک مہم بھیج رہے ہیں تاکہ وہاں کے کاسکوں کو سُرخ فوجوں کی خاطر مسلح کر سکیں۔ پوڈٹیلکیف اس مہم کی رہنمائی کرے گا۔ ورنہ ہم یہیں گھیر لیے جائیں گے۔ کیا تم چلو گے؟"

"ہاں۔"

"بہت اچھا۔ ہم کل جا رہے ہیں۔"

بنچک نے بیخبری کے عالم میں روانگی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ دُوسرے دن وہ مہم کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

۵

جنوبی ڈان کی صورتِ حال ڈان سوویٹ حکومت کے لیے اندیشہ ناک ہو گئی جب جرمن فوج یوکرین کے مشرق سے پیش قدمی اور ڈان کے جنوبی اضلاع میں مخالفینِ انقلاب سے ساز باز کرتی ہوئی بڑھ رہی تھی۔ پاپلیف بھی ڈان کے قدموں میں رینگ رہا اور نافرچکاسک

حملہ آور ہونے کی دھمکی دے رہا تھا۔ راستوف میں سوویت کانگرس کے اجلاس میں رضا کار کاسک مزاحم ہو رہے تھے۔ فقط شمال میں انقلاب کے شعلے ابھی تک بھڑک رہے تھے۔ پوڈتیلکف اور اس کے ہمراہی اسی وجہ سے شمال کا رُخ کر رہے تھے کیونکہ انھیں جنوبی ڈان سے امداد ملنے کی قطعاً توقع نہ رہی تھی۔

لگوطن کے مشورے پر پوڈتیلکف نے، جو ڈان کی عوامی کونسل کا صدر بنا دیا گیا تھا، فیصلہ کیا کہ شمالی ڈان سے تربیت یافتہ کاسکوں کی تین چار پلٹنیں تیار کرنی چاہییں جو جرمنوں اور مخالفین انقلاب کے خلاف استعمال کی جا سکیں۔ لام بندی کے لیے ایک کمیشن بنایا گیا جو چھ افراد پر مشتمل تھا۔ ان میں پوڈتیلکف کا نام بھی تھا۔ ایک کروڑ روبل حکومت زار کا سکہ فراہم کیا گیا تاکہ لام بندی کے مصارف اس سے پورے کیے جائیں۔ کمینسکا کے کاسکوں کا ایک دستہ حفاظتی دستہ بنا لیا گیا اور ۴ مئی کو یہ مہم شمال کی طرف روانہ ہو گئی۔

ریل کی پٹڑیاں اور ریل گاڑی کے راستے یوکرین کی طرف سے پسپا ہوتی ہوئی سُرخ فوج سے لبریز تھے لیکن کاسک پلوں کو تباہ کر رہے تھے۔ ریلوں کی پٹڑیاں توڑ رہے تھے۔ ہر صبح جرمن جہازوں کا دستہ نا فوچر کاس سے کمینسکا تک اڑان کرتا اور بھگوڑوں کے گروہوں پر گدھوں کی طرح ٹوٹ پڑتا۔ مشین گن سے انھیں بھون کر رکھ دیتا۔ ہر طرف تباہی اور غارت گری کے بے شمار آثار تھے۔ جلی اور ٹوٹی ہوئی ریل گاڑیاں، تار اور ٹیلیفون کے گرے ہوئے کھمبے، اُجڑے ہوئے گھر اور ہوائی جہازوں کے ڈھانچے ــــ

پانچ دن تک لام بندی کی مہم ریل کی پٹڑی کے ساتھ ساتھ سفر کرتی رہی۔ وہ ملرافو پہنچ چکے تھے۔ چھٹے روز پوڈتیلکف نے گاڑی کے ڈبوں میں ایک کانگرس منعقد کی۔

"ہم اس طرح نہیں جا سکتے ــــ ہمیں ریل کی پٹڑیاں چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کرنا چاہیے۔" ایک نے تجویز پیش کی۔

"کیا کہہ رہے ہو ــــ؟ اگر ہم نے دوسرا راستہ اختیار کیا تو یوکرینی اور جرمن

ہم پر ٹوٹ پڑیں گے" لگوٹن بولا۔

"ہمارا سفر بے حد طویل ہے" مریخن بولا۔

کریفاشلیکف خاموش بیٹھا رہا۔ اس نے لمبا کوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ موسمی بخار کے باعث کونین پی پی کر ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا لیکن کھانڈ کے تھیلے کی طرح سکڑا بیٹھا تھا۔

"کریفاشلیکف! تمھاری زبان بندی تو نہیں کی گئی؟ کیوں نہیں بولتے؟ کیا خیال ہے تمھارا؟"

"سوال کیا ہے؟"

"کیا تم سُن نہ رہے تھے؟ ہمیں پیدل چلنا چاہیے۔ ریل کا سفر ترک کر دینا چاہیے۔ تمھارا کیا خیال ہے؟ ہم میں تم سب سے زیادہ تعلیم یافتہ ہو۔"

"ہمیں پیدل چلنا چاہیے" کریفاشلیکف بولا۔

"بہت اچھا" پوٹلیکف نے مسرت کا اظہار کیا۔

اُس نے ایک نقشہ پھیلا دیا۔ مریخن نے اُسے دونوں کناروں سے پکڑ لیا۔ اُس نے سگرٹ سے جلی ہوئی انگلیاں اُس پہ دوڑانی شروع کیں" ایک سو پچاس میل کا سفر ہے۔ کیا ٹھیک کہ رہا ہوں؟"

"ہاں" لگوٹن نے اتفاق کیا۔

کریفاشلیکف نے کندھے جھٹکائے" مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"مَیں کاسکوں کو گاڑی خالی کرنے کا حکم دیتا ہوں۔"

مریخن بولا اور کسی نے اُس کی مخالفت نہ کی۔ وہ گاڑی سے نیچے کود پڑا۔

۶

بنچک اپنے ڈبے میں لیٹا ہوا تھا۔ اس کا سر لمبے کوٹ میں چھپا ہوا تھا۔ اُسے ابھی تک ماضی کی یاد غم والم کے سیلاب میں بہائے جا رہی تھی۔ غم واندوہ سے اُسے نجات نہ ملی تھی۔ اُس کی دھندلی آنکھوں کے سامنے برف سے ڈھکا ہوا میدان چاندی کی طرح ...

کی طرح بجھا ہوا تھا۔ اُسے سرد ہوا محسوس ہو رہی تھی۔ اُسے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ آنا اُس کے پاس کھڑی ہے۔ اُس کی سیاہ آنکھیں اُسے نظر آ رہی تھیں۔ اُس کے ابروؤں کے خم۔ اَور ہونٹوں کی پتلی لکیریں۔ وُہ ا... کے الفاظ نہ سُن سکتا تھا۔ اُس کے کانوں میں عجیب و غریب آوازیں آ رہی تھیں، کسی کے ہنسنے کی آوازیں۔ اُس کی آنکھوں کی چمک سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وُہ اُسے کچھ کہہ رہی ہے۔

اُس کے بعد اُسے ایک اَور ہی آنا دکھائی دی۔ اُس کا چہرہ نیلا پڑ گیا تھا۔ اُس کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے اَور اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ وُہ جھکا تا کہ اس کی دھنسی ہوئی آنکھوں پر بوسہ دے سکے لیکن وُہ کراہ اُٹھا جیسے کسی نے اُس کا گلا گھونٹ دیا ہو۔ آنا اُسے ایک لمحے کے لیے بھی چھوڑ کر نہ جا رہی تھی۔ وقت گزر رہا تھا لیکن اُس کے خط و خال مدھم نہیں پڑ رہے تھے۔ اس کا چہرہ۔ اس کا جسم اُس کی چال، اُس کی ناک نقشہ اَور اُس کے ابروؤں کا خم ابھی تک وہی تھا۔ وُہ اُس کے الفاظ یاد کر رہا تھا اُسے وہ دن یاد آ رہے تھے جو اُس نے اُس کے ساتھ بسر کیے تھے۔ پیار کی باتیں، پیار کی گھاتیں۔ اس کے غم و الم میں اس تلخ یاد سے اَور بھی اضافہ ہو رہا تھا۔

اُس نے اپنی موجودہ حالت کے تجزیے کی کوشش نہ کی۔ وُہ اپنے غم کے سپرد ہو گیا۔ وہ مرجھا گیا تھا۔ وُہ زنگ آلود ہو رہا تھا۔ خزاں زدہ پتوں کی طرح جھڑ رہا تھا۔

جب گاڑی سے اُترنے کا حکم ملا تو اُنھوں نے اُسے اُٹھایا۔ وُہ اُٹھا اَور سنبھل کر گاڑی سے کود پڑا۔ اُس نے گاڑی کے ڈبوں سے ساز و سامان اُتارنے میں مدد دی۔

برفیلی بارش ہو رہی تھی۔ سرد ہوا چل رہی تھی۔ سڑک کے کنارے کی گھاس بھیگی ہوئی تھی۔ میدان میں ہوا آزادی سے خراماں تھی۔ اُس کے پیچھے دھواں چھوڑتے ہوئے انجن تھے۔ سرخ اینٹوں کی عمارتیں تھیں۔ پاس کے گاؤں سے چالیس گاڑیاں کرائے پر لے لی گئیں۔ گھوڑے آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ بارش میں بھیگتے ہوئے اَور کیچڑ سے پھسلتے ہوئے۔ ان کے

آ گئے اور پیچھے کان کنوں کے گروہ بیولیوراکو لیے ہو گئے رہے تھے۔ جو کاسکوں کے انتقام کا شکار ہو گئے تھے۔

۷

کئی دن تک مہم ڈان کے وسط میں پیدل چلتی رہی۔ یوکرین کے باشندوں نے ان کا خیر مقدم کیا۔ یوکرینیوں نے انھیں پناہ دی اور ان کے ہاتھ بیش قیمت سامان بیچتے رہے۔

لیکن جوں جوں وہ کاسکوں کی سرزمین کے نزدیک پہنچتے گئے پوٹیلکف اور اس کے ساتھی محتاط ہوتے گئے۔ لوگوں کے رویے میں بے پناہ تبدیلی آ چکی تھی۔ وہ اپنی چیزیں ان کے ہاتھ بیچتے ہوئے خوفزدہ ہوتے اور ہچکچاتے۔ سوالات کا جواب نہ دیتے۔ مایوس کن خیر مقدم سے تنگ آ کر مہم کے کاسکوں میں سے ایک کاسک نے اپنی تلوار چوک میں گاڑتے ہوئے کہا — "انسان ہو کہ شیطان؟ — خاموش کیوں کھڑے ہو؟ ہم تمھارے مفاد کی خاطر اپنا خون بہاتے ہیں اور تم ہمارے … سے گریز کرتے ہو — مساوات کا زمانہ ہے۔ ہم بھائی بھائی ہیں — ساتھی ہیں — اب نہ کوئی جوخول ہے اور نہ کاسک — تم پر کوئی ہاتھ نہ اٹھائے گا۔ ہمارے لیے انڈے لاؤ، مرغیاں لاؤ اور ہم تمھیں نزار کے روبل دیں گے۔"

چھ یوکرینی کھڑے اُن کی تقریر سُن رہے تھے۔ اُن کے سر جھکے ہوئے تھے جیسے ہل … جتے ہوئے بیل — ان میں سے ایک نے بھی اُس کی تقریر کا تسلی بخش جواب نہ دیا "تمھیں چلانے کی ضرورت نہیں" وہ صرف اسی قدر کہہ سکے۔

اسی گاؤں کی ایک یوکرینی عورت نے کاسکوں سے سوال کیا "تم سچے ہو۔ ہر ایک کو نہیں لیکن ہم بڈھوں کو کاٹ کر کھلا سکتے ہیں۔"

"میرے خدا — کیا کہہ رہی ہو؟"

"ہاں ہاں، آج کل ہم بڈھوں کو کاٹ کر کھا رہے ہیں۔ گوشت ملتا نہیں۔ اس لیے آج کل اپنے بوڑھوں کو بھون بھون کر کھا رہے ہیں۔"

"مذاق کیوں کرتی ہو؟" مریخن بولا۔
"مذاق نہیں کر رہی۔ اگر ہم نے یہ دکھ نا لگ دیا تو لوگوں کو بتایا جائے گا کہ ہم بوڑھوں کو کاٹ کر کھا جاتے ہیں اور اس طرح تمام دیہات میں ہمارے خلاف نفرت کے بیج بو دیئے جائیں گے۔"

۸

تردد اور تشویش سے مجبور ہو کر پوڈتیلکف نے راستے میں قیام کرنے کی مدت کم کر دی۔ ان کے قیام کا فاصلہ بھی طویل ہو گیا اور شمال کی طرف تیزی سے بڑھنے لگے۔ جس دن وہ شالی ڈون کے ضلع میں داخل ہوئے پوڈتیلکف اور لگوتن میں ایک طویل گفتگو شروع ہوئی :
"اب ہمارے زیادہ دُور جانے کی ضرورت نہیں الیاآن۔ ہمیں جس قدر جلد ہو سکے لام بندی شروع کر دینی چاہیے۔ ہم معقول تنخواہیں پیش کریں گے اور چلتے چلتے سپاہی بھرتی کرتے جائیں گے۔ جب مائیکلافسکو پہنچیں گے تو ہمارے پاس ایک ڈویژن فوج ہو گی۔ تمہارا کیا خیال ہے ہم اتنی فوج فراہم کر سکیں گے؟"
"ضرور — بشرطیکہ وہاں اٹامن نہ ہوا۔"
"تمہارا کیا خیال ہے کہ جرمنوں نے وہاں پہلے ہی سے حملہ کر دیا ہے؟"
"کون جانتا ہے" لگوتن بولا اور اس نے ڈاڑھی کھجلائی۔
"ہمیں شاید دیر ہو چکی ہے۔ ۔ ۔ ۔ مجھے ڈر ہے کہ مبادا ہمیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے افسر وہاں پہلے ہی سے سرگرم کار ہیں۔ ہمیں جلدی کرنی چاہیے۔"
"جلدی تو کر رہے ہیں۔ گھبراؤ نہیں گھبرانے کی کوئی بات نہیں" پوڈتیلکف بولا اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں "اگر مصیبت آ بھی گئی تو بھی ہم ان کا گھیرا توڑ کر نکل آئیں گے۔ دو ہفتوں کے اندر ہم جرمنوں اور سفید روسیوں کے پرخچے اُڑا کر رکھ دیں گے۔ دیکھنا تو سہی" اس نے سگرٹ کے لمبے لمبے کش لگاتے ہوئے کہنا شروع کیا "اگر ہمیں تاخیر ہو گئی تو واقعی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ پھر ہمیں مُنہ کی کھانی پڑے گی۔ ہمیں دیر نہ کرنی چاہیے۔ اگر

افسروں نے ہم سے پہلے وہاں دستے منظم کر لیے تو موت یقینی ہے۔"

۹

دوسرے دن شام کے قریب انھوں نے کاسکوں کی سرزمین پہ قدم رکھ دیا۔ پہلے گاؤں میں پہنچتے ہی پوٹیلکف نے، جو لگوٹن اور کریفاشلیکف کے آگے آگے گھوڑے پر سوار تھا، میدان میں ڈھور ڈنگروں کا ایک گروہ دیکھا۔

"آؤ گڈریے سے کچھ سوالات کریں" لگوٹن نے مشورہ دیا۔

وہ دونوں اتر پڑے اور انھوں نے گڈریے کو سلام کیا۔

"بوڑھے میاں! خدا تمھیں صحت دے۔"

"خدا تمھارا بھی نگہبان رہے" بوڑھے نے جواب دیا۔

"کہو تمھارے علاقے کی کیا خیر خبر ہے؟"

"کیا بتاؤں — مگر تم کون ہو؟"

"ہم سپاہی ہیں اور گھر جا رہے ہیں۔"

"پوٹیلکف تو تمھارے ساتھ نہیں یا ہے؟"

"ہاں ہے۔"

بوڑھا خوفزدہ ہو گیا اور زرد پڑ گیا۔

"کیوں بوڑھے میاں — کیا بات ہوئی؟"

"میں نے سنا ہے کہ وہ بوڑھوں کو قتل کر دیتا ہے۔"

"بیوقوف — تمھیں ایسی کہانیاں کون سنا رہا ہے؟"

"دو دن ہوئے ہمارے گاؤں کے اٹامن نے یہی تقریر کی تھی۔"

"اچھا! تو اب تمھارے گاؤں میں بھی اٹامن بن گئے؟" لگوٹن نے پوٹیلکف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"چند دن ہوئے ہم نے اٹامن منتخب کیا تھا۔ سوویٹ عدالت بند کر دی گئی ہے۔"

پوٹیلکف گاڑی میں واپس آگیا اور بولا "گھوڑوں پر چابک برساؤ۔" وہ اپنی نشست پر آبیٹھا اور کاسکوں کو گھوڑوں کی رفتار تیز کر دینے کی ہدایت کرنے لگا۔

بارش شروع ہو گئی تھی۔ مطلع ابر آلود تھا۔ لیکن مشرق میں آسمان بادلوں سے خالی تھا۔ جب وہ ایک گھاٹی سے اُتر رہے تھے تو اُنھوں نے دیکھا کہ آدمی گاڑیوں میں بیٹھے بھاگے جا رہے ہیں۔

"لوگ بھاگ رہے ہیں۔ وہ ہم سے خوفزدہ ہو گئے ہیں" لگوٹن بولا

مہم کی گاڑیاں کھڑکھڑاتی ہوئی بڑھتی رہیں۔ سڑکیں ویران تھیں۔ ایک احاطے میں ایک بوڑھی یوکرینی عورت گھوڑا گاڑی میں تکیے پھینک رہی تھی۔ وہ ننگے سر اور ننگے پاؤں تھی۔ گھوڑے کی لگامیں اُس کے ہاتھ میں تھیں۔

یہاں آکر معلوم ہوا کہ جن آدمیوں کو اُنھوں نے قیام کا انتظام کرنے کے لیے آگے بھیجا تھا وہ ایک کاسک قزاقی دستے کے ہاتھ پڑ گیا اور قیدی بنا لیا گیا۔ اب کاسک دور نہ تھے۔ مہم کے لیڈروں نے آپس میں مشورہ کیا کہ آیا انھیں آگے بڑھنا چاہیے یا لوٹ جانا۔ ایک کاسک بولا:

"تم ہوش و حواس گم کر چکے ہو۔ ہمیں کہاں لے جانا چاہتے ہو؟ مخالفینِ انقلاب کے پاس۔ ہم واپس جا رہے ہیں۔ ہم مرنا نہیں چاہتے" اُس نے چٹان کی طرف اشارہ کیا۔

تین گھڑسوار اُس پر کھڑے تھے۔

"یہ اُن کا قزاقی دستہ ہے" لگوٹن بولا۔

"اور ادھر دیکھو ــــــ"

گھڑسواروں کا ایک بھاری دستہ نمودار ہوا اور پہاڑ میں غائب ہو گیا۔

پوٹیلکف نے واپسی کا حکم دیا۔ وہ پہلے یوکرینی گاؤں میں پہنچے تو وہاں کے باشندوں

کوکاسکوں کی تنبیہہ سے چھپنے اور بھاگنے کی تیاریوں میں مصروف پایا۔

اندھیرا چھانا شروع ہو گیا تھا۔ ہلکی ٹھنڈی بارش ان کے جسم تر کر رہی تھی۔
آدمی سڑک کے کنارے کنارے بندوقیں سنبھالے چل رہے تھے۔ سڑک وادی میں مڑ جاتی
پھر پہاڑی پر چڑھنا شروع کر دیتی تھی۔ پہاڑیوں پر کاسکوں کی دیکھ بھال کے گھڑسوار دستے
چکر کاٹ رہے تھے اور پسپا ہوتا ہوا سرخ دستہ خوف سے لرز رہا تھا۔

ایک ندی کے پاس پہنچ کر پوٹیلکف گاڑی سے نیچے کود پڑا اور بولا "تیار ہو جاؤ"۔
ندی کا پانی نیلگوں تھا اور اس میں جا بجا جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ پوٹیلکف کو اندیشہ تھا کہ
جھاڑیوں کے پیچھے دشمن چھپا ہوا ہوگا۔ لیکن وہاں کوئی بھی نہ تھا۔

"تمہیں اُن کی یہاں اُمید نہ رکھنی چاہیے۔ وہ رات کے وقت حملہ کریں گے' اس
وقت نہیں" کریفاشلیکف نے سرگوشی کی۔

١٠

مغرب میں بادل کثرت سے گھر آئے تھے۔ رات ہو گئی۔ ڈان سے بہت دور بجلی کوند رہی تھی۔
بجلی ایک زخمی پرندے کی طرح پھڑپھڑا رہی تھی۔ بادلوں کی گہری چادر کے نیچے شفق بے رونقی
سے چمک رہی تھی۔ میدان میں سکوت اور سیل نے پاؤں جما لیے تھے۔ وادی میں ختم ہوتے
ہوئے دن کا اُداس دھندلکا برس رہا تھا۔ مئی کی شام میں خزاں کا رنگ تھا۔ پوٹیلکف بوٹ
سے کیچڑ جھاڑنے کو جھکتا اور چل دیتا۔

رات ہو چکی تھی جب وہ دوسرے گاؤں میں پہنچے۔ مہم کے کاسکوں نے گاڑیاں
چھوڑ دی تھیں اور ایک جھونپڑی سے دوسری جھونپڑی میں جا کے پناہ ڈھونڈ رہے تھے۔
پوٹیلکف نے رات کو پہرا دینے والوں کا انتخاب کیا لیکن مرد یہ فرض انجام دینے سے انکار
کر رہے تھے۔ ان میں سے تین سپاہیوں نے صاف طور پر انکار کر دیا۔ "فوجی عدالت ابھی منعقد
کرو۔ اُن پر مقدمہ چلاؤ اور حکم سے انکار پر انہیں گولی سے اُڑا دو" کریفاشلیکف غرایا۔

پوٹیلکف نے اُس سے اتفاق نہ کیا۔

"سفر نے اُنھیں بودا بنا دیا ہے۔ یہ اپنے آپ کی حفاظت بھی نہ کر سکیں گے ۔ ہماری موت یقینی ہے۔"

خدا جانے کس طرح لنگوٹین کئی کاسکوں کو جمع کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اُنھوں نے گاؤں میں پہرا لگا دیا۔ پوٹیلکف نے جھونپڑیوں کا چکر لگایا اور ان کاسکوں سے جن پر وہ بہت اعتبار کرتا تھا، بات چیت کی۔

"سو نہ جانا ورنہ وہ تمھیں سوتے میں قتل کر دیں گے" وہ ہر جھونپڑی میں یہی فقرہ دُہراتا تھا۔

ساری رات وہ میز کے گرد بیٹھا رہا۔ اُس کا سر اُس کے ہاتھوں میں تھا۔ وہ زخمی حیوان کی طرح کھینچ کھینچ کر سانس لے رہا تھا۔ علی الصّباح اُس پر نیند نے غلبہ پا لیا۔ لیکن جلد ہی اُسے مزید پسپائی کے لیے جگا دیا گیا۔ دن نکلنے والا تھا۔ وہ احاطے میں آ گیا۔ جھونپڑی کی مالکن بھی باہر ہی موجود تھی۔

"پہاڑی پر گھوڑ سوار دیکھے گئے ہیں" اُس نے اُسے اطلاع دی۔

اُس نے پہاڑی کی طرف دیکھا۔ گاؤں سے بہت دُور دُھند چھائی ہوئی تھی لیکن اُس دھند میں بھی کاسکوں کی ایک بھاری تعداد ان کی طرف آتی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ تیز دُلکی چال چلتے ہوئے آ رہے تھے اور گاؤں کو زبردست محاصرے میں لے رہے تھے جھونپڑیوں میں سے کاسک نکلنے شروع ہو گئے۔ اُن میں سے ایک آگے بڑھا :

"رفیق پوٹیلکف! وہ دیکھیے نمائندے آ رہے ہیں" اُس نے پہاڑی کی طرف اشارہ کیا "اُنھوں نے ہمیں کہا ہے کہ ہم فوراً ہتھیار ڈال دیں ورنہ وہ ہمیں چیر پھاڑ کر رکھ دیں گے۔"

"سُور کے بچے! کیا کہنا چاہتا ہے؟" پوٹیلکف نے اُس کے لمبے کوٹ کی آستین پکڑی۔ اور گاڑی کی طرف دوڑا۔ اُس نے بندوق اُٹھالی اور بولا "ہتھیار ڈالنا موت ہے۔ مخالفین انقلاب

ہمیں کب زندہ چھوڑیں گے۔ ہم اُن سے لڑیں گے۔ میرے پیچھے آؤ۔ بندوقیں اُٹھا لو۔"

بیشتر کاسکوں نے اُس کا ساتھ دیا اور گاؤں کے نکڑ پہ جمع ہو گئے۔ جب وہ آخری جھونپڑی تک پہنچے تو مرتخن بھی اُن سے آملا۔

"پوڈیلکف! شرم کرو۔ کیا اپنے بھائیوں کا خون بہاؤ گے؟ واپس آجاؤ۔"

یہ دیکھتے ہوئے کہ مہم کے نہایت مختصر حصے نے اُس کا ساتھ دیا، اُسے شکست صاف نظر آرہی تھی۔ اس لیے اُس نے ٹوپی اُٹھا کر کہا "دوستو! اب جنگ کرنا بیہودہ ہے۔ آجاؤ، گاؤں میں واپس چلیں۔"

وہ سب واپس آگئے۔ پوری مہم تین احاطوں میں جمع ہو گئی۔ چند لمحوں کے بعد چالیس گھڑسواروں کا دستہ گاؤں میں داخل ہوا۔ باقی کاسک فوج پہاڑیوں پر کھڑی رہی۔ پوڈیلکف نے ہتھیار ڈالنے کی شرائط کی گفتگو کی۔ جب وہ سڑک پہ بڑھ رہا تھا بنچک نے اُس سے قریب آکر کہا "کیا ہم واقعی ہتھیار ڈال رہے ہیں؟"

"ہماری فوج تو ایک تنکا بھی توڑنے کے قابل نہیں رہی۔ اس لیے کیا کیا جائے؟"

"کیا تم مرنا چاہتے ہو؟ ان سے کہہ دو کہ ہم ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔ اب تم ہمارے لیڈر نہیں۔ تم نے کس سے مشورہ کیا ہے؟ کس کی اجازت لے کر ہم سے غداری کر رہے ہو؟" وہ ریوالور لیے ہوئے واپس مڑا۔ اُس نے کاسکوں کو مقابلے کے لیے اُکسایا اور کہا کہ گھیرا توڑ کر ریل کی لائن تک پہنچنے کی کوشش کرو۔

لیکن بیشتر کاسک ہتھیار ڈالنے کے حق میں تھے۔

"تم جاؤ، ہم لڑنے کے حق میں نہیں۔ ہم اپنے بھائیوں پر گولی نہیں چلائیں گے۔"

"ہم اپنے آپ کو اُن کے حوالے کر دیں گے اور اُن پر اعتماد کریں گے۔"

"آج ایسٹر کا اتوار ہے اور تم ہمیں خون بہانے پر آمادہ کر رہے ہو؟"

بنچک اپنی گاڑی میں آگیا۔ اُس نے لمبا کوٹ اُتار کر پھینک دیا اور ریوالور

ہاتھ میں لے کر لیٹ گیا۔ پہلے تو اُس نے فرار ہونے کا منصوبہ باندھا پھر وہ پوٹیلکف کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

۱۱

پوٹیلکف تین گھنٹے کے بعد آیا۔ وہ اپنے ہمراہ کاسکوں کا ایک بہت بڑا گروہ لایا۔ اُس کا سر غرور سے تنا ہوا تھا۔ اُس کے پہلو میں سفید روسیوں کے دستے کا کمانڈر سپر یدلیف تھا جو اُس کا پرانا ساتھی تھا۔ اُس کے پیچھے ایک کاسک تھا جس نے سفید جھنڈا اُٹھا رکھا تھا۔ گاؤں کی گلیاں نئے کاسکوں سے بھری پڑی تھیں۔ شور بلند ہوا کیونکہ اُن میں پرانے ساتھی تھے۔ پوٹیلکف کے کاسک پرانے ساتھیوں کو پہچان رہے تھے اور ہنسنے لگے تھے۔

"اوہ — پراخر تم ہو؟ — کہاں سے آ گئے؟"

"ہم تم سے دو دو ہاتھ کرنے ہی لگے تھے۔"

"اور تمھیں یاد ہے کہ ہم نے کس طرح آسٹرویوں کو لعاف میں مار بھگایا تھا؟"

"اوہ! بھائی ڈنیلو بھی ہے؟"

وہ سب ایک دوسرے کو چوم رہے تھے۔ اب کاسک ایک دوسرے کی پیٹھ پر تھپکیاں دے رہے تھے۔ ایک دوسرے سے مذاق کر رہے تھے۔

"ہم نے تو ابھی ناشتا بھی نہیں کیا" سُرخ کاسک بولے۔

"کیونکہ تم بالشویک ہو اور تمھارے پاس کھانے کو ہے ہی کیا؟"

"ہم چاہے بالشویک ہیں لیکن خدا کو ضرور مانتے ہیں۔"

"جھوٹ بول رہے ہو۔"

"خدا کی قسم سچ۔"

"کیا تمھاری گردن میں صلیب ہے؟"

"ہاں ہے" "یہ رہی" سُرخ کاسک نے کوٹ کا بٹن کھولتے ہوئے کہا۔ بوڑھے کاسک ا

جو چیلیاں لیے ہوئے پوٹیلکف سے انتقام لینے کے لیے آ گئے تھے اب حیرت زدہ تھے۔" ہمیں تو بتایا گیا کہ تم نے مسیحی مذہب چھوڑ دیا ہے۔ ہم نے سنا تھا کہ تم کلیساؤں کو برباد کر رہے ہو اور پادریوں کو ہلاک ——"

"وہ تمھارے کان بھرتے رہے ہیں، جھوٹ بولتے رہے ہیں" سُرخ کاسک بولا "راستوں سے آنے پر بھی ہم گرجے جاتے رہے ہیں۔"

احاطے میں اور سڑکوں پر دوستانہ گفتگو ہو رہی تھی۔ آدھ گھنٹے کے بعد کاسک سڑکوں پر خراماں تھے اور کہہ رہے تھے" پوٹیلکف کے کاسک تو ہتھیار ڈالنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔"

ان کے پیچھے لفٹننٹ سپیریدنف تھا۔ اس نے ٹوپی اتار کر کہا "پوٹیلکف کے کاسک باڑ کے ساتھ بائیں طرف قطار باندھ لیں اور دوسرے دائیں طرف اپنے اپنے لیڈروں کے ساتھ۔ بھائیو اب ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ تم تمام ہتھیار حوالے کر دو۔ بندوقیں زمین پر رکھ دو اور دوسرے ہتھیار گاڑیوں میں۔ ہم ان کی حفاظت کریں گے۔ ہم تمھیں کراسنوکسک بھیج رہے ہیں اور وہاں ہتھیار دے دیں گے۔"

سُرخ کاسکوں میں بداعتمادی کی لہر دوڑ گئی۔ ان میں سے ایک بولا "ہم ہتھیار نہیں دیں گے۔"

سپیریدنف کے کاسک دائیں طرف کو ہو گئے اور پوٹیلکف کے کاسک منتشر حالت میں سڑک پر کھڑے رہے۔ کریفا شلیکاف کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ لگوٹن کے ہونٹ کانپ رہے تھے اور بنچیک نے تہیہ کر رکھا تھا کہ وہ ہتھیار کسی کے حوالے نہ کرے گا۔ اس نے پوٹیلکف سے کہا :

"ہم ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔ سُنتے ہو؟"

"اب کوئی فائدہ نہیں" پوٹیلکف نے پیٹھ موڑ لی۔

سب سے پہلے پوڈتیلکف نے اپنا ریوالور کھول دیا اور اُسے دیتے ہوئے بولا "میری تلوار اور رائفل گاڑی میں ہے۔"

سُرخ کاسکوں نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے ہتھیار اُن کے حوالے کر دیے۔ بعض نے ریوالور باڑ میں چھپا دیے تھے۔ بنچک کے ساتھیوں نے ہتھیار دینے سے انکار کیا لیکن اُن سے زبردستی چھین لیے گئے۔ ایک مشین گن والا گاؤں سے نظر بچا کر نکل جانے کی کوشش کر رہا تھا اور مشین گن کے کارتوس اُس کے پاس تھے۔ سپریدنف نے پوڈتیلکف کے آدمیوں پہ پہرا لگا دیا اور اُن کی حاضری لگنے لگا۔ لیکن قیدیوں نے ہچکچاتے ہوئے اپنے نام بولے۔

"حاضری کیوں لگاتے ہو؟"

"ہمیں کراسنو کسک لے چلو۔"

"ختم کرو یہ جھنجٹ۔"

روپوں کے صندوق پہ مہر لگا دی گئی اور اُس پہ کڑا پہرا بٹھا دیا گیا۔ سپریدنف نے پھر قیدیوں کو مجتمع کیا اور بڑے تحکم لہجے میں بولا "دو قطار۔ دو میں ــــ بائیں پاؤں سے ــــ آگے بڑھو۔ خاموشی سے۔"

سُرخ کاسکوں میں ناراضی اور نافرمانبرداری کی لہر اُٹھی لیکن وہ اپنی مرضی کے خلاف چلتے رہے۔ جب پوڈتیلکف نے ہتھیار ڈالے تھے تو اُس کا خیال تھا کہ اُن سے نرم برتاؤ کیا جائیگا لیکن جوں جوں وہ گاؤں سے باہر آتے جا رہے تھے۔ گھڑسوار کاسک گھیرے کو تنگ کیے جا رہے تھے۔ بنچک بائیں طرف چل رہا تھا اور اُس کے ساتھ سُرخ ڈاڑھی والا ایک بوڑھا کاسک تھا۔ اُس نے بنچک پہ چابک برسایا۔ بنچک کے گال پہ خراش پڑ گئی۔ اُس نے مڑ کر مکا کس لیا لیکن دوسرا چابک کچھ اس زور سے اُس پر پڑا کہ وہ قیدیوں میں شامل ہونے پہ مجبور ہو گیا۔ انا کی موت کے بعد آج پہلی دفعہ اُس میں زندہ رہنے کی خواہش بیدار ہوئی۔ آج پہلی دفعہ اُسے

معلوم ہوا کہ زندہ رہنے کی خواہش کتنی زبردست ہوتی ہے۔

گھڑ سوار کاسکوں نے قیدیوں پر چابک برسانا شروع کر دیا۔ بوڑھے کاسک۔ دشمن کو مجبور پا کر دلیر ہو گئے۔ وہ اُن پر چابک برسانے لگے۔ تلواروں کے دستوں سے اُن پر وار کرنے لگے۔ قیدی مجبور تھے۔ وہ ہاتھ اُٹھا رہے تھے۔ چلا رہے تھے۔ ایک طویل قامت سرخ کاسک بولا "اگر تم ہمیں ہلاک ہی کر دینا چاہتے ہو تو اسی وقت کر دو۔ ہمیں تکلیف کیوں دے رہے ہو؟"

چند لمحوں کے بعد بوڑھے نرم ہو گئے۔ قیدی کے جواب میں ایک گھڑ سوار کاسک بولا "ہمیں حکم ملا ہے کہ ہم تمہیں پوناماریف لے چلیں۔ گھبراؤ نہیں۔ تم سے بُرا سلوک نہیں کیا جائے گا"

پوناماریف کے گاؤں میں پہنچ کر سپیرید نف نے انھیں ایک دکان میں باری باری داخل ہونے کا حکم دیا۔ وہ ایک ایک کر کے دروازے میں داخل ہونے لگے۔ جو کوئی گزرتا سپیرید نف اُس سے اُس کا صحیح نام پوچھا جاتا۔

"تمہارا نام۔۔۔ کہاں پیدا ہوئے تھے؟" سپیرید نف پوچھ رہا تھا۔

اب بنچک کی باری آئی "تمہارا نام؟" سپیرید نف نے پوچھا اور اُس کی پنسل نوٹ بک پر رُک گئی۔ اُس نے سرخ سپاہی کا چہرہ ملول پایا اُس نے دیکھا کہ بنچک اُس کے منہ پر تھوکنے کے لیے منہ میں لعاب جمع کر رہا ہے اس لیے اُس نے دھکا دے کر کہا "آگے بڑھو، تمہیں بے نام ہی گولی سے اُڑا دیا جائے گا"

بنچک کی مثال سامنے رکھ کر دوسروں نے بھی نام بتانے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ غیر معروف طور پر مرجانا پسند کرتے تھے۔ جب آخری مرد دکان میں داخل ہو گیا تو سپیرید نف نے اسے تالا لگا دیا اور اُس کے چاروں طرف پہریدار کھڑے کر دیے۔

۱۲

قیدیوں کی گاڑیوں کا سامان وسامان تقسیم ہو چکا تو فوجی عدالت کا ایک اجلاس بلوایا گیا۔

جن دیہات کے لوگوں نے ان کاسکوں کو گرفتار کرنے میں حصّہ لیا تھا۔ اُن کے نمائندے بلوائے گئے۔ جلسے کا صدر زرد بالوں والا ایک کپتان تھا۔ وُہ میز پر کہنیاں رکھے ہوئے تھا۔ اُس کی چمکیلی آنکھیں ارکانِ عدالت پہ سوالیہ انداز میں پڑ رہی تھیں اَور وُہ سوالات دُہرا رہا تھا۔

"بزرگو۔ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟" اُس نے پُوچھا۔

"ہم ان غدّاروں کو ہلاک کردیں گے جو ہمارے ملک کو لُوٹنے اَور کاسکوں کو ہلاک کرنے آئے ہیں۔"

ایک بوڑھا کاسک آگے آکر بولا "انھیں گولی سے اُڑا دو۔ ان میں سے ہر ایک کو گولی کا نشانہ بنا دو۔ ان پر قطعاً رحم نہ کرو۔ جان سے مار دو۔ ٹکڑے اُڑا دو۔ ان کے انھیں دیوار کے ساتھ کھڑا کرکے موت کی نیند سُلا دو۔"

"انھیں جلا وطن کر دو" ایک رُکن نے تجویز پیش کی۔

"نہیں، نہیں۔ گولی سے اُڑا دو۔"

"ان کے لیے سزائے موت ہی موزوں ہے۔"

"سب کے سامنے ہلاک کر دو۔ ان کا قتلِ عام ہی موزوں ہے۔"

"ہاں، ہاں۔ انھیں گولی ہی سے اُڑایا جانا چاہیے۔ فضول بحث کیوں کرتے ہو؟" سپرید نف نے اعلان کیا۔ شریف النفس اَور رحمدل صدرِ جلسہ کی ساری شگفتگی یہ آوازیں سُن کر مفقود ہو گئی۔

"انھیں گولی سے اُڑایا جائے۔ یہ حکم لکھ لو" اُس نے سیکرٹری کو حکم دیا۔

"پوڈتیلکف اَور کریفاشلیکف کو بھی گولی کا نشانہ بنایا جائے۔ یہ ان کے لیے ضرورت سے زیادہ اچھا ہے" ایک بوڑھا کاسک بولا۔

"چُونکہ وُہ لیڈر ہیں اس لیے انھیں پھانسی دے دی جائے" صدرِ جلسہ بولا پھر اُس

نے سکرٹری کی طرف دیکھ کر کہا یہ حکم لکھو۔" ہم حسب ذیل ارکان مجلس ــــــ"

لیمپ ٹمٹمانے لگا کیونکہ اس میں تیل نہ تھا۔ ہر طرف سکوت تھا اور ایک رُک رُک کے کھینچ کر سانس لینے کی آواز آ رہی تھی۔

سکرٹری نے قتل کیے جانے والوں کی فہرست مرتب کر کے لکھنا ختم کیا اور قلم ایک پاس والے کے ہاتھ میں دے کر بولا "دستخط کر دو۔"

اُس شخص نے قلم لے کر کہا "مجھے لکھنا نہیں آتا۔" وہ مسکرایا۔ جب عدالت کے ارکان دستخط کر چکے تو صدر جلسہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بولا "آج کلیڈن دوسری دُنیا میں ہمارا شکر گزار ہو گا۔" وہ سکرٹری کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

کسی نے بھی اس مذاق کا جواب نہ دیا۔ وہ سب خاموشی میں جھونپڑے سے باہر نکل گئے۔

"مسیح میرے خدا ــــ!" کسی نے اندھیرے میں کہا۔

۱۳

جو قیدی دُکان میں بند تھے۔ اُن کی آنکھوں میں نیند کہاں تھی۔ گفتگو میں اضطراب کی جھلک نمایاں تھی۔ شام کو اُن میں سے ایک نے سنتری سے کہا "ساتھی! دروازہ کھول دو۔ میں باہر جانا چاہتا ہوں۔"

"خبردار جو مجھے ساتھی کہا" سنتری بولا۔

"بھائی! دروازہ کھول دو" قیدی نے لہجہ بدلا۔

سنتری نے بندوق نیچے رکھی، سگرٹ ختم کیا اور دروازے کی ایک درز پہ ہونٹ رکھ کر کہا "اندر ہی مُدت سے سوتو۔ رات بھر میں تمہاری پتلون خراب نہیں ہو جائیگی اور صبح کو ہم تمہیں آسمانی بادشاہی میں پہنچا دیں گے۔"

قیدی کندھے سے کندھا ملا کر بیٹھے تھے۔ ایک کونے میں پوٹلیکف بھی تھا۔ وہ پتلون سے کاغذ کے نوٹ نکال کر پھاڑ رہا تھا۔ اُس نے کرتیفاشینکف کا بازو پکڑ کر کہا "ہم سے دھوکا

کیا گیا ہے۔ سوئر۔۔۔ جب میں ابھی لڑکا تھا تو باپ کے ساتھ جنگل میں شکار کھیلنے جایا کرتا تھا۔ بطخیں بیٹھی ہوئی دیکھتا تو ان پر شست باندھتا۔ لیکن مجھ سے نشانہ ٹھیک نہ بیٹھتا اور بیحد شرمندہ ہوتا۔ یہاں بھی میں نے حالات کو بہت خراب کر دیا ہے۔ اگر ہم راستوف سے تین دن پہلے آجاتے تو آج موت کے منہ میں نہ ہوتے۔ ہم نے حالات کی رو بدل دی ہوتی۔"

کرتیفا شلیکف بولا" مارو گولی۔ وہ ہمیں قتل کرتے ہیں تو کرلیں۔ میں مرنے سے نہیں ڈرتا اگر خوف ہے تو مجھے یہ ہے کہ دوسری دنیا میں ہم ایک دوسرے کو پہچان نہ سکیں گے۔ فیوڈور! ۔۔۔ ہم اور تم وہاں ہوں گے۔ لیکن اجنبیوں کی طرح ملیں گے۔۔۔۔"

"مذاق نہ کرو کرتیفا شلیکف۔۔۔۔!"

بنچک دروازے سے لگا بیٹھا تھا۔ اور وہ دروازے کی درز میں سے باہر دیکھ رہا تھا۔ آج اُسے ماں یاد آرہی تھی۔ لیکن درد اور تکلیف کی چبھن نے اس کے خیالات کو کسی اور ہی طرف منعطف کر دیا۔ اُسے انّا یاد آنے لگی۔ انا کی یاد سے اُسے کچھ قرار سا آگیا۔ اب اس کی ریڑھ کی ہڈی کا درد بھی جا رہا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ وہ چند گھنٹوں کا مہمان ہے لیکن موت اُسے جیتا مبر سکوں دکھائی دے رہی تھی' ایک تکلیف دہ مسافت کا اختتام نظر آرہی تھی۔

دور ایک کونے میں قیدیوں کا گروہ مصروفِ گفتگو تھا۔ وہ عورتوں کے متعلق ہنستے ہوئے اور افسردہ لہجے میں باتیں کر رہے تھے۔ عشق و محبت کی باتیں اور دوسری عارضی خوشیوں کے تذکرے چھڑے ہوئے تھے جن سے وہ دوچار ہو رہے تھے۔ کنبوں کی باتیں' دوستوں کی باتیں اور رشتہ داروں کی باتیں۔ غرض باتیں ہی باتیں۔۔۔ بُرے اور اچھے گیہوں کا ذکر' گیہوں کے اتنے بڑے بڑے پودے کہ کوا بھی ان میں سے نکلے تو دکھائی نہ دے۔۔۔ واڈکا شراب کی صفات۔۔۔ جسمانی اور اخلاقی طور پر وہ سب کے سب تباہ ہو چکے تھے۔ کھڑے

کھڑے، بیٹھے بیٹھے اونگھ رہے تھے۔

ابھی صبح ہونے ہی والی تھی کہ اُن میں سے ایک سسکیاں بھرنے لگا پھر زور زور سے رونے لگا۔ معمر آدمی کا رونا جسے آنسوؤں کی ہمکیں جھلکتے ہوئے برسوں گزر چکے ہوں نہایت اندوہناک بات ہے۔ بیشمار آوازیں آئیں۔

"چپ رہو، خدا تمھیں غارت کرے۔"

"مرد ہو کر عورت ؟"

"یہاں مرد سوئے ہوتے ہیں اور ادھر وہ ہوش و حواس کھو رہا ہے۔"

مرد نے ناک پونچھی اور خاموش ہو گیا۔ سبھی سگرٹ پی رہے تھے۔ لیکن کوئی بول نہ رہا تھا۔ ہوا بھاری ہو چکی تھی۔ اجسام کا پسینہ ہوا میں تحلیل ہو رہا تھا۔

گاؤں میں ایک مُرغ کی بانگ نے صبح کی آمد کا پتا دیا۔ دُکان کے باہر قدموں کی آواز سُنائی دی۔

سنتری نے پوچھا "کون ہے ؟"

"دوست — ہم پوٹیلیکف کے آدمیوں کے لیے قبریں کھودنے آئے ہیں۔"

جھونپڑے میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔

۱۴

تاتارسک کے گاؤں کا ایک دستہ پیوترا کی سرکردگی میں علی الصباح ٹوناماریف میں وارد ہوا۔ انھوں نے گاؤں کو کاسکوں کے قدموں کی وجہ سے شور آفریں پایا۔ گھوڑے تالاب میں پانی پینے جا رہے تھے۔ ہجوم گاؤں کے نکڑ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پیوترا نے چوراہے پر اپنے آدمی کھڑے کیے اور انھیں گھوڑوں سے اترنے کا حکم دیا۔ بہت سے کاسک اُن کے پاس آ گئے۔

"کہاں سے آ رہے ہو ؟" ایک نے پوچھا۔

"تاتارسک سے"

"تم ذرا تاخیر سے آئے ہو۔ ہم نے تمھاری مدد کے بغیر پوڈتیلکف کو گرفتار کر لیا ہے۔ وہ سب کے سب اُس دُکان میں بند ہیں۔ ڈربے میں بند مرغیوں کی طرح" ۔۔۔ وہ ہنسا اور اُس نے ہاتھ سے دُکان کی طرف اشارہ کیا۔

کرسٹونیا، گریگر، اور بہت سے دوسرے کاسک اُن کے نزدیک آ گئے اور پوچھنے لگے "کہاں بھیجا جا رہا ہے اُنھیں؟"

"جہنم میں ۔۔۔ مُردوں سے بغل گیر ہونے کے لیے"

"جھوٹ بولتے ہو تم؟" گریگر نے اُس شخص کا بڑا کوٹ پکڑ لیا۔

"حضور ۔۔۔ ذرا تمیز سے بات کیجیے ۔۔۔ وہ دیکھیے ان کے لیے پھندے تیار ہو چکے ہیں" اُس نے درختوں میں پڑی ہوئی رسیوں کی طرف اشارہ کیا۔

آسمان پر بادل گھر آئے تھے۔ بارش ہونے لگی تھی۔ کاسک عورتوں اور مردوں کا بے پناہ ہجوم گاؤں کے باہر بارش میں بھیگ رہا تھا۔ لوگوں کو بتا دیا گیا تھا کہ مجرموں کو پھانسی شام کے چھ بجے دی جائے گی۔ پونا مارلیف کے باشندے اس اشتیاق سے یہ نظارہ دیکھنے جا رہے تھے جیسے کوئی بھان متی آ گیا ہو۔ دو عورتیں چھٹی کے دن کے لباس میں ملبوس تھیں بہت سی عورتیں اپنے بچے بھی ساتھ لے جا رہی تھیں۔ چراگاہ میں ہجوم ہر لحظہ وسیع تر ہوتا جا رہا تھا۔ پھندوں کے نیچے چھ فٹ گہرا گڑھا تھا۔ عورتیں آپس میں سرگوشیاں کر رہی تھیں اور بچے گڑھے کے گرد ناچ رہے تھے۔

فوجی عدالت کا صدر بھی آ پہنچا۔ وہ سگریٹ پی رہا تھا۔ اُس نے بیٹھی ہوئی آواز میں سنتریوں کو حکم دیا:

"گڑھے پر سے لوگوں کو دُور ہٹا دو۔ سپریدلف سے کہہ دو کہ پہلے دستے کو لائے"۔ اُس نے گھڑی کی طرف دیکھا اور لوگوں پر نظر دوڑائی جنھیں سنتری گڑھے کے پاس سے

ڈوڈو ڈوہٹا رہے تھے۔

سپرینڈنٹ کا سکول کا ایک دستہ لیے دکان کی طرف بڑھا۔ سڑک پر وہ پیوٹرا سے ملا۔

"تمھارے گاؤں سے کوئی رضا کار ہے؟"

"کاہے کے لیے؟"

"گولی چلانے کے فرائض انجام دینے کے لیے۔"

"نہیں! ہم میں سے کوئی نہ جائے گا۔" پیوٹرا بولا۔

لیکن ٹاٹارسک سے بھی رضا کار مل ہی گئے۔ مشکا کاشنف اُن میں سے ایک تھا۔ وہ مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا پیوٹرا کی طرف بڑھا۔

"میں بطور رضا کار اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں۔ تم نے انکار کیوں کیا تھا۔ مجھے مکھوڑے سے کارتوس دے دو۔"

اندرے کاشولین اور فیڈوٹ نے اُس کا ساتھ دیا۔

15

جب دس قیدیوں کی ایک جماعت باہر لائی گئی تو ہجوم میں شور برپا تھا۔ پوٹیلیف ان سب کے آگے تھا۔ وہ ننگے پاؤں تھا۔ کالے رنگ کی برجس پہنے ہوئے اور چمڑے کے کوٹ میں لیکن وہ کیچڑ پہ پھسلا تو اُس نے بایاں ہاتھ پھیلا کر وزن درست کرتے ہوئے کریفا شلیکف کی طرف دیکھا۔ کریفا شلیکف کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ اُس کے لب بھینچے ہوئے تھے۔ آنکھیں بجھی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ اُس نے لمبے کوٹ کا کالر درست کیا اور کندھے جھٹکنے لگا۔ خدا جانے کیوں ان دو قیدیوں کو کپڑے پہننے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ باقی سب زیر جاموں ہی میں پکڑ کر باہر لائے گئے تھے۔ لگوٹن اور بنچک ساتھ ساتھ تھے۔ دونوں ننگے پاؤں تھے۔ بنچک بندوقچیوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کی سرد آنکھیں اطمینان کا اظہار کر رہی تھیں۔ باقی چہرے نفرت سے جلتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ ان میں سے چند ایک بندوقچیوں کے قدموں پہ ٹھوکریں کھاتے لیکن

تین کے چہروں پر عظیم خوف کے آثار پائے جاتے تھے کہ بندوقچی بھی اُن کی بزدلی کی تاب نہ لا سکے تھے۔

سبھی تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے بڑھ رہے تھے۔ پوٹیلکف نے لڑکھڑاتے ہوئے کریفاشیلیکف کو بازو کا سہارا دے رکھا تھا۔ اب وہ ہجوم کے قریب آ چکے تھے۔ پوٹیلکف گھورتے ہوئے ہجوم کو گالیاں دے رہا تھا۔ لگوتن کی نگاہیں پوٹیلکف کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔ اس نے اُسے اپنی طرف گھورتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"کیا بات ہے لگوتن ؟"

"میں دیکھ رہا ہوں کہ رات ہی رات میں تمہارے بال سفید ہو گئے ہیں۔"

"کیا تمہارے نہیں ہوئے ؟ یہ جو ہم پر بیت رہی ہے کیا تمہارے بال سفید نہیں کر سکی ؟"

اُس نے ابروؤں سے پسینا پونچھا "پنجرے میں بھیڑیا بھی سفید ہو جاتا ہے۔ میں تو پھر بھی انسان ہوں"

اس کے بعد وہ خاموش ہو گئے۔ ان کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ دائیں طرف فوجوں کی لمبی قطار تھی۔ سپر یدنف نے حکم دیا "رُک جاؤ"

پوٹیلکف نے ایک قدم آگے بڑھایا اور پہلی قطاروں میں کھڑے ہوئے آدمیوں کو دیکھا اُن میں سے بیشتر بوڑھے تھے۔ اُس نے اُن کی طرف منہ کر کے کہا "بزرگو ـــــ مجھے اور کریفاشیلیکف کو اجازت دو کہ ہم دیکھ سکیں ہمارے ساتھی کس طرح جانیں دیتے ہیں تاکہ جو کمزور ہیں ہمیں دیکھ کر نڈر ہو جائیں۔"

ہجوم خاموش تھا۔ بارش کے قطرے ہجوم کی ٹوپیوں پر ترنم ریز تھے۔

پوٹیلکف کے پیچھے کھڑا ہوا کپتان مسکرایا اور اُس نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ بزرگوں نے بھی انہیں اجازت دے دی۔ پوٹیلکف اور کریفاشیلیکف ہجوم میں جا کر کھڑے ہو گئے جس نے ان کے لیے جگہ بنا دی۔ گڑھے کے قریب قیدیوں کو لے جا کر کھڑا کر دیا گیا۔ ہزاروں آنکھیں ان پر لگی ہوئی تھیں۔ لیکن کریفاشیلیکف ایڑیاں اُٹھا کر دیکھ رہا تھا۔

اُن دونوں نے بنچک کو پہچان لیا۔ وہ بائیں سرے پر سب آخر میں تھا اور جیسے بلبے سانس لے رہا تھا۔ اُس کی نگاہیں زمین پر گڑی ہوئی تھیں۔ اُس کے ساتھ لنگوٹن کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ جو آدمی کھڑا تھا۔ وہ پہچانا نہ جاتا تھا اور عمر میں بیس سال بڑا ہو گیا تھا۔ دو اور سُرخ سپاہیوں کو گڑھے کے قریب لایا گیا۔ وہ مسکرا رہے تھے۔ دونوں گالیاں دے رہے تھے اور ہجوم کو مُکّے کس کس کر دھمکیاں دے رہے تھے۔ آٹھواں آدمی اُٹھا کر گڑھے کی طرف لے گئے۔ وہ کاسکوں کی ٹانگوں سے چمٹا ہوا کہہ رہا تھا:

"مجھے چھوڑ دو بھائیو۔۔۔ خدا کے لیے چھوڑ دو۔ میرے بھائیو! مجھے جانے دو۔ کیا کر رہے ہو؟ میں نے جنگ جرمنی میں چار تمغے جیتے ہیں۔ میرے بچے بھی ہیں۔ میں بےگناہ ہوں۔ یہ کیا کر رہے ہو؟"

طویل القامت کاسک اُس سُرخ سپاہی کے سینے میں ٹانگ اڑا کر اُسے گھسیٹ رہا تھا۔

پنٹالیف نے اُسے اُسی وقت پہچان لیا۔ اُس کے دل کی دھڑکن بند ہوتی ہوئی دکھائی دی۔ یہ آٹھواں قیدی نہایت بجوف سُرخ سپاہی تھا جس نے سینٹ جارج کے چاروں قسم کے تمغے حاصل کیے تھے۔ نہایت خوبصورت جوان تھا۔ کاسک نے اُسے اُس کے پاؤں کے بل کھڑا کر دیا تھا لیکن وہ پھر گر پڑا تھا۔ اُس کے بوٹ پر بوسہ دے رہا تھا مگر کاسک اُس کے ٹھوکریں مار رہا تھا۔ وہ کراہتا ہوا کہہ رہا تھا۔

"مجھے ہلاک نہ کرو۔ رحم کرو۔ میرے تین بچے ہیں۔ اُن میں سے ایک لڑکی بھی ہے۔ میرے بھائی ہیں۔ میرے دوست ہیں۔"

اُس نے طویل القامت کاسک کے گھٹنوں کے گرد باہیں ڈال دیں لیکن کاسک نے اُس کی باہوں سے اپنی ٹانگیں آزاد کرا لیں اور اپنے نعل لگے بوٹ سے اُس کے کان پر نہایت زور سے ٹھوکر لگا کر اُسے ہوا میں اُچھال دیا۔ نوجوان کے دوسری طرف کے کان سے خون بہا اور اُس کے سفید کالر میں اتر گیا۔

"اسے کھڑا کر دو۔" سپر تدنیف نے حکم دیا۔

بڑی مشکل سے اُنھوں نے اُس کے پاؤں پر کھڑا کر دیا اور دوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔
پہلی قطار میں کھڑے ہوئے کاسکوں نے بندوقیں تیار کیں۔ ہجوم خاموش ہو گیا۔ ایک عورت
چلّائی اور رونے لگی۔

بنچک آسمان کی طرف تھوڑی دیر اور دیکھنا چاہتا تھا۔ اور اُس زمین کی طرف جس پر وہ
منتیس سال سے چل رہا تھا۔ اُس نے آنکھیں اٹھائیں۔ کاسکوں کے بندوقچی ان سے کوئی پندرہ قدم
کے فاصلے پر کھڑے تھے۔ اُن میں سے ایک طویل القامت تھا جس کی سبز آنکھیں تھیں جس کے
بالوں کی ایک لٹ اُس کے ابرو پر پڑی ہوئی تھی۔ اُس نے بنچک کے سینے کا نشانہ باندھ رکھا تھا۔
اُس نے منہ موڑ لیا۔ ایک ادھیڑ عمر کی عورت بچّے کو سینے سے چمٹائے اور دوسرا ہاتھ آنکھوں
پر رکھے گاؤں کی طرف واپس جا رہی تھی۔

گولی چلی لیکن نہایت بے قاعدگی سے۔ آٹھوں قیدی گڑھے میں گر پڑے۔ مگر تماشائی گڑھے
کی طرف بھاگے۔ ان میں سے ایک ابھی تک تڑپ رہا تھا۔ مٹکا کارشنف نے اُس پر دوبارہ
گولی چلائی اور اُسے ٹھنڈا کر دیا۔ اُس نے آندریے کاشولن سے کہا "دیکھا نہیں شیطان کو
— بھیڑیے کی طرح مرا ہے۔ سکے بغیر"

دس قیدیوں کا دوسرا دستہ لایا گیا۔ دوسری بار جب باڑھ ماری گئی تو عورتیں اس نظارے کی
تاب نہ لا سکیں اور وہ بچّوں کو ساتھ لیے ہوئے منتشر ہونے لگیں۔ کچھ کاسک بھی قطار توڑ کر واپس
ہونے لگے۔ مرنے والوں کے کراہنے کی آوازیں ایک اندوہناک منظر پیش کر رہی تھیں۔ ہجوم اس
کی تاب نہ لا سکتا تھا۔ بوڑھے کھڑے رہے۔ وہ اس منظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

ننگے سر اور ننگے پاؤں قیدیوں کا تازہ دستہ لایا گیا۔ نئے بندوقچی رضاکار سامنے آئے۔ باڑھ
ماری گئی۔ عجلت سے انھیں گڑھوں میں دبا کر مٹی ڈال لی گئی۔ پولیکف اور کریاشیف منظر دیکھنے
کے قریب جا کر ان کی ہمت بندھا رہے تھے لیکن اب کوئی اور ہی طاقت اُن پر غالب آ چکی تھی جو حوصلہ
افزائی سے بے سود تھی۔

گرگیر نے ہجوم میں سے راستہ بناتے ہوئے گاؤں کا رُخ کیا لیکن وہ اس کوشش میں پوٹیلیکف کے سامنے آ گیا۔ پوٹیلیکف نے اُسے گھور کر دیکھا اور بولا "تم بھی یہاں ہو؟"

گرگیر کے گالوں پر نیلاہٹ سی دوڑ گئی۔ وہ کھڑا ہو گیا "ہاں، دیکھ تو رہے ہو، میں یہیں ہوں!"

"ہاں، ہاں، میں دیکھ رہا ہوں۔" پوٹیلیکف مسکرایا اور گرگیر کی طرف اس طرح دیکھا جس طرح اس پر بارود انڈیل دی۔ "تم اپنے بھائیوں کو گولی کا نشانہ بناتے ہو!۔۔۔ تم نے اپنا راستہ تبدیل کر لیا ہے۔" وہ گرگیر کے قریب آ کر بولا "تم ان کی خدمت کرتے ہو اور ہماری بھی کر چکے ہو۔ جو پیسے زیادہ دے تم اُسی کے میت ہو۔ واہ، تم!"

گرگیر نے اُس کی آستین پکڑ لی اور بولا "گلوباکا کی لڑائی تمھیں یاد ہے؟ تمھیں یاد ہے کہ تم نے افسروں کو کس طرح گولی سے اُڑایا تھا؟ آہ۔۔۔ اور اب تمھاری باری ہے۔۔۔ روتے کیوں ہو؟ تمھیں وہ سروں کی کھال اُدھیڑنے کی اجازت نہیں مل سکتی۔ اب تمھیں موت کے منہ میں جانا پڑے گا۔ صدرِ انقلاب! سُور کے بچے۔۔۔ تو نے یہودیوں کے ہاتھ کاسکوں کو بیچ دیا تھا۔۔۔۔۔"

کرسٹونیا نے غضب آلود گرگیر کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا تھا اور اُسے کھینچ کر واپس لے آیا۔ "آؤ چلیں گرگیر۔۔۔! اب یہاں ہمارے لیے کیا رکھا ہے۔ میرے خدا لوگوں کو کیا ہوتا جا رہا ہے۔۔۔!" لیکن وہ پوٹیلیکف کی آواز سُن کر رُک گئے۔ بوڑھوں اور سپاہیوں کے گھیرے میں کھڑا وہ کہہ رہا تھا:

"تم سب اندھے ہو۔۔۔ کم علم ہو۔۔۔ بے خبر ہو۔۔۔! افسروں نے تمھارا دماغ خراب کر دیا۔۔۔ تمھیں دھوکا دیا ہے۔۔۔ تم بھائیوں کو گولی سے اُڑانے پر مجبور کر دیے گئے ہو۔ تمھارا کیا خیال ہے کہ انقلاب ہماری موت سے ختم ہو جائیگا؟ خانہ جنگی مٹ جائے گی؟ ہرگز نہیں۔ آج اگر تم ہمیں موت کے گھاٹ اُتارتے ہو تو کل تمھاری باری آئے گی۔ روس میں سوویٹ حکومت راج کرے گی۔ سارے روس پر سوویٹ حکومت قائم کی جائے گی۔ میری بات یاد رکھنا۔ تم بے فائدہ خون بہاتے ہو۔ تم سب بے وقوف ہو!"

"دیکھا جائے گا۔ جب کوئی دوسرا آئے گا تو ہم اُس سے بھی نپٹ لیں گے" ایک بوڑھا غرّایا۔

"لیکن آپا! سارے روس کو گولی سے نہ اڑا سکو گے" پوڈٹیلکف بولا "سارے روس کو پھانسی پر نہ لٹکا سکو گے۔ اپنے سر کی خیر مناؤ ـــــ ایک دن آئے گا تو اچھی طرح سمجھ گے اس وقت تمہارا دماغ مختل ہے۔"

گریگری اُس کی اور باتیں سُننے کے لیے نہ رُکا اور احاطے میں گھوڑوں کی طرف چل دیا۔ گھوڑوں پر زین کستے ہوئے وہ اور کرستونیا گاؤں سے باہر آ گئے اور پہاڑیوں پر چڑھ گئے اُنھوں نے ایک دفعہ بھی مڑ کر نہ دیکھا۔

جب تمام قیدی موت کی نیند سُلا دیے گئے تو خندقیں مٹی سے بھر دی گئیں اور مٹی کو قدموں سے ذرا دبا دیا گیا۔ دو افسر جنھوں نے چہرے پر سیاہ نقابیں ڈال رکھی تھیں، پوڈٹیلکف اور کریفا شیلکف کو پھانسی کے پھندوں کی طرف لے گئے۔ بہادری کا مظاہرہ کرتے اور سر اُٹھائے ہوئے پوڈٹیلکف سٹول پر چڑھ گیا۔ اُس نے مضبوط گردن پر سے قمیص کے کالر کا بٹن کھول دیا۔ ذرا سی ہچکیاہٹ کے بعد اُس نے پھانسی کا پھندا خود گلے میں ڈال لیا۔ ایک افسر نے کریفا شیلکف کو سٹول پر چڑھنے میں مدد دی اور پھندا اُس کی گردن میں بھی ڈال دیا گیا۔

"ہمیں مرنے سے پہلے چند الفاظ کہنے کی اجازت دی جائے" پوڈٹیلکف نے التجا کی۔

"بولو۔ کہو" بوڑھے چلّائے۔

پوڈٹیلکف نے مجمع کی طرف ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا "دیکھو ہماری موت کا نظارہ کرنے کے لیے کس قدر کم لوگ رہ گئے ہیں۔ ان کے ضمیر نے اُنھیں ملامت کی ہے۔ مزدور عوام کے نام پر ان کے مفاد کی خاطر ہم نے جرنیلوں کے خلاف جنگ جاری رکھی جو تمہارا خون چوس رہے تھے اور اب ہم تمہارے ہاتھوں موت سے ہمکنار ہو رہے ہیں لیکن ہم تمھیں کوستے نہیں تمھیں بُری طرح دھوکا دیا گیا ہے۔ انقلابی حکومت آئے گی اور تمھیں اس وقت معلوم ہو گا کہ

حق بجانب کون تھا ــــــ شریف النفس ڈان آبا کے بہترین بیٹے تم نے اس خندق میں سلا دیے ہیں ــــ"

ہجوم نے شور مچانا شروع کر دیا۔ اس شور سے فائدہ اٹھا کر ایک افسر نے اسٹول اس کے قدموں کے نیچے سے کھینچ لیا۔ اُس کا بھاری جسم لٹکنے اور لہرانے لگا مگر اُس کے پاؤں زمین کو چھو رہے تھے۔ اُس کے گلے میں پڑی ہوئی گرہ ہر لحظہ تنگ ہوتی ہوئی اُس کا جسم اوپر اٹھا رہی تھی۔ وہ پنجوں کے بل کھڑا ہو گیا۔ اُس نے ہجوم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اور تمھیں پھانسی لگانا بھی نہیں آتا۔ سپر یدنف! اگر مجھے اس کام پر مامور کیا جاتا تو تمھارے پاؤں زمین کو نہ چھوتے۔"

اُس کے منہ سے رال بہنے لگی۔ افسروں نے بڑی مشکل سے اُسے پھر سٹول پر کھڑا کیا۔ کریلفا شیلیکف کو بھی اُس کی تقریر ختم کرنے دی گئی۔ سٹول اُس کے پاؤں تلے سے نکال دیا گیا۔ اس کا دبلا پتلا جسم خاصی دیر تک ہوا میں لہراتا رہا حتیٰ کہ اُس کے گھٹنے ٹھوڑی سے لگ گئے اور وہ تڑپنے لگا۔ اُس کے لبوں سے لفظ ابھی تک ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نکل رہے تھے۔ جب پوتیلیکف کے نیچے سے سٹول دوسری دفعہ کھینچ لیا گیا تو اُس کا جسم ایک دفعہ پھر زور سے لٹک گیا اور ایڑیاں ایک دفعہ پھر زمین سے لگ گئیں۔ کاسکوں نے کراہنا شروع کر دیا۔ ان میں سے چند واپس گاؤں چل دیے۔ کاسک پوٹیلیکف کے چتھڑے جسم کی طرف دیکھ دیکھ کر حیرت زدہ ہو رہے تھے۔ لیکن وہ خاموش تھا۔ گرہ اُس کی گردن پر بہت تنگ تھی۔ اُس کی آنکھیں گھوم رہی تھیں۔ اُس نے اپنی تکلیف کم کرنے کے لیے ٹانگیں اوپر اٹھائیں۔ ایک کو ترکیب سوجھ گئی۔ اُس نے پھاوڑے سے اُس کے پاؤں تلے کی زمین کھودنی شروع کر دی۔ اب اُس کی گردن کچھ کر لمبی ہوتی گئی۔ اب اُس کا سر کندھوں پر گر گیا۔ رسا بمشکل اُس کا بوجھ برداشت کر سکتا تھا۔ رسا سر سے چرچرا رہا تھا۔ رسا لہرا رہا تھا اور پوٹیلیکف بھی قاتلوں کو اپنا ہر لحظہ سیاہ پڑتا ہوا چہرہ دکھاتا ہوا لہرا رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر رال اور آنسو بہنے لگے تھے۔

دسواں باب

تاتارسک سے فرار ہونے کے بعد میتا کاشوفاتی اور ولیٹ دوسرے دن کارگی کے گاؤں سے بھی گزر چکے تھے۔ کہر آمیدان سے اٹھ ہُوا نالوں پر چھایا ہوا پہاڑیوں کی نوکوں پر رینگ رہا تھا چھوٹی چھوٹی گھاس میں بٹیریں بول رہی تھیں لیکن آسمان کی کریب پر چاند اس طرح جوبن پر آتے ہوئے شگفتہ کنول کی طرح جو سفید نرسلوں اور نیلی گھاس والی جھیل میں ہو، تیر رہا تھا۔

وہ پو پھٹنے تک چلتے رہے۔ کہکشاں آسمان پر معدوم ہوتی جا رہی تھی۔ شبنم برسنے لگی تھی۔ وہ ایک گاؤں کے نزدیک آ گئے لیکن وہاں سے دو میل پر چھ گھڑسوار کاسکوں نے انھیں گرفتار کر لیا۔ ولیٹ اور میتا کاشوفاتی جنگل کا رُخ کرنا چاہتے تھے لیکن گھاس بلند نہ تھی اور چاندنی چھٹکی ہوئی تھی اس لیے پکڑے گئے۔

چھ گھڑسوار انھیں ادھ دل میں لیے ہوئے کارگی کے گاؤں میں واپس لے آئے۔ تین سو گز تک تو وہ باتیں کیے بغیر چلتے رہے۔ پھر ایک گولی چلی۔ ولیٹ گھوڑوں کی آڑ میں ہو گیا لیکن گولی اُس کے لگ چکی تھی۔ وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔

پانچ منٹ تک میتا خاموش رہا پھر بولا "دوسری گولی چلا کر اسے ختم کیوں نہیں کر دیتے؟ اسے کیوں تڑپتا چھوڑ رہے ہو ـــــ؟"

"چلتے رہو ـــ اور چپ رہو" ایک کاسک نے نہایت نرم دلی سے کہا "ہم نے کمان کو ہلاک کر دیا ہے اور تمہارا لحاظ کیا ہے۔ تم جنگ جرمن میں بارھویں پلٹن میں تھے، تھے نا؟"

"ہاں۔"

"اچھا! اب پھر تمھیں بارھویں پلٹن میں بھرتی کیا جائیگا۔ تم ابھی نوجوان ہو۔ تم ابھی تھوڑے بگڑے ہو اور تمھارا گناہ شدید نہیں۔ ہم تمھارا علاج کریں گے۔"

۲

میشا کو تیسرے دن فوجی عدالت نے درست کر دیا۔ ان دنوں فوجی عدالت دو قسموں کی سزا دے رہی تھی۔ موت کی اور سرِعام بید لگائے جانے کی۔ جنھیں موت کی سزا دی جاتی تھی انھیں میدان میں گولی سے اڑائے جانے کے لیے بھیج دیا جاتا تھا۔ جنھیں بید کی سزا دی جاتی انھیں چوک کی طرف لایا جاتا۔ اتوار کو لوگ جمع ہونے شروع ہو گئے۔ چوک، بنچیں، چھپر، گھروں اور دکانوں کی چھتیں سب بھر گئیں۔

سب سے پہلے ایک پادری کا بیٹا لایا گیا۔ وہ کٹر بالشویک تھا۔ اسے گولی سے اڑا دیا گیا ہوتا لیکن اس کا باپ بہت اچھا پادری تھا۔ ہر شخص اس کا احترام کرتا تھا اس لیے انھوں نے اس کے بیٹے کو دو درجن بید لگائے جانے کی سزا دی تھی۔ انھوں نے اس کی پتلون نیچے کھسکا دی۔ اور وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ دو کاسک پتلی سی دو شاخیں لیے ہوئے اس کے پاس کھڑے تھے۔ بید لگائے گئے۔ شور مچ اٹھا۔ وہ اٹھا اور پتلون اٹھا کر چاروں طرف سر جھکا کر اس نے احترام کا اظہار کیا۔ وہ بہت خوش تھا کہ اس کی جان بچ گئی تھی۔ اس لیے فرطِ تشکر سے سر جھکا جھکا کر سلام کر رہا تھا۔

"بزرگو! تمھارا شکریہ۔"

"خدا تمھیں عقل دے" کسی نے جواب دیا۔

یہ جملہ سن کر سبھی ہنسنے لگے۔ چھت کے نیچے بیٹھے ہوئے قیدی بھی مسکرائے۔ میشا کے بھی نہایت زور شور سے بیس بید لگائے گئے لیکن اس سے بھی زیادہ شدید سزا اس کی شرم تھی جس نے اس کے گال سرخ کر دیے تھے۔ ندامت کے بوجھ تلے دبے ہوئے میشا نے پتلون اٹھائی اور زور سے رونے لگا "اچھا نہیں ہوا۔"

"واقعی؟"

"ہاں قصور میرے سر کا تھا لیکن سزا دی گئی میرے چوتڑوں کو۔ میں عمر بھر نادم رہوں گا۔"

"گھبراؤ نہیں۔ ندامت کس بلا کا نام ہے؟ ندامت تمھیں کھا تو نہ جائے گی" ایک کاساک اُس سے ہمدردی کا اظہار کر رہا تھا۔ وُہ اس طرح اپنے شکار کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا:

"تم طاقتور ہو میرے دوست! ——— دو ضربیں تو میں نے واقعی سخت لگائی تھیں۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ تم چلّاتے ہو یا نہیں لیکن میں تمھیں چلّانے پر مجبور نہ کر سکا۔ تم بہت طاقتور ہو میرے دوست! کل کی بات ہے کہ ایک مرد کے بید لگائے جا رہے تھے کہ وُہ رو پڑا۔"

دُوسرے دِن میشا کو محاذ پر بھیج دیا گیا۔

۳

ویلیٹ کو دو دن تک دفنایا نہ گیا۔ گاؤں سے دو کاساکوں کو ایک کم گہری قبر کھودنے کے لیے روانہ کیا گیا۔ وُہ دونوں بیٹھے سگرٹ پیتے رہے۔

"یہاں کی زمین سخت ہے" ایک بولا۔

"لوہے کی طرح سخت ہے۔ اس پر آج تک ہل نہیں چلا۔ یہ موجودہ برسوں کی طرح سخت ہو گئی ہے۔"

"ہاں ——— یہ لڑکا نہایت اچھی زمین میں سوئے گا۔ پہاڑی پر ——— جہاں ہوا بھی ہوتی ہے اور دھوپ بھی۔ جلد گلے سڑے گا نہیں۔"

اُنھوں نے ویلیٹ کی لاش کی طرف دیکھا۔

"اس کے کپڑے اُتار دو۔"

"ہاں، کیوں نہیں، کتنے اچھے بُوٹ ہیں اس کے!"

اُنھوں نے اُسے مسیحی طریقے پر قبر میں لٹا دیا۔ اُس کا سر مشرق کی طرف کر دیا اور قبر

مٹی سے بھر دی۔

"ذرا قدموں سے مٹی بٹھا دو" ان میں سے جو چھوٹا تھا اُس نے کہا۔

"کیا ضرورت ہے؟" دوسرے نے کہا "جب فرشتہ صور پھونکے گا تو یہ بہت جلد اُٹھ سکیگا۔"

دو ہفتوں کے بعد اُس کی قبر پر جھاڑی سی اُگ آئی۔ سرکشیدہ گھاس لہرانے لگی۔ ہوا عطر بیز ہو گئی۔

تھوڑے دنوں کے بعد گاؤں کے ایک بڈھے نے قبر کے سرے پر سوراخ کر کے اُس میں برگد کی شاخوں کی صلیب نصب کر دی اور اس طرح مٹی کے اُس ڈھیر کو مزار کی شکل دے دی۔ تکونی شاخ کے نیچے جو سایہ پڑ رہا تھا اُس میں مقدس مریم کے خط وخال بنا دیے گئے اور اُس کے نچلے حصے پر یہ کتبہ لکھ دیا گیا:

مصیبت اور ہنگامے کے دن میں

کہاں پہچانے گا بھائی کو بھائی

بڈھا چل دیا اور مزار کو میدان میں چھوڑ گیا تاکہ ہر رہگیر کے دل میں درد کی ٹیس پیدا ہو اور ان کی لوحِ قلب پر یہ مزار ہمیشہ کے لیے نقش ہو کر رہ جائے۔

جون میں دو تغدار مزار کے قریب باہم لڑ پڑے۔ انھوں نے چونچوں سے برگد کے تنے میں سوراخ کر لیا۔ گھونسلا تیار ہو گیا۔ اُس میں سبز گھاس کے تنکے ترتیب سے رکھ دیے گئے۔ محبت کا راگ شروع ہوا۔ اس کے بعد جنگل میں مزار کے بالکل قریب جھاڑی میں مادہ تغدار نے نیلے رنگ کے انڈے دیے اور اُن پر بیٹھ گئی جسم کی گرمی اُنھیں پہنچانے لگی اور چمکتے ہوئے پروں سے اُن کی حفاظت کرنے لگی۔

10-5-83